ماہنامہ

کرن

مارچ 2013

سالگرہ نمبر

اس شمارے کے ساتھ
کرن کتابچہ

انٹرویو

ناول

مکمل ناول

ناولٹ

افسانے

زرِ سالانہ بذریعہ رجسٹری
پاکستان (سالانہ) — 600 روپے
ایشیا، افریقہ، یورپ — 5000 روپے
امریکہ، کینیڈا اور آسٹریلیا — 6000 روپے

سالگرہ مبارک

مستقل سلسلے

مارچ 2013
جلد 35 شمارہ 12
قیمت 50 روپے

خط و کتابت کا پتہ
کرن
37- اردو بازار کراچی

خط و کتابت کا پتہ: ماہنامہ کرن، 37- اردو بازار، کراچی۔
پبلشر آزر ریاض نے ابن حسن پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر شائع کیا۔ مقام: بی 91، بلاک W، نارتھ ناظم آباد، کراچی

Phone: 32721777, 32726617, 021-32022494 Fax: 92-21-32766872
Email: kiran@khawateendigest.com Website: www.khawateendigest.com

مدیرہ

اداریہ

مارچ کا سالگرہ نمبر آپ کے ہاتھوں میں ہے۔

الحمدللہ کرن نے اپنی عمر عزیز کے چھتیس سال مکمل کر لیے۔ ہم خدائے بزرگ و برتر کے شکر گزار ہیں کہ آج "کرن" بہنوں کا پسندیدہ پرچا ہے۔ ہم ان مصنفین بہنوں کے بھی شکر گزار ہیں جن کا قلمی تعاون ہمیں حاصل رہا اور جن کی تحریروں سے ہم "کرن" کو سنوارتے رہے ہیں۔ ہم ان قارئین کے بھی تہِ دل سے ممنون ہیں جن کی آرا اور تجاویز قدم قدم پر ہماری راہ نمائی کرتی رہیں۔

اس یادگار موقع پر محمود بابر فیصل کا ذکر کرنا بہت ضروری ہے جن کی محنت، لگن اور دیانت "کرن" کی تابندگی کا باعث بنیں۔ اگرچہ وہ آج ہم میں نہیں ہیں لیکن ان کے زیرِ ادارت اپنے سفر کا آغاز کرنے والا "کرن" آج جس مقام پر ہے اس کے لیے ہم اللہ تعالیٰ کے آگے سربسجود ہیں۔

ہماری کوشش ہوتی ہے کہ کرن کو ترتیب دیتے وقت آپ کی پسند کو مدِ نظر رکھا جائے اور پرچے کو خوب سے خوب تر بنا کر پیش کیا جائے۔ آپ کی طرف سے ملنے والی پذیرائی ہمیں یقین دلاتی ہے کہ ہم اپنی کوششوں میں کامیاب رہے۔ سالگرہ نمبر پیشِ خدمت ہے جو یقیناً ایک مکمل شمارہ ہوگا۔ ہماری کارکردگی کا اندازہ آپ زیادہ بہتر انداز میں لگا سکتے ہیں۔ لہٰذا آپ کی رائے کا انتظار رہے گا۔

سالگرہ نمبر میں،

- کرن کی سالگرہ کے موقع پر قارئین سے دلچسپ سروے "یاد کے روشن رنگ"،
- اداکار دانش تیمور سے شاہین رشید کی ملاقات،
- "میری بھی سنیے" میں ثنا عسکری کی باتیں،
- "آواز کی دنیا سے" ثمرین اختر کی دلچسپ گفتگو،
- "مقابل ہے آئینہ" میں ثنا بختاور کے جوابات،
- فوزیہ یاسمین اور نبیلہ عزیز کے سلسلے وار ناول،
- عفت محمد بیگ، صباحت کرن، مصباح نوشین کے مکمل ناول،
- ریحانہ امجد بخاری اور نائلہ رینا کے ناولٹ،
- مہک رباب، انیلا کرن اور میمونہ صدف کے افسانے،
- اور مستقل سلسلے،

مفت،

خواتین کے عالمی دن کے موقع پر نامور خواتین کے احوال زندگی سے متعلق کرن کتاب "دو لفظ بزم جہاں" علیحدہ سے پیشِ خدمت ہے۔

حمد باری تعالیٰ

تُو ہی اَلم ہے تو ہی خوشی تری شان جل جلالہٗ
تو ہی موت ہے تو ہی زندگی، تری شان جل جلالہٗ

تیرا ذکر ہی تو نماز ہے، تری یاد ہی تو نیاز ہے
بڑی سہل ہے تری بندگی، تری شان جل جلالہٗ

جسے چاہے ہوش میں لائے تو جسے چاہے مست پھرائے تو
تو ہی ہوش دے تو ہی بے خودی، تری شان جل جلالہٗ

کبھی مست دیکھ کے پھول کو کبھی ترے حسن قبول کو
یہی کہہ رہی ہے کلی کلی، تری شان جل جلالہٗ

تو ہی خود نشاں تو ہی بے نشاں تو ہی خود عیاں تو ہی خود نہاں
تو ہی رہ بھی رہبر راہ بھی، تری شان جل جلالہٗ

تو ہی دیر و بت صنم بھی تو، تو ہی بت کدہ بھی حرم بھی تو
ہے ترا ہی ذکر گلی گلی، تری شان جل جلالہٗ

نہیں راز میرا چھپا ہوا تری چشم بندہ نواز سے
جو تری خوشی وہ مری خوشی، تری شان جل جلالہٗ

بہزاد لکھنوی

نعت رسول مقبول

ہر وقت تصور میں مدینے کی گلی ہے
اب در بدری ہے نہ غریب الوطنی ہے

وہ شمع حرم جس سے منور ہے مدینہ
کعبے کی قسم رونق کعبہ بھی وہی ہے

اس شہر میں بک جاتے ہیں خود آ کے خریدار
یہ مصر کا بازار نہیں شہر نبی ہے

اس ارضِ مقدس پہ ذرا دیکھ کے چلنا
اے قافلے والو یہ مدینے کی گلی ہے

نظروں کو جھکائے ہوئے خاموش گزر جاؤ
بے تاب نگاہی بھی یہاں بے ادبی ہے

اقبال میں کس منہ سے کروں مدح محمد
منہ میرا بہت چھوٹا ہے اور بات بڑی ہے

اقبال عظیم

دانش تیمور سے ملاقات

شاہین رشید

دانش تیمور کی شکل اتنی معصوم ہے کہ اگر انہیں منفی رول ملے تو یہ کبھی بھی کامیاب نہیں ہوں گے معصومیت کے ساتھ ان کے چہرے پر شرارت بھی بہت ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انہیں ہلکے پھلکے شرارتی اور رومینٹک رول ملتے ہیں۔

گزشتہ دنوں ان کا سیریل "مایا میری بہن" اختتام پذیر ہوا۔ آج کل آپ انہیں "راجو راکٹ" میں دیکھ رہے ہوں گے۔ دانش تیمور جو بھی کام کرتے ہیں 'لا جواب کرتے ہیں۔

○ "کیسے ہیں دانش... کیا نام کا اثر ہے کہ دانش مندی کا مظاہرہ کرتے ہوئے سلیکٹو رول کرتے ہیں یا کام ہی کم ملتا ہے؟"

☆ "ارے نہیں... کام تو بہت ہے 'مگر وہی بات کہ ایسے رول کرنا چاہتا ہوں کہ جس کو لوگ بہت دیر تک یاد رکھیں... ہر وقت اسکرین پہ رہنا بہت آسان ہے' لیکن دلوں میں رہنا بہت مشکل ہے... اور میں لوگوں کے دلوں میں رہنا چاہتا ہوں۔"

○ "مایا میری بہن" اور "راجو راکٹ" کا کیا رسپانس ملا؟"

☆ "بہت اچھا... سب نے میری اداکاری کو سراہا اور میری بہت حوصلہ افزائی کی۔ اللہ کا بڑا کرم ہے' وہ ہی عزت دینے والا ہے۔"

○ "آنے والے پروجیکٹ کیا ہیں؟"

☆ "کچھ ہیں... آپ دیکھیں گی تو آپ کو اچھا لگے گا۔ پہلے سے کیا بتاؤں کہ کچھ انڈر پروڈکشن ہیں۔ کچھ مکمل ہو گئے ہیں۔ معلوم نہیں کب آن ایئر ہوں۔"

○ "اوکے... آپ ایک اچھے خاصے تعلیم یافتہ انسان ہیں۔ ایم بی اے کیا ہے۔ پھر اس ہوائی روزی کی طرف کیوں آ گئے؟"

☆ "ہوائی روزی؟... ایسا پہلے کبھی تھا۔ اب نہیں ہے۔ اب تو یہ فیلڈ بھی ایک پروفیشن ہے اور جیسے ہر جگہ قابلیت اور لک چلتی ہے۔ اسی طرح اس فیلڈ میں بھی قابلیت اور لک ہی چلتی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس بندے میں بھی صلاحیت ہو گی' خواہ کسی بھی قسم کی' وہ اپنی جگہ بنا ہی لیتا ہے۔"

○ "ویسے کبھی سوچا کہ ایم بی اے کر کے کہیں جاب کر لیتا' اس فیلڈ میں نہ آتا؟"

☆ "اگر میں اس فیلڈ میں کامیاب نہ ہوتا تو یقیناً سوچتا کہ جاب کر لیتا اور کر لیتا' کیا بلکہ کر رہا ہوتا۔ لیکن چونکہ قدرت نے اس فیلڈ میں میرے راستے کھول دیے تو میں اس فیلڈ میں آ گیا۔"

○ "خیر... اداکاری کے حوالے سے بات ہو رہی تھی تو یہ بتائیں! کہ کردار لیتے وقت کن باتوں کو اہمیت دیتے ہیں؟"

☆ "دیکھیں جی... پہلے تو میں یہ دیکھتا ہوں کہ اسکرپٹ کیسا ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ کسی معروف رائٹر کا ہی ہو۔ بس اسکرپٹ اچھا ہونا چاہیے۔ پھر اپنا کردار دیکھتا ہوں کہ کتنا اسٹرانگ ہے۔ آیا کلک کرے گا یا نہیں اور مجھے اس میں کتنی محنت کرنی پڑے گی اور اگر اسٹرانگ بھی ہے اور محنت والا بھی ہے تو بس سمجھیے! کہ میرا پسندیدہ کردار ہے۔ کیونکہ مجھے ایسے ہی رول اچھے لگتے ہیں۔ پھر ڈائریکٹر اور کاسٹ کو دیکھتا ہوں' مگر سب سے زیادہ اہمیت کہانی اور کردار کو دیتا ہوں۔"

○ "کن ڈراموں کو اپنے پسندیدہ ڈرامے کہیں گے؟"

☆ "کافی مشکل سوال کر دیا آپ نے... چونکہ میں بہت سوچ سمجھ کر کردار لیتا ہوں' اس لیے مجھے اپنے سارے ہی ڈرامے اچھے لگتے ہیں۔ "راجو راکٹ" جو آج کل آپ سب دیکھ رہے ہیں' وہ پسند ہے۔ اس کردار میں کافی اتار چڑھاؤ ہیں۔ پھر میں نے احمد کامران کا ایک سیریل کیا تھا "کیمسٹری" وہ بہت ہٹ گیا تھا۔ اسے بھی میں اپنا پسندیدہ سیریل کہوں گا۔ اسی طرح "چودھویں کا چاند" بھی بہت ہٹ گیا تھا۔ حالانکہ یہ رمضان المبارک میں پیش کیا گیا تھا اور رمضان المبارک میں لوگ ٹی وی ذرا کم ہی دیکھتے ہیں' لیکن اس سیریل سے مجھے بہت پذیرائی' بہت شہرت ملی۔"
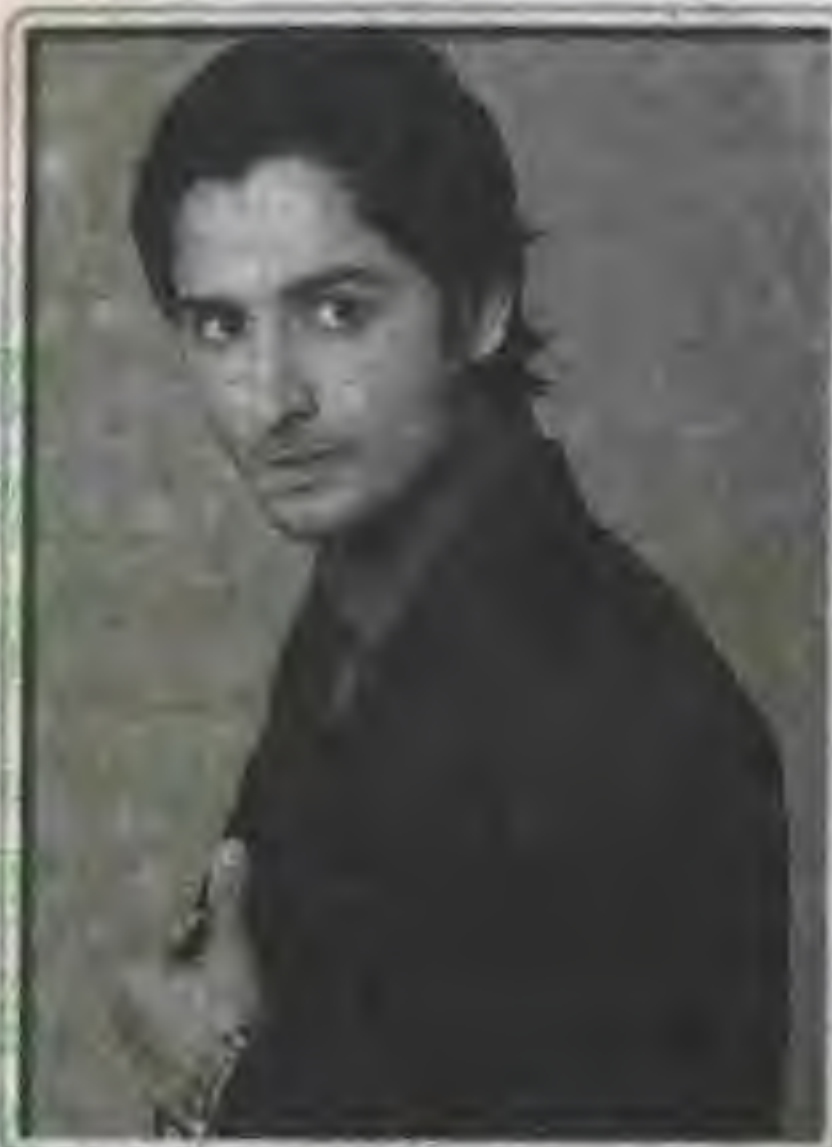
○ "اس فیلڈ میں مقام بنانے کے لیے تگ و دو کرنی پڑی یا سب کچھ آسانی سے ہوتا چلا گیا؟"

☆ "نہیں جی! اچھی پکائی کب ملتی ہے انسان کو۔ ہر کام کے لیے محنت کرنی پڑتی ہے' پاپڑ بیلنے پڑتے ہیں۔ تب کہیں جا کے کامیابی قدم چومتی ہے اور میں تو ابھی بھی اپنے آپ کو ایک کامیاب انسان نہیں سمجھتا۔ ابھی تو منزل کافی دور ہے۔"

○ "پھر بھی کیا کیا پاپڑ بیلے؟"

☆ "سچی بات بتاؤں... مجھے تو اس طرف آنے کا خیال بھی نہ آتا' اگر نبیلہ نہ کہتیں۔ میں نبیلہ کے سیلون میں اپنے کسی کام کے لیے گیا تو نبیلہ نے ہی مجھے کہا کہ تم گڈ لکنگ ہو' کمرشل میں کام کیوں نہیں

کرتے۔ میں نے پوچھا کہ کمرشل میں کیسے آ سکتا ہوں خیر! سارے مراحل طے کرنے کے بعد ایک بینک اور پھر فلیش کا کمرشل ملا۔ اتفاق سے وہ ہٹ بھی ہو گیا۔ اور اس کے بعد کمرشلز ملنے شروع ہو گئے۔"

○ "مطلب نبیلہ نے آپ کو راستہ دکھایا؟"

☆ "جی بالکل..... نبیلہ صاحبہ نے مجھے اجمل مراد صاحب کے پاس بھیجا اور ان کی وجہ سے مجھے کمرشلز ملے۔ البتہ اداکاری میں میری پہچان مظہر معین کے ڈراموں سے ہوئی۔ آپ کو پتا ہی ہے' ان کے تمام ڈرامے ہٹ جاتے ہیں اور ایک مرتبہ آپ کمرشل میں آجائیں اور وہ ہٹ بھی ہو جائے تو پھر ہر جگہ سے آفرز آنا شروع ہو جاتی ہیں۔ میرے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا اور انڈس ویژن کے زاہد محمود نے مجھے اپنے مقبول سیریز "میرا نام ہے محبت" کے ایک ڈرامے میں پک کیا اور پھر سلسلہ چل پڑا۔ ڈراموں کی لائن تو نہیں لگی' لیکن ملنے ضرور شروع ہو گئے۔"

○ "کس ڈرامے یا سیریل کے لیے آپ کہہ سکتے ہیں کہ اس نے ترقی کے راستے کھولے؟"

☆ "ڈراما سیریل "چودھویں کا چاند" ایسا ڈراما تھا کہ جس نے ترقی کے راستے کھولے..... اسے فائزہ افتخار نے لکھا تھا۔"

○ "ڈراموں سے زیادہ آپ کمرشلز میں نظر آتے ہیں۔ کمرشل کرنا آسان ہوتا ہے یا ڈرامے کرنا؟"

☆ "دونوں الگ الگ فیلڈز ہیں۔ کمرشل زیادہ سے زیادہ ایک دو دن یا ایک ہفتے کا کام ہوتا ہے۔ جبکہ ڈرامے میں مہینوں لگ جاتے ہیں۔ مجھے یاد ہے کہ 2007ء میرے لیے بہت لکی ثابت ہوا تھا۔ اسی سال میں نے اس فیلڈ میں قدم رکھا تھا اور پھر اسی سال مجھے انیس کمرشلز ملے۔ ایک سال میں اتنے کمرشلز ملنا میرے لیے تو بہت بڑی کامیابی تھی۔"

○ "زیادہ شہرت ڈراموں سے ملتی ہے یا کمرشلز سے؟"

☆ "دونوں سے ہی البتہ کمرشلز چونکہ زیادہ محنت اور اچھی لوکیشن پر تیار کیے جاتے ہیں اور بار بار چلائے جاتے ہیں' اس لیے زیادہ نظر آتے ہیں۔ ڈراموں میں بھی بہت کشش ہوتی ہے۔ وہ بھی لوگ بہت شوق سے دیکھتے ہیں۔ تو میرے خیال میں شہرت کے لیے یہ دونوں پلیٹ فارم بہت عمدہ ہیں۔"

○ "کچھ یاد ہے کہ پہلے کمرشل اور پہلے ڈرامے کا کیا ملا تھا؟"

☆ "پہلے کمرشل کا تو یاد ہے' لیکن پہلے ڈرامے کا ٹھیک طرح سے یاد نہیں ہے۔ پہلے کمرشل کے مجھے چالیس ہزار ملے تھے اور یہ میرے لیے بہت بڑی رقم تھی۔ پھر وقت کے ساتھ ساتھ رقم بڑھتی جاتی ہے۔ جیسے جیسے بندے کی ڈیمانڈ بڑھتی جاتی ہے۔"

○ "جب آپ اس فیلڈ میں نہیں تھے تو دل چاہتا تھا کہ میں اس فیلڈ میں آؤں اور شہرت پاؤں؟"

☆ "ارے نہیں..... میرا تو اس طرف رجحان ہی نہیں تھا۔ یہ تو بس اتفاق سے ہو گیا کہ میں اس فیلڈ میں آ گیا۔ ویسے یہ ضرور تھا کہ جب میں ڈراموں میں خوب صورت خواتین کو دیکھتا تو میرا دل ضرور چاہتا تھا کہ کاش میری ان سے ملاقات ہو جائے یہ کتنی حسین اور خوب صورت ہیں۔ مگر یہ کبھی نہیں سوچا تھا کہ مجھے ان کے ساتھ کام بھی کرنا ہے۔"

○ "تو پھر کیسا لگا..... ان خوب صورت اور حسین فنکاراؤں کے ساتھ کام کیا یا نہیں؟"

☆ "بہت اچھا لگا اور تقریباً" سب ہی کے ساتھ کام کر چکا ہوں۔ خواہ وہ سینئر ہوں یا جونیئر..... اور سب ہی کے ساتھ کام کرنا اچھا لگا۔ یوں تو سب کے ساتھ ہی کام کیا ہے لیکن اتفاق سے صنم بلوچ کے ساتھ زیادہ کام کیا ہے۔"

○ "کس کو بحیثیت انسان سب سے اچھا پایا؟"

☆ "خواتین میں..... بھئی سب ہی اچھی ہیں۔ ہم سب فیملی کی طرح کام کرتے ہیں۔ سب ایک دوسرے کا احترام کرتے ہیں۔ میں نے تو سب کو ہی بہت اچھا پایا۔"

○ "ویسے لڑکیوں میں کچھ تو نوٹ کیا ہو گا۔ کیا باتیں

بری لگتی ہیں ان کی آپ کو؟"

☆ "آپ لڑائی کروا دیں گی۔ رہنے دیں؟"

○ "نام نہ لیں..... سب لڑکیوں کی مشترکہ بری عادتیں بتا دیں؟"

☆ قہقہہ..... "اچھا! سچ بتاؤں' لڑکیاں جھوٹ بہت بولتی ہیں اور اللہ معاف کرے' بہت روانی سے بولتی ہیں اور یہ اپنا قیمتی وقت فالتو باتوں میں بھی ضائع کر دیتی ہیں۔ ان کو وقت کی کوئی قدر نہیں ہے۔"

○ "چلیں! دیکھتے ہیں کہ لڑکیوں کا کیا ری ایکشن آتا ہے۔ خیر! کچھ اپنے بارے میں بتائیں۔ کب' کہاں جنم لیا وغیرہ وغیرہ۔"

☆ "جناب..... میں 15 فروری 1983ء کو کراچی میں پیدا ہوا۔ اس لحاظ سے میرا ستارہ کیا ہے' آپ کو معلوم ہی ہو گا۔ مختصر سی فیملی ہے۔ ہم دو بھائی ہیں اور والدین ہیں۔ بھائی مجھ سے چھوٹا ہے۔ میرے والد کا تعلق دہلی سے ہے اور والدہ پٹھان ہیں۔ ہم اردو اسپیکنگ ہیں اور "مغل" کہلاتے ہیں۔"

○ "بچپن میں کیا سوچا تھا کہ کیا بنیں گے؟"

☆ "کچھ نہیں..... بچپن کے تو بہت سے خواب ہوتے ہیں۔ بس یہ تھا ذہن میں کہ کچھ اچھا پڑھنا ہے اور اچھا انسان بننا ہے۔ باقی تو میں نے آپ کو بتایا ہی ہے کہ منزل قدرت طے کرتی ہے' سوائے جہاں سیٹ کرنا تھا' کر دیا۔"

○ "گویا قسمت پر پختہ یقین ہے؟"

☆ "بالکل جی..... بالکل..... قسمت پر سو فیصد یقین ہے محنت اور جدوجہد بھی اللہ تعالیٰ ہی کرواتا ہے اور میں رب کا بہت شکر گزار ہوں کہ اس نے میری زندگی بہت اچھی بنائی ہے۔"

○ "فلموں سے آفرز آئیں؟"

☆ "آتی رہتی ہیں' لیکن ایسے ہی ہامی نہیں بھروں گا۔ اگر شعیب منصور جیسے قابل بندے نے مجھے بلایا تو کبھی انکار نہیں کروں گا۔ وہ دن میرے لیے ایک بہترین دن ہو گا' جب میں کوئی اچھی فلم سائن کروں گا۔"

○ "اس فیلڈ میں آ کر کیا کھویا' کیا پایا؟"

☆ "اللہ کا شکر ہے' بہت کچھ پایا۔ بس گھر والوں کو برابر ٹائم نہیں دے پاتا۔ لیکن اس کو میں کچھ کھونا نہیں کہہ سکتا۔ دیر سے جاؤں یا جلدی' جاتا تو میں گھر

میں ہی ہوں۔"

○ "گھر والے ناراض ہوتے ہیں؟"

☆ "نہیں! بالکل نہیں کیونکہ گھر والوں کو پتا ہے کہ میرا کام کیا ہے اور کیسا ہے۔ میری فیلڈ کی مشکلات کو وہ سمجھتے ہیں۔ اور گھر والوں کو پتا ہے کہ میں اپنے اچھے فیوچر کے لیے محنت کر رہا ہوں۔"

○ "اتنی محنت کرتے ہیں۔ دل کھول کر خرچ بھی کرتے ہوں گے؟"

☆ "جی نہیں.... وہ زمانہ گزر گیا' جب میں فضول خرچ تھا۔ اب میں بہت احتیاط سے خرچ کرتا ہوں۔ کیونکہ اب مجھے احساس ہو گیا ہے کہ پیسہ بہت مشکل سے کمایا جاتا ہے۔ اسے ایسے ہی خرچ نہیں کر دینا چاہیے۔"

○ "شادی کے لیے جمع کر رہے ہیں.... اور مزاج کیسا پایا ہے جناب نے؟"

☆ ہنستے ہوئے.... "ہو سکتا ہے.... اور میرا تو خیال ہے کہ میں بہت فرینڈلی مزاج کا بندہ ہوں۔ ڈراموں میں جس طرح ہنستا مسکراتا نظر آتا ہوں' ویسا ہی ہوں۔ غصہ کم آتا ہے اور چھوٹی موٹی باتوں پہ غصہ نہیں آتا کسی بڑی بات پر ہی آتا ہے۔"

○ "کھانے پینے کے شوقین ہیں اور کیا پسند ہے؟"

☆ "بہت.... اچھی بھوک لگنا بھی صحت کی نشانی ہے اور اللہ کا شکر ہے کہ میں ایک صحت مند انسان ہوں۔ مجھے گوبھی گوشت اور کوفتے بہت پسند ہیں۔"

○ "گھر کے بڑے ہیں اور بہن بھی نہیں۔ اماں کا ہاتھ بٹاتے ہیں؟"

☆ "گھر کے کاموں میں؟.... توبہ کریں۔ اپنا کمرہ بھی صاف نہیں کرتا۔ ہر چیز بکھری رہتی ہے۔ بہت لاپروا ہوں اس معاملے میں.... اور ٹائم ہی کہاں ملتا ہے ان سب کاموں کے لیے۔"

○ "اپنی کوئی اچھی اور بری عادت بتائیں؟"

☆ "اچھی عادت تو یہی ہے کہ میں اپنے کام کے لیے بہت جنونی ہوں اور دوسروں سے ہنس کر ملتا ہوں۔ یعنی فرینڈلی ہوں.... اور بری عادت یہ ہے کہ مصروفیات کی وجہ سے اپنے گھر والوں اور اپنے دوستوں کو ٹائم نہیں دے پاتا۔"

○ "گھر آتے ہی پہلی خواہش کیا ہوتی ہے؟"

☆ "گھر آ کر پہلے تو والدین کے کمرے میں جاتا ہوں۔ تھوڑا فریش ہونے کے بعد کچن میں جاتا ہوں' تاکہ کچھ کھانے پینے کو مل جائے۔ اگرچہ اکثر کھانا کھا کر گھر آتا ہوں' مگر پھر بھی گھر آ کر گھر کی پکی ہوئی چیزیں کھانے میں مزا آتا ہے۔"

○ "فارغ اوقات میں کیا کرتے ہیں؟"

☆ "لوگ دعا کرتے ہیں کہ انہیں فارغ وقت ملے۔ مگر میں دعا کرتا ہوں کہ مجھے فارغ وقت نہ ملے۔ کیونکہ ایک تو مجھ سے فارغ بیٹھا نہیں جاتا۔ نمبر دو' مجھے عجیب سا ڈپریشن ہونے لگتا ہے۔ اس لیے کوشش کرتا ہوں کہ اپنے آپ کو مصروف رکھوں۔ ویسے فارغ وقت میں میوزک سے دل بہلاتا ہوں۔"

○ "سیاست سے لگاؤ ہے؟"

☆ "اللہ معاف کرے۔ آج کل جو سیاست ہمارے ملک میں ہو رہی ہے' اس سے بھلا کس کو لگاؤ ہو گا۔ یہ سب مفاد پرست لوگ ہیں۔ انہیں عوام سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

○ "2013ء الیکشن کا سال ہے۔ کس کو ووٹ دیں گے؟"

☆ "پتا نہیں۔ ابھی تو کچھ سوچا نہیں۔ پتا نہیں' کوئی اس قابل ہوتا بھی ہے کہ نہیں کہ جس کو ووٹ دیا جائے۔ وقت آئے گا تو دیکھا جائے گا۔"

☆ اور اس کے ساتھ ہی ہم نے دانش تیمور سے اجازت چاہی' اس شکریے کے ساتھ کہ انہوں نے ہمیں ٹائم دیا۔

☆ ☆

ثنا عسکری

شاہین رشید

✱ "میرا نام ثنا عسکری ہے۔"
✱ "ابا سنی کہتے ہیں۔"
★ "میں پیدا ہوئی؟"
✱ "23 اپریل 1987ء کو کراچی میں۔"
★ "میری فیملی؟"
✱ "اماں ابا ایک بڑی بہن ایک بڑا بھائی۔"
★ "شادی؟"
✱ "شادی کو تقریباً" ساڑھے تین سال ہو گئے ہیں اور جب میں اٹھارہ سال کی تھی تو میری شادی ہو گئی میرے شوہر منہاج عسکری ایف ایم سے بھی وابستہ ہیں اور اداکاری کی فیلڈ سے بھی ہماری لو میرج ہے۔"
★ "میں بننا چاہتی تھی؟"
✱ "میں ایک اچھی ڈاکٹر بننا چاہتی تھی مگر جلدی شادی کی وجہ سے نہ بن سکی لیکن میں فائن آرٹس میں گریجویٹ ہوں۔"
★ "میرا پہلا ڈرامہ؟"
✱ "آذر کی آئے گی بارات"
★ "جب میں تھک جاؤں گی تو؟"
✱ "تو اس فیلڈ کو خدا حافظ کہہ کر اپنے میاں اور اپنی فیملی کے ساتھ وقت گزاروں گی"
★ "لوگ سمجھتے ہیں کہ؟"
✱ "کہ میں بدتمیز ہوں کیونکہ مجھے رول ہی ایسے ملتے ہیں جبکہ ایسا کچھ نہیں ہے"
★ "میں خوش قسمت ہوں کہ؟"
✱ "کہ مجھے محبت کرنے والا سسرال ملا میاں ملے میں انہی کی وجہ سے اس فیلڈ میں ہوں سب مجھ سے بہت خوش ہیں"
★ "میں شوقین ہوں؟"
✱ "گھومنے پھرنے کی دنیا دیکھنے کی ہر تین چار مہینے کے بعد مجھے ایک بریک چاہیے ہوتا ہے پھر چاہے میں کراچی سے باہر جاؤں یا ملک سے باہر"
★ "میں اسمارٹ ہوں اس لیے کہ؟"
✱ "کہ میری ہڈی ہی ایسی ہے..... ہاہاہاہا"
★ "میرا دماغ گھوم جاتا ہے؟"
✱ "جب ٹریفک میں پھنس جاؤں اور نکلنے کا امکان دور دور تک نہ ہو"
★ "میرے پاس وقت نہیں ہے کہ؟"
✱ "کہ میں اپنے آپ کو کچھ ٹائم دے سکوں ہر وقت کام کی وجہ سے بال بھی بہت کمزور ہو گئے ہیں"
★ "میں شرمندہ ہو جاتی ہوں جب؟"
✱ "جب مجھ سے کوئی غلطی ہو جائے یعنی بلاوجہ کسی کو ہرٹ کردوں تب پھر میں سوری کرلیتی ہوں اور شرمندگی کا اظہار کرتی ہوں"
★ "میرے نزدیک گھر کی اہمیت؟"
✱ "بہت زیادہ ہے یہ وہ جگہ ہوتی ہے جو صرف ہماری ہوتی ہے اور جہاں ہم اپنی مرضی سے کچھ بھی کر سکتے ہیں"
★ "مجھے سکون ملتا ہے؟"
✱ "اپنے کمرے میں"
★ "میری ایک دلچسپ بات؟"
✱ "کہ مجھے غصے میں زیادہ بھوک لگتی ہے جبکہ لوگ غصے میں کھانا پینا چھوڑ دیتے ہیں"
★ "ہاتھ میں قلم ہو تو؟"
✱ "تو دل چاہتا ہے کہ بہت کچھ لکھوں مگر الفاظ ہی نہیں ملتے"
★ "جس شخص نے میری زندگی بدلی؟"
✱ "صرف اور صرف منہاج عسکری..... میرے میاں صاحب"
★ "دعا میں کیا مانگتی ہوں؟"
✱ "سب کی اچھی قسمت لمبی عمر اور اپنے شہر اور پاکستان کے لیے امن و سکون"
★ "میرا پسندیدہ ناشتا؟"
✱ "چائے کے ساتھ پراٹھا"
★ "لوگ ڈراتے ہیں مجھے؟"
✱ "کہ آج تم اتنی مشہور ہو لوگ جانتے ہیں اگر کل کو تم نے کام چھوڑ دیا اور لوگ بھول گئے تو..... تو میں یہی کہتی ہوں کہ کیا ہوا ہر چیز کو زوال ہے میری پہلی ترجیح تو کام نہیں میرا گھر ہے"
★ "میرے سونے کے اوقات؟"
✱ "ساری رات جاگتی ہوں اور صبح جب سب اٹھ رہے ہوتے ہیں میں سونے کی تیاری کر رہی ہوتی ہوں"
★ "اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوتی ہوں جب؟"
✱ "جب میں تنہا ہوتی ہوں یا پھر نماز میں"
★ "سفر کے لیے پسندیدہ سواری؟"
✱ "صرف اور صرف اپنی کار کیونکہ میرے میاں کو

پسند نہیں کہ میں کوئی ٹرانسپورٹ استعمال کروں"

★ "مجھے مزا آتا ہے؟"

❋ "شاپنگ کرنے میں گھومنے پھرنے میں کھانے پینے میں زندگی کو بھرپور طریقے سے گزارنے میں"

★ "ایک بات جو میں بتانا چاہتی ہوں؟"

❋ "کہ کھانے کے معاملے میں بہت سادہ ہوں جو مل جائے کھا لیتی ہوں کوئی نخرہ نہیں دکھاتی۔"

★ "کس کے ہاتھ کا پکا کیا پسند ہے مجھے؟"

❋ "نانی ساس کے ہاتھ کا پلاؤ' امی کے ہاتھ کے بہاری کباب' ساس کے ہاتھ کی بریانی' نند کے ہاتھ کی حلیم اور بہن کے ہاتھ کی کڑاہی اور اپنے ہاتھ کا سب کچھ ویسے پکانے کا موقعہ ہی کہاں ملتا ہے۔۔۔" (قہقہہ)

★ "مسائل شیئر کرتی ہوں؟"

❋ "صرف اپنے شوہر سے"

★ "میں برداشت نہیں کر سکتی؟"

❋ "کہ کوئی مجھے گہری نیند سے یا سوتے میں اٹھا دے چاہے میرے میاں منہاج ہی کیوں نہ ہوں"

★ "میں متاثر ہوتی ہوں؟"

❋ "دوسروں کے اچھے جوتے اور خوب صورت پاؤں دیکھ کر اور ہاتھ میں خوب صورت بیگ دیکھ کر"

★ "کوئی لڑکی اچانک سامنے آجائے تو؟"

❋ "تو سب سے پہلے اس کے پاؤں اور جوتوں پر نظر پڑتی ہے حالانکہ یہ بری بات ہے"

★ "پسندیدہ ڈرنک؟"

❋ "اورنج جوس"

★ "تحفہ جو بن مانگے ملا؟"

❋ "بن مانگے تو تحفے ملتے ہی رہتے ہیں مجھے تو مانگ کر ہی تحفہ لینے میں مزا آتا ہے"

★ "عشق کا بخار کتنی مرتبہ چڑھا؟"

❋ "لوگوں کو چڑھتے ہیں مجھے نہیں چڑھا ایک ہی بار ہوا اور پھر انہی سے شادی ہوئی"

★ "صحافیوں کا سوال جو برا لگتا ہے؟"

❋ "کہ کیا آپ کی لو میرج ہے دل چاہتا ہے پمفلٹ چھپوا دوں کہ ہاں لو میرج ہے"

★ "کوئی لڑکا مسکرا کر دیکھے تو؟"

❋ "تو جواباً" مسکرا دیتی ہوں مگر کوئی کمپل ہو جائے تو پھر سنا دیتی ہوں چھوڑتی نہیں ہوں"

★ "میں فریش محسوس کرتی ہوں؟"

❋ "رات کے وقت اور جب میں فارغ ہوتی ہوں"

★ "چھٹی کے دن کیا کرتی ہوں؟"

❋ "آدھا دن سوتی ہوں آدھا دن منہاج اور ان کی فیملی کے ساتھ گزارتی ہوں تھوڑا سا وقت میکے کو دے پاتی ہوں"

★ "میری فیلڈ کی برائی؟"

❋ "ارے کچھ بھی نہیں ہے بہت مزا آتا ہے کام کرنے کا ہم سب فیملی کی طرح ہوتے ہیں"

★ "جب پھسل کر گر جاؤں تو؟"

❋ "تو جو پاس کھڑا ہو سارا الزام اسی کو دے دیتی ہوں کہ تمہاری وجہ سے گری ہوں وہ بے چارا ہکا بکا رہ جاتا ہے پھر بعد میں سوچتی ہوں مجھے ایسا کرنا نہیں چاہیے تھا"

★ "24 گھنٹوں میں پسندیدہ وقت؟"

❋ "جب شوٹ سے فارغ ہو کر گھر آتی ہوں بہت اچھا محسوس کرتی ہوں"

★ "میری ایک بری عادت؟"

❋ "لوگ جب رات کو آرام کر رہے ہوتے ہیں میں جاگ رہی ہوتی ہوں اور پھر صبح سوتی ہوں جبکہ مجھے معلوم ہے کہ یہ بری عادت ہے"

★ "میری ایک اچھی عادت؟"

❋ "سب سے اچھی طرح گھل مل جاتی ہوں جلدی دوستی کر لیتی ہوں"

★ "ہاتھ کھلا رکھتی ہوں؟"

❋ "فقیروں کے معاملے میں کسی کو ٹال نہیں سکتی بیگ میں ہاتھ ڈالتی ہوں جو ہاتھ میں آجائے دے دیتی ہوں کبھی کبھی حالت دیکھ کر بھی دے دیتی ہوں"

★ "پاپا کی ایک بات جس سے چڑ جاتی ہوں؟"

❋ "کھانا کھا لو میں کہتی ہوں کہ بھوک لگے گی تو کھا لوں گی مگر وہ بہت اصرار کرتے ہیں"

★ "میں جھوٹ بولتی ہوں؟"

❋ "بہت کم مگر جب جھوٹ بولے بغیر گزارا نہ ہو رہا ہو تو پھر جھوٹ بولنا پڑتا ہے"

★ "کھانا کہاں کھانا پسند کرتی ہوں ریسٹورنٹ یا گھر؟"

❋ "جہاں اچھا کھانا مل جائے ویسے گھر سے باہر کھانے کا اپنا ہی مزا ہے اور گھر سے بہتر بھی کوئی جگہ نہیں"

★ "سگنل پہ کھڑے ہو کر کیا دیکھتی ہوں؟"

❋ "ادھر ادھر کا جائزہ لیتی ہوں لوگوں کا روڈ کا ٹریفک کا۔۔۔ کردار ڈھونڈتی ہوں"

★ "خدا کی حسین تخلیق میری نظر میں؟"

❋ "مرد اور عورت دونوں ہی حسین تخلیق ہیں کیونکہ ان کے بغیر دنیا کب آگے بڑھ سکتی ہے۔۔۔ ہے نا"

★ "جس دن موبائل سروس آف ہو تو؟"

❋ "سکون بھی ہوتا ہے مگر گھر والوں کی فکر بھی ہوتی ہے اب سب سے رابطے میں رہنے کی عادت ہو گئی ہے"

★ "سائنس کی ایک اچھی ایجاد؟"

❋ "ٹی وی' فون' بجلی اور بہت سی"

★ "مجھے جو دن پسند ہے؟"

❋ "اپنی برتھ ڈے کا دن اور عید کا دن چودہ اگست کی تو بات ہی الگ ہے"

★ "گھر آتے ہی میرا دل چاہتا ہے کہ؟"

❋ "میرا کمرہ صاف ستھرا ہو اور کوئی چیز بکھری ہوئی نہ ہو"

★ "میرا پسندیدہ ملک؟"

❋ "صرف میرا اپنا پاکستان"

★ "پاکستان کے لیے سوچتی ہوں کہ؟"

❋ "کاش دہشت گردی کے خلاف کوئی قانون بن جائے تاکہ ہمارے ملک میں بھی امن و امان ہو"

★ "مجھے یقین ہے کہ؟"

❋ "جو کچھ زندگی میں ملتا ہے وہ قسمت میں لکھا ہوا ہوتا ہے انسان کے اختیار میں کچھ نہیں ہے اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے کہ میری مرضی کے بغیر تو پتا بھی نہیں ہل سکتا۔"

★ "کچھ الفاظ جو میں بہت استعمال کرتی ہوں؟"

❋ "او مائی گاڈ' اف" اور "شٹ اپ"

★ "میں جن پہ بھروسہ کر سکتی ہوں؟"

❋ "لڑکوں پر۔۔۔ کیونکہ وہ زیادہ قابل بھروسہ ہوتے ہیں"

★ "اپنے مزاج میں بدلنا چاہتی ہوں؟"

❋ "میں بہت خوش مزاج ہوں مگر غصہ میرے مزاج میں بہت ہے بس چاہتی ہوں کہ غصہ کم ہو جائے"

☼ ☼

ایف ایم 105 کی پریزینٹر

شیریں اختر

ایک رنگ میں سو رنگ دکھاتی ہوئی آواز' واقعی آواز کے اتنے رنگ و روپ ہوتے ہیں جو تخیل کی دنیاؤں کو آباد کر دیتے ہیں۔ آواز اپنے آپ میں اتنی بھرپور اور مکمل ہوتی ہے کہ اپنے سحر میں جکڑ لیتی ہے ویسے تو سند یافتہ آواز وہی ہوتی ہے جسے سامعین کا پیار مل جائے لیکن اگر اس آواز کو ایوارڈ بھی مل جائے جو اس کے کام کی ستائش و اہمیت کو اجاگر کرتا ہے وہیں اس کی پیشہ وارانہ ذمہ داریوں کو بڑھا بھی دیتا ہے۔ وائس آف دی ایر 2012 کا ایوارڈ جیتنے والی پریزینٹر شیریں اختر سے گفتگو قارئین کے پیش خدمت ہے۔

☼ کیا تاثرات تھے جب اس ایوارڈ کے لیے آپ کا نام پکارا گیا اور کتنے آرٹسٹ اس ایوارڈ کے لیے نامزد تھے؟

◆ انتہائی خوشی تو تھی ہی ساتھ ہی اللہ کا شکر بھی ادا کیا کیونکہ میں پہلی بار نامزد ہوئی تھی اور پورے پاکستان سے تمام ایف ایم اسٹیشنز کی آوازیں جیوری کے پاس تھیں اور پہلی بار ہی وائس آف دی ایر کا ایوارڈ مل گیا۔ اللہ کے بعد میں اپنے سامعین کی بے حد شکر گزار ہوں جن کی محبتیں میرے لیے کسی اعزاز سے کم نہیں۔

☼ کیا آپ موجودہ ایف ایم ریڈیو سروس سے خوش ہیں؟

◆ نہیں میں خوش نہیں ہوں۔ تفریح بہت ضروری ہے لیکن اسے فری ہینڈ دے کر تہذیب کے دائرے سے باہر کر دینا میں اس کے خلاف ہوں۔ ناتجربہ کار اور نو آموز افراد کے ہاتھوں میں مائیک آگیا ہے جو اس کے استعمال سے بھی واقف نہیں۔ اپنی قدروں کا' بڑوں کا مذاق اڑانا' ملکی معاملات پر بے ڈھنگی باتیں کرنا' گھٹیا مذاق اور بے تکی باتیں کرنا' میں مائیک کے ایسے استعمال سے نالاں ہوں۔ مائیک ایک طاقت ہے اپنی بات دوسروں تک پہنچانے کا ذریعہ ہے اس طاقت کا صحیح استعمال نہیں ہو رہا۔ اپنی باتوں سے لوگوں میں Civie Sense کی اہمیت اجاگر کریں۔ ان کی ذمہ داریاں جو بحیثیت شہری ان میں ہونی چاہئیں اور جن باتوں کے عملی استعمال سے وہ واقف نہیں اس طرف ان کی توجہ دلائی جائے ان کے عقل و شعور میں وہ باتیں لائی جائیں جن پر عمل کر کے ہم اچھے اور مہذب معاشرہ کی بنیاد رکھ سکیں۔

☼ سائنسی انقلاب نے دنیا کو بدل دیا ہے کیا بحیثیت قوم ہم نے ٹیکنالوجی کا کوئی فائدہ اٹھایا؟

◆ نہیں ہم نے ٹیکنالوجی کو عوام کے لیے استعمال ہی نہیں کیا صرف موبائل اور انٹرنیٹ ہی ٹیکنالوجی کے زمرے میں نہیں آتے یہ صرف لوگوں کو ایک دوسرے سے کنیکٹ رکھتے ہیں۔ ہمارے پاس قدرتی وسائل موجود ہیں جن پر ٹیکنالوجی کے اطلاق سے بڑے فائدے اٹھائے جا سکتے ہیں لیکن ہم نے شاید اس حوالے سے کچھ سوچا ہی نہیں ہمارے پاس سمندر ہے' کوئلہ وافر مقدار میں پایا جاتا ہے' دریا موجود ہیں اور پھر ہمارا سب سے بڑا مسئلہ بجلی کی ناکافی پیداوار ہے۔ ہمارے حکمران عوام سے مخلص ہوں تو وہ ٹیکنالوجی کو قدرتی وسائل پر استعمال کر کے عوام کی تکالیف کا مداوا کر سکتے ہیں۔

☼ اب روزانہ ہی کسی نہ کسی حوالے سے کوئی نہ کوئی دن منایا جا رہا ہوتا ہے آپ کے نزدیک یہ رواج اچھا ہے یا برا؟

◆ میرے خیال سے اگر اس دن کے حوالے سے ہم تھوڑی دیر کے لیے ہی کچھ سوچ لیں اور اس سوچ سے ہمارے عمل میں کوئی بہتری آتی ہے اس حوالے سے جس حوالے سے وہ دن منایا جا رہا ہوتا ہے تو میرے خیال میں یہ رواج برا نہیں۔

☼ مارچ میں خواتین کا عالمی دن بھی منایا جاتا ہے۔ کیا صرف دن منانے سے عورت کی حالت میں سدھار لایا جا سکتا ہے؟ عملی طور پر کیا اقدامات ضروری ہیں؟

◆ صرف دن منانے سے تو کوئی حالت نہیں سدھاری جا سکتی' اپنی سوچ میں تبدیلی لائیں تو شاید حالت بھی تبدیل ہو۔ عورتوں کے لیے عملی طور پر کچھ کرنے کے لیے اقدامات کی ایک فہرست تیار کی جا سکتی ہے۔ لیکن میں صرف ایک چھوٹی سی بات پر عمل کرانا چاہتی ہوں' میں چاہتی ہوں ان کی بات سنی جائے ان کی رائے کا احترام کیا جائے۔ وہ کیا چاہتی ہیں اسے اہمیت دی جائے۔ بہت کم خواتین اپنی رائے کا اپنے علم اور عقل کا نڈر انداز میں اظہار کر پاتی ہیں تو ان پر باغی کا ٹیگ لگا دیا جاتا ہے۔ شادی جیسا ذاتی فیصلہ تک ان کی مرضی کے تابع نہیں ہوتا۔ میں بس یہ چاہتی ہوں ان کی وہ آزادی جو مذہب اور قانون انہیں دیتا ہے اسے سلب نہ کیا جائے۔

☼ نظام کی درستگی کے لیے ہم انفرادی طور پر کیا کر سکتے ہیں۔ وہ باتیں جس پر بحیثیت ذمہ دار شہری کے ہمیں عمل کرنا چاہیے کیا ہیں؟

◆ سب سے پہلے تو اپنے ملک سے پیار' اپنے لوگوں سے پیار' اپنی املاک سے پیار ضروری ہے۔ نظام نہیں ہے تو اس کے ذمہ دار ہم خود ہی ہیں کیونکہ بحیثیت شہری کے ہم اپنی ذمہ داریاں صحیح طرح نہیں نباہ رہے ہیں۔ ہم لائن میں لگ کر کوئی کام ہی نہیں کرنا چاہتے اور میں آپ کو بتا دوں جب تک لائن نہیں بنے گی نظام نہیں بنے گا۔ صبر اور برداشت صرف لغت کے الفاظ نہیں ہیں جب تک ہم عملی طور پر انہیں اپنے آپ پر لاگو نہیں کریں گے کامیاب نہیں ہو سکیں گے۔ جہاں حالات خراب ہوتے ہیں فوراً" بسیں جلا دی جاتی ہیں' دکانوں کا سامان توڑ پھوڑ کر رکھ دیا جاتا ہے یہ رویہ ہماری قومی نفسیات کی پہچان بنتا جا رہا ہے۔ ہنگاموں کے دوران کون لوگ ان تخریبی کارروائیوں میں ملوث ہوتے ہیں ان کی نشاندہی میں نے اور آپ نے ہی کرنی ہے۔

☼ جب ہم تبدیلی کی بات کرتے ہیں تو بڑی باتیں ہوتی ہیں ہواؤں میں محل تعمیر ہو جاتے ہیں آپ ایک ایسی چھوٹی بات بتائیں جس پر عمل کر کے بڑی تبدیلی لائی جا سکتی ہے؟

◆ تعلیم تعلیم اور صرف تعلیم جب تک تعلیم عام نہیں ہوگی لوگوں کو اپنی ذمہ داریوں کا پتا نہیں چلے گا تو احساس کیا کریں گے۔ ابھی تک لوگوں کو اپنے عمل کی اہمیت کا اندازا نہیں ہے۔ کہا جاتا ہے صرف میرے کرنے سے کیا ہوگا یعنی وہ اپنی ڈیوٹی صرف اس لیے صحیح انجام نہیں دے رہا کیونکہ وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی چھوٹی سی کرپشن سے کچھ متاثر نہیں ہوتا وہ جانتا ہی نہیں کہ اس کی چھوٹی سی بدعملی پورے سسٹم پر اثر انداز ہو رہی ہے جس سے بڑی خرابیاں جنم لے رہی ہیں۔

☼ کوئی ایسا دکھ جو آج بھی تڑپاتا ہے؟

◆ اپنے ذاتی دکھ میں جھیل چکی ہوں' لیکن میرے اطراف میں جو انسانیت سسک رہی ہے' تڑپ رہی ہے یہ دکھ مجھ سے برداشت نہیں ہوتا۔ اپنے ذاتی دکھوں سے متعلق سوچوں تو وہ ان دکھوں کے سامنے

بہت بیچ معلوم ہوتے ہیں۔ میرے لوگ دکھی ہیں اور میرے پاس ان کے دکھوں کے کوئی مداوا نہیں وہ مرہم نہیں جو میں روتی' تڑپتی انسانیت کے زخموں پر رکھ سکوں۔ چونکہ میرے ریڈیو پروگرام زعوامی مسائل کے بارے میں ہوتے ہیں تو اس حوالے سے مجھے ریسرچ کرنی پڑتی ہے میں ایسے اداروں میں جاتی ہوں جہاں براہ راست مجھے لوگوں کی تکلیفوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

☼ اپنی خوشی کے لیے کیا کرتی ہیں؟

◆ کام اور صرف کام۔ یقین جانیے مجھے اپنے کام سے عشق ہے اور میں بہت خوش رہتی ہوں کام کے دوران۔ اپنے کام کے انصاف کے تقاضے پورے کرتی ہوں تو روح تک شانت ہوجاتی ہے۔ مجھے خوشی ڈھونڈنی نہیں پڑتی اپنے اندر موجود خوشی کو محسوس کر کے خوش ہوجاتی ہوں اور یقیناً "اچھا موڈ" ک مزاج پر اثرانداز ہوتا ہے۔

☼ محبت کے اظہار کا بہترین طریقہ کیا ہے؟

◆ Show it دکھائیں اسے۔ محبت ایک الوہی جذبہ ہے اور اظہار اس کی دلکش ہے۔ لیکن ضروری ہے کہ اظہار کے لیے تہذیب و اخلاق کے تقاضے ملحوظ رکھے جائیں۔ محبت کا کینوس بہت وسیع ہے اسے مخصوص تناظر میں نہ دیکھا جائے۔

☼ آئینہ آپ سے کیا کہتا ہے؟

◆ آئینہ یہ کہتا ہے کہ جیسی میں نظر آرہی ہوں ویسی ہوں بھی۔ میرے ظاہر و باطن میں کوئی تضاد نہیں ہے اور اگر کام کے تناظر میں بات کروں تو میرے سامعین ہی میرا آئینہ ہیں ان کی باتوں سے میں اپنے کام کے خدو خال سنوارتی ہوں۔ اپنی اصلاح اور کام کی بہتری کے لیے ان کی محبت میری معاون ہے۔

☼ اپنی کامیابیوں کا کریڈٹ کسے دیں گی؟

◆ اپنے رب کو' ماں باپ کو' شوہر کو' فیملی کی سپورٹ میری طاقت بنی اور اس طاقت کے سہارے میں نے یہ مقام حاصل کیا۔

☼ مستقبل کا کوئی منصوبہ جس پر عمل کرنا آپ کی ترجیح میں شامل ہو؟

◆ تعلیم کے پھیلاؤ اور اس کو عام کرنے کے حوالے سے کام کرنا چاہتی ہوں۔ خواتین اور بچوں کی تعلیم اور صحت ایسے مسائل ہیں جن پر کام کرنے کی اشد ضرورت ہے اور ضروری ہے کہ اس حوالے سے اور لوگ بھی اپنے وسائل اور عقل کو استعمال کرتے ہوئے اپنی مدد آپ کے تحت چھوٹے چھوٹے یونٹ بنا کر تعلیم کے پھیلاؤ کے لیے کام کریں۔

☼ ریڈیو کے علاوہ آپ کی کیا مصروفیات ہوتی ہیں؟

◆ ریڈیو کے علاوہ کمرشلز کے وائس اوور اور جنگلز کرتی ہوں۔ اس کے علاوہ ڈرامہ ڈبنگ میں مصروف ہوں عشق ممنوع ختم ہوچکا ہے آج کل فاطمہ گل اور منااہل اور خلیل آن ایر ہے۔

PTV English میں PTV کے کلاسک ڈراموں کو انگلش میں ڈب کر کے چلایا جائے گا تو وہ پراجیکٹس بھی میرے پاس ہیں۔ اللہ کا شکر ہے، بہت مصروفیت ہے۔

☼ کچھ اپنی ذاتی زندگی کے متعلق بتائیں؟

◆ میرے دو بھائی ہیں اور میں ایک ہی بہن ہوں میرے ایک بھائی پی ایچ ڈی ہیں اور پرائیویٹ یونیورسٹی میں پڑھاتے ہیں۔ دوسرے بھائی میلبورن میں ہوتے ہیں' میرے والد سید امجد علی پاکستان کے فرسٹ سیکریٹری آف اسٹیٹ تھے۔ میری والدہ ڈاکٹر تھیں۔ میرے شوہر اختر اللہ دتہ سے بھی لوگ واقف ہیں۔ ہم چونکہ ایک ہی فیلڈ سے تعلق رکھتے ہیں اس کیے مکمل ذہنی ہم آہنگی ہے ہمارے درمیان۔

اللہ کا شکر ہے بھرپور فیملی لائف گزار رہی ہوں۔

☼ کرن کی سالگرہ کے موقع پر کرن کی قارئین کے لیے کوئی پیغام؟

◆ میں سب سے پہلے تو کرن کو بہت مبارک باد پیش کرتی ہوں اتنا معیاری کام پیش کرنے پر کرن نے گھر بیٹھی خواتین کو نا صرف تفریح فراہم کی بلکہ اپنی تحاریر سے ان میں شعور اجاگر کیا اور کرن کی قارئین سے یہی کہوں گی کہ اس ڈائجسٹ کو اپنے مطالعہ میں رکھیں۔

وقت کا کام گزرنا ہے اور وہ گزر کر ہماری یاد کے کشکول کو بھرتا چلا جا رہا ہے۔ یادیں جو حاصلِ زیست ہوتی ہیں جن میں کھو کر ہم موجودہ وقت کی تلخی کو بھول جاتے ہیں جو اپنے آپ میں ایک جہان ہوتی ہیں جو اپنی رنگینی سے موجودہ وقت کی سنگینی کو ختم نہیں تو کم ضرور کر دیتی ہیں۔
یاد کا سرا کبھی کسی واقعہ سے جڑا ہوتا ہے، کبھی کسی انجان چہرے کو دیکھتے ہوئے کوئی اپنا یاد آ جاتا ہے، کبھی کسی تقریب میں موجود ہوتے ہوئے بھی ماضی کی کسی تقریب کو یاد کر رہے ہوتے ہیں، کبھی کوئی قطعہ کوئی اقتباس کسی بچھڑے ہوئے اپنے کی یاد دلا دیتا ہے، کبھی کسی پرانے گانے کے بول اُس وقت کی یاد دلا کر آنکھیں پُرنم کر دیتے ہیں۔ یاد کا تعلق کسی خوشی سے ہو تو وہ وقت ہمارے ذہن کے افق سے کبھی غروب نہیں ہوتا بلکہ اپنی خوشی کی شعاعوں سے ہمارے دکھوں کی دبیز چادر کو تار تار کر دیتا ہے اور ہم اس یاد سے توانائی لے کر وقت کی کٹھنائیوں کو جھیلنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں۔
کرن کے سالگرہ نمبر کے لیے اپنے قارئین کی یادوں کو پھر سے تازہ کرنے کے لیے کچھ سوالات کیے تھے۔ آئیے پڑھتے ہیں قارئین اس حوالے سے کیا کہتے ہیں۔

سوالات:

1۔ کیا سالگرہ کا دن آپ پر آپ کی زندگی کے مقصد کو واضح کرتا ہے؟
2۔ سالگرہ کا یادگار اہتمام آپ نے کب اور کس کے لیے کیا؟
3۔ سالگرہ پر ملنے والا کوئی حیران کن گفٹ جو آپ کو ملا یا آپ نے کسی کو دیا؟
4۔ اب تک کی گزری زندگی میں آپ نے کیا کھویا کیا پایا؟

سالگرہ نمبر

یاد کے روشن رنگ

ادارہ

امبر گل ... جھڈو (سندھ)

سب سے پہلے تو سویٹ سے کرن اور اس سویٹ کرن فیملی کو کرن کی 35 ویں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔
اب آتے ہیں آپ کے سوالوں کے جوابات کی طرف تو!

1۔ اپنی سالگرہ والے دن میری تو پوری کوشش ہوتی ہے کہ میں صبح کو اٹھتے ساتھ ہی نماز فجر پڑھ کر اپنے لیے نیک ہدایات کی دعا مانگوں، اللہ رب العزت سے اپنے لیے ہر وہ چیز مانگ لوں جس میں میری بھلائی ہو اور ہر اس چیز سے پناہ مانگوں جو مجھے برائی کی طرف راغب کرے تو بھئی کبھی تو میں اس کوشش میں کامیاب ہو جاتی ہوں اور کبھی ناکام، پھر دن چڑھنے سے لے کر دن ڈھلنے تک بہت سے پلان بناتی ہوں، بہت سے ارادے باندھتی ہوں اور سوچتی ہوں کہ اس سال کو اسی طرح سے گزاروں گی تو کچھ ارادوں میں کامیاب ہو جاتی ہوں اور کچھ میں ناکام، بس یونہی زندگی چلتی رہتی ہے وقت کا سیل رواں بہتا چلا جا رہا ہے۔ جس دن ختم ہو گیا تو کرن میں شاید کہیں کسی کونے یا گوشے میں، دو تین سطروں پر مشتمل یہ چھپا ہوا ہو کہ ہماری بہت پیاری تبصرہ نگار امبر گل اس دنیا سے رخصت ہو گئی ہیں اور پھر دو چار تعزیتی خطوط آ جائیں گے اگلے ماہ، یا شاید وہ بھی نہ ہو ہو سکتا ہے کہ کوئی اطلاع ہی نہ دے۔

زیست کے آخری پیغام سے پہلے پہلے
قرض نمٹاتے چلیں شام سے پہلے پہلے
میں شرمندہ بہت ہوں رفتگان سے جانے کیوں
بدل دیتا ہوں رستہ روز قبرستان سے پہلے پہلے
(حسن ساجد)

2۔ سالگرہ کا یادگار اہتمام تو صرف ہمارے محمد ثمامہ کے لیے ہی ہم کرتے ہیں بلکہ 3 سال سے کر رہے ہیں، پہلے سال میں امی بھی تھیں ہمارے ساتھ، اگلے سال وہ نہیں تھیں تو بھائی جان اور ایان، ارسلان اور سفیان آئے ہوئے تھے ثمامہ کی سیکنڈ لاسٹ برتھ ڈے میں، اس سال بھائی جان بھی نہیں رہے اس دنیا میں تو صرف ہم گھر والے ہی تھے اور ابو جی سامان لا دیتے ہیں میں اور عمیر مل کر بلونز اور جھنڈیاں وغیرہ لگا لیتے ہیں، کیک اسپیشلی حیدر آباد کی بومبے بیکری سے منگواتے ہیں ابو جی، اور گھر میں اچھا کھانا بنا لیتی ہے بنی، محمد ثمامہ کی دو عدد فرینڈز مریم، آمنہ اور امی کے جانے کے بعد میری ماں سے بڑھ کر مجھ سے محبت کرنے والی اور میرے لیے بہت ہی محترم اور شفیق سی ہستی ہماری پڑوسن، آپی وحیدہ آ جاتی ہیں تو بس مل کر کیک کاٹ لیتے ہیں اور بس یہ ہی یادگار ہے ہمارے لیے تو، مزے کی بات بتاؤں اس بار تقریباً" سارا کام بے چارے عمیر نے خود ہی اکیلے کیا اور ڈیجیٹل کیمرہ بھی لایا کہ تصویریں بھی بنائیں گے، لو جی بڑے پوز بنا بنا کر سب نے تصویریں کھنچوائیں۔ پھر خود ہی محترم بیٹھے بنگیے لے رہے تھے کیمرے سے، لے کر ساری تصویریں کسی کے دوبارہ دیکھنے سے بھی پہلے ڈیلیٹ کر دیں، سوری، آسیہ اور نوشین یہ نہ تھی تمہاری قسمت کہ تم مجھے اور ثمامہ کو دیکھتیں۔

3۔ آں (کافی دیر تک غور کرنے کے بعد بھی کچھ یاد نہیں آ رہا!) سالگرہ پر دوستوں اور گھر والوں کی طرف سے ملنے والے گفٹس تو بے شمار ہیں مگر ان میں سے کوئی حیران کن گفٹ نہیں ہے وہی چیزیں ہیں جو سب کو ملتی ہیں ڈریسز بکس، پرفیومز شو پیس، کیک وغیرہ وغیرہ۔
البتہ ایک برتھ ڈے ایسی آئی تھی میری زندگی میں کہ اتنے زیادہ گفٹس ملے تھے اور وہ بھی ان سب دوستوں کے جنہوں نے دور دراز سے مجھے بھیجے تھے اس پر میں بہت حیران ہوئی تھی غالباً" 2007ء میں یا پھر 2008ء کی برتھ ڈے تھی جب لالہ موسیٰ سے آسیہ بٹ نے سرگودھا سے در ثمین نے، بدر مرجان کوٹ چھٹہ سے سائرہ بروا کرن نے اور کراچی سے ریحانہ آفتاب نے گفٹس بھجوائے تھے اور حیران تو میرے خیال سے جھڈو کے ڈاک خانے والے بھی ہو گئے ہوں گے کہ بچی اپنی آخری سالگرہ منا رہی ہے کیا؟ اور اس سے اگلے سال ہی ان میں ایسی کمی ہوئی کہ میں پھر حیران ہو گئی ساتھ ہی پریشان بھی کہ یہ ایک سال میں کیا ماجرا ہو گیا کہ جنگل کا جنگل تباہ ہو گیا تو جناب ہوا کچھ یوں کہ سب کی شادی ہو گئی اور میری بربادی ہو گئی کے مصداق مجھے یہ نہیں سمجھ آتا کہ (ویاہ ہونے کے بعد آخر سب کو پھٹ کیوں پے جاندی اے؟) جواب ضرور دینا کڑیو! باقی بچی ہیں بے چاری آسیہ اور نوشین تو اب ان کے گفٹس کا مجھے شدت سے انتظار ہوتا ہے۔

4۔ زندگی میں کیا کھویا کا تو جواب یہ ہے کہ میرے بہت ہی چاہنے والے ماموں، منظور احمد بھٹی، میری امی ارشاد بیگم اور بھائی جان آفتاب لودھی جب سے دنیا سے گئے ہیں تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے زندگی میں کچھ بچا ہی نہیں ہے میرے پاس، وقت کا تو کام گزرنا ہے سو وہ گزر ہی رہا ہے مگر جینے کا جو لطف ان سب کے ہوتے ہوئے زندگی میں تھا وہ اب کچھ روٹھ گیا ہے مجھ سے، کہتے ہیں۔۔۔ کہ گیا وقت ہاتھ نہیں آتا مگر کبھی کبھی بے ساختہ بلکہ اکثر ہی یہ خواہش دل میں ابھرتی ہے کہ کاش وہ وقت اور میرے اپنے واپس لوٹ آئیں جہاں تک بات ہے کچھ پانے کی تو اللہ رب العزت کا لاکھ لاکھ کرم ہے مجھ گناہ گار بندی پر کہ مجھے ہمیشہ بن مانگے ہی اتنا ملا ہے اور جب جب مانگتی ہوں تو اتنا ملتا ہے کہ جس کی کوئی حد نہیں میری اپنے مولا کریم سے صرف یہی دعا ہے کہ وہ مجھے کبھی کسی کا محتاج نہ کرے اور میرے ہاتھوں کو ہمیشہ دینے والا ہی رکھے کبھی لینے والا نہ بنائے اور سب سے پیاری چیز جو میں نے زندگی میں پائی ہے وہ ہے میرا لاڈلا اور اکلوتا بھتیجا محمد ثمامہ اس کے آنے کے بعد زندگی میں بہت ساری خوشیاں ملی ہیں مجھے اور اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ ہم سب کو نیک راہ پر چلنے اور برائیوں سے بچنے کی توفیق عطا فرمائے۔

شمائلہ تاج ... خانپور

1۔ سالگرہ کے دن جہاں تک زندگی کا مقصد واضح ہونے کا تعلق ہے تو اس دن یہ ضرور سوچتی ہوں کہ اس سال یعنی جو گزر گیا میں نے کیا کیا؟ زندگی میں کیا تبدیل ہوا؟ جو مقاصد میں حاصل کرنا چاہتی تھی آیا میں نے وہ حاصل کیے یا نہیں یا پھر میری زندگی یکسانیت کا شکار رہی؟ میں دین اور دنیا دونوں کے حوالے سے سوچتی ہوں۔
2۔ سالگرہ کا یادگار اہتمام صرف میں نے نہیں بلکہ میں نے اور میری دوستوں نے مل کر کیا۔ ہوا کچھ یوں کہ جب میں ایم اے فائنل میں تھی تب ہماری دوست کلثوم کی سالگرہ تھی۔ ہم سب دوستوں نے مل کر اپنی کلاس کو سجایا اور بہت سارے غبارے بھی لگائے، پھر ڈھیر ساری تالیوں کے درمیان کلثوم نے کیک کاٹا۔ اس دن کی یاد آج بھی

چہرے پر مسکراہٹ لے آتی ہے اور اس دن ایک اور اہم واقعہ بھی ہوا جس نے اس سالگرہ کو مزید یادگار بنادیا وہ یہ کہ اس دن ہم سب کا M.A Previous کا رزلٹ آیا اور ہمارے کالج کے وائس پرنسپل نے خود آکر ہمیں ہماری کلاس میں رزلٹ بتایا۔

3۔ جی جو واقعہ میں آپ کو بتارہی ہوں اس سالگرہ پر ملنے والا گفٹ میرے لیے آج بھی حیران کن ہے۔ ہوا یوں کہ جب میں ایم اے کررہی تھی تب میری سالگرہ رمضان کے مہینے میں آئی۔ میری دوست عطیہ جو کہ میرے محلے میں ہی رہتی ہے (اب اس کی شادی ہوگئی ہے) وہ میری سالگرہ بھول گئی۔ میں نے دن میں کئی بار بہانے بہانے سے اسے یاد کرانے کی کوشش کی مگر بے سود۔ پھر رات تقریباً" 11 بجے میں نے اسے ناراض ہوکر SMS کیا کہ آج میری سالگرہ تھی اس کا سوری کا SMS آیا۔ پھر کیا ہوا کہ تقریباً" پونے بارہ بجے وہ کیک لے کر میرے گھر آگئی۔ میں اس وقت اسے دیکھ کر جتنا خوش ہوئی بتا نہیں سکتی۔ اس نے بتایا کہ اس نے فوراً" اپنے بھائی کو بھیج کر بیکری سے کیک منگوایا تھا اور میرے گھر آگئی سالگرہ وش کرنے۔ کیک کا وہ گفٹ میرے لیے بہت ہی حیران کن اور بہت خوشی کا باعث تھا اور آج بھی ہے۔

4۔ اللہ پاک کا بہت کرم ہے کہ میں نے اب تک گزری زندگی میں کچھ خاص نہیں کھویا سوائے ایک دوست کے' چھوٹی موٹی پریشانیاں تو زندگی کا حصہ ہیں مگر میری ایک دوست کی موت میری اب تک کی زندگی میں ناقابل فراموش ہے۔ میری دوست ماریہ خالد جو اب اس دنیا میں نہیں ہے اس کے مرنے کی جب میں نے خبر سنی تو میں نے کتنی دیر یقین نہیں کیا تھا اور جب تک اور لوگوں سے کنفرم نہیں کیا تھا تب تک میں دعا ہی کرتی رہی کہ یہ جھوٹ ہو مگر وہ سچ تھا۔ ایک تلخ حقیقت اور افسوس کی بات یہ کہ وہ میری بہت اچھی دوست تھی اور مجھے اس کی وفات کی خبر اس کے جنازے کے ایک گھنٹہ بعد ملی۔ ماریہ کی یاد میرے دل میں ہمیشہ رہے گی اور اس کی وفات اس کی سالگرہ والے مہینے میں ہوئی۔

ظل ہما۔۔۔۔ فیصل آباد

سب سے پہلے تمام دوستوں' قارئین اور کرن اسٹاف کو کرن کی سالگرہ بہت بہت مبارک ہو۔

میں نے چاہا کہ تجھے سالگرہ پہ کچھ تحفہ دوں
جس میں جذبوں کے کنول' کلیوں کے نظارے ہوں
جس میں احساس کے سب رنگ ہوں روشن روشن
جس میں آنکھوں سے تراشے ہوئے موتی ہوں
جس میں شامل ہو میرے دل کی دھڑکن دھڑکن
میں نے چاہا کہ تجھے سالگرہ پہ کچھ تحفہ دوں!

1۔ مقصد؟ زندگی کے مقصد کو واضح کرنے کے لیے سالگرہ کا دن ضروری تو نہیں البتہ اہمیت ضرور پتا چلتی ہے کہ ہم کس کس کو یاد ہیں اور کس کس کو نہیں۔ میری سالگرہ 2 دسمبر کو ہوتی ہے۔ اس بار میں نے پہچانا کہ وقتی غفلت رشتوں کو دھندلا تو دیتی ہے مگر ختم نہیں کرتی اور میری زندگی کا مقصد "محبت" ہی تو ہے۔ بھلا محبت سے بڑھ کر کوئی کاروبار ہوگا؟ عبادت بھی محبت کے بناء کی جائے تو جبر لگتی ہے سو ہم محبت کو مقصد بنائے زندگی بسر کرتے ہیں۔

اے ہم سفر تجھے کیا خبر' تیری راہ گزر میری سجدہ گاہ
تیری اک نظر میری زندگی' تیری بے رخی میری موت ہے

2۔ کالج اور یونیورسٹی لائف میں تو خاص اہتمام دوستوں کے لیے ہی ہوا کرتا تھا تحائف کا تبادلہ تو ابھی بھی ہوتا ہے البتہ اپریل 2012ء میں ایک خاص دوست کے لیے وہ اہتمام کیا جو اسے خود بھی نہیں معلوم (کیونکہ وہ مجھ سے دور ہے) اس دن میں نے اکیلے بیٹھ کر سالگرہ کا کیک کاٹا اور خود ہی کھایا بھی اور تو اور میں نے اپنی ازلی سستی بھلا کر اس دن اچھی خاصی تیاری بھی کی تھی اور مزے کی بات یہ ہے کہ جو گفٹ میں نے اسے بھیجا اس میں اسے سب سے زیادہ پسند میری ہینڈ رائٹنگ آئی تھینک یو جانی۔ جگنو کو بھی میری رائٹنگ بہت پسند ہے۔

وہ خود ادیب' نہ شاعر' نہ فلسفی تھا مگر!
ذرا سی دیر میں کیا کیا بنا گیا مجھ کو

3۔ اف۔۔۔۔ حیران کن گفٹ۔۔۔۔ وہ بھی مجھے؟ ارے ہاں یاد آیا' مجھے فورتھ ایئر میں میری فرینڈز ام کلثوم' رقیہ اور پروین نے بہت ڈھیر سارے پھولوں اور کیک کے ساتھ وش کیا تھا اور راز کی بات یہ ہے کہ ان پھولوں میں سے ایک پھول چوری کا تھا اور۔۔۔۔ اس بار دسمبر 2012ء میں عاطف نے مجھے چاکلیٹس کا پیک دیا جس کا زیادہ تر حصہ اس نے خود ہی کھایا تھا۔ البتہ میرا دل کرتا ہے کہ اپنی سالگرہ کسی بہت ہی پیاری ہستی کے ساتھ ڈھیر سارے

پھولوں میں سیلیبریٹ کروں دعا کریں ایسا ہو جائے۔

میں نے خود کو "میں" کہنا چھوڑ دیا
جب سے اس نے کہا "تم میرے ہو"

4۔

زندگی کے سراب رستوں پر
زندگی کی تلاش جاری ہے

کھونے پانے کی داستان تو لمبی ہے مگر اللہ کے نوازنے کی انتہا نہیں' جو دیا اس نے دیا' جو کھویا وہ اس نے واپس لے لیا سو کوئی دکھ نہیں البتہ اپنوں کے بدلنے اور ایک چہرے سے دوسرے تک کے سفر نے نڈھال کر ڈالا۔ لوگ زندگیوں سے کیسے کھیل لیتے ہیں؟ آج تک سمجھ نہیں آیا۔

مجھے خبر نہ ہوئی' کیا تلاش تھی اس کی
جو میری ذات کے صفحے پلٹ گیا یونہی!

آج تک یہ کشمکش حل نہیں ہو پائی کہ ہم سفر کے کس پڑاؤ پہ سوئے تھے کہ راہزن ہاتھ دکھا گئے یا شاید ہمیں اعتماد نے لوٹ لیا۔

میری خوشی نہی تھی شاید
کہ اس پر اختیار میرا تھا

پھر بہار رت نے جھلک دکھلائی اور لگا کہ زندگی ابھی زندہ ہے' محبت نے اپنا رنگ جمایا اور قسمت کے لب بھی مسکائے' تب پتا چلا جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے' سو محبت سب زخم بھلا دیتی ہے۔ باقی ہر طرف اللہ کا کرم ہے اس نے تعلیم' صحت' ماں باپ' بھائی' دوستوں ہر رشتے سے نوازا۔ البتہ گیا سال میری نانو جان کو ہم سے لے گیا۔ (اللہ ان کی قبر کو جنت کا باغ بنائے آمین)

سیما ممتاز عباسی۔۔۔ لاڑکانہ

1۔ ضروری نہیں کہ صرف سالگرہ کا دن ہی ہماری زندگی کے مقصد واضح کرتا ہے' حالانکہ زندگی کے دوسرے مقاصد بھی ہوتے ہیں جو ہم اپنی دانشمندی اور عاجزی سے واضح کریں یا از خود واضح ہوتے ہیں اور سالگرہ تو بس! ایک موقعہ ہے مل بیٹھنے کا!

2۔ سالگرہ کا یادگار دن ہم ہر سال پابندی کے ساتھ مناتے ہیں اپنی شادی کی' کیوں کہ یہ دن کب اور کس کے لیے نہیں اپنی محبت کے نام ہوتا ہے۔

3۔ سالگرہ کے دن پہ تحائف ایک حقیقت ہوتی ہے مگر یہ بھی حقیقت ہے کہ میں نے اپنی دیرینہ دوست کو اس کی سالگرہ پر آج تک کوئی تحفہ نہیں دیا ہے اور نہ ہی اس نے میری سالگرہ پر کبھی وش کیا ہے صرف ہم ایک دوسرے کے جنم دن میں شرکت کرتے ہیں خلوص سے محبت سے۔

4۔ ہم نے اپنی گزری ہوئی زندگی میں صرف پایا ہے یہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی ہے کہ صرف پانے کی خوشی ملی کھونے کا دکھ نہیں۔

نازش صابر۔۔۔۔ رینالہ خورد

1۔ آپ لوگوں نے یہ سوال پوچھ کے ہلا کے رکھ دیا۔ اب کیا بتائیں آپ کو ہمارا بچپنا ختم ہوگا تو پتا چلے گا کہ زندگی کا مقصد کیا ہے۔ میں گریجویشن کررہی ہوں مگر پھر بھی بچی ہوں جب بھائی شمعون بچوں کی طرح ٹریٹ کرتے ہیں تو مجھے بہت اچھا لگتا ہے اور جب فضول حرکتوں پر امی اور دادی سے ڈانٹ پڑتی ہے اور جب فضول سوالوں پر بھائی ڈانٹتے ہیں ویسے سالگرہ والے دن صبح اٹھ کے نماز اور قرآن پاک کی تلاوت ضرور کرتی ہوں اور اللہ سے اپنے نیک ہونے کی دعا کرتی ہوں۔

2۔ ویسے تو گھر میں سب کی سالگرہ منائی جاتی ہے کیک یا کوئی میٹھی ڈش بنائی جاتی ہے اور رات کے بارہ بجے ضرور وش کیا جاتا ہے ڈھیر ساری دعاؤں کے ساتھ یادگار اہتمام جو میں نے کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ یادگار ہو جائے گا۔ میرے بھائی (عابد ندیم صابر) جو اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ وہ G.C یونیورسٹی سے B.S.C نفسیات (آنرز) کررہے تھے ڈگری کمپلیٹ ہو جانے کے بعد ڈینگی وائرس سے ان کی ڈیتھ ہوگئی۔ 12 جون کو ان کا برتھ ڈے تھا وہ گھر (گاؤں) تھے تو ہم گھر والوں نے انہیں سرپرائز دیا تھا رات بارہ بجے کسٹرڈ ان کے منہ میں ڈال کے انہیں وش کیا تھا تو انہیں بہت خوشی ہوئی' کہنے لگے کہ یہ کب بنایا مجھے پتا کیوں نہیں چلا اور اس کے تین ماہ بعد 9 ستمبر 2012ء کو ان کی ڈیتھ ہوگئی۔

3۔ میرے لیے سب سے اچھا گفٹ وہ ہوتا ہے جب میرے اپنے رات 12:00 بجے مجھے وش کرکے بہت سی دعائیں دیتے ہیں گفٹ بھی ملتے ہیں اور سب اچھے اور بہترین ہوتے ہیں اور اگر کوئی مجھے برنسلٹ گفٹ کرے تو وہ بہت پسند آتا ہے۔

4۔ 2012ء میں میں نے اپنا بہت پیارا بھائی کھویا ہے جو ہم سب گھر والوں سے بہت پیار کرتا تھا ہر اک کے

چہرے پہ مسکراہٹ دیکھنے کا خواہش مند میرا بھائی سب کو روتا ہوا چھوڑ گیا 15 سال پہلے ہم نے اپنے ابو کو کھویا تھا اور اب ابو سے مشابہت رکھنے والا بھائی۔ میرے ابو کو گاؤں والے اب تک نہیں بھولے کیونکہ میرے ابو ڈاکٹر تھے اور اب 15 سال گزر جانے کے باوجود گاؤں کا ہر فرد ان کی تعریف کرتا ہے اور اب میرا بھائی لاہور میں رہنے کے باوجود گاؤں کے لوگوں کے دلوں میں بھی رہتا ہے۔

میری فرینڈز کہتی ہیں تم بہت لکی ہو تمہارے بھائی بہت اچھے ہیں ان کی سوچ بہت اچھی ہے ہماری خواہش ہے ہمارے بھی بھائی ایسے ہوں میں بھی دعا کرتی ہوں اللہ تعالیٰ ہر بہن کو اتنے چاہنے والے بھائی دے جتنا بھائی شمعون بھائی عابد، بھائی ماجد ہمیں پیار کرتے ہیں۔ میں بھی اپنے گھر والوں سے بہت پیار کرتی ہوں اللہ تعالیٰ میرے ابو، میرے بھائی کو، ام ثمامہ کے بھائی کو اور جو سب اپنے پیاروں کو چھوڑ گئے ہیں انہیں اپنی رحمت کے صدقے بخش دے آمین۔

آسیہ آفتاب ... باغبان پورہ، لاہور

1۔ جب میں سوچتی ہوں زندگی کے کشکول میں سے ماہ و سال کی نقدی ختم ہوتی جا رہی ہے تو سالگرہ کا تصور ہی میرے دل میں نیزے کی انی کی طرح گڑ جاتا ہے۔ زیست کا ہر گزرتا لمحہ، ہر پل، ہر ساعت مجھے جھنجھوڑتی رہتی ہے کہ وقت کا بے لگام گھوڑا سرپٹ بھاگتا چلا جا رہا ہے، بہت سے ارادے کرتی ہوں۔ خود سے بہت سے عہد و پیماں باندھتی ہوں مگر وہ حضرت علیؓ کا فرمان ہے نا کہ ”میں نے اپنے رب کو اپنے ارادوں کے ٹوٹنے سے پہچانا۔“

جوں جوں سالگرہ کا دن قریب آنے لگتا ہے میری حالت اس کبوتر کی مانند ہوتی جاتی ہے جو بلی کی شکل میں موت کی حقیقت کو سامنے پا کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ سالگرہ کا دن تو بہت دور کی بات ہے ہر گزرتا لمحہ، عمر رواں کا ہر پل، ہر گھڑی اس فانی دنیا کی حقیقت اور زندگی کا مقصد واضح کرتا ہے۔

2۔ بچوں کی سالگرہ تو ایک معصوم سی خوشی کے طور پر منائی ہی جاتی ہے مگر میں ہر سال اپنے میاں کی سالگرہ کا اہتمام ضرور کرتی ہوں۔ کیک، کوک اور کینڈل میز پر رکھ کر میں اور بچے زبردستی انہیں گھیر کر بٹھا دیتے ہیں کہ اب کیک کاٹیں۔

3۔ 2010ء میں میں نے اپنے میاں صاحب کو اپلائیڈ فار موٹر سائیکل کا تحفہ دیا تھا۔

4۔ اب تک کی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے بے شمار اور ان گنت نعمتیں عطا فرمائیں۔ میرے جسم کا روم روم ذات اقدس و برحق کا مشکور اور ممنون ہے۔ میں رب کائنات کی بے حد مقروض ہوں میں خاک کے ذرے سے بھی حقیر ہوں مگر اس نے ہمیشہ مجھ سے ستر ماؤں سے زیادہ محبت کی۔ زندگی دی، صحت و سلامتی سے نوازا (الحمدللہ) علم عطا کیا، شعور و فہم سے بہرہ مند کیا، سماعت دی، گویائی دی بصارت بخشی۔ ہر ہر سانس کے لیے رب کائنات کی مشکور ہوں۔ مگر مشیت ایزدی! کہ گزشتہ چند برسوں میں اس نے مجھ سے میرے چند انمول رشتے چھین لیے۔ جن کا تذکرہ کرنے کا میرے قلم میں حوصلہ ہے نہ ظرف۔

ثمینہ اکرم ... کراچی

کرن کی سالگرہ کے موقعہ پر میری دعا ہے کہ یہ رسالہ اسی طرح شہرت کے آسماں کا روشن ستارہ بن کر ہر سو اپنی روشنیاں بکھیرتا رہے۔ (آمین)

1۔ ہم اپنی تاریخ پیدائش کی جسے عرف عام میں سالگرہ کہا جاتا ہے بہت خوشیاں مناتے ہیں مگر یہ نہیں سوچتے کہ اچھے کام کرنے کے لیے ہماری زندگی [illegible] سال کم ہو گیا ہے۔ اس دن ہمیں اپنی پچھلی [illegible] گی پر غور و فکر کرنا چاہیے اور یہ سوچنا چاہیے کہ اب تک [illegible] ہم نے کن کاموں میں گزاری؟ ہماری زندگی کا اصل مقصد کیا ہے؟ کیا ہم اللہ اور رسول اکرمؐ کے بتائے ہوئے راستہ پر چل رہے ہیں؟ اسی طرح اپنی زندگی کا محاسبہ کرتے ہوئے اپنے مقصد حیات کو سمجھنا اور آئندہ زندگی کا لائحہ عمل طے کرنا چاہیے۔

اپنی نعمتوں بھری زندگی پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے اور اپنی صحت اور زندگی کو غنیمت جانتے ہوئے عمل صالح اختیار کرنا چاہیے تاکہ اللہ ہم سے خوش ہو جائے ہو سکتا ہے کہ بعد میں ہمیں زندگی توبہ کی مہلت نہ دے۔

2۔ سالگرہ کا یادگار اہتمام میں نے 8 مئی کو اپنے بیٹے معیز اکرم کے لیے کیا۔ شادی کے بعد معیز کافی ارمانوں اور دعاؤں کے بعد دنیا میں آیا تھا اسی لیے سب کا لاڈلا اور چہیتا تھا۔ جب معیز کی پہلی سالگرہ آئی تو میں نے اس کی برتھ ڈے پارٹی، سفاری پارک میں ارینج کی تھی۔ فیملی پکنک

سالگرہ کے حوالے سے بھی یہ تقریب یادگار بن گئی۔ بچوں کے ساتھ سب بڑوں نے بھی وہاں خوب انجوائے کیا۔ جب معیز کو شیروانی اور ہار گلے میں پہنائے گئے تو بے ساختہ بولا ”مجھے دولہا نہیں بننا۔“ ایک سال کے بچے کی ایسی بات سن کر سب بے ساختہ ہنس پڑے۔ اب تک پہلی سالگرہ پر ملنے والے کھلونے معیز نے سنبھال کر رکھے تھے۔

اس کے بعد چھوٹے بیٹے طحہ کی بھی کئی سالگرائیں بہت دھوم دھام سے منائی گئیں۔ اتنے بڑے پیمانے پر طحہ کی سالگرہ کا فنکشن ہوا جسے مدتوں لوگوں نے یاد رکھا اور ابھی تک تصاویر کی صورت میں البم میں محفوظ ہے۔ اب معیز اکرم تو رہا نہیں اس کی یادیں ہی زندگی کا حاصل ہیں۔

اس کی بچپن سے لے کر جوانی تک کی تصاویر کی البم صبح و شام دیکھتی ہوں اسی طرح پیاسی ممتا کو قرار ملتا ہے۔

3۔ سالگرہ پر ملنے والا حیران کن گفٹ جو مجھے ملا وہ کئی سال پہلے ملنے والا ”ترجمہ و تفسیر والا قرآن پاک“ ہے۔ اپنی ایک اسٹوڈنٹ کی طرف سے ملنے والے اس نایاب تحفے نے مجھے حیران کر دیا اور دوسرا سالگرہ پر جو میں نے سرپرائز گفٹ دیا وہ اپنے شہزادے شہید معیز کو اس کی سالگرہ پر دیا۔ معیز کافی دنوں سے ٹچ اسکرین موبائل کے لیے پیسے جمع کر رہا تھا مگر پیسے پورے نہ ہونے کی صورت میں وہ موبائل خرید نہیں پا رہا تھا۔ جب اچانک اسے اپنا فیورٹ موبائل ملا تو خوشی اس کے چہرے سے روشنی کی مانند پھوٹی وہ اتنا حیران اور خوش ہوا کہ کس طرح امی نے میرے دل کی خواہش کو جان لیا۔ اس کی وہ خوشی اور حیران کن کیفیت ناقابل بیان ہے اگر مجھے پتا ہوتا کہ یہ اس قدر مختصر زندگی لایا ہے تو میں دنیا بھر کی نعمتیں اس کے قدموں میں ڈھیر کر دیتی۔ اس کی ہر خواہش کو لمحوں میں پورا کر دیتی کیونکہ وہ تو چھوٹی چھوٹی چیزوں سے خوش ہونے والا بچہ تھا۔ آج جب شہید معیز ہم میں نہیں تو اس کی یادیں ہی میرے لیے زاد راہ ہیں۔

4۔ اب تک کی گزری زندگی میں کیا کھویا اور کیا پایا؟ اس سوال کا جواب اب میں بہت بہتر طور پر دے سکوں گی کیونکہ زندگی کی اصل حقیقت کو میں نے اب ہی جانا ہے میری اب تک کی گزری زندگی میں راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔ گھر، بچے محبت کرنے والا شوہر اللہ کا دیا سب کچھ تو

سالگرہ نمبر

تھا میرے پاس کسی چیز کی خلش نہ تھی کہ اچانک 11 نومبر 2012ء کی رات نے میرا سب کچھ مجھ سے چھین لیا۔ میرا سب سے بڑا بیٹا معیز اکرم اپنی جاب سے واپس گھر آتے ہوئے ایک ٹریفک حادثے میں شہید ہو گیا (اناللہ وانا الیہ راجعون) یہاں آکر جیسے لفظ گم ہو جاتے ہیں۔ جب یہ حادثہ یاد آتا ہے جیسے ذہن سے ہر چیز محو ہو جاتی ہے صرف اور صرف معیز یاد رہ جاتا ہے۔ کہتے ہیں نا کہ عورت کا اصل عشق اس کی اولاد ہوتی ہے اس بات کی صداقت میں نے اب جانی۔ ہر وقت دل میں اس کی یاد، نگاہوں میں اس کی تصویر اور لبوں پر اس کے لیے دعائے مغفرت رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا صحیح معنوں میں مجھے اب اندازہ ہوا۔ بندہ بھی بڑا ناشکرا ہے کھونے کے بعد ہی سنبھلتا ہے۔

اب تک کی زندگی میں، میں نے اپنی متاع حیات (معیز اکرم) کو کھو دیا اس جان لیوا صدمے میں اگر کوئی چیز مجھے حوصلہ دیتی ہے تو وہ اپنے بیٹے کے شہادت کے مرتبے پر فائز ہونے کا یقین ہے ورنہ جوان اولاد کے بچھڑنے کا دکھ تو چٹان جیسے اعصاب کو بھی ریزہ ریزہ کر دیتا ہے۔ میں نے اپنے بیٹے (21 سالہ نوجوان) کی شہادت کے بعد اللہ کا قرب پایا میرا یقین اپنے رب پر اور بھی پختہ ہو گیا کہ اللہ کی رضا میں راضی رہنے میں ہی دنیا و آخرت کی کامیابی ہے۔

اور پھر میرے پیارے اللہ نے مجھے شہید کی ماں کے رتبہ پر فائز کیا اور مجھ پر اپنا بڑا فضل کیا کہ اپنے بیٹے کے بچھڑنے کے بعد میں اللہ کے اور زیادہ قریب ہو گئی۔ رب نے مجھے دین کے راستہ پر چلایا اور مجھے اپنی آخرت کی فکر دی۔ اپنے رب سے ڈرتے ہوئے اپنی زندگی گزارنے کی ہدایت و توفیق عطا فرمائی۔ اے اللہ تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے۔ میرے شہید بیٹے کی مغفرت فرما اور مجھے سیدھا راستہ دکھا (آمین)

ہما خان۔۔۔ میرپور خاص

1۔ جی بالکل میری زندگی کا مقصد ہے میں اپنی فیملی کے لیے ہر وہ کام کروں جس سے ان کو خوشی ملے۔

2۔ جی نہیں میں نے آج تک سالگرہ کا یادگار اہتمام کسی خاص شخص کے لیے نہیں کیا۔

3۔ تحفے تو ملتے ہی رہتے ہیں لیکن میری زندگی کا سب سے یادگار لمحہ وہ ہے جب میرا سب سے پہلا بھانجا مانی اس دنیا میں آیا میں نے اس کے لیے بہت پیارے پیارے گفٹ لیے بہت شاپنگ کی اس کے لیے۔ دوسرا جب میں نے اپنے بیسٹ فرینڈ ندیم کو اس کی سالگرہ پہ گفٹ دیا یہ دونوں بہت خاص لمحے تھے میرے لیے۔

4۔ اللہ کا شکر اب تک کچھ نہیں کھویا زندگی سے بہت کچھ پایا ہے اپنی پیاری فیملی کے علاوہ اللہ نے مجھے بہت پیارا بہت سویٹ دوست دیا ہے ندیم جس کو میں کبھی نہیں کھونا چاہتی اللہ اس کو لمبی زندگی دے۔ (آمین)

سیماب علی۔۔۔ ڈیرہ اسماعیل خان

سالگرہ کے پر مسرت موقع پر ادارہ کرن اور ہر رائٹرز کو مبارکباد قبول ہو ذوالقرنین بھیا (مرحوم) کی شب و روز محنت، لگن اور مختلف سندر تحریروں سے کرن ڈائجسٹ ہر عام و خاص جگہ پر مقبول ہے۔ اور یہ مقبولیت صرف اور صرف محمود ریاض، ذوالقرنین (مرحوم) کی بھرپور کوشش اور محنت کا حسین ثمر ہے۔ دعا ہے یہ کامیابی شب و روز بڑھتی رہے۔ (آمین)

1۔ حسین زندگی اک نعمت ہے اور اس دلربا انمول نعمت کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ جس کا امین ابن آدم ہے پھر ہر چیز کا مقصد ہے اور انسان کی زندگی سراپا امتحان ہے' اک مقصد ہے۔ بقول شاعر۔

فقط درد دل زندگی کا ہے مقصد
مگر بھول بیٹھا ہے اس کو زمانہ

پھر سالگرہ کا دن مجھ پر عرفان ذات کا شعور ثبت کرتا ہے کہ حسین زندگی خوشی غم، خزاں بہار کا سنجوگ ہے اور اس پیام زندگی کو امن و سلامتی کے پلیٹ فارم پر صلہ رحمی حسن اخلاق، باہمی ہمدردی، محبت، انسانیت کے حسین احساس سے ظاہر کرتا ہے۔ شومئی قسمت انسان جو تمام مخلوق سے افضل ہے' اشرف المخلوقات ہے۔ آج ابلیس کے زنگ آلود پھیلے جال میں الجھ کر پرچم آدمیت کو خود اپنے ہاتھوں سے گرا کر بے حس اور خاموش ہے۔

خود ہی شاخ کاٹ دی جس پہ آشیانہ تھا
مت کسی بھی غیر سے اس کا اب گلہ کرو

2۔ پہلی بار سالگرہ کا اہتمام میں نے اپنی بیسٹ فرینڈ ایف ایس کے لیے کیا تھا اور اس کی برتھ ڈے کو تمام دوستوں کے سنگ اک محبت بھرے انداز میں سیلیبریٹ کیا تھا۔ جو اس کے لیے اک خاص اچھوتا سرپرائز تھا۔ دلچسپ بات یہ کہ اسے خود بھی علم نہیں تھا کہ یہ برتھ ڈے کس کا ہے؟ وہ سندر لمحات پر کیف دن آج بھی مرے احساسات پر قابض ہیں جسے بھولنا میرے بس کی بات نہیں ہے کیونکہ۔۔۔۔

جو دل تھا اسے دے دیا وہ بھی ہم نے
ہمیں تو تھا مرنا' مرے چپکے چپکے

3۔ سالگرہ پر ملنے والا حیران کن گفٹ میرے لیے ایف ایس (بیسٹ فرینڈ) کی طرف سے پہلا برتھ ڈے کارڈ اور اس پر رقم مختلف اشعار اور میں نے ہر دوست کی برتھ ڈے کو خلوص دل سے سیلیبریٹ بھی کیا ہے اور پھر ہر دوست' عزیز کو اس کے مزاج کی مناسبت سے تحفہ بھی دیا ہے اور خصوصی طور پر ہر دوست کے لیے خلوص دل سے دعا کی ہے۔

میرا دل تو صاف اور شفاف ہے
پڑھ لو اس کو ہے کھلی یہ اک کتاب

4۔ بہت مشکل سوال ہے۔ بہر کیف میں نے بہت کچھ حاصل کیا ہے اور بہت کچھ کھویا بھی ہے۔ سب سے بڑھ کر مرے لیے گھر کے ہر فرد کے لیے جو انمول تحفہ والدین کا تھا انہیں کھویا ہے۔ والدین تمام بچوں کے لیے بہترین سرمایہ حیات ہیں۔ ان کے چلے جانے کے بعد جو دکھ پل پل زندگی کو بے نور کر دیتا ہے اسے قلم بند کرنے سے قاصر ہوں۔

سدا ماں باپ کی عزت کرو دوستو
سدا ماں باپ کا ہی دم بھرو دوستو

نہیں ماں باپ کا دنیا میں نعم البدل
نہ اف تک بھی ماں باپ کو کہو دوستو

اگر ماضی اور حال کی دہلیز پر کچھ پل سوچوں تو بے حسی کے تخت پر براجمان دوستوں' عزیزوں کو نظریں چراتے ہوئے دیکھا ہے پل پل رنگ بدلتے ہوئے دیکھا ہے۔ ہماری حسین زندگی ہر کسی کے لیے اہم نہیں ہے۔ اہم تب ہے جب کسی کو ہماری ضرورت پڑتی ہے۔ ورنہ کوئی مرے یا جیے کسی عزیز' دوست کو کوئی غرض نہیں ہے۔

دوستوں کی نیتوں سے بے خبر رہے ہم
دوستوں نے بھی دیے ہیں زندگی میں غم ہی غم

اسی طرح اگر دنیا کے بازار میں ہر سو دیکھوں تو پل پل سسکتی مچلتی انسانیت کو دیکھ کر دل خون کے آنسو روتا ہے۔ قتل و غارت' لوٹ مار' دہشت' بے روزگاری' مہنگائی' کرپشن کے ہاتھوں پرچم آدمیت کو گرتے ہوئے دیکھا ہے' امن و سلامتی کے نام پر سیاست کو بکتے ہوئے دیکھا ہے۔

فانی زیست کے سفر میں کچھ لمحہ صراط مستقیم کی چھاؤں کو محسوس کروں تو یوں لگتا ہے کہ میں نے پرسکون قلب جیسی انمول دولت کو پایا ہے' اللہ رب العزت سے مانگنا سیکھا ہے۔ کیونکہ دین و دنیا کی بھلائی کامیابی صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔

پھر ماں پیاری ماں جیسی عظیم ہستی جنوری 2010ء کو اس فانی دنیا سے رخصت کیا ہوئی تھی کہ جیسے میری روح نے جسم کا ساتھ چھوڑ دیا ہو۔ ماں کی اچانک موت ہم سب کے لیے سوہان روح تھی چونکہ والد محترم بچپن ہی میں وفات پا چکے تھے اس لیے ماں پیاری ماں کے بعد گھر بالکل ویران سا ہو گیا ہے۔ زندگی سے دلچسپی ختم ہو گئی تھی۔ لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے صبر و تحمل عطا کر کے اپنا فضل و کرم ہم سب گھر والوں پر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے شمار نعمتوں احسانوں کا جس قدر بھی شکر کروں وہ کم ہے۔

نعمتیں تو نے کروڑوں ہی عطا کر دیں مجھے
میں نے کی جس کی تمنا مجھ کو وہ نعمت ملی

اللہ تعالیٰ کے ذکر سے سکون قلب حاصل ہوتا ہے۔ بس مقررہ وقت پر نماز قائم کرنا' قرآن پاک کی تلاوت کرنا درود پاک' استغفار کے سنگ حسن اخلاق اور صلہ رحمی کرنا دور حاضر میں صلہ رحمی کا مفہوم بے حسی اور مفاد پرستی ہے اللہ تعالیٰ ہم سب کو اچھی سوچ عطا فرمائے عقل سلیم ہدایت کاملہ عطا فرمائے اور دنیا کے ہر کونے کو ہدایت کے نور سے روشن کر دے۔ پاکستان کے ہر شہر' گاؤں کو امن و سلامتی سے مہکا کر زندگی کو گل گلزار کر دے۔ (امین)

عفت۔۔۔ راولپنڈی

1۔ بچپن میں تو مجھے اس چیز کا شعور نہیں تھا مگر اب میں سالگرہ کا دن لازمی مناتی ہوں چاہے عام انداز میں کیوں نہ مناؤں۔ اس سے یہ بات ذہن میں آتی ہے کہ زندگی کے پاس سب کچھ ہے مگر چھوٹی چھوٹی خوشیاں تلاش کرنے کے لیے خود محنت کرنی پڑتی ہے۔

2۔ میں نے آج سے دو سال پہلے باقاعدہ سالگرہ منائی تھی اور وہ بھی صرف اور صرف اپنے لیے کیونکہ میں مکمل طور پر ڈپریشن کا شکار ہو چکی تھی اور خود کو زندگی کی طرف لانے کے لیے میں نے سالگرہ منانے کا فیصلہ کیا تھا۔

3۔ مجھے سالگرہ پر آج تک کوئی حیران کن گفٹ نہیں ملا اور چھوٹی بہن کی سالگرہ کا انتظام میں ہمیشہ کر کے اسے سرپرائز دیتی ہوں مگر حیران کن گفٹ میں نے آج تک کسی کو نہیں دیا۔

4۔ اب تک کی گزری زندگی میں نے ہمیشہ کھویا ہی کھویا ہے اور جو پایا ہے وہ کھونے کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے کیونکہ میں بچپن سے نفسیاتی مریض ہوں۔ میری زندگی کے خوب صورت دن اگست' ستمبر کے تھے جب میں نے ڈپریشن سے وقتی طور پر نجات حاصل کی اور اس کے علاوہ مجھے اس دن کا انتظار ہے۔ جب میں ڈپریشن سے نجات مستقل حاصل کر لوں گی۔

باقی آئندہ شمارے میں

نبیلہ عزیز

در گماں

بڑی حویلی کے تمام مکین وقار آفندی سے بڑی عقیدت اور محبت رکھتے ہیں اور علیزے تو اپنے بابا کی شخصیت سے بہت ہی متاثر ہے۔

مدحیہ اور نبیل حیات دو ہی بہن بھائی ہیں، مدحیہ انتہائی بگڑی ہوئی اور خود سر لڑکی ہے، وہ انگلینڈ کی رنگینیوں میں مکمل طور پہ رنگ چکی ہے، جس کے پیش نظر فائزہ بیگم، نبیل کو پاکستان شفٹ ہونے کا مشورہ دیتی ہیں، لیکن مدحیہ پاکستان جانے سے انکار کر دیتی ہے، جس پہ نبیل اور فائزہ بیگم بے حد پریشان ہیں۔

زری کو اپنے بھائی عبداللہ کے دوست سے محبت ہے، مگر وہ کسی کو بھی اس راز میں شامل نہیں کرنا چاہتی اور یہ جذبہ اندر ہی اندر پنپ رہا ہے۔

عدیل کافی عرصہ سے نوکری کی تلاش میں ہے، مگر ہر روز مایوسی اور ناکامی کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوتا، بے بسی اور مجبوری سے تنگ آ کر خودکشی کرنے کا سوچتا ہے، لیکن ایسے میں ایک روز اسے ڈھابے میں چائے پیتے ہوئے باؤ امتیاز مل جاتا ہے، جو اسے کام کی آفر کرتا ہے، جس پر عدیل کافی خوش ہوتا ہے، اسی خوشی میں وہ کام کی بابت پوچھنا بھول جاتا ہے۔

منصور حسین ایک غریب اور میٹرک پاس آدمی ہے، وہ مبارک خان کے توسط سے بڑی حویلی میں وقار آفندی سے نوکری مانگنے آتا ہے، وقار آفندی کوئی بھی جگہ خالی نہ ہونے کے باعث اسے دوبارہ آنے کا کہہ کر واپس بھیج دیتے ہیں اور وہ مایوسی سے واپس لوٹ جاتا ہے۔

دلاور شاہ کا شمار ملک کے بہترین اور منجھے ہوئے وکیلوں میں ہوتا ہے، وہ اپنے قول و فعل کا بہت پکا آدمی ہے، اس نے کبھی ہارنا نہیں سیکھا، اس کی ماں بتول شاہ کو اپنے بیٹے کی قابلیت اور ذہانت پہ بہت بھروسہ ہے اور اس کا یقین وہ دوسروں کو بھی دیتی ہیں۔

—۲۹—

انتیسویں قسط

دانیال کو اس کی فلائٹ کا پہلے سے ہی پتا تھا۔

اسی لیے وہ کسی ڈرائیور کو ایئرپورٹ بھیجنے کے بجائے خود ہی اسے ریسیو کرنے کے لیے آگیا تھا۔ جبکہ دوسری طرف آذر کو بھی ڈرائیور کی ہی امید تھی لیکن ڈرائیور کی جگہ دانیال کو دیکھ کر اسے حیرت بھی ہوئی تھی اور وہ ٹھٹکا بھی تھا لیکن پھر بھی اس نے فوراً ہی اپنی حیرت کا اظہار نہیں کیا تھا..... بلکہ دبا گیا تھا۔

"السلام علیکم.....! کیسے ہو؟" آذر نے ہی آگے بڑھ کر اس سے ہاتھ ملاتے اور حال احوال پوچھنے میں پہل کی تھی کیونکہ دانیال تو اپنی جگہ پہ خاموش کھڑا تھا۔

"وعلیکم السلام.....! میں ٹھیک ہوں اللہ کا شکر ہے تم اپنی سناؤ کیسے ہو؟" دانیال نے اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا تھا۔

"میں بھی ٹھیک ہوں.....! مجھے کیا ہونا ہے بھلا؟" آذر نے لاپروائی سے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا اور قدم پارکنگ کی سمت بڑھا دیے تھے۔

"ہونے کو تو کچھ بھی ہو سکتا ہے..... اس میں کون سی دیر لگتی ہے.....؟" دانیال نے استہزائیہ سے لہجے میں کہتے ہوئے آذر کے ہاتھ سے اٹیچی کیس کا ہینڈل تھام لیا تھا اور اٹیچی کیس کو گھسیٹتے ہوئے اس کے ساتھ اس کے برابر چلنے لگا تھا۔

"ہونہہ! واقعی کچھ بھی ہونے میں دیر نہیں لگتی....." آذر نے آہستگی سے اعتراف میں سر ہلایا تھا۔

"ہاں.....! انسان آخر واپس لوٹ ہی آتا ہے تم سناؤ واپسی کا سفر کیسا رہا؟" دانیال سامنے دیکھتے ہوئے چل رہا تھا جبکہ آذر کی نظریں چونک کر دانیال کے چہرے پہ جا ٹھہری تھیں۔

"واپسی کا سفر.....؟"

"ہاں.....! واپسی کا سفر..... اور شاید علیزے سے کومل تک کا سفر....." دانیال عجیب سے انداز میں کہتے ہوئے آگے بڑھ کے گاڑی کے ڈور کھولنے لگا تھا جبکہ آذر اس کی بات پہ دیکھتا رہ گیا تھا۔

"اب دیکھ کیا رہے ہو؟ گاڑی میں بیٹھو واپس تو تم آ ہی گئے ہو دوبارہ کہاں جاؤ گے؟" دانیال نے اٹیچی کیس گاڑی کی ڈگی میں رکھنے کے بعد اسے بھی گاڑی میں بیٹھنے کے لیے متوجہ کیا تھا اور آذر کسی دھیان سے چونک کر بے ساختہ ایک گہری سانس کھینچتے ہوئے فرنٹ ڈور کھول کر گاڑی میں بیٹھ گیا تھا اور اس کے ساتھ ہی دانیال نے بھی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی تھی۔

"گھر چلو گے یا ہاسپٹل.....؟" اس نے بڑی احتیاط سے گاڑی پارکنگ سے نکال کر روڈ پہ ڈالتے ہوئے آذر سے سوال کیا تھا جس پہ آذر کو ایک بار پھر چونکنا پڑا تھا۔

"ہاسپٹل..... مگر کیوں.....؟" اس نے دانیال کی سمت دیکھتے ہوئے پوچھا تھا۔

"ڈیڈ کی طبیعت بہت خراب ہے..... کل سے ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہیں..... میں بھی ہاسپٹل میں ان کے پاس ہی تھا..... وہیں سے تمہیں ریسیو کرنے کے لیے آیا ہوں....." دانیال ڈرائیونگ کے دوران بڑے سکون سے اسے جواب دے رہا تھا۔

"تم نے کل تو مجھے نہیں بتایا تھا.....؟" آذر پریشان ہو چکا تھا۔

"کل بتا دیتا تو تم کیا کر لیتے.....؟ آنا تو پھر بھی تم نے آج ہی تھا نا؟" دانیال تو جیسے ہر بات کو ہی سکون سے لے رہا تھا۔

"دانیال.....! تم ہر بات میں طنز سے کام کیوں لے رہے ہو.....؟" آذر کو جھنجلاہٹ ہونے لگی تھی۔

"ہونہہ.....! مجھے کیا ضرورت ہے ہر بات میں طنز سے کام لینے کی..... ہاں یہ اور بات ہے کہ دلوں میں اور لہجوں

میں زہر اتر آیا ہے جن کی آمیزش ہر بات اور ہر لفظ میں محسوس ہوتی ہے..... اس میں کوئی دانستہ عمل شامل نہیں ہے۔" اس نے موڑ کاٹتے ہوئے جواز پیش کیا تھا اور آذر اس کی بات پہ لب بھینچ کے رہ گیا تھا۔

"خیر پھر بھی تمہیں طنز لگا ہے تو معذرت چاہتا ہوں۔" دانیال نے کندھے اچکاتے ہوئے معذرت بھی کر لی تھی اور آذر مزید کچھ بھی نہیں کہہ سکا تھا اور ان کا باقی کا سفر خاموشی میں ہی کٹا تھا' دانیال نے گاڑی ہاسپٹل کی پارکنگ میں پارک کی تھی اور آگے پیچھے دونوں ہی گاڑی سے اتر آئے تھے ان کا رخ اندر کی طرف تھا۔

"آنی.....!" ہاسپٹل کی راہداری میں داخل ہوتے ہی آسیہ آفندی سے ٹکراؤ ہوا تھا اور وہ بے ساختہ ان کے سامنے ٹھہر گیا تھا جس پہ آسیہ آفندی بھی اچانک اسے اپنے سامنے دیکھ کر خود پہ کنٹرول نہیں رکھ پائی تھیں۔

"آذر.....! میرا بیٹا۔" وہ اس کے کندھے سے لگ کر بے اختیار ہچکیوں سے رو پڑی تھیں انہوں نے بیچ راستے کا بھی خیال نہیں کیا تھا اور آذر ان کے کندھے کے گرد بازو حمائل کرتے ہوئے انہیں تسلی دینے لگا تھا.....

"پلیز آنی.....! سنبھالیں اپنے آپ کو ڈیڈ ان شاء اللہ جلدی ٹھیک ہو جائیں گے۔ آپ بس دعا کریں ان کے لیے۔" اس نے دوسرے ہاتھ سے ان کے سر اور کندھے کو تھپکتے ——— اور سہلاتے ہوئے انہیں ڈھارس دینے کی کوشش کی تھی۔

"میری دعاؤں سے کب کچھ سنور رہا ہے.....؟ سب کچھ برباد ہو گیا ہے میں، میں اجڑ گئی ہوں آذر..... میرا سب کچھ بکھر گیا ہے..... میں تنہا ہو گئی ہوں۔" وہ بے تحاشا روتے ہوئے اپنا درد اپنی تکلیف اور اپنا دکھ بیان کر رہی تھیں جس کو آذر بھی گہرائی سے اور کافی اچھی طرح سے سمجھتا تھا مگر کیا کر سکتا تھا بھلا.....؟ سوائے تسلی اور دلاسوں کے.....!

"میں تنہا ہو گئی ہوں آذر.....! میں بھری دنیا میں تنہا ہو گئی ہوں..... اکیلی رہ گئی ہوں سب کے درمیان۔" آسیہ آفندی تڑپ تڑپ کے رو رہی تھیں بین کر رہی تھیں ان سے علیزے آفندی کی جدائی کا اور وقار آفندی کی بیماری کا دکھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔

"ایسا مت کہیں آنی.....! ہم سب آپ کے ساتھ ہیں آپ کے ہر دکھ سکھ میں آپ کے شریک ہیں آپ اپنے آپ کو اکیلا کیوں سمجھ رہی ہیں؟ کیا پہلے کبھی ایسا ہوا ہے جو اب ہو گا؟ بس درمیان میں حالات کچھ ایسے ہو گئے کہ پوری زندگی کا توازن ہی بگڑ گیا تھا..... لیکن ہمیشہ تو ایسا نہیں ہو سکتا نا؟ توازن آخر بحال ہو ہی جاتا ہے۔" آذر نے انہیں بھرپور تسلی دینے کی پوری پوری کوشش کی تھی اور پھر یونہی انہیں اپنے ساتھ لیے وقار آفندی کے لیے ریزرو پرائیویٹ روم میں لے آیا تھا اور اس کے پیچھے کھڑا دانیال اس کی باتوں پہ غور کرتا رہ گیا تھا.....!

☼ ☼ ☼

اس ایک خواب میں آج تک
میں بندھا ہوں اس کے جال میں
کوئی شہر یار وفاؤں کا
کبھی آئے عشق کے تخت پر
کہیں دور شہر جمال میں
میرے سرد جسم کو ڈھانپ دے
وہ سلگتی سانسوں کی شال میں
جہاں میں ہوں اس کے خواب میں

جہاں وہ ہو میرے سوال میں
نہ ہو ایک سانس کا فاصلہ
جہاں اس کے میرے وصال میں.....

آج بہت ٹھنڈ تھی اور وہ تازہ تازہ شاور لے کر باہر آئی تھی اسی لیے ٹھنڈ سے بچنے کی خاطر اس نے ٹی وی لاؤنج کا ہیٹر آن کر دیا تھا اور ذرا سی دیر میں ہی پورے لاؤنج کا ماحول گرمائش کی لپیٹ میں آ گیا تھا رفتہ رفتہ اس کی کپکپی کم ہوتی گئی اسی لیے وہ ریلیکس ہو کر صوفے پہ نیم دراز سی ٹی وی دیکھنے لگی تھی اور یونہی ٹی وی دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھ لگ گئی تھی۔

اور آنکھ لگے ابھی زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ اسے راہداری میں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی تھی' چاپ بھی ایسی کہ دل پہ لگے..... اور دل جاگ جائے اور جب انسان کا دل جاگ جاتا ہے تو اس کی دنیا سو جاتی ہے۔

اور اس وقت زری کے ساتھ بھی کچھ ایسا ہی ہوا تھا..... اس کا دل جاگ چکا تھا اور دنیا سو چکی تھی۔

اس کے دل کی بستی کی ہر گلی میں بس اک ہی چاپ سنائی دینے لگی تھی اور یہ چاپ اس کی پوری ذات پہ حاوی ہو چکی تھی۔ وہ اس چاپ کی چاہ میں سراپا سماعت بن گئی تھی اور جہاں وہ چاپ ٹھہری تھی وہیں اس کا دل ٹھہر گیا تھا۔

اس کی دھڑکنیں اور سانسیں بھی ٹھہر گئی تھیں۔

دل آور شاہ اس کے پاس کیا ٹھہرا تھا کہ اس کی ذات کیا' کائنات بھی ٹھہر گئی تھی۔ بس صرف احساسات اور جذبات تھے جو ہلچل میں تھے باقی سب کچھ تو ٹھہرا ہوا تھا اور اسی ٹھہرے ہوئے احساس کے اثر نے زری کو کچی نیند سے جگا دیا تھا۔

وہ بے ساختہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور اس نے یکدم گردن موڑ کر صوفے کی دائیں سائیڈ کی طرف دیکھا تھا اور پھر دیکھتی رہ گئی تھی کیونکہ وہ اسی کی طرف دیکھ رہا تھا اور اس کی نظریں زری کے سیاہ دراز گھنے بالوں پہ تھیں نم آلود بال اس کے تازہ تازہ غسل کی گواہی دے رہے تھے اور دل آور شاہ ان ظالم گواہوں کی گواہی کو جھٹلا نہیں پا رہا تھا بلکہ وہ تو پورے کا پورا ان کے حق میں نظر آ رہا تھا۔

اور زری اسے ان گواہوں کے حق میں دیکھ کر صوفے سے کھڑی ہو گئی تھی اس کا ٹھہرا ہوا دل پھر سے حرکت میں آ گیا تھا اور دل کی اس حرکت کے آگے اس کے قدم بے اختیار و بے بس ہو گئے تھے وہ بنا سوچے سمجھے ہی اس کے قریب اور اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی اور پہلی بار ایسا ہوا تھا کہ دل آور نے اسے دیکھ کر..... نظریں جھکائی تھیں اور نہ سر جھکایا تھا بلکہ وہ تو اسے نظر جمائے بغور دیکھ رہا تھا حالانکہ اس طرح دیکھنا اس کا شیوہ نہ تھا وہ ساری دنیا کو اس طرح دیکھ سکتا تھا مگر زری کو نہیں۔

لیکن آج اس وقت وہ جس طرح زری کو دیکھ رہا تھا اس طرح تو اس نے کبھی کسی کو بھی نہیں دیکھا تھا آج نظریں بھی اور تھیں..... انداز بھی اور تھا..... اور سامنے کا منظر بھی اور تھا۔

جب سب کچھ اور تھا تو ظاہر سی بات تھی کہ وہ دونوں بھی کچھ اور ہی لگ رہے تھے اس لیے تو ایک دوسرے کے اتنے قریب نظر آ رہے تھے' اتنے قریب کہ دھڑکنوں کو دھڑکنیں سنائی دینے لگی تھیں ایک کا دل' دوسرے کے دل کی دھڑکنیں با آسانی سن رہا تھا۔

زری نے اس کے دل کی پرشور دھڑکنوں کو شانت کرنے کے لیے اپنا ہاتھ اس کے دل کی سمت بڑھا دیا تھا۔

"زری.....!" ابھی اس کا ہاتھ اس کے سینے پہ اس کے دل تک پہنچا ہی نہیں تھا کہ اس پکار پہ لرز کر رہ گیا تھا اک مانوس سی آواز تھی جو اسے دل آور شاہ کے دل تک پہنچنے سے روک گئی تھی ورنہ فاصلہ تو بس اک ہاتھ بھر کا رہ گیا تھا۔

اور زری اس ہاتھ بھر کے فاصلے کے رہ جانے پہ ششدر سی رہ گئی تھی اس کا دل کسی اتھاہ گہرائی میں ڈوبتا چلا گیا تھا۔

"زری.....!" اب کی بار پکارنے کے ساتھ ساتھ اس کا دایاں گال بھی تھپکا گیا تھا اور وہ سٹپٹا کے ہوش میں آ گئی تھی۔

اس کی آنکھ کھل گئی تھی اور آنکھ کھلتے ہی جیسے سب کچھ سامنے آ گیا تھا اس کی کچی نیند کا خواب حقیقت کی تصویر نظر آیا البتہ یہ اور بات تھی کہ اس حقیقت میں کوئی اور چہرہ بھی موجود تھا اسی آواز کی طرح مانوس سا.....

"لگتا ہے میری جان بڑی گہری نیند سو رہی تھی.....؟" انہوں نے بڑی اپنائیت اور نرمی سے کہتے ہوئے اسے محبت پاش نظروں سے دیکھا تھا اور زری حقیقت میں مجسم انہیں اپنے سامنے دیکھ کر تڑپ کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"بتول آنٹی.....!" وہ ہوش و حواس میں آتے ہی ان کو پہچان گئی تھی حالانکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو پہلی بار روبرو دیکھ رہی تھیں۔

"اوہ..... ! تو پہچان ہی لیا تم نے.....؟" بتول شاہ نے مسکراتے ہوئے اسے گلے لگا لیا تھا اور زری بھی بے ساختہ مسکرا دی تھی.....

"اپنوں کو پہچاننے میں وقت نہیں لگتا..... ان کو تو ان کے قدموں کی چاپ سے ہی پہچان لیا جاتا ہے۔" زری مسکرا کر کہتی ہوئی ان سے الگ ہوئی تھی اور ان سے ذرا فاصلے پہ کھڑا دل آور شاہ گلا کھنکھارتے ہوئے انہیں اپنی موجودگی کا احساس دلانے پہ مجبور ہو گیا تھا اور زری یکدم کرنٹ کھا کے سیدھی ہوئی تھی وہ نظریں اور سر جھکائے ہوئے اس کی طرف سے تقریباً" رخ موڑے کھڑا تھا۔

جو اشارہ تھا کہ وہ بغیر دوپٹے کے ننگے سر کھڑی ہے اور وہ اسے اس طرح اس حلیے میں نہیں دیکھ سکتا..... اور کبھی ہو بھی تو نہیں سکتا کہ وہ زری کے سامنے اپنی نظروں کو گستاخ ہونے دیتا جبھی ہمیشہ نظریں جھکی ہوئی ہی رہتی تھیں اور زری بھی ہمیشہ کی طرح اس کا گریز سمجھتے ہوئے سنبھل گئی تھی اور اس نے فوراً" سر پہ دوپٹا اوڑھ لیا تھا۔

"السلام علیکم.....!" اس نے اچھی طرح دوپٹہ اوڑھ لینے کے بعد اسے سلام کیا تھا اور دل آور نے ذرا کی ذرا نظر اٹھا کر اس کی سمت دیکھا تھا وہ دوپٹہ اوڑھ چکی تھی اور اسی کی سمت دیکھ رہی تھی۔

"وعلیکم السلام.....! عبداللہ کہاں ہے؟" وہ سلام کا جواب دیتے ہی بات عبداللہ تک لے گیا تھا۔

"وہ بھابھی کے ساتھ مارکیٹ تک گئے ہیں' آپ لوگ بیٹھیں' وہ بس آتے ہی ہوں گے۔" زری نے اسے اور بتول شاہ کو ایک ساتھ بیٹھنے کا کہا تھا اور خود سامنے سے ہٹ گئی تھی۔

"ارے..... ! تم کہاں جا رہی ہو بیٹا؟" بتول شاہ نے صوفے کی سمت بڑھتے ہوئے استفسار کیا تھا۔

"بس عبداللہ بھائی کو فون کرنے لگی ہوں کہ وہ ذرا جلدی گھر آ جائیں۔" وہ کہتے ہوئے فون سیٹ کے پاس آ گئی تھی کیونکہ اس کا اپنا موبائل اوپر اس کے بیڈ روم میں رکھا ہوا تھا۔

"ارے..... ! رہنے دو بیٹا..... آ جائیں گے وہ لوگ بھی..... ابھی تم تو ہمارے پاس بیٹھو۔" بتول شاہ نے اسے فون کرنے سے باز رکھنا چاہا تھا لیکن دل آور شاہ کی موجودگی میں وہ انہیں ٹھیک طرح سے کمپنی بھی نہیں دے سکتی تھی اس لیے نگارش بھابھی اور عبداللہ بھائی کی موجودگی ضروری تھی اور اس نے انہیں فون بھی کر دیا تھا اور پھر ملازمہ کو چائے وغیرہ کا کہہ کر دوبارہ ان کے پاس آ گئی تھی۔

"ادھر آؤ..... ! ادھر میرے پاس بیٹھو۔" انہوں نے زری کو اپنے قریب بیٹھنے کا کہا تھا اور وہ نجانے کیوں دھڑکتے

دل کے ساتھ ان کے قریب بیٹھتے ہوئے اندر سے نروس ہو رہی تھی شاید اس لیے کہ عین سامنے والے صوفے پہ دل آور شاہ بیٹھا ہوا تھا یا پھر اس لیے کہ وہ دل آور شاہ کی ماں کے بالکل برابر میں بیٹھی ہوئی تھی لیکن جو بھی تھا اس کا دل اندر ہی اندر کپکپا رہا تھا اور چہرہ جھکا ہوا تھا۔

"کیا بات ہے اس طرح چپ کیوں بیٹھ گئی ہو؟ کیا ہمارا اچانک آنا اچھا نہیں لگا؟" بتول شاہ نے اس کے ہاتھ پہ اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے انتہائی نرمی اور دلچسپی سے پوچھا تھا۔

"ن.... نہیں آنٹی....! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے.... بس وہ میں سو کے اٹھی ہوں شاید اس لیے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔" اس نے کافی آہستگی سے جواب دیا تھا اور بتول شاہ اس کی بات پہ مسکرا دی تھیں۔

"تو پھر ایسا کرو.... ہم دونوں بیٹھے ہیں تم دوبارہ سو جاؤ نیند پوری ہو جائے گی تو سب سمجھ آجائے گا۔" بتول شاہ کی بات پہ دل آور اور زری کے چہرے پہ بیک وقت مسکراہٹ ابھری تھی اور دونوں کی نظروں کا تصادم بھی ہوا تھا کیونکہ دونوں نے ایک دوسرے کو بیک وقت دیکھا تھا اور اس مسکراہٹ کا منظر ان دونوں کے ہی دل میں اتر گیا تھا۔

"کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ آپ آئیں اور میں آرام سے سو جاؤں....؟" زری بڑی معصومیت اور سادگی سے پوچھ رہی تھی اور بتول شاہ نے مسکراتے ہوئے اسے دوبارہ اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔

"مذاق کر رہی ہوں بیٹا! ورنہ مجھے پتا ہے کہ ایسا نہیں ہو سکتا۔" انہوں نے اس کی پیشانی چومتے ہوئے اس کے گال کو تھپکا تھا اور ان کی اتنی والہانہ محبت اور محبت کے اس اظہار پہ زری کے چہرے پہ سرخی بکھر گئی تھی اس کا چہرہ لال ہو گیا تھا اور وہ بے وجہ ہی اپنے ہاتھوں کو مسلنے لگی تھی اور دل آور اس کی کنفیوژن سمجھ گیا تھا اسی لیے اپنی جگہ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"آپ لوگ بیٹھیں باتیں کریں، میں تب تک ایک کال کر لوں۔" وہ اپنا سیل فون نکالتے ہوئے زری کی مشکل حل کرتا ہوا بہانہ بنا کر وہاں سے نکل آیا تھا۔

اور پھر باہر لان میں آکر اس نے واقعی نبیل کا نمبر ڈائل کر لیا تاکہ وہ اتنی دیر میں اس سے کام کے متعلق کچھ انفارمیشن ہی لے لیتا اور دوسری طرف نبیل بھی جیسے اس کے فون کے ہی انتظار میں تھا اس نے دوسری رنگ پہ ہی کال ریسیو کر لی تھی۔

"ہیلو....!" نبیل نے کافی بے تابی سے ہیلو کہا تھا کیونکہ دل آور کل سے دستیاب جو نہیں ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم!" دل آور نے کافی سنجیدگی سے اور نپے تلے انداز میں سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام! کہاں ہو تم؟ میں کل سے تمہارے نمبر پہ ٹرائی کر رہا ہوں مگر تمہارا نمبر آف جا رہا تھا پھر میں نے گھر کے نمبر پہ کال کی تو گلاب خان سے پتا چلا کہ تم شاید اسلام آباد چلے گئے ہو اسی لیے مجھے پریشانی ہو رہی تھی۔ سب خیریت تو تھی نا....؟" نبیل واقعی بے حد پریشان لگ رہا تھا۔

"ہاں! خیریت تھی.... بس اماں سے ملنے گیا تھا.... آج واپس آگیا ہوں۔" دل آور ہنوز سنجیدگی سے جواب دے رہا تھا لیکن نبیل نے ابھی تک اس کی سنجیدگی کو نوٹس نہیں کیا تھا۔

"اچھا....! تو پھر آنٹی کا سناؤ وہ کیسی ہیں؟ تم انہیں ساتھ ہی لے آتے؟" نبیل کو حقیقتاً خوشی ہوئی تھی۔

"ہم لوگ اس وقت عبداللہ کے گھر پہ ہیں اماں عبداللہ کی فیملی سے ملنے کے لیے آئی ہیں۔"

"اوہ اچھا اچھا! تو یہ بات ہے؟ لیکن تم یہ تو بتاؤ کہ تمہیں کیا ہوا ہے؟ تم کچھ اپ سیٹ لگ رہے ہو؟" نبیل کا دھیان بالآخر اس کی طرف ہو ہی چکا تھا۔

"نہیں.... کچھ نہیں ہوا اتنی دور سے ڈرائیونگ کر کے آیا ہوں اس لیے تھکا ہوا ہوں۔" دل آور نے اسے

ٹال دیا تھا۔

"ماننے والی بات تو نہیں ہے کہ تم ڈرائیونگ سے تھک گئے ہو.... لیکن پھر بھی کوئی بات نہیں مان ہی لیتا ہوں۔" نبیل بھی بڑی سعادت مندی سے اس کے ٹالنے سے ٹل گیا تھا۔

"ٹھیک ہے! میں اس وقت کال بند کرتا ہوں، میرا خیال ہے کہ عبداللہ آگیا ہے۔" دل آور نے کال بند کرنی چاہی تھی اور نبیل جیسے مچل گیا تھا۔

"اوکے....! پھر میں بھی آرہا ہوں، اللہ حافظ۔" اس نے کہہ کر فون بند کر دیا تھا اور دل آور نے پلٹ کر گیٹ کی طرف دیکھا تھا جہاں سے عبداللہ کی گاڑی اندر داخل ہو رہی تھی۔

عبداللہ اور نگارش دونوں ہی آگے پیچھے گاڑی سے اتر آئے تھے لیکن عبداللہ نے اس کی طرف کوئی بھی دھیان دیے بغیر اندر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے، جس پہ دل آور کو پہلے تو حیرانی ہوئی تھی لیکن پھر وہ اگلے ہی پل اس کی اس اجنبیت اور لاتعلقی کی وجہ سمجھ گیا تھا، یعنی وہ ابھی تک اس سے ناراض تھا اسی لیے اتنی سنجیدگی کے باوجود وہ اس کی ناراضی کا سوچ کر بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

"السلام علیکم دل آور بھائی! کیسے ہیں آپ؟" نگارش عبداللہ کو اندر جاتے دیکھ کر حیران ہوئی تھی لیکن وہ دل آور کو اگنور کر کے اس کے پیچھے اندر نہیں جا سکی تھی بلکہ لان میں کھڑے دل آور کے پاس آکھڑی ہوئی تھی۔

"وعلیکم السلام بھابھی.... میں ٹھیک ہوں آپ سنائیں آپ کی طبیعت اب کیسی ہے؟" دل آور نے گیٹ بند کرتے چوکیدار کی سمت دیکھتے ہوئے بڑے نارمل سے انداز میں پوچھا تھا۔

"اللہ کا شکر ہے! میں اب ٹھیک ہوں لیکن آپ یہ بتائیں کہ کیا آپ لوگوں کے درمیان کوئی مسئلہ ہوا ہے کہ آپ لوگوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا بھی نہیں؟" نگارش دل میں اٹھنے والا سوال زبان پہ لائے بغیر نہیں رہ سکی تھی اور دل آور اس کے سوال پہ ایک بار پھر مسکرا دیا تھا۔

"نہیں! میری طرف سے تو ایسا کوئی مسئلہ نہیں ہے.... بس وہ خود ہی کسی بات پہ ناراض ہے لیکن ڈونٹ وری جلد ہی مان بھی جائے گا۔" دل آور نے لاپروائی سے سر جھٹکا تھا اور نگارش دل آور کو نارمل دیکھ کر ذرا ریلیکس ہو گئی تھی۔

"اوکے....! وہ ناراض ہیں نا.... ہم تو نہیں؟ اس لیے پلیز اب اندر چلیے.... میں آپ کو چائے پلواتی ہوں۔" نگارش نے مسکراتے ہوئے کہا تھا اور دل آور نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اندر کی طرف قدم بڑھا دیے تھے اور نگارش بھی اس کے پیچھے ہی اندر چلی آئی تھی۔

"زری! دل آور بھائی بھی چائے پئیں گے۔" نگارش نے عبداللہ اور بتول شاہ کو چائے سرو کرتی زری کو متوجہ کیا تھا اور زری نے ان دونوں کی طرف سے فارغ ہو کر دل آور کے لیے بھی ایک کپ اٹھا لیا تھا۔

"نہیں! میں چائے نہیں پیوں گا۔" دل آور نے صوفے پہ بیٹھتے ہوئے انکار کر دیا تھا۔

"کیوں؟ چائے کیوں نہیں پئیں گے....؟" جہاں اس کے انکار پہ نگارش ٹھٹکی تھی وہیں زری کے قدم بھی رک گئے تھے کیونکہ وہ اسے چائے دینے کی غرض سے ٹیبل کی دوسری سائیڈ سے ہو کر اسی کی طرف آرہی تھی لیکن اس کے انکار پہ اس کے قدم وہیں کے وہیں تھم گئے تھے۔

"جہاں گھر آئے مہمان کو سلام تک نہیں کیا جاتا میں وہاں چائے نہیں پی سکتا یہ میرا اصول ہے۔" اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تھا اور اس کا یہ اشارہ کس کی طرف ہے؟ یہ بات عبداللہ بھی سمجھ چکا تھا اور نگارش بھی۔

"اچھا....! تو الٹا "تڑی" بھی تم ہی دکھا رہے ہو؟" عبداللہ کو اس کی بات سن کر مزید تاؤ آیا تھا اور وہ چائے کا

سپ لیتے لیتے رک گیا تھا جس پہ دل آور اپنی مسکراہٹ دبا گیا تھا کیونکہ اسے پتا تھا کہ اگر عبداللہ نے اس کے چہرے پہ مسکراہٹ دیکھ لی تو وہ غصے سے اور زیادہ تپ اٹھے گا لیکن زری کی نظروں سے یہ مسکراہٹ مخفی نہیں رہ سکی تھی اس کی بے تاب نظریں دل آور شاہ کے چہرے کی ہی ہو کر رہ گئی تھیں۔

"مجھے کیا ضرورت ہے تڑپی دکھانے کی؟ میں یہاں اماں کو چھوڑنے کے لیے آیا ہوں کوئی تڑپی دکھانے نہیں آیا۔" دل آور نے لاپروائی کا اظہار کرتے ہوئے کہا تھا جس پہ عبداللہ دانت کچکچا کے رہ گیا تھا۔

"دل آورے! مجھے غصہ مت دلا ورنہ اچھا نہیں ہوگا۔" عبداللہ بمشکل اپنے غصے پہ قابو پانے کی کوشش کر رہا تھا اور بتول شاہ اور نگارش ان کی اس خفگی اور ناراضی کا منظر دیکھ کر ہنس پڑی تھیں۔

"کیا اچھا نہیں ہوگا؟ کیا کر لو گے آخر۔" دل آور جان بوجھ کر اسے چھیڑ کر لطف اندوز ہو رہا تھا۔

"ورنہ یہی چائے تمہارے اوپر انڈیل دوں گا آرام سے خود ہی پی لو یہی بہتر ہے۔" عبداللہ نے دھمکی دی تھی۔

"یہ چائے تو میری ہے۔" زری اپنے دھیان میں چائے کا کپ پکڑے کھڑی تھی جو اچانک اندر آنے والے نبیل حیات نے اچک لیا تھا وہ بھی اس لیے کہ وہ عبداللہ اور دل آور کی بات سن چکا تھا بلکہ ان کے مسئلے کی نوعیت بھی سمجھ چکا تھا جبکہ زری ہکابکا سی دیکھتی رہ گئی تھی۔

"شاباش! بڑی اچھی انٹری ماری ہے تم نے یہ چائے اسے ملنی بھی نہیں چاہیے تھی کیونکہ یہ انکار کر چکا ہے۔" عبداللہ نے اسے داد دی۔

"یہ انکار کر چکا ہے نا... ؟ لیکن ہم میں انکار کا حوصلہ نہیں ہے جو بھی ملے صبر و شکر کر کے گزارا کر لیتے ہیں۔" نبیل اطمینان سے کہتا بتول شاہ کی سمت بڑھ گیا تھا البتہ چائے کا کپ اس کے ہاتھ میں ہی تھا جس پہ تقریباً سبھی ہنس بھی رہے تھے۔

"بھابھی! مجھے تو آپ نے چائے پلوانے کا کہا تھا؟" دل آور نے نگارش کو یاد دلایا۔

"ارے ہاں ہاں! کیوں نہیں میں ابھی لے کر آتی ہوں۔" نگارش فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

"اب وہ کپ لے کر آیئے گا جو میری قسمت میں ہو... یہ میری قسمت میں نہیں تھا۔"

دل آور نے جاتے جاتے تاکید کی تھی جسے سن کر نگارش، زری اور بتول شاہ تینوں ہی چونکی تھیں لیکن کسی نے بھی ایک دوسرے کو کچھ محسوس نہیں ہونے دیا تھا۔

اس کے بعد تینوں اپنی اپنی جگہ پہ خاموش ہو گئی تھیں اور دل آور سر جھٹک کر عبداللہ اور نبیل کے ساتھ باتوں میں شریک ہو چکا تھا حالانکہ وہ یہ بھی جان چکا تھا کہ زری کے چہرے کی ساری خوشی بجھ سی گئی ہے لیکن پھر بھی اس نے زیادہ دھیان نہیں دیا تھا آخر جو چیز اس کی قسمت میں ہی نہیں تھی اس پہ دھیان دینے کا فائدہ ہی کیا تھا بھلا...

اور ادھر وہ تھی جو اپنے خواب کے سچے ہونے پہ پچھتا رہی تھی کیونکہ ایسی حقیقت سے تو وہ خواب ہی بہتر تھا جس میں وہ دل آور شاہ کے اور دل آور شاہ اس کے سامنے "قریب اور اکیلا" کھڑا تھا جس میں وہ ہاتھ بڑھا کے ایک دوسرے کو چھو بھی سکتے تھے اور جس میں ان کے درمیان کوئی تیسرا نہیں تھا اور نہ ہی کسی کا ڈر تھا اور شاید اسی لیے اس کا پچھتاوا بڑھتا ہی جا رہا تھا کیونکہ اسے کچھ دیر پہلے کا خواب شدت سے یاد آ رہا تھا...!

☆ ☆ ☆

ان لوگوں نے انہیں رات کے کھانے کے بعد ہی واپس آنے دیا تھا۔

حالانکہ دل آور نے وہاں سے اٹھنے کی بارہا کوشش کی تھی لیکن عبداللہ اور نگارش ہر بار ہی آڑے آ گئے تھے،

صرف یہ کہہ کر کہ بتول آنٹی آج پہلی بار ان سے ملنے ان کے گھر آئی ہیں اور وہ وہاں سے ڈنر کیے بغیر چلی جائیں یہ بھی تو ممکن نہیں تھا نا.....؟

سو مجبوراً "ان لوگوں کے اتنے اصرار کے بعد انہیں ڈنر تک وہاں رکنا ہی پڑا تھا اور اب وہ تقریباً" دس بجے واپس آئے تھے اور دل آور کے ساتھ بتول شاہ کو دیکھ کر گلاب خان اور گل بہت خوش ہوئے تھے بلکہ زلفی بھی اس خوشی میں کسی سے پیچھے نہیں تھا۔

"جیتے رہو..... خوش رہو..... اللہ عمر دراز کرے۔" انہوں نے زلفی اور گلاب خان کے کندھوں پہ شفقت سے ہاتھ پھیرتے ہوئے دعا دی تھی اور گل سے باقاعدہ گلے ملی تھیں انہوں نے کبھی بھی ملازموں کے ساتھ مالکانہ انداز نہیں اپنائے تھے، وہ ہمیشہ ملازموں کے ساتھ بھی اپنائیت اور خلوص سے پیش آتی تھیں بلکہ یہ عادت تو ان دونوں ماں بیٹے کی مشترکہ تھی۔

"گل..... اماں کا بیڈ روم صاف کیا تم نے؟" دل آور کا ارادہ اپنے بیڈ روم میں جانے کا تھا لیکن وہ جانے سے پہلے ان کے بیڈ روم کی طرف سے تسلی کرنا چاہ رہا تھا۔

"جی صاحب..... صبح جب گلاب خان کو آپ کا میسج آیا تھا تو میں نے اسی وقت بیڈ روم صاف کر دیا تھا بیگم صاحبہ آرام سے جا کر سو سکتی ہیں۔" گل نے فوراً" اثبات میں جواب دیا تھا۔

"ٹھیک ہے اماں! آپ بھی جا کر آرام کریں اور میں بھی کچھ دیر ریسٹ کرتا ہوں پھر مجھے ایک کیس پہ کام بھی کرنا ہے، صبح ڈیٹ ہے۔" وہ اپنی مضبوط کلائی پہ بندھی گھڑی سے ٹائم دیکھتا ہوا بتول شاہ کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

"اوکے بیٹا..... آرام کرو تم..... میں بھی اپنے بیڈ روم میں جا رہی ہوں..... گل تم میرے ساتھ آؤ بیگ سے میرے کپڑے نکال دو، میں نے عشاء کی نماز کے لیے وضو کرنا ہے۔" وہ دل آور کو گڈ نائٹ کہہ کر اس کے اطمینان کے لیے گل سے کہتی ہوئی اپنے بیڈ روم کی سمت بڑھ گئی تھیں اور دل آور ان کے بیڈ روم میں جانے کے بعد ایک گہری سانس کھینچتا ہوا اوپر اپنے بیڈ روم میں آگیا تھا اور بیڈ روم میں آکر اسے نجانے کیسی تھکن اور بوجھل پن محسوس ہوا تھا کہ وہ آتے ہی اپنے بیڈ پہ چاروں شانے چت ڈھیر ہو گیا تھا اور دونوں ہاتھ اپنے سر کے نیچے تکیے کی صورت رکھتے ہوئے بیڈ روم کی چھت پہ نظریں جما دی تھیں۔

وہ جب سے علیزے کے پاس سے اٹھ کے گیا تھا تب سے اپنے دل پہ ایک بوجھ لیے پھر رہا تھا اور بوجھ بھی ایسا تھا کہ جو اپنے دوستوں کے درمیان بیٹھ کر دن بھر گپ شپ کرنے کے بعد بھی دل سے ایک انچ بھی ادھر ادھر نہیں ہٹا تھا، جہاں پہ تھا، وہیں پہ دھرا ہوا تھا۔

اور جب انسان کا دل کسی بوجھ تلے دب جائے وہ انسان خود بھلا کب اٹھ سکتا ہے..... اور اس وقت دل آور کے ساتھ بھی یہی صورت حال تھی، اس کے دل پہ بوجھ تھا تو خود بھی کچھ کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔

مگر مجبوری تھی، کام تو اس نے کرنا ہی تھا، اپنے دل کے مسئلے میں وہ کسی اور کے لیے مسئلہ کھڑا تو نہیں کر سکتا تھا نا.....؟ اس لیے مجبوراً" وہ اٹھا اس نے شاور لیا، کپڑے چینج کیے اور اپنے اسٹڈی روم میں آگیا تھا..... حالانکہ اس کا ذہن یکسوئی سے عاری تھا مگر پھر بھی وہ سگریٹوں کے سہارے ضروری کیس کی فائل پہ کام کرتا رہا اور رات کے پونے تین بجے وہ سب کچھ مکمل کر کے اپنی چیئر سے اٹھ کھڑا ہوا اسے تھکن اور بوجھل پن سے یوں لگ رہا تھا جیسے پورا جسم اکڑ کے رہ گیا ہو اس لیے اب وہ آرام کرنا چاہتا تھا لیکن بیڈ روم میں آکر اپنی شرٹ کے بٹن کھولتے ہوئے نجانے کیوں اور کس سوچ کے تحت اس کے ہاتھ وہیں کے وہیں رک گئے تھے اور اس کا دھیان پھر سے وہاں جا پہنچا تھا جہاں سے اس کے دل پہ بوجھ رکھا گیا تھا اور وہ بے ساختہ دوبارہ اس بوجھ کو ساتھ لیے اپنے بیڈ روم سے نکل آیا اس کے قدم بیسمنٹ کی طرف اٹھ رہے تھے، اس کے قدم بوجھل تھے..... یا اس کا دل بوجھل تھا.....؟

یہ فیصلہ بہت مشکل تھا لیکن جو بھی تھا ان کا بہاؤ بیسمنٹ کی طرف ہی تھا وہ سیڑھیاں اتر کر نیچے آگیا تھا۔

رات کے تین بجے دنیا موت کی سی گہری نیند سوئی ہوئی تھی ہر طرف سناٹا تھا گہرا اور گمبھیر سناٹا اور اتنا ہی گہرا اور گمبھیر اندھیرا بھی جن کو اپنے قدموں تلے روندتا ہوا وہ بیسمنٹ کے دروازے تک جا پہنچا تھا ادھ کھلے دروازے کو اپنے دائیں ہاتھ سے دھکیل کر وہ اندر آگیا تھا اور بیسمنٹ کی کشادہ سیڑھیاں بے آواز قدموں سے طے کرتا ہوا اس سائیڈ کی طرف آگیا تھا جس سائیڈ پہ علیزے آفندی فقیروں کی طرح ——— بیٹھی تھی جس کو دیکھ کر دل آور کو ایک دھچکا سا لگا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ وہ اس وقت سو رہی ہوگی، لیکن اپنے یقین کو بے یقین ہوتے دیکھ کر وہ اپنی جگہ پہ حق دق سا رہ گیا تھا۔ اس کے قدم جہاں تھے وہیں کے وہیں رک کے رہ گئے تھے وہ علیزے سے چند قدموں کے فاصلے پہ کھڑا جیسے گم سم اور ساکت و صامت سا ہو چکا تھا اس کی امید اس کی توقع اور اس کی سوچ تھرا اٹھی تھیں۔

کیونکہ اسے تو اس بات کا رتی برابر بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس وقت اس پہر بھی جاگ رہی ہوگی۔ اسے تو اس بات کا یقین تھا کہ رات کے اس پہر دنیا کا ہر ذی نفس نیند کی آغوش میں تھا۔

چرند پرند سے لے کر اشرف المخلوقات تک پوری کائنات گہری نیند سو رہی تھی، پورا شہر سو رہا تھا، کیونکہ یہ وقت ہی سونے کا تھا، سب سو رہے تھے۔

لیکن صرف وہ دونوں تھے..... جو ابھی تک اس وقت اس پہر بھی جاگ رہے تھے۔

آخر کیوں.....؟ کیا وجہ تھی آخر.....؟ صرف وہ دونوں ہی کیوں.....؟ ایسا کیا مشترکہ تھا ان میں جس نے ان دونوں کو جگا رکھا تھا.....؟ دل یا دل کا بوجھ.....؟

عجیب عجیب سوچیں تھیں اور عجیب عجیب خیالات تھے جو دل آور کے دل و دماغ میں اودھم مچا رہے تھے۔ ایک کلبلاہٹ سی تھی جو ہر سوچ اور ہر خیال میں اتر کر دل آور کے دل و دماغ کو بھی عجیب سا بنا رہی تھی اور وہ بمشکل اپنے اعصاب کو کنٹرول کرتا ہوا سر جھٹک کر آگے بڑھ آیا تھا۔

"السلام علیکم.....!" اس نے قریب آکر کافی آہستہ آواز میں سلام کیا تھا۔

اور علیزے کو یوں لگا تھا کہ جیسے اسے کسی تپتے قبر میں دفن کر دیا ہو اور باہر سے پکارنے والوں کی آواز اسے بہت دور سے سنائی دے رہی ہو۔ جس کو سن کر اس نے بمشکل زانو پہ رکھا سر اٹھا کر اپنے سامنے کھڑے صیاد کو دیکھا تھا ایک ایسا صیاد جو اسے ہمیشہ کے لیے رکھنے کو بھی تیار نہیں تھا۔

حالانکہ وہ اس کی اس قید میں رہنے کے لیے بھی تیار تھی..... وہ بھی محض ایک نام کے عوض..... مگر وہ مانتا تب نا؟ جبھی اس نے تھک کر دوبارہ اپنا سر زانو پہ ٹکا دیا تھا کیونکہ اب تو اپنی گردن پہ اپنے ہی سر کا بوجھ نہیں اٹھایا جاتا تھا، دل چاہتا تھا کہ کوئی اسے بھی تن سے جدا کر دے..... اور اس کی اٹکی ہوئی جان کو ایک ہی دفعہ ہر قید سے رہائی مل جائے اور وہ ہر دکھ اور ہر غم کے بوجھ سے آزاد ہو جائے۔

لیکن وہ کیا کرتی.....؟ ایسا بھی تو نہیں ہو رہا تھا..... اسے تو جیسے موت بھی قبول کرنے کو تیار نہیں تھی اور اپنی ذات کی ایسی ناقدری پہ دو آنسو پھر دیوانہ وار امڈے تھے اور اس کی اپنی ہی گود میں گر کر فنا ہو گئے تھے اور وہ جو اس کے سامنے کھڑا تھا اس کی مسلسل خاموشی پہ آہستگی سے اپنی پینٹ کے پائنچے اوپر کھینچتے ہوئے پنجوں کے بل فرش پر عین اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"علیزے.....!" دل آور نے آج شاید پہلی بار اس طرح نارمل طریقے سے اس کو اس کے نام سے پکارا تھا جس پہ دل آور کو خود بھی بہت عجیب سا محسوس ہوا تھا، لیکن یہ وقت یہ سچویشن ایسی تھی کہ اسے پکارے بغیر اور اسے مخاطب کیے بغیر کوئی چارا نہیں تھا۔

"مجھ سے بات نہیں کرو گی کیا۔۔۔؟" اس کا لہجہ دھیما اور آواز گمبھیر تھی اور ساتھ ساتھ دل کا بوجھل پن چہرے سے بھی جھلک رہا تھا اور انداز بھی کچھ ایسا ہی تھا بوجھل بوجھل۔۔۔ تھکا تھکا سا۔۔۔! علیزے کو بھی محسوس ہوا تھا شاید۔۔۔ اس نے ایک بار پھر سر اٹھا کر اپنے سامنے دیکھا تھا وہ اس کے قریب ہی دو قدم کے فاصلے پہ عین اس کے سامنے بیٹھا ہوا تھا اور دیکھ بھی اسے ہی رہا تھا۔

"میرے پاس بات کرنے کے لیے کچھ باقی رہ گیا ہے کیا۔۔۔؟" علیزے کا لہجہ لہو رس رہا تھا اور لفظ زخمی ہو رہے تھے آنکھوں کا بھی کچھ ایسا ہی حال تھا رو رو کر انگارے بن گئی تھیں، جن کی جلن سے آنسو بہے جا رہے تھے۔

"تمہارے پاس بات کرنے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا اور میرے پاس کچھ بھی کرنے کے لیے کچھ باقی نہیں رہا لیکن پھر بھی تم بتاؤ تم کیا چاہتی ہو؟" دل آور اسے بغور گہری نظروں سے دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھ رہا تھا اور اس کے پوچھنے پہ علیزے کے دل پہ ایک گھونسا سا پڑا تھا اس کی روح تک تڑپ گئی تھی۔

"میری بے بسی کا مذاق اڑا رہے ہو ڈرائیور۔۔۔؟" اس کے حلق میں جیسے آنسوؤں کا گولا سا اٹک گیا تھا۔

"کسی کی بے بسی کا مذاق اڑانے والا میں کون ہوتا ہوں بھلا؟ میں خود ایک بے بس انسان ہوں۔" اس نے کہتے ہوئے تلخی سے سر جھٹکا تھا۔

"دوسروں کو بے بس کرنے والا خود کیسے بے بس ہو سکتا ہے بھلا؟" علیزے ماننے کو تیار نہیں تھی اور دل آور کے چہرے پہ ایک انتہائی تلخ سی مسکراہٹ بکھر گئی تھی۔

"ہونہہ! تم نہیں سمجھو گی اینی وے آؤ میرے ساتھ تمہیں کچھ سمجھانے کی کوشش کرتا ہوں۔" وہ اس کی نازک کانچ سی کلائی پکڑتا ہوا ایک دم اٹھ کھڑا ہوا تھا اور علیزے کو تو سنبھلنے کا بھی موقع نہیں ملا تھا وہ اس کے ساتھ کھنچتی چلی گئی تھی اور وہ اسے ساتھ لیے اس کی کلائی پکڑے سیڑھیاں چڑھ گیا تھا حالانکہ دل آور کے قدموں کی رفتار بہت دھیمی اور بہت متوازن تھی۔

لیکن پھر بھی اس کے ساتھ چلتے ہوئے علیزے کی سانس پھول گئی تھی۔ اس کے قدم بھی تھک گئے تھے اور وہ ہانپنے لگی تھی جس پہ دل آور ٹھہر گیا تھا اور اس نے ملگجے سے اندھیرے میں اپنے ساتھ کھڑی علیزے کو دیکھنے کی کوشش کی تھی مگر اسے علیزے واضح نظر نہیں آ رہی تھی بلکہ اس کی ہانپتی ہوئی سانسوں کی آواز واضح سنائی دے رہی تھی جس کو سننے کے بعد دل آور نے ڈرائنگ روم یا اپنے بیڈ روم کی طرف جانے کے بجائے کچن کی طرف قدم بڑھا لیے کچن کا دروازہ کھول کر کچن کی تمام لائٹس جلا دیں اور پھر پلٹ کر علیزے کو دیکھا تھا جو دروازے کے بیچوں بیچ کھڑی تھی وہ اسے سر تا پا دیکھ کے رہ گیا۔

کیونکہ اس وقت وہ علیزے۔۔۔ علیزے ہی نہیں لگ رہی تھی۔

کہاں وہ شہزادیوں کے سے رہن سہن والی علیزے۔۔۔ اور کہاں یہ فقیرانہ حلیے کی مالک لڑکی۔۔۔ جس کے تن پہ کپڑے بھی اس کے اپنے نہیں بلکہ دل آور شاہ کے گھر کی ملازمہ کے تھے، جن کو دیکھ کر دل آور کی نظریں جھک گئی تھیں کیونکہ اس کا یہ حال تو اس کے پاس آ کر ہی ہوا تھا نا اور اسے اس نوبت تک پہنچانے والا بھی وہی تھا۔

لہٰذا اسے دیکھ کر نظریں نہ جھکاتا تو اور کیا کرتا؟

"آؤ ادھر بیٹھو!" اس نے کچن میں لگی ٹیبل کے قریب آ کر اس کے لیے کرسی کھینچی تھی اور علیزے نے اپنے لیے کرسی کھینچنے والے اس شخص کو عجیب بے یقین سی نظروں سے دیکھا تھا جو ہمیشہ اس کے سامنے نفرت، حقارت غصے اور انتقام کا پیکر بنا آتا تھا، لیکن آج اس نے غور کیا تھا کہ وہ شخص بھی۔۔۔ وہ نہیں لگ رہا تھا شاید اسی لیے وہ خود میں ہمت پیدا کرتی آگے بڑھ آئی تھی اور دل آور کی پیش کی ہوئی کرسی پہ بیٹھ گئی تھی۔

"کھانا کھایا تم نے؟" وہ کرسٹل ٹیبل کی دوسری طرف رکھی کرسی کے پیچھے کھڑا اپنے سامنے کرسی پہ بیٹھی علیزے سے پوچھ رہا تھا۔

"نہیں!" اس نے جھکے ہوئے سر کو نفی میں ہلایا تھا۔

"او کے! میں تمہارے لیے کھانا گرم کرتا ہوں وہی کھانا جو اس روز وہیں رہ گیا تھا۔" وہ کرسی کی بیک سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے خود بھی پیچھے ہٹ گیا تھا۔

"نہیں! مجھے بھوک نہیں ہے۔" علیزے نے فوراً انکار کر دیا تھا مگر دل آور نے اس کے کسی بھی انکار پہ کوئی توجہ نہیں دی تھی اور فریج سے کھانا نکال کر اس کے لیے گرم کرنے لگا اور اس دوران ان دونوں کے درمیان مکمل خاموشی چھائی رہی تھی۔

لیکن پانچ منٹ بعد وہ سب کچھ گرم کر کے اس کے سامنے رکھ چکا تھا اور اس کے مقابل والی کرسی کھینچ کے خود بھی اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا۔

"کھانا کھاؤ" اس نے کافی تحمل سے اسے کھانا کھانے پہ آمادہ کیا تھا۔

"مجھے نہیں کھانا مجھے بھوک نہیں ہے۔" اس نے پھر انکار کر دیا تھا لیکن اکثر وہ انکار نہیں سنتا تھا۔

"کیا مجھے خود کھلانا پڑے گا؟" اسے پتا تھا کہ اس کا یہ حربہ کار آمد ثابت ہوگا اور واقعی ایسا ہی ہوا تھا، علیزے کے ہاتھ خود بخود کھانے کی طرف بڑھ گئے تھے اور اس نے بمشکل لرزتے کانپتے ہاتھوں سے نوالہ بنا کر منہ میں رکھا تھا اور دل آور کی نظریں آج بار بار اسی کی طرف اٹھ رہی تھیں اس کے حال پہ اور اس کے حلیے پہ۔۔۔!

جن کو آج غور سے اور گہرائی سے دیکھا تھا تو "اندر" کچھ ہوا تھا۔۔۔ کچھ ایسا جو بے چین کر دینے کے لیے کافی تھا، جو دل آور شاہ کے دل میں پن کی طرح چبھنے لگا تھا اور یہ چبھن اسے بار بار علیزے کی طرف متوجہ کر رہی تھی جس کی کمزور اور نقاہت زدہ حالت دیکھ کر لگ رہا تھا کہ جیسے وہ صدیوں کی بیمار ہو اس کے گولڈن براؤن بالوں کی الجھی ہوئی لٹیں اس کی پونی سے نکل کر اس کے چہرے کو چھو رہی تھیں اور اس کے چہرے کی گلابیاں بکھیرتی ہوئی رنگت بالکل زرد پڑ چکی تھی رنگین شیشے کی طرح چمکتے ہوئے شفاف ہونٹ بے رنگ ہو چکے تھے اور آنکھوں کے گرد سیاہ حلقے بن گئے تھے جن کی وجہ سے پورا چہرہ ہی بے رونق ہو چکا تھا، کھانا کھاتے ہوئے اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے اور اس سے ٹھیک طرح سے روٹی کا نوالہ بھی نہیں نگلا جا رہا تھا مگر پھر بھی وہ کھانے پر مجبور تھی۔۔۔ اور وہ اسے مجبور کرنے پہ مجبور تھا کیونکہ وہ اسے کچھ کہنے سے پہلے ریلیکس کرنا چاہتا تھا۔

"چائے بناؤں تمہارے لیے؟" وہ اس پہ نظریں جمائے ہوئے پوچھ رہا تھا اور علیزے چونک گئی تھی۔

"بہت ٹھنڈ ہو رہی ہے اس وقت، چائے پیو گی تو ریلیکس ہو جاؤ گی، میں بناتا ہوں، اپنے لیے بھی اور تمہارے لیے بھی۔" وہ کہہ کر کرسی دھکیل کے اٹھ کھڑا ہوا تھا اور علیزے اس کی پشت کو دیکھتی رہ گئی۔ وہ بڑے اطمینان سے چائے بنانے میں مصروف ہو چکا تھا علیزے نے آہستگی سے کھانے سے ہاتھ کھینچ لیے وہ صرف اس کے ڈر کی وجہ سے کھا رہی تھی ورنہ کھانے کو دل کب چاہ رہا تھا بھلا۔۔۔؟

"چائے کے ساتھ کچھ لو گی۔۔۔؟" وہ اپنے کام میں مصروف اس کی سمت دیکھے بغیر پوچھ رہا تھا۔

"نہیں۔۔۔" اس کا جواب توقع کے عین مطابق تھا۔

"کھانا تو تم نے برائے نام ہی کھایا اور چائے بھی خالی ہی پیو گی تو پھر بھوک کیسے مٹے گی؟" وہ جیسے بڑے تحمل اور بڑی اپنائیت سے استفسار کر رہا تھا۔

مگر علیزے نے اسے کوئی بھی جواب نہیں دیا تھا کیونکہ اتنا تو وہ جان ہی گئی تھی کہ وہ اس کے انکار کے باوجود بھی اپنی مرضی ہی کرے گا اس لیے انکار کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں تھا، بہتر تھا کہ وہ چپ ہی رہتی۔

"اوکے۔۔۔! کچھ بھی نہ کھاؤ مگر چائے تو پی لو بہت اچھی بنی ہے۔ یقیناً" تمہیں بھی اچھی لگے گی ٹرائی کرو۔" دل آور نے لاپروا سے انداز میں کہتے ہوئے چائے کا کپ اس کے سامنے رکھ دیا تھا اور اپنا کپ یونہی ہاتھ میں پکڑے دوبارہ اس کے مقابل والی کرسی کھینچ کے بیٹھ گیا تھا۔

اور اطمینان سے چائے کے سپ لیتے ہوئے علیزے کی سمت دیکھنے لگا تھا۔

"تم نے بتایا نہیں کہ تم کیا چاہتی ہو؟" اس نے دوبارہ وہی استفسار کیا تھا اور علیزے اس کے استفسار پہ لب بھینچ گئی تھی۔

"کیا اپنے گھر جانا چاہتی ہو؟" وہ چائے کا سپ لے کر کپ ٹیبل پہ رکھتے ہوئے پوچھ رہا تھا اور وہ اس کے اس نئے سوال پہ یکدم چونک گئی تھی۔

"گھر؟" اس کے لب کپکپائے تھے اور اس نے بغور دل آور کے چہرے کو دیکھا جس پہ واقعی سنجیدگی نظر آ رہی تھی۔

"ہاں گھر۔۔۔ تمہارا گھر بڑی حویلی۔" اس نے اثبات میں سر ہلایا تھا اور علیزے کا دل جیسے کسی نے اپنے پیروں تلے دبا کر کچل دیا تھا۔

"نہیں! میں نہیں جانا چاہتی میں کہیں بھی نہیں جانا چاہتی۔" وہ الٹا نفی میں سر ہلانے لگی تھی۔

"کیوں؟ کیوں نہیں جانا چاہتیں آخر ایک نہ ایک دن تو تم نے واپس جانا ہی ہے تو اب کیوں نہیں!" دل آور بغور اس کے چہرے کے تاثرات نوٹ کر رہا تھا۔

"نہیں ڈرائیور۔۔۔! میں کہیں نہیں جاؤں گی۔۔۔ کبھی نہیں جاؤں گی جب تک تم مجھ سے شادی نہیں کرو گے میں اس گھر سے نکلنے کا سوچ بھی نہیں سکتی۔۔۔ بے شک تم مجھے دھکے دے کر نکال دو میں کسی گاڑی کے نیچے آ کر مر جاؤں گی مگر واپس بڑی حویلی نہیں جاؤں گی کیونکہ اس طرح اپنا آپ لے کر واپس جانے سے بہتر ہے کہ میں واقعی مر جاؤں۔" علیزے کا کہتے ہوئے لہجہ بھرا گیا تھا اور آنکھوں سے پھر آنسو رواں ہو گئے تھے۔

"ایسا نہیں ہو سکتا علیزے۔۔۔! یہ سب ممکن نہیں ہے میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔ لیکن تمہیں تمہارے گھر چھوڑ کے آ سکتا ہوں اور یہ کام میں بہت جلد کر دوں گا شاید ایک یا دو روز میں یا پھر کچھ روز میں۔۔۔ لیکن فی الحال یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

اس نے آج علیزے کے سامنے بھی انکار کر ہی دیا تھا اور علیزے اس کا جواب سن کر گنگ سی رہ گئی۔ وہ اسے ایک یا دو روز میں واپس گھر چھوڑنے کی بات کر رہا تھا لیکن یہ کیسے ہو سکتا تھا بھلا۔۔۔؟ وہ اپنے گھر والوں کا سامنا کیسے کر سکتی تھی؟ مان، اعتبار، یقین سب کچھ تو وہ توڑ آئی تھی اب انہیں جوڑنے کے لیے کیا رہ گیا تھا اس کے پاس؟ سب کچھ تو وہ خود روند آئی تھی باقی کیا رہ گیا تھا بھلا؟

"ڈرائیور۔۔۔! ایک اور سزا مت دو مجھے۔۔۔ میں، میں نہیں سہہ پاؤں گی، مجھ میں اب اور ہمت نہیں ہے پلیز ڈرائیور! ایسا مت کرو مجھے کہیں نہیں جانا مجھے، مجھے یہیں رہنے دو بس، مجھ سے نکاح کر لو۔" علیزے ہمیشہ کی طرح کہتے کہتے یکدم بلک بلک کر رو پڑی تھی اور دل آور اس کی کیفیت پہ ایک بار پھر چپ ہو گیا تھا۔ لیکن پھر اسے سمجھانے کے لیے اپنی چپ کو توڑنا پڑا تھا۔

"دیکھو علیزے۔۔۔! تمہارے اور میرے راستے الگ ہیں تم میری منزل نہیں ہو بلکہ تم میری منزل کے راستے میں بھی نہیں ہو۔۔۔ میری زندگی میں بھی کہیں نہیں ہو میں تمہیں کیسے اپنا سکتا ہوں؟"

"صرف نکاح کر لینے سے کیا ہوتا ہے۔۔۔؟ ہوتا تو تبھی ہے جب دل و دماغ کسی کے ساتھ آمادہ ہوں لیکن جب دل و دماغ ہی آمادہ نہیں ہیں تو نکاح کا تصور کرنا بھی فضول ہے اس لیے تم یہ بات ذہن سے نکال دو اور صرف یہ

سوچو کہ تم نے اپنے گھر جانا ہے تمہاری زندگی وہاں ہے تمہاری خوشیاں وہاں ہیں تمہارے اپنے وہاں ہیں یہ تو تم ایک مجبوری کا سودا کر رہی ہو۔۔۔ اور مجبوری کے سودے انسان کو تھکا دیتے ہیں اور کبھی کوئی فائدہ نہیں دیتے الٹا ہمارا نقصان ہی ہوتا ہے۔

اس لیے بہتر ہے کہ ہم دونوں اس سودے سے بچ جائیں اور کوئی بیچ کا راستہ نکال لیں جو نہ تمہارے لیے مشکل ہو اور نہ میرے لیے جس پہ چلتے ہوئے ہمارے دل پہ اور پاؤں پہ آبلے نہ پڑیں۔" دل آور نے اسے سمجھانے کی پوری پوری کوشش کی تھی لیکن وہ کیا سمجھی تھی اور کیا نہیں؟ یہ وہ نہیں جانتا تھا، البتہ وہ اسے اپنی طرف سے پوری طرح سے سمجھا چکا تھا وہ بس یہی جانتا تھا۔

"لیکن ڈرائیور۔۔۔!" اس نے بے ساختہ کچھ کہنا چاہا تھا مگر دل آور نے اسے ٹوک دیا تھا۔

"بس علیزے! میں نے جو کہنا تھا کہہ دیا جو سمجھانا تھا سمجھا دیا اب یہ تمہارے سوچنے اور سمجھنے پہ ڈیپینڈ کرتا ہے کہ تم نے کیا کرنا ہے؟ کس فیصلے پہ آمادہ ہونا ہے؟ اور کیا صحیح ہے اور کیا غلط! یہ بھی تم اچھی طرح سوچ سکتی ہو دو دن ہیں تمہارے پاس۔۔۔ دراصل وقار آفندی کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی وہ ہاسپٹل میں ایڈمٹ ہے لیکن امید ہے کہ دو روز تک ہاسپٹل سے ڈسچارج کر دیا جائے گا اور جیسے ہی اسے ہاسپٹل سے ڈسچارج کیا جائے گا میں فوراً ہی تمہیں واپس حویلی چھوڑ آؤں گا اس لیے تم اپنے آپ کو ذہنی طور پہ تیار رکھو کہ تم نے دو روز بعد اپنے گھر جانا ہے، ہر صورت میں اور ہر حال میں!"

وہ اسے اپنے ارادے اور اپنے فیصلے سے آگاہ کرتے ہوئے کرسی دھکیل کر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور علیزے وہیں کی وہیں بیٹھی رہ گئی تھی اب تو اس کے پاس کہنے کے لیے الفاظ بھی باقی نہیں رہے تھے۔ کتنی بار منتیں کرتی اور کتنی بار پاؤں پکڑتی؟ آخر ہونا تو وہی تھا جو قسمت میں لکھا جا چکا تھا اور وہ ناچیز قسمت کے اس لکھے کو کیسے مٹا سکتی تھی؟ جب تک کہ وہ اوپر والا نہ چاہتا!

"میں اپنے بیڈ روم میں جا رہا ہوں۔۔۔ اس لیے اب تم بھی جا کر آرام کرو۔۔۔ فجر ہونے والی ہے۔" وہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا تھا اور علیزے کے پاس سناٹے چھوڑ گیا تھا اسے اپنے آس پاس ویرانی ہی ویرانی نظر آ رہی تھی اور ان ویرانیوں میں وہ اکیلی اور تنہا بیٹھی رہ گئی تھی!

لیکن آخر کب تک؟

کب تک وہ یونہی بیٹھی رہتی؟ بالا آخر اسے وہاں سے اٹھنا ہی تھا اور وہ اٹھ کھڑی ہوئی تھی مگر اب یہ تھا کہ اس سے قدم بھی نہیں اٹھایا جا رہا تھا وہ مرے مرے قدم اٹھاتی پاؤں گھسیٹ کے چلتی ہوئی بمشکل اپنے آپ کو حواسوں میں رکھ کر وہاں سے نکل آئی تھی اس کے بے جان قدم بیسمنٹ کی طرف اٹھ رہے تھے جب کسی آواز پہ ٹھٹک کر اسے ٹھہرنا پڑا تھا۔

"سنو لڑکی۔۔۔!" یہ آواز دل آور شاہ کی نہیں تھی، لیکن دل آور شاہ کی آواز جیسی بارعب ضرور تھی۔ وہی دبدبہ، وہی طنطنہ، علیزے بغیر پلٹے ہی سمجھ گئی تھی کہ وہ کون ہیں۔

"میرا شاہ تمہارے باپ جیسا نہیں ہے وہ تم سے نکاح کرے گا اور ضرور کرے گا یہ میرا تم سے وعدہ ہے۔" بتول شاہ متوازن قدم اٹھاتی ۔۔۔ سائیڈ سے ہو کر اس کے سامنے آ گئی تھیں۔

"یہ۔۔۔ یہ۔۔۔ کک۔۔۔ کیا کہہ رہی ہیں آپ؟ یہ، یہ کیسے ہو سکتا ہے؟" علیزے کی بے یقینی سے آنکھیں پھٹ گئی تھیں اور اس کی زبان بھی لڑکھڑا گئی تھی اسے اپنے کانوں پہ یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے یہ سب صحیح سنا ہے دل آور شاہ کی ماں خود نکاح کے لیے وعدہ کر رہی تھیں اور اسے یقین دلا رہی تھیں کہ وہ یہ نکاح ضرور کرے گا تو علیزے نے تو حیران ہونا ہی تھا۔

"یہ ہو سکتا ہے ضرور ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ایک آزمائش ہے اور میرا بیٹا اس آزمائش پہ ضرور پورا اترے گا' آخر وہ کسی وقار آفندی کا نہیں بلکہ بتول شاہ کا بیٹا ہے بابر شاہ کا سپوت ہے وہ 'اتنا کم ظرف نہیں ہے کہ کسی عورت کے سر پہ چادر بھی نہ دے سکے تم بے فکر رہو جب تک بتول شاہ زندہ ہے تمہاری عزت پہ آنچ نہیں آنے دے گی تم لاکھ وقار آفندی کی بیٹی سہی لیکن وہ بھی آخر میرا بیٹا ہے یہ پیالہ بھی پی جائے گا صرف میری خاطر۔"

بتول شاہ نے انتہائی سخت اور پتھریلے لہجے میں کہتے ہوئے علیزے کو ایک زہر آلود نظر سے سر تا پا دیکھا تھا اور پلٹ کر قدم دوبارہ اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھا دیے تھے۔

"آنٹی.....!" علیزے کے منہ سے بے ساختہ یہ پکار نکلی تھی اور بتول شاہ اپنی پوری ہستی سے ہل کے رہ گئی تھیں ان کے قدم لڑکھڑا گئے تھے لیکن صورت حال ایسی تھی کہ ٹھہرنا بھی محال تھا اور وہاں سے چلے جانا بھی مشکل تھا اور وہ ہمیشہ سے مشکل کام ہی کرتی آئی تھیں اس لیے یہ بھی کر گزری تھیں اور علیزے ان کی پشت دیکھتی رہ گئی وہ پلٹ کر اسے دیکھے بغیر اور اسے جواب دیے بغیر اپنے بیڈ روم میں چلی گئی تھیں البتہ علیزے کے پاس ایک تسلی ایک آس اور ایک یقین ضرور چھوڑ گئی تھیں.....!

☼ ☼ ☼

وہ صبح کورٹ جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا جب اس کے موبائل پہ نبیل کی کال آئی تھی اور وہ اپنی ٹائی کی ناٹ لگاتے لگاتے رک گیا تھا۔

"السلام علیکم.....!" اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل سے موبائل اٹھا کر کان سے لگا لیا تھا۔

"وعلیکم السلام..... کیسے ہو!" نبیل کافی فریش موڈ میں لگ رہا تھا۔

"ٹھیک ہوں! تم سناؤ صبح صبح کیسے یاد کر لیا!" دل آور یونہی موبائل ساتھ لیے دوبارہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑا ہوا تھا۔

"یار..... ہم تو ہر وقت تمہیں یاد کرتے ہیں تم صبح صبح کی بات کر رہے ہو؟" نبیل نے خفگی سے سر جھٹکا تھا۔

"جانتا ہوں! اچھی طرح جانتا ہوں لیکن پھر بھی صاف صاف بتاؤ کہ کس لیے فون کیا ہے میں آفس سے لیٹ ہو رہا ہوں' مجھے کورٹ بھی پہنچنا ہے۔" دل آور نے اک نظر گھڑی کی سمت دیکھتے ہوئے اسے اصل مقصد بتانے پہ اکسایا تھا۔

"ارے یار! تم نے تو ہر وقت ہی کہیں نہ کہیں پہنچنا ضرور ہوتا ہے' بس ہم ہی پاگل ہیں کہ جو تمہیں بار بار فون کر کے ڈسٹرب کرتے رہتے ہیں۔" نبیل خفگی سے جھنجلا گیا تھا۔

"نبیل! بکواس مت کرو تمہیں خود پتا ہے کہ مجھے اس وقت کورٹ پہنچنا ہوتا ہے۔" دل آور نے اسے جھڑک دیا تھا۔

"تو میں تمہیں کب منع کر رہا ہوں کورٹ پہنچنے سے؟ اوکے تم جاؤ کورٹ پہنچو لیٹ ہو رہے ہو تم۔" نبیل نے فون بند کر دیا تھا اور اب کی بار دل آور کو تاؤ آیا تھا اس نے اسے خود کال بیک کی تھی۔

"ہیلو.....!" نبیل نے چار پانچ مرتبہ رنگ بجنے کے بعد کال ریسیو کی تھی۔

"نبیل! پلیز یار کیوں ٹینشن دے رہے ہو! بتاؤ کیا بات ہے؟" دل آور نے نجانے کیوں اپنے غصے کو نرمی میں بدل دیا تھا اور نبیل اس کے انداز پہ مسکرا دیا تھا اور اسے مزید زچ کرنے کا ارادہ ترک کر دیا تھا۔

"ارے یار! آج بتول آنٹی کی آمد کی خوشی میں مما نے تمہاری فیملی کو اور عبداللہ کی فیملی کو ڈنر پہ انوائیٹ کیا ہے تم لوگ آج ڈنر پہ ہماری طرف انوائیٹڈ ہو بس یہی بتانے کے لیے فون کیا ہے اب تم آنٹی کو بھی بتا دینا۔" نبیل نے

بالآخر اسے بتا ہی دیا تھا۔

"نہیں یار! آج نہیں' میں ذرا مینٹلی اپ سیٹ ہوں میں تمہاری اس دعوت کو انجوائے نہیں کر پاؤں گا اس لیے تم یہ دعوت کل پہ اٹھا رکھو پلیز یار میری بات کو مائنڈ مت کرنا۔"

دل آور نے اسے ذرا سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر نبیل بھی مجبور تھا۔

"کل؟ نہیں یار کل تو بہت مشکل ہے کیونکہ کل میں نے اور عبداللہ نے کراچی بھی جانا ہے' ہم نے تو سیٹس بھی ریزرو کروائی ہیں اسی لیے سوچا تھا کہ جانے سے پہلے یہ دعوت بھی ہو ہی جائے تو اچھا ہے پھر ہماری واپسی میں بھی دو تین دن لگ جائیں گے اور ہو سکتا ہے کہ آنٹی بھی واپس اسلام آباد چلی جائیں۔ اس لیے یہ دعوت آج رات کے لیے ہی بہتر ہے تم اپنے آپ کو فریش کرنے کی کوشش کرو ویسے بھی میں نے آج تم سے کچھ شیئر کرنا ہے رات کو ڈنر کے بعد فرصت سے بیٹھیں گے دنیا داری تو ہوتی ہی رہے گی کچھ دل داری بھی کر لیں آخر! کیا خیال ہے۔"

نبیل نے آخر میں شرارت سے پوچھا تھا اور دل آور لمحے کے ہزارویں حصے میں ہی اس کی بات کا اور دل داری کا مفہوم سمجھ گیا تھا اور اس نے اپنے تنے ہوئے اعصاب ڈھیلے چھوڑ دیے تھے۔

"چلو ٹھیک ہے پھر..... یہ دعوت اور یہ دل داری آج ہی سہی۔" دل آور نے گہری سانس خارج کرتے ہوئے ہامی بھر لی تھی لیکن نبیل حیات اس کی بات کا مفہوم نہیں سمجھ سکا تھا اور خوشی خوشی فون بند کر دیا تھا۔

لیکن دل آور شاہ' اس کی اس دعوت اور دل داری پہ گم سم سا ہو کے رہ گیا تھا۔ ہاتھوں میں اتنی سکت نہیں رہی تھی کہ وہ دوبارہ ٹائی کی ناٹ لگا تا یا پھر موبائل آف کر کے واپس ٹیبل پہ رکھتا بلکہ وہ تو جہاں تھا وہیں کا وہیں پتھر ہو گیا تھا۔ دل کسی اتھاہ گہرائی میں ڈوبا تھا اور اس کی دھڑکنیں دیکھتے ہی دیکھتے مدھم سے مدھم تر ہوتی چلی گئی تھیں اور سماعتوں میں "دعوت اور دل داری" جیسے الفاظ گونجتے رہ گئے تھے اور اب واقعی لگ رہا تھا کہ دل اور دنیا پہ نزع کا عالم وارد ہو چکا تھا' اب بس چار سو قیامت کے آثار تھے..... اور اس قیامت سے فرار کا راستہ کہیں بھی نہیں تھا۔ اسی لیے اسے اس قیامت کے سامنے ڈٹ جانے کے لیے دل آور شاہ بننا ہی پڑا تھا جو کسی بھی قیامت یا کسی بھی طوفان کے سامنے ڈھے نہیں سکتا تھا بلکہ ساری قیامتیں خود پہ سہہ لینے کی پوری طاقت اور حوصلہ رکھتا تھا اور اسی حوصلے کا ثبوت دیتے ہوئے وہ ایک بار پھر اٹھ کھڑا ہوا تھا اور سیدھا کورٹ جا پہنچا تھا جہاں اس کے ایک کیس کی ڈیٹ تھی اور اسے یہ کیس جیتنا ہی تھا کیونکہ ہارنا اس کا شیوہ نہیں تھا۔

اس کی نیت اور ایمان سچے تھے اور یہ اس کا اللہ جانتا تھا اس لیے وہ کبھی ہار بھی نہیں سکتا تھا!

☼ ☼ ☼

"ہیلو میم! کیسی ہیں آپ.....؟"

وہ اکیڈمی سے نکل کر بس اسٹاپ کی طرف جا رہی تھی جب اچانک اس آواز پہ اس کے قدم ٹھٹک کر رک گئے تھے لیکن اس نے پلٹ کر دیکھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

"اف..... یہاں تو پلٹ کر دیکھنے کی بھی زحمت گوارا نہیں کرتے یہ جان سے پیارے لوگ۔" جودت بڑی ترنگ سے کہتا اپنی بائیک اس کی سائیڈ پہ اس کے برابر لے آیا تھا اور مریم اسے دیکھ کر لب بھینچ گئی تھی۔

"بس! تھوڑا بزی ہو گیا تھا ڈیڈ بیمار تھے ہاسپٹل کے چکر کاٹنا پڑ رہے تھے اور کچھ اپنی یونیورسٹی کے "وخت" بھی تھے اس لیے اتنے دن درشن کے لیے حاضری نہیں دے سکا لیکن اب آپ بے فکر رہیں یہ حاضری روز دیتا رہوں گا صبح' دوپہر' شام۔" وہ بڑی ادا سے کہتا شرارت سے سینے پہ ہاتھ رکھ کے اس کی سمت جھکا تھا جبکہ مریم اس کی

سالگرہ نمبر

مہک رباب

حرکت پہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹ گئی تھی اور وہ پھر بائیک اس کے قریب لے آیا تھا۔

"آپ کیا سمجھی تھیں کہ جودت آفندی جان چھوڑ گیا؟" وہ آنکھوں پہ بلیک گلاسز چڑھائے متبسم سے لہجے میں کہتا اسے سر تا پا گہری نظروں سے دیکھ رہا تھا اور مریم کو اس کی نظریں اپنے جسم پہ انگاروں کی طرح محسوس ہو رہی تھیں اور ان انگاروں کی جلن کو ضبط کرنا اس کے لیے محال ہو رہا تھا وہ بڑے ضبط سے اس سے مخاطب ہوئی تھی۔

"پلیز راستہ چھوڑیں۔۔۔!" مریم نے پھر بھی ذرا تحمل سے کام لیا تھا۔

"تم اپنے تک آنے کا راستہ دے دو میں یہ راستہ چھوڑ دوں گا۔" اس نے لاپروائی سے کندھے اچکائے تھے اور مریم کا پارہ ہائی ہو گیا تھا وہ بیچ راستے میں اس کی ایسی بے ہودہ باتیں اور حرکتیں ہرگز برداشت نہیں کر سکتی تھی اس کے آس پاس اکیڈمی کی اسٹوڈنٹس بھی گزر رہی تھیں تھوڑی دیر پہلے ہی ـــــ چھٹی ہوئی تھی۔ اس لیے ابھی اسٹوڈنٹس کا رش چھٹ رہا تھا۔

"شٹ اپ جودت آفندی! میرا راستہ چھوڑو۔۔۔ تمہارا مقصد کیا ہے؟ تم آخر چاہتے کیا ہو؟" مریم دبے لہجے میں چیخی تھی اور جودت اس کی برہمی پہ لطف اندوز ہوتے ہوئے بے ساختہ مسکرا دیا تھا۔

زندہ رہنے کے لیے تیری قسم
اک ملاقات ضروری ہے صنم
اک ملاقات ضروری ہے صنم

اس نے جواباً" گانا گنگناتے ہوئے خاصے لوفرانہ انداز میں اسے آنکھ ماری تھی اور مریم سر سے لے کر پاؤں تک جل اٹھی تھی اس کا دل چاہ رہا تھا کہ جودت آفندی کے منہ پہ اک زوردار طمانچہ دے مارے مگر پھر بھی اپنے آس پاس کا خیال رکھتے ہوئے اس نے اپنے ہاتھ کو بھی اپنے کنٹرول میں ہی رکھا تھا۔

"کہو؟ کیا ارادہ ہے؟ کرو گی ایک ملاقات؟ صرف ایک، وہ بھی جیسی تم چاہو۔" جودت نے خباثت کی حد کر دی تھی اور مریم کی برداشت کی بھی حد ہو گئی تھی اب کی بار وہ اپنے ہاتھ کو کنٹرول میں نہیں کر سکی تھی مگر اس کا ہاتھ اپنے چہرے پہ پڑنے سے پہلے ہی جودت نے اپنی گرفت میں سنبھال لیا تھا جس کو چھڑانے کے لیے مریم نے اپنی طرف سے ایک بھرپور سعی کی تھی مگر جودت نے اس کا ہاتھ چھوڑنے کے بجائے اپنے ہونٹوں سے لگا لیا تھا اور مریم یکدم جیسے پتھر کا بت بن گئی تھی وہ ششدر سی اسے پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔

"یہ بوسہ تمہاری جرات کا خراج ہے اور مجھے امید ہے کہ تم آئندہ کسی بھی جرات سے پہلے اس خراج کو ضرور یاد رکھو گی۔" وہ اسے ایک بار پھر خباثت سے آنکھ دباتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

لیکن پیچھے سے دل آور شاہ کی گاڑی نے اسے بائیک سمیت ٹھوکر مار کر کئی فٹ دور اچھالتے ہوئے اس کی ساری خباثت اور سارا نشہ ہرن کر دیا تھا جس پہ مریم بدک کر پیچھے ہٹ گئی تھی جبکہ دل آور شاہ اپنی گاڑی سے غضب ناکی کی علامت بنا نیچے اتر آیا تھا کیونکہ وہ جودت آفندی کی حرکت دیکھ چکا تھا اور اس کا میٹر گھوما ہوا تھا اس وقت۔

اور مریم کو اس افتاد پہ اپنی آنکھوں کے سامنے زمین و آسمان چکراتے ہوئے نظر آئے تھے۔۔۔!

☆ ☆ ☆

(باقی آئندہ)

جب مری آنکھ سے کچھ غم کے ستارے ٹوٹے
میں یہ سمجھا کسی دریا کے کنارے ٹوٹے

"جوانی دیوانی ہوتی ہے، یہ جتنی منہ زور ہو اتنی ہی کمزور ہوتی ہے! سمندر کی طرح جوشیلی اور طوفانی لیکن جب اس کا سامنا حقیقت کے عفریت سے ہوتا ہے تو کھلتا ہے کہ یہ تو ایک بلبلے جتنی وقعت بھی نہیں رکھتی۔ ایک حقیر بلبلہ...... جو دیکھنے میں تو ستاروں کی طرح چمکتا دمکتا، خوش نما دکھائی دیتا ہے لیکن ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے، فنا ہو جاتا ہے۔"

درخشاں بیگم کی آواز جیسے اس کے بے جان وجود کے گنبدِ بے در میں صدائے بازگشت کی طرح چکرائی۔

ٹپ، ٹپ، ٹپ...... پانی کے تین چار بلبلے پھوٹے اور چند لمحوں تک اس کے دھنک رنگ چہرے پر ستاروں کی طرح چمکنے کے بعد مٹی میں مل کر فنا ہو گئے۔

اس نے ڈبڈبائی ہوئی آنکھوں سے مٹی میں ملے ان ستاروں کو تلاش کرنے کی کوشش کی لیکن وہ اپنا وجود کھو چکے تھے۔ اس نے مٹی کو مٹھی میں بھر کر آنکھوں کے سامنے کیا اور یاسیت سے دیکھنے لگی جیسے کہہ رہی ہو

ٹوٹ کر جب بھی گرو، عرشِ بریں پر گرنا
اچھا لگتا نہیں تاروں کا زمیں پر گرنا

لیکن تاروں کو ٹوٹنا تھا، بلبلوں کو پھوٹنا تھا، ٹھیس جو لگی تھی، ایسا تو ہر سال ہوتا تھا، ایک کڑواہٹ اس کی پور پور میں گھل گئی۔

"میں بچی نہیں ہوں امی! اپنا اچھا بُرا سمجھ سکتی ہوں، آپ پلیز ہر وقت نصیحتوں کا پٹارا مت کھولے رکھا کریں۔"

اس نے سرکشی سے کہا۔

درخشاں بیگم نے ترحم آمیز نظروں سے اس کی جانب دیکھا پھر تفہیمی انداز میں بولیں۔

"دکھ تو اسی بات کا ہے بیٹا کہ آج کل کے بچے، بچے نہیں رہے وہ اپنے بزرگوں سے بہت بڑے ہو گئے ہیں...... اتنے بڑے کہ ماں باپ کی آواز ان کے کانوں تک پہنچنے سے پہلے ہی تحلیل ہو جاتی ہے۔"

"امی پلیز...... فارگیٹ اٹ!"

اس کی آواز خاصی بلند تھی۔

درخشاں بیگم نے بے بسی سے بیٹی کی جانب دیکھا پھر دھیمی آواز میں بولیں۔

"دیکھو بیٹا! تمہارے پاپا کے انتقال کے بعد میں نے تم پر مکمل اعتماد کیا، تمہیں ہر طرح کی آزادی دی، کبھی کسی بات پر نہیں ٹوکا، تم نے اپنی مرضی سے جاب کی، آفس جوائن کیا، صبح جاتی ہو شام کو آتی ہو، میں نے کبھی نہیں پوچھا کہ تم نے اپنا سارا دن کیسے گزارا، پوچھوں گی کیسے؟ اگر میں نے تم پر اعتماد کیا ہے تو انحصار بھی تو تم ہی پر ہے......

بوڑھی ہو گئی ہوں، قویٰ جواب دے گئے ہیں، لیکن دماغ تو چلتا ہے نا؟ میں تمہارا بُرا نہیں چاہتی، زمانہ دیکھا ہے میں نے! اچھی طرح جانتی ہوں کہ موبائل فون اگر ضرورت کے تحت استعمال کیا جائے تو ٹھیک ہے لیکن...... اگر یہ ساری ساری رات کان سے لگا رہے تو کینسر سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہوتا ہے۔

دیکھو بیٹا! عورت کی عزت کانچ کے برتن کی طرح ہوتی ہے جو ایک بار ٹوٹ جائے تو دوبارہ نہیں جڑتا......"

"زمانہ میں نے بھی دیکھا ہے امی! نوکری کرتی ہوں، صبح سے شام تک بہت سے لوگوں سے واسطہ پڑتا ہے۔ میں پاگل نہیں ہوں...... اور ویسے بھی جو زمانہ آپ نے دیکھا ہے اب وہ زمانہ نہیں رہا! زمانہ بہت ترقی کر چکا ہے، آپ اپنی سوچوں کو بدلیں۔"

اس کی آواز میں احتجاج کے ساتھ ساتھ تلخی بھی جھلکی ہوئی تھی لیکن درخشاں بیگم بھی آسانی سے ہار ماننے والی نہیں تھیں، وہ بدستور نرمی سے بولیں۔

"زمانہ چاہے کتنا بھی بدل جائے بیٹا! مرد کی فطرت نہیں بدل سکتی۔ میری بات نوٹ کر لو کہ مرد کی بھوک ایک عورت سے کبھی نہیں مٹتی...... وہ ایک ایسا جانور ہے جو ہمیشہ نئے شکار کی تلاش میں رہتا ہے۔"

"اوہ...... ہو...... امی! اب بس بھی کریں...... شاکر ایسا نہیں ہے! وہ مجھ سے محبت کرتا ہے اور مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے۔"

درخشاں بیگم نے افسردگی سے بیٹی کی طرف دیکھا پھر ٹھنڈی سانس لیتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"اگر ایسی بات ہے بیٹا تو اسے بولو کہ اپنے والدین کو ہمارے گھر بھیجے، وہ آکر مجھ سے تمہارا ہاتھ مانگیں جو اصل طریقہ ہے۔

فون پر اس طرح دوستیاں اور گھنٹوں باتیں شادی نہیں بربادی سے دوچار کرتی ہیں...... ایک بات اچھی طرح سمجھ لو کہ مرد کی دوستی مرد سے اور عورت کی دوستی عورت سے...... مرد اور عورت کی دوستی کبھی دوستی نہیں ہوتی! اگر کوئی ایسی غلط فہمی پال لی جائے تو اس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلتا...... عورت کے لیے مرد کا صرف ایک ہی روپ ہوتا ہے اور کسی شرعی رشتے کے بغیر وہ روپ صرف جانور کا روپ ہوتا ہے۔"

☆☆☆

"ہیپی برتھ ڈے۔"

اس کے کانوں میں شاکر کی مسحور کن آواز گونجی اور اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی۔ جوں ہی دیوار گیر گھڑی نے بارہ بجنے کا اعلان کیا اس کے موبائل کی اسکرین پر شاکر کا نام جھلملانے لگا تھا اس نے بے تابی سے کال ریسیو کی تو شاکر نے اسے سالگرہ کی مبارک باد دی۔

ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی سب سے پہلے اسے شاکر نے ہی وش کیا تھا یہ سوچ کر اس کا دل مسرت سے بھر گیا اور ہونٹوں پر آپوں آپ ہی مسکراہٹ سج گئی۔

یہ مسکراہٹ اس احساس کی مرہونِ منت تھی کہ شاکر اس کی زندگی کے بارے میں ہر ہر بات ہمیشہ اسی طرح یاد رکھتا تھا۔ کتنا غلط خیال تھا امی جان کا شاکر کے بارے میں! یہ شاکر ہی تو تھا جس نے اسے اس کی ذات کا ادراک عطا کیا تھا، اسے بتایا تھا کہ وہ کتنی خوب صورت ہے، اس پہ کون سے رنگ کا سوٹ اچھا لگتا ہے، کون سی جیولری اس کے حسن کو دوبالا کرتی ہے، پھر بھلا شاکر غلط کیسے ہو سکتا تھا؟

اسے کیا اچھا لگتا ہے اور کیا برا، کیا چیز اسے پسند ہے اور کیا ناپسند، یہ سب اس سے زیادہ شاکر جانتا تھا! اتنی زیادہ محبت کرنے والا، اتنا زیادہ خیال رکھنے والا شاکر بھلا اس سے دھوکا کیوں کرنے لگا؟

"امی کو تو بس عادت ہے ہر چیز میں نقص نکالنے کی، خوامخواہ اعتراض کرنے کی، جب انسان کی عمر زیادہ ہو جاتی ہے تو وہ اسی طرح جھنجلا جاتا ہے۔"

اس نے خود کو سمجھایا۔

"اپنا برتھ ڈے گفٹ لینے نہیں آؤ گی؟"

ٹھیک اسی لمحے شاکر کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی اور وہ خیالات کی دنیا سے باہر نکلتے ہوئے موبائل کی جانب متوجہ ہو گئی۔

"جس کی سالگرہ ہوتی ہے کیا وہ گھر گھر جا کر خود تحائف وصول کرتا ہے؟"

اس نے صدائے احتجاج بلند کی۔

"ایسا نہیں ہے پاگل لڑکی! اب میں تو تمہارے گھر آنے سے رہا...... تمہیں ہی آنا پڑے گا نا؟ اور پھر اگر تم آجاؤ گی تو یہ میرے لیے کتنا بڑا گفٹ ہو گا...... کیا مجھے گفٹ نہیں ملے گا؟"

شاکر نے محبت سے پوچھا تو وہ لاجواب ہو گئی۔

"اچھا ٹھیک ہے، کہاں آنا ہو گا؟"

اس نے ہار مانتے ہوئے کہا، کیوں کہ محبت میں کبھی کبھی ہار جانا بھی بھلا معلوم ہوتا ہے اگر ہار مان کر کسی کو جیت لیا جائے تو اس میں برائی بھی کیا ہے؟ اس کے اپنے ہی احساس نے اس کے دل کو گدگدایا۔

"کل آفس سے چھٹی کرو اور سیدھی گھر پر ہی آجاؤ۔"

شاکر کا جواب سن کر اسے حیرت ہوئی اور پھر اس حیرت نے الفاظ کا روپ دھارا۔

"گھر پر کیسے...... باقی سب گھر والے؟"

"سب لوگ لاہور گئے ہوئے ہیں ایک شادی میں شریک ہونے، تین چار دن سے پہلے واپس نہیں آئیں گے، میں گھر پر اکیلا ہوں، تمہیں پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں تم بے فکر ہو کر آؤ۔"

شاکر کی مسکراتی ہوئی آواز سنائی دی، پھر وہ سلسلہ کلام دوبارہ جوڑتے ہوئے بولا۔

"اور ہاں اچھی سی ڈریسنگ کر کے آنا، خوب صورت لباس میں تم اور بھی پیاری لگتی ہو...... ٹھیک ہے؟ میں کل تمہارا انتظار کروں گا۔"

"لیکن شاکر...... ہم نے آج تک کبھی ایسا نہیں کیا، کیا اس طرح ہمیں اکیلے میں ملنا چاہیے؟"

اس نے کمزور سے لہجے میں اعتراض کیا۔

"تمہاری اس بات نے میرا دل دکھایا ہے...... تمہیں خود پر اعتماد نہیں ہے یا مجھ پر؟ ہم پہلے بھی تو ملتے ہیں اگر تنہائی میں مل لیں گے تو کیا ہو جائے گا؟ بھئی سکون سے، اطمینان سے بیٹھیں گے، ڈھیر ساری باتیں کریں گے، میں کسی ڈسٹربنس کے بغیر جی بھر کر تمہیں دیکھوں گا، اس میں غلط کیا ہے؟"

وہ اس کے لہجے میں چھپی خفگی کو محسوس کر کے لرز کر رہ گئی وہ اسے ناراض نہیں کر سکتی تھی۔

"اچھا ٹھیک ہے، میں آ جاؤں گی۔"

اس نے ہتھیار ڈال دیے۔

☆☆☆

شاکر کے سامنے ہار مان لینے کا یہ فیصلہ کسی اور کا نہیں اس کا اپنا تھا۔ وہ ہار گئی اور ایسا ہاری کہ اپنا سب کچھ ہار گئی۔ اس کی آنکھوں سے جھل جھل آنسو بہہ رہے تھے۔ وہ درخشاں بیگم کے سینے سے لگی کھڑی تھی اور اس کا سر ان کے کندھے پر ٹکا تھا۔

لیکن درخشاں بیگم خاموش تھیں...... کسی بے جان سنگی مجسمے کی طرح! انہوں نے کوئی سوال نہیں کیا تھا، کچھ پوچھا بھی نہیں تھا کہ انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ آنسوؤں کی زبان ان سے بہتر کون سمجھ سکتا تھا؟ وہ ماں تھیں، ایک بیٹی کی ماں! اور بیٹیوں کی مائیں بہت کچھ بنا کہے سن لیتی ہیں، بنا پوچھے جان لیتی ہیں۔ وہ بھی بہت کچھ جانتی تھیں اور سب کچھ سمجھ گئی تھیں۔

عمر رسیدہ تھیں، سمجھدار تھیں، اچھی طرح جانتی تھیں کہ سانپ گزر گیا...... اب لکیر پیٹنے سے کیا حاصل ہوگا؟ خاموش تھیں اور خاموش ہی رہیں بس ان کا لرزتا، کپکپاتا ہاتھ حرکت میں آیا اور بیٹی کے سر پر گردش کرنے لگا اس کے علاوہ وہ کر بھی کیا سکتی تھیں؟

"فون پر اس طرح دوستیاں اور گھنٹوں باتیں شادی نہیں بربادی سے دوچار کرتی ہیں......"

درخشاں بیگم کی آواز اس کے خیالوں میں لہرائی تو آنکھیں دریا بن گئیں لیکن اس دریا کے آگے بند باندھنے والا کوئی نہیں تھا، امی بھی نہیں...... وہ تو چپ کی چپ رہ گئی تھیں، انہوں نے اس سے کچھ بھی تو نہیں پوچھا تھا، ایک لفظ بھی تو نہیں کہا تھا، ڈانٹا تک نہیں تھا۔

وہ تو بیٹی کا دکھ جان کر ہی مٹی ہو گئی تھیں۔

"زمانہ چاہے کتنا بھی بدل جائے بیٹا! مرد کی فطرت نہیں بدل سکتی۔ میری بات نوٹ کر لو کہ مرد کی بھوک ایک عورت سے کبھی نہیں مٹتی...... وہ ایک ایسا جانور ہے جو ہمیشہ نئے شکار کی تلاش میں رہتا ہے۔"

امی کا کہا ہوا ایک ایک لفظ اس کے سینے کو چھلنی کر رہا تھا، ایک ایک بات اس کا کلیجا زخمی کر رہی تھی لیکن وقت گزر چکا تھا اور حقیقت اپنی بھیانک شکل کے ساتھ اس کی نظروں کے سامنے روزِ روشن کی طرح عیاں ہو گئی تھی۔

آنسو تھے کہ امڈتے چلے آ رہے تھے، رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے، اس کے اندر طوفان آیا ہوا تھا، دکھ پانی بن کر لہریں لیتا ہوا آنکھوں کے راستے بہتا چلا جا رہا تھا لیکن درد کم ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔

دکھ اسے اپنے ہار جانے پر نہیں بلکہ اس بات کا تھا کہ شاکر نے اس کی ہار کو اس کے لیے ہمیشہ ہمیشہ کی اذیت بنا دیا تھا اس نے آنکھیں پھیر لی تھیں۔

"دیکھو! جو ہوا سو ہوا...... میں اس پر شرمندہ ہوں لیکن...... میں مجبور ہوں...... امی نے اچانک اعلان کیا ہے کہ میں تمہاری شادی طے کر آئی ہوں، زبان دے چکی ہوں اور اسی ہفتے تمہاری شادی ہو رہی ہے بس!

دیکھو تم میرے لیے بہت اہم ہو لیکن...... امی سے زیادہ نہیں! تمہیں سب کچھ بھولنا ہوگا اسی میں بہتری ہے۔"

شاکر کی آخری گفتگو کا ایک ایک لفظ اس کے دل میں نشتر کی طرح پیوست ہو گیا تھا۔ اس نے راستہ تبدیل کر لیا تھا لیکن اس کے لیے کوئی راستہ نہیں چھوڑا تھا۔

"مرد کی دوستی مرد سے اور عورت کی دوستی عورت سے...... مرد اور عورت کی دوستی کبھی دوستی نہیں ہوتی! اگر کوئی ایسی غلط فہمی پال لی جائے تو اس کا نتیجہ کبھی اچھا نہیں نکلتا......"

امی کا ایک ایک لفظ سچ تھا اور شاید ہر ماں اپنی بیٹی سے ہمیشہ سچ بولتی ہے۔ جو بیٹیاں ماں کے الفاظ کی لاج نہیں رکھتیں ان کے لیے "اچھا" ہو بھی کیسے سکتا ہے؟

"دیکھو بیٹا! عورت کی عزت کانچ کے برتن کی طرح ہوتی ہے جو ایک بار ٹوٹ جائے تو دوبارہ نہیں جڑتا......"

اس نے امی کے الفاظ کی لاج نہیں رکھی تھی ٹوٹنا اس کا مقدر تھا سو وہ ٹوٹ گئی تھی۔

"جوانی دیوانی ہوتی ہے، یہ جتنی منہ زور ہوا تنی ہی کمزور ہوتی ہے! سمندر کی طرح جوشیلی اور طوفانی لیکن جب اس کا سامنا حقیقت کے عفریت سے ہوتا ہے تو کھلتا ہے کہ یہ تو ایک بلبلے جتنی وقعت بھی نہیں رکھتی۔ ایک حقیر بلبلہ...... جو دیکھنے میں تو ستاروں کی طرح چمکتا دمکتا، خوش نما دکھائی دیتا ہے لیکن ذرا سی ٹھیس لگنے سے ٹوٹ پھوٹ جاتا ہے، فنا ہو جاتا ہے۔"

درخشاں بیگم کے الفاظ ایک ایسا آئینہ تھے جس میں اسے اپنی صورت صاف نظر آ رہی تھی، جوانی دیوانی تو ہوتی ہے اور شاید طوفانی بھی...... لیکن طوفان آ کر گزر چکا تھا...... اب اس کے چاروں جانب سناٹا تھا...... مہیب سناٹا!

☆☆☆

قسمت جاگی، شادیانے بجے، ڈولی اٹھی، اور وہ دلہن بن کر محمود بابر کے گھر کی جانب روانہ ہو گئی۔ محمود بابر...... اس کے سر کا تاج، اس کے گھر آنگن کا بادشاہ، اس کے جسم و جان کا مالک، اس کا شوہر......

"لیکن کیا میں اس کے قابل ہوں؟ کیا میں نے اس کے ساتھ دھوکا نہیں کیا؟ کیا میں امانت میں خیانت کی مرتکب نہیں ہوئی؟"

کانٹے دار خود رو جھاڑیوں کی طرح ان گنت سوالات زمین ذہن میں اگتے چلے گئے، کانٹے تھے کہ اس کی روح تک کو زخمار ہے تھے۔

اس کے اندر ایک جنگ جاری تھی، خود سے لڑتے، الجھتے وہ ہانپ گئی، پیکار جاری رہی اور اسے حجلۂ عروسی میں پہنچا دیا گیا۔

"کیا کر رہی ہوں میں؟ کیا میں دلہن ہوں؟ کیا میں ساری زندگی ایک زندہ لاش کی مانند گزار سکتی ہوں؟ کیا مجھے زندہ رہنا چاہیے؟

وہ انگاروں پر لوٹ رہی تھی، جھلس رہی تھی، اندر ہی اندر سلگ رہی تھی، لیکن دھواں تک نہیں اٹھ رہا تھا۔

وقت گزرتا گیا، اسے اندازہ نہیں ہوا، فرصت ہی کہاں تھی، وہ تو خود ترسی کے عمل سے گزر رہی تھی۔ قدموں کی چاپ بلند ہوئی اور وہ زمین میں گڑ گئی، اس کی جھکی ہوئی نظریں مزید جھک گئیں پھر سلیم شاہی کھسّہ پہنے دو پیر اس کے حلقۂ بینائی کی گرفت میں آئے تو اسے خود پر اختیار نہ رہا۔

وہ ان پیروں پر گر کر بکھر گئی، بکھر تو وہ پہلے ہی چکی تھی، گر تو وہ پہلے ہی چکی تھی، اس سے کہیں زیادہ پستی میں...... یہاں تک کہ اپنی نظروں میں بھی!

وہ ٹوٹ کر روئی، آنکھیں ساون بھادوں بن گئیں، اس نے اپنی ذات کی ہر گرہ کھول دی، اس

نے اپنا ہر زخم اپنے مسیحا کے سامنے عریاں کر ڈالا۔

دو ہاتھ اس کے کندھوں پر آ ٹکے اور پھر اس کا بکھرا ہوا وجود ان مضبوط بازوؤں میں سمیٹ لیا گیا۔ اسے سزا نہیں سنائی گئی تھی، اسے اعتماد بخش دیا گیا تھا، زندگی بھر کا اعتماد! یہ ایسا انعام تھا کہ اسے اپنی خوش بختی پر ناز ہونے لگا۔

بلبلے پھوٹے، ستارے ٹوٹے اور اس کے رخساروں پر چمک اٹھے، لیکن یہ بلبلے، یہ ستارے اپنے اندر کڑواہٹیں نہیں بلکہ خوشیوں کا ایک جہان سمیٹے ہوئے تھے۔

ایک سال گزر گیا! منظر بدلا اور وہ اپنے حال میں واپس آ گئی۔

"عورت کے لیے مرد کا صرف ایک ہی روپ ہوتا ہے...... اور کسی شرعی رشتے کے بغیر وہ روپ صرف جانور کا روپ ہوتا ہے۔"

درخشاں بیگم کی آواز ماضی کے دھندلکوں سے نمودار ہو کر اس کی سماعتوں سے ٹکرائی لیکن اس آواز نے اسے چوٹ نہیں پہنچائی تھی، اسے زخمی نہیں کیا تھا، اس کے ہونٹوں پر آسودہ مسکراہٹ کی ایک لکیر کھنچ گئی۔

"آپ ٹھیک کہتی تھیں امی! کسی شرعی رشتے کے بغیر عورت کے لیے مرد کا روپ صرف جانور کا روپ ہوتا ہے لیکن...... شرعی رشتے کے بعد مرد کا روپ ایک دوست، ایک شوہر، ایک دیوتا کا روپ ہوتا ہے، سب سے اچھا دوست شوہر ہی ہوتا ہے!"

اس نے مٹھیوں میں دبی مٹی کو آہستہ آہستہ آزاد کرتے ہوئے زمین پر گرا دیا۔ پھر اس کے سامنے رنگ پھیل گئے۔

رنگ برنگے پھولوں سے سجا ایک خوب صورت گلدستہ اس کی جل تھل آنکھوں کے سامنے تھا، پھر دو مضبوط ہاتھ ہمیشہ کی طرح اس کے کندھوں پر آ جمے!

ایک آواز اس کے کانوں سے ٹکرائی اور وہ بے خود ہو گئی، یہ مسحور کن آواز اس کے دیوتا، اس کے مسیحا، اس کے محبوب شوہر، محمود بابر کی آواز تھی۔

"پیپی برتھ ڈے...... کرن!!!"

بھیگی شام

نائلہ ریا

ناولٹ

دو رویہ سرسبز درختوں کے بیچ بچھی سیاہ کولتار سی بل کھاتی سڑک اس گرم دوپہر میں بالکل سنسان تھی۔ جب وہ ٹھیکیدار غلام محمد شاہ کے ساتھ پل کی تعمیر کے کام کا جائزہ لے کر گھر واپس آرہا تھا۔ اس وقت ان کے درمیان کنسٹرکشن میٹیریل سے متعلق کچھ معاملات زیر بحث تھے۔

غلام محمد شاہ ایک ایماندار شخص تھا اور اس کے زیر نگرانی ہونے والی کنسٹرکشن میں خرم کو خال ہی کوئی نقص نظر آیا تھا۔ آج کے دورے میں اس کے اس یقین کو خاصی تقویت ملی تھی۔ دراصل ایم پی اے ملک خاور جو اس کے چچا تھے۔ چند دنوں تک گاؤں آنے کا ارادہ رکھتے تھے اور دیگر لوگوں کے ساتھ خرم کا خیال تھا کہ اس پل کا افتتاح ان کے ہاتھوں کروایا جائے سو وہ جلد از جلد اس تعمیر کو مکمل ہوتے دیکھنا چاہتا تھا۔

"شاہ جی میں اگرچہ کام سے مکمل طور پر مطمئن ہوں۔ مگر میں چاہوں گا کہ آپ اس نگران کو فارغ کر کے کوئی نیا آدمی رکھیں۔ دریا کے قریب رہنے والے مچھیروں کی کچھ شکایات ہم تک پہنچی ہیں ان کی عزت ہماری عزت ہے اور اس بات کو آپ بھی اچھی طرح سمجھتے ہیں۔" خرم نے موضوع کو پلٹتے ہوئے کہا تھا۔

"ملک صاحب میں آپ کی بات ....." اس کے حکمیہ انداز کے جواب میں غلام محمد کچھ کہنے ہی لگا تھا جب ان کی گاڑی کو شدید جھٹکا لگا۔ ڈرائیور نے فوراً ہی بی ایم ڈبلیو کے دونوں پہیے سڑک سے اتار کر کچی زمین پر جما دیے۔

خرم کی ناگوار نظریں دوسری طرف سے آنے والی بلیک کرولا کی طرف اٹھیں مگر اگلے پل ان میں حیرت در آئی تھی۔ اس چلچلاتی دوپہر میں گاڑی کی ڈرائیونگ پر کوئی نوعمر دوشیزہ براجمان تھی جو نہ جانے طوفانی رفتار سے مخالف سمت میں کیوں اڑی جا رہی تھی۔

جس چیز نے اسے از حد حیران کیا وہ اس کا ٹاپ اور جینز میں ملبوس ہونا تھا۔

"یہ لڑکی کون ہے منور؟" بے اختیار خرم نے

ڈرائیور سے سوال کر ڈالا حالانکہ صنف مخالف کے بارے میں بے تکلفانہ بات کرنا اس کی عادت تھی نہ اس علاقے کی ریت۔

"پتا نہیں ملک جی میں نے اس گاڑی کو پہلی مرتبہ اس علاقے میں دیکھا ہے۔" منور نے مودبانہ جواب دیا تھا۔

"جی تو ملک صاحب میں بات کر رہا تھا کہ۔۔۔" چند لمحوں کے لیے گاڑی میں خاموشی چھا گئی جسے غلام محمد نے گفتگو کا سلسلہ دوبارہ جوڑ کر ختم کیا تھا۔ مگر خرم ملک کی دلچسپی یک دم ہی ہر چیز سے ختم ہو گئی بس دھیان رہا تو صرف اور صرف چند پل کے لیے آنکھوں میں اترنے والے اس طوفانی منظر کی جانب' جو اس کے دل میں بھی ہلچل مچا کر گزر گیا تھا۔ وہ ہوں ہاں میں غلام محمد کی باتوں کو سوچتا در اصل ایک سوچ کے زیر اثر تھا۔

☼ ☼ ☼

تیار ہو کر اس نے ایک نظر آئینے میں خود کو دیکھا اور گردن تک آتے تراشیدہ بالوں کو جھٹکے سے پیچھے کرتے ہوئے ٹیبل پر رکھا چھوٹا سا پرس اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل آئی۔ آج فرہاد کے ہاں پارٹی تھی سب فرینڈز کا رات دیر تک ہلا گلا کرنے کا پروگرام تھا۔ وہ مقررہ وقت سے خاصی لیٹ ہو چکی تھی۔ کچن سے اس کے پاپا ملک کاظم کے بولنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہ شام کو ڈنر پر آنے والے اسپیشل مہمانوں کو دیے جانے والے ڈنر کا مینیو ڈسکس کر رہے تھے۔

"ہیلو پاپا۔" رومی نے اندر جھانکا۔ کاظم صاحب نے ایک نظر مڑ کر اسے دیکھا اور سنجیدگی سے شیف کے ساتھ باتوں میں مگن ہو گئے تھے۔

"پاپا میں اپنی ایک فرینڈ کی طرف جا رہی ہوں۔" ان کی لاتعلقی کا نوٹس لیے بغیر اس نے آگاہ کیا اور تیزی سے باہر چلی آئی۔

"اے ہیلو۔" اس نے چوکیدار کے ساتھ باتیں کرتے ڈرائیور کو مخاطب کیا۔

"یس بے بی۔" وہ فوراً" اس کے پاس آیا۔

"گاڑی کی چابی مجھے دو۔" اس نے نخوت سے ہتھیلی سامنے پھیلائی تھی۔

"آئی ایم سوری میم گاڑی کی چابی میرے پاس تو نہیں ہے۔"

"واٹ؟ اسٹوپڈ؟" اس نے بے یقینی سے اسے گھورا تھا۔

"گاڑی کی چابی ملک صاحب کے پاس ہے۔" متوقع بے عزتی کے ڈر سے اس نے فوراً" جواب دیا تھا وہ پاؤں پٹخ کر واپس مڑی اور پہلے سے بھی زیادہ تیز رفتاری سے واپس کچن میں پہنچی تھی۔

"پاپا وہ شوفر کا بچہ کیا کہہ رہا ہے۔" اس نے انتہائی غصے سے پھولی سانسوں کے ساتھ سوال کیا تھا۔

"سویٹ میں کیا ہے؟" وہ سنی ان سنی کرتے ہوئے شیف سے مخاطب ہوئے تھے۔

"پاپا آئی ایم گیٹنگ لیٹ۔" وہ زور سے چیخی تھی۔ ملک کاظم نے گھبرا کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔

"کیا بد تمیزی ہے رومی۔"

"پاپا میں لیٹ ہو رہی ہوں۔" اب کی بار رومانے سکون سے اپنا مسئلہ بیان کیا تھا۔

"کہاں جانا ہے؟"

"میری فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی ہے۔" اس نے زچ ہو کر عجلت سے بتایا تھا۔

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہارے انکل ذوالفقار اپنی فیملی کے ساتھ ڈنر پر آ رہے ہیں۔" ملک کاظم نے اپنی اکلوتی لاڈلی بیٹی سے جرح کی۔

"اور تمہارا گھر پر ہونا بہت ضروری ہے۔"

"وہ آپ کے فرینڈ ہیں میرا بھلا۔۔۔"

"اپنے کمرے میں جاؤ۔" اس کی بات کاٹ کر انہوں نے غصے سے کہا۔

"اوکے پاپا بس تھوڑی دیر میں واپس آجاؤں گی۔" اس نے کچھ دیر لب بھینچ کر مصلحت پسندی سے سوچا تھا۔

"ڈرائیور کو ساتھ لے کر جاؤ اور مہمانوں کے آنے سے پہلے واپس آجانا' فکس ایٹ او کلاک۔ ذوالفقار

کی بیٹیوں کو کمپنی دینے کی ذمہ داری تمہاری ہو گی۔" اب کے وہ نرم پڑ کر سہولت سے مان گئے تو وہ سر ہلا کر منتظر نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"چابی ڈرائیور کے پاس ہے مگر وہ کسی کو دینے کا مجاز نہیں ہے۔" انہوں نے مسکرا کر کہا تو رومی کا مارے غصے سے برا حال ہو گیا تھا۔ مگر بہر حال اسے برداشت سے کام لینا ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

"سلام ملک جی۔" گاڑی کے رکتے ہی بختو نے تیزی سے آگے بڑھ کر دروازہ کھولتے ہوئے سلام عرض کیا تھا۔

"وعلیکم السلام بختو آغا جان جاگ رہے ہیں کیا؟" اندر کی طرف بڑھتے اس نے استفسار کیا۔

"نہیں ملک جی وہ تو نماز پڑھ کر ہی سو گئے تھے۔ آپ کے لیے کھانا لگاؤں۔" اس کے پیچھے آتے بختو نے جواب دے کر پوچھا تھا۔

"نہیں بس ایک کپ چائے لا دو۔" بختو سر ہلا کر کچن کو ہو لیا تھا۔

"ڈیلی ٹائمز کے ایڈیٹر سے ملاقات کا وقت طے ہونے کے سبب غلام محمد کو اس کے مطلوبہ مقام پر اتار کر اس نے مرکز کا رخ کیا تھا۔ پچھلے کچھ ہفتوں سے ملک فیملی کے متعلق پارٹی بدلنے کی افواہیں علاقے میں گردش کرنے لگی تھیں اس میں کچھ شک بھی نہ تھا ملک خاور کی پارٹی لیڈر اور ضلعی صدر سے بہت سے معاملات پر اختلاف شدت اختیار کرتے چلے گئے تھے مگر دو روز پہلے ملک خرم کی ضلع ناظم تبریز خان سے ہونے والی میٹنگ میں ملک خاور کی ہدایات کی روشنی میں ان دونوں کے درمیان یہی طے ہوا تھا کہ ان افواہوں کو فی الحال دبا دیا جائے۔ اس سلسلے میں ہونے والی پریس کانفرنس کے دوران اپنے موقف کی وضاحت اور صحافیوں کے تند و تلخ سوالوں سے نبٹنے میں اس کا دماغ خاصا پکی ہو چکا تھا۔ سو کھانے کا ارادہ ملتوی کر کے وہ صرف اور صرف آرام کرنا چاہ رہا تھا۔

ٹھنڈے پانی سے ہاتھ لینے کے بعد وہ تولیے سے سر کو رگڑ رہا تھا۔ جب بختو دستک دے کر بھاپ اڑاتا چائے کا کپ لیے حاضر ہوا قدرے لاپروائی سے تولیہ پھینک کر بکھرے بالوں کو برش کیے بنا وہ کپ اٹھا کر کمرے سے ملحقہ ٹیرس میں آن کھڑا ہوا۔ فراغت پانے پر ایک بار پھر وہی منظر دل و دماغ پر لہرانے لگا جو اگرچہ مختصر ساعتوں پر محیط تھا مگر اب طویل گھڑیوں پر چھانے جا رہا تھا۔ وہ پچھلے کئی گھنٹوں میں ان مختصر ساعتوں کو ذہن سے جھٹکنے کی کوشش کر چکا تھا مگر دل میں بے تحاشا سوالات ابھر رہے تھے۔

"وہ کون تھی بھلا؟ اس علاقے میں اس کا ہونا چہ معنی دارد؟ اس کا تعلق بھلا کس خاندان سے ہو سکتا تھا۔ انہی سوچوں میں الجھا خرم ملک چائے کا سپ لیتے ہوئے مسکرایا' وہ جو بھی تھی۔ ملک خرم کے دل نے اسے بھلانے سے انکار کر دیا تھا کہ دل بھلا کب کسی کی منطق سنتا ہے۔ گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے خود سے بالآخر اعتراف کر ہی لیا تھا۔

محبت وہ سمندر ہے
کہ جس میں ڈوب جائیں تو
دلوں کو چین ملتا ہے
محبت پھول ہے ایسا
جو صحرا میں بھی کھلتا ہے
کبھی سینے میں دھڑکن کی طرح بے تاب ہے دیکھو
دیکھو
محبت دل کی آنکھوں کا سہانا خواب ہے دیکھو
زمیں پر جس طرف جائیں
یا پہنچیں آسمانوں پر
یہ چندا یہ ستارے بھی اگر ہوں دھول قدموں کی
جسے چاہیں اسے پالیں
زمیں کا ذرہ ذرہ اور فلک تسخیر کر لیں ہم
مگر پھر بھی
محبت آرزو دل کی
محبت جستجو دل کی
محبت آس ہے دل کی
محبت پیاس ہے دل کی

☆ ☆ ☆

"سنیے انکل۔" روما نے بڑے احترام کے ساتھ ڈرائیور کو مخاطب کیا تھا۔

جی بے بی۔" اس نے سڑک پر نظریں جمائے مودب ہو کر توجہ کی تھی۔

ادھر اسٹور سے مجھے آئس کریم لا دیں۔" اس نے ایک نوٹ ڈرائیور کی طرف بڑھایا تھا۔

وہ گاڑی سڑک کنارے روک کر باہر نکلا اور سامنے کی طرف بڑھ گیا تھا۔ روما کی توقع کے عین مطابق چابی اگنیشن میں جھول رہی تھی۔ اس نے تیزی سے پچھلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور ڈرائیونگ سیٹ پر قبضہ کرتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ آئس کریم خریدتے ڈرائیور نے یہ منظر دیکھ کر بوکھلاتے ہوئے باہر دوڑ لگائی مگر وہ صرف گاڑی کے پہیوں سے اٹھنے والی دھول ہی دیکھ سکا تھا۔ چند لمحے سوچنے کے بعد کندھے اچکا کر پیدل واپسی کا سفر شروع کرتے ہوئے اس نے آئس کریم کا ریپر کھولا اور آئس کریم کھاتے ہوئے ملک کاظم سے پڑنے والی متوقع ڈانٹ کو سوچنے لگا تھا۔

☆ ☆ ☆

ٹاہلی کے گھنے درخت سے ٹیک لگائے ملک خرم نے ایک نظر اپنی رسٹ واچ پر اور دوسری نظر درختوں کے درمیان بل کھاتی سڑک پر ڈالی تھی۔ پچھلے ہفتے اس نے بلیک کرولا یہاں سے گزرتی دیکھی تھی اور خود سے فرض کر لیا تھا کہ شاید وہ دوبارہ یہیں کہیں نظر آئے۔ یہ سوچنا کسی کسی وقت اسے بے وقوفی لگنے لگتا۔ مگر اپنی مضطرب سوچوں کو بہلانے کے لیے وہ کئی کئی گھنٹے یہاں انتظار میں گزار چکا تھا۔ مزید ایک گھنٹہ وہاں کھڑے رہنے کے بعد اس نے ایک نظر سڑک کے اردگرد پھیلے وسیع رقبے پر ڈالی اور بے دلی سے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے انجن اسٹارٹ کیا تھا۔ اس کا انتظار رائیگاں رہا تھا۔ بے دلی سے ڈرائیونگ کرتے

ہوئے وہ باہاں والا کی سڑک پر مڑنے کو تھا جب اچانک اس کی خوشی کی کوئی انتہا نہ رہی۔ وہی پری وش جس نے اس کے دل کا سکون تہ و بالا کر کے رکھ دیا تھا فاسٹ اسپیڈ سے بلیک کرولا کی ڈرائیونگ پر براجمان اسے کراس کر کے گزری تو اس نے فوراً" پیچھے پر گاڑی کو اتار کر تیزی سے مناسب فاصلہ رکھ کر اس کا تعاقب شروع کیا تھا اگرچہ وہ کوئی تھرڈ گریڈ سڑک چھاپ قسم کا انسان نہیں تھا مگر اس ساری جستجو کے پیش نظر صرف یہ پتا چلانا تھا کہ اس کا تعلق کس فیملی سے تھا دماغ پر لاکھ زور دینے اور سوچ کے گھوڑے دوڑانے کے بعد بھی وہ اندازہ نہیں کر سکا تھا کہ محترمہ کس کھیت کی مولی ہے۔

چند منٹ کی ڈرائیو کے بعد خرم نے اس کی گاڑی کو گاؤں کے باہر ایک پسماندہ سے گھر کے سامنے رکتے دیکھا تو وہ الجھ کر رہ گیا یہ نواب ماچھی کا گھر تھا گاڑی کے رکتے ہی چند بچے جو دور کھیل رہے تھے۔ اس طرف بھاگ کر آتے دکھائی دیے۔

☆ ☆ ☆

روما ملک کاظم کی اکلوتی بیٹی تھی۔ ملک کاظم کافی عرصے سے انگلینڈ میں مقیم تھے ان کا جیولری کا بزنس خوب چل رہا تھا۔ مگر جب چند سال قبل ان کی بیوی علیزے کینسر کے مرض میں مبتلا ہو کر کوچ کر گئیں۔ تو ان کی زندگی کو شدید دھچکا لگا۔ دوستوں کے بے حد اصرار کے باوجود انہوں نے دوسری شادی کرنے کے بجائے اپنی تمام تر توجہ اکلوتی بیٹی کی پرورش پر صرف کر دی مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ انہیں احساس ہونے لگا کہ ماں کی شفقت اور توجہ سے محروم روما کی شخصیت خامیوں کا شکار ہو چلی تھی۔ اوپر سے رہی سہی کسر انگلینڈ جیسے مادر پدر آزاد معاشرے نے پوری کر دی تھی۔ یہ نہیں تھا کہ وہ کوئی بہت بگڑی ہوئی بچی تھی مگر مشرقی اقدار و روایات سے نابلد تو تھی۔ ظاہر سی بات ہے وہ ان ہی طور طریقوں کو اپنا رہی تھی جو اس معاشرے کا دستور تھے اور اس سلسلے میں کاظم صاحب کی روک ٹوک بجائے سدھارنے کے اسے جھنجلانے پر مجبور کر دیتی۔

باپ سے شدید محبت کے باعث ان کے پند و نصائح سن تو لیتی مگر کرتی اپنی من مانی ہی تھی۔ بہت سوچ بچار کے بعد کاظم صاحب نے بالآخر وطن واپس آنے کا فیصلہ کیا اور سب کچھ سمیٹ کر واپسی کے لیے لاہور شہر کو منتخب کیا مگر یہاں آ کر بھی روما کے انداز و اطوار کافی حد تک وہی تھے۔ اس صورت حال میں انہیں یہی مناسب لگا کہ وہ اس کی شادی کر دیں۔ اس سلسلے کو عملی جامہ پہنانے کے لیے ان کے دیرینہ دوست ذوالفقار صاحب اپنی فیملی کے ساتھ ان کے ہاں انوائٹ تھے۔ مہمان پہنچ چکے تھے۔ مگر روما کی واپسی کا کوئی نام و نشان نہ تھا جو دوست کی پارٹی کے لیے انہیں جل دے گئی تھی۔ ذوالفقار صاحب کا بیٹا لیفٹیننٹ بابر جو حال ہی میں پی ایم اے سے پاس آؤٹ ہوا تھا۔ بے حد نفیس نوجوان تھا۔ ان کی پوری فیملی خاص طور پر بابر سے مل کر اور بات چیت کر کے انہیں بے حد خوشی ہوئی مگر جوں جوں وقت گزر رہا تھا ان کی یہ خوشی پریشانی میں بدل رہی تھی۔

"بھائی صاحب روما بیٹی کو بلائیں نا بہت چھوٹی سی تھی جب آپ کے اور علیزے بھابھی کے ساتھ آئی تھی اب تو ماشاء اللہ بہت بدل چکی ہو گی۔" آتے ہی مسز ذوالفقار اشتیاق سے کہہ رہی تھیں۔

"بھابھی دراصل وہ اپنی فرینڈ کی برتھ ڈے پارٹی میں گئی ہے مگر میں نے اس کو اس شرط پر جانے کی اجازت دی ہے کہ جلدی واپس آئے آپ کو پتا ہے کہ بچوں کی اپنی ـــــ" وہ قدرے معذرت خواہانہ انداز اختیار کر کے وضاحت دے رہے تھے۔

"جی بالکل یہ تو آپ بالکل درست کہہ رہے ہیں بچے بھلا اپنی گیدر نگز مس کرنا کب پسند کرتے ہیں۔" انہوں نے خوشدلی سے کاظم صاحب کی ادھوری بات کا سرا پکڑا تھا۔

☆ ☆ ☆

تاحد نگاہ تک کھیتوں میں سرسوں کی فصل سونے کا

تاج پہنے آخر بہار کی نرم گرم دھوپ میں ہلکورے لے رہی تھی۔ کہیں کہیں گندم کی بالیاں زمین کا رنگ اوڑھنے کی تیاری کر رہی تھیں۔ دھول اڑاتی پجارو میں بیٹھ کر ارد گرد بھاگتے خوشگوار منظر پر نگاہ جمائے درحقیقت وہ اپنی ہی سوچ میں گم تھا۔ کچی مٹی سے لپا ہوا وہ جھونپڑا نما گھر جس کا ایک کمرہ مکینوں کو موسموں کے سرد و گرم سے بچائے ہوئے تھا۔ اور جس کی چار دیواری برسات کی تندی سے ہار کر زمین بوس ہو چکی تھی اور گزشتہ کئی ماہ سے ہنوز سرنگوں حالت میں اپنے مکینوں کی خستہ حالی کا منہ بولتا ثبوت تھی۔

چھپر کے نیچے بندھی ہوئی بکری اور دو تین ننگ دھڑنگ بچے ان کا تمام اثاثہ تھے۔ ایک ہی نظر میں خرم ملک اس گھر کا اچھی طرح جائزہ لے چکا تھا۔ اور اتنی حیرت تو اسے اس علاقے میں دیکھ کر نہیں ہوئی تھی۔ جتنا حیران وہ اس اجنبی دوشیزہ کو اعتماد سے اس گھر کی طرف بڑھتے دیکھ کر ہوا تھا۔

"منور؟" اپنی سوچوں سے نکل کر اس نے ڈرائیور کو پکارا۔

"جی ملک جی؟" وہ پوری مستعدی سے اس کی طرف متوجہ ہوا۔

"یہ گنجاراں والا گاؤں سے باہر بستی کا پہلا گھر کس کا ہے؟" وہ الجھا الجھا پوچھنے لگا۔

"بستی کا پہلا گھر؟" اس نے چند لمحے سوچا۔

"ملک جی کچے راستے سے چند گز پرے نیم کے پیڑوں والا جس کی چار دیواری ڈھے چکی ہے 'نواب ماچھی' کا ہے۔" منور نے تصدیق کے ساتھ جواب دیا تھا۔

"نواب ماچھی؟" وہ مزید الجھ گیا اس کا دل چاہ رہا تھا وہ منور سے ڈائریکٹ اپنے سوالوں کا جواب مانگ لے شاید کوئی سرا مل جائے مگر پھر اس کی ازلی شرافت آڑے آنے لگی لہٰذا کسی عورت کو دوسرے مرد سے ڈسکس کرنا معیوب خیال کر کے وہ خاموش ہو گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

پارٹی کی رونق ماند پڑتے ہی مقدس انہیں گیسٹ روم میں لے آئی۔ سب دوستوں کو ہلا گلا کرتے ہوئے احساس تک نہ ہوا کہ مزید کتنا وقت گزر چکا ہے۔ روما نے حال میں ان دوستوں کی کمپنی جوائن کی تھی۔ دو مرتبہ چوکیدار نے مانی کو اس کے ڈرائیور کے آنے کی اطلاع دی مگر وہ ٹس سے مس نہ ہوا اور شاید اس کے گھر سے فون آنے پر ہی چوکیدار نے بالآخر مقدس کے فادر کو ان کی شکایت کی تھی۔ تبھی وہ نائٹ گاؤن کی ڈوریاں کستے جمائیاں لیتے گیسٹ روم کے دروازے پر آن کھڑے ہوئے۔

بہت دیر ہو چکی ہے بچو آپ لوگوں نے گھر نہیں جانا تو کم از کم گھر والوں کو فون کر کے انفارم تو کر دیں۔ اور مانی آپ کا ڈرائیور کتنی دیر سے باہر ویٹ کر رہا ہے۔" انہوں نے خاصے کڑے تیوروں کے ساتھ ان تینوں کزنز کو گھورتے ہوئے مانی کو مخاطب کیا تو وہ جو واک مین کانوں میں ٹھونسے جھوم رہا تھا۔ الرٹ ہو کر اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے ساتھ فضا اور صبا بھی چلی گئیں تو انکل روما کی طرف مڑے تھے۔

"آپ کسی کے ساتھ جاؤ گے بیٹا ڈرائیور سے کہوں آپ کو چھوڑ آئے؟"

"نہیں انکل بہت شکریہ میں اپنی گاڑی لے کر آئی تھی۔"

"تو تو اس ٹائم نہیں جانا میں ڈرائیور سے کہتا ہوں وہ آپ کی گاڑی کو فالو کرتا ہوا آپ کو چھوڑ کر آئے۔"

"اف یہ سارے پاپا ایک جیسے کیوں ہوتے ہیں۔" وہ فیصلہ کن انداز میں کہہ کر مڑے تو روما کا منہ بن گیا تھا۔

ان کے ڈرائیور کی پروٹیکشن میں جب وہ گھر پہنچی تو کاظم صاحب پورچ کی سیڑھیوں پر اس کے منتظر بیٹھے تھے۔

"آئی ایم سوری پاپا۔" اسے بے اختیار ہی احساس جرم نے گھیر لیا کہ اس کا خیال تھا اب تک وہ سو چکے ہوں گے مگر.....

"سو جاؤ جا کر صبح بات کریں گے۔" وہ بہت نارمل سے انداز میں کہہ کر اندر کی طرف بڑھ گئے تو اس نے

بے اختیار شکر ادا کیا تھا۔

"اپنی پیکنگ کر لو میں تمہیں آج ہی خلیق کے گاؤں بھجوا رہا ہوں اور تم اس وقت تک واپس نہیں آؤ گی۔ جب تک میں تمہیں اجازت نہ دوں۔" اگلی صبح ڈائننگ ٹیبل پر کاظم صاحب کے فیصلے نے اس کی حالت سزا یافتہ مجرم کی سی کر دی تھی۔

"وہ تو پاپا۔" اس نے جیسے کراہ کر کہا تھا۔

"آپ مجھے کب تک واپس آنے کی اجازت دیں گے؟"

"جب تک تم ڈھنگ کی زندگی گزارنے کے طور طریقے نہیں سیکھ لو گی۔" انہوں نے سکون سے جواب دیا تھا۔

"پاپا آئی تھنک اس کی ضرورت نہیں ہے۔" اس نے قطعیت سے انکار میں سر ہلایا تو کاظم صاحب اخبار پٹخ کر صوفے پر جا بیٹھے تھے جبکہ روما سکون سے ناشتا کرنے میں لگی ہوئی تھی۔

"ظفر..... ظفر....." تھوڑی دیر بعد انہوں نے بھنچی بھنچی آواز میں ملازم کو پکارا تو کپ روما کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے گرا اور کئی ٹکڑوں میں بٹ گیا تھا۔

"پاپا..... پاپا کیا ہو رہا ہے آپ کو؟ آپ ٹھیک تو ہیں۔" وہ اڑتی ہوئی صوفے پر ان کے پاس جا بیٹھی۔

"پاپا آپ میری وجہ سے پریشان ہوئے ہیں نا آئی پرامس آپ جو کہیں گے میں وہی کروں گی جب تک آپ چاہیں گے میں پھوپھو کے پاس رہوں گی۔ آئی پرامس پلیز خود کو سنبھالیں میں آپ کی ساری باتیں مانوں گی۔" پانی کا گلاس ان کے لبوں سے لگاتے ہوئے اس نے چند لمحوں میں ڈھیر سارے وعدے کر ڈالے تھے۔ چونکہ کاظم صاحب بیٹی کی آنکھ میں آنسو نہیں دیکھ سکتے تھے سو انہیں خود کو سنبھالنا پڑا تھا۔

کافی دیر کے بعد جب وہ انہیں اپنا خیال رکھنے کی ڈھیروں نصیحتیں کر کے پیکنگ کرنے کے لیے اپنے کمرے میں جا رہی تھی تو یہ نہ دیکھ سکی کہ اس کے پاپا کے ہونٹوں پر کتنی شرارت بھری مسکراہٹ مچل رہی تھی۔ روما اگر انہیں پریشان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتی تھی تو وہ بھی اس کے باپ تھے اس کی کمزوریوں سے اچھی طرح واقف۔

☼ ☼ ☼

ہائی وے سے ذیلی سڑک پر آتے ہی گاڑی ہچکولے کھانے لگی تو روما کو شدید کوفت نے آن گھیرا۔ ارد گرد کے روڈ کنسٹرکشن کے باعث گویا دھول اڑ رہی تھی۔ کام کرتی کرینوں کا شور اور بجری اور ریت ڈھوتے مزدور جس کے باعث کئی گاڑیاں اور ویگنز راستہ ملنے کے انتظار میں رک گئی تھیں۔ چند منٹ کا فاصلہ آدھے گھنٹے میں طے کر کے ان کی گاڑی آگے بڑھی تو ناہموار اور اونچی نیچی سڑک کے گرد جنگل شروع ہو گیا تھا۔ روما نے بے زار ہو کر سیٹ کی پشت سے سر ٹکا کر آنکھیں موند لی تھیں۔ موبائل پر میسج کی بیپ بجنے پر آنکھ کھلی تو ارد گرد کا منظر دیکھ کر اس کی آنکھوں میں اشتیاق امنڈ آیا تھا۔ دور دور تک لہلہاتی فصلیں اور ان میں کام کرتے لوگ اس کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہے تھے۔

یہاں پر ٹرانسپورٹ کا نظام بھی کچھ عجیب مگر خاصا دلچسپ لگ رہا تھا۔ کہیں کوئی گدھے پر سوار جا رہا تھا۔ ایک ریڑھے پر گھاس کے گٹھوں کے اوپر بیٹھی عورت نے اپنی گود میں معصوم بچہ بٹھا رکھا تھا اس ریڑھے کو جسے گدھا کھینچ رہا تھا ان کے پاس سے گزرا تو روما کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ در آئی۔ شام کا وقت تھا جا بجا چرواہے اپنے مویشیوں کو ہانکتے یقیناً گھروں کو واپس لوٹ رہے تھے۔ ایسے میں ان کی گاڑی کا ہارن بجا تو بکریاں گھبرا کر ادھر ادھر بھاگنا شروع کر دیتیں۔ گاڑی ایک لکڑی کے بڑے سے پھاٹک پر رکی تو ہارن کی آواز سنتے ہی چوکیدار نے دونوں پھاٹک کھول دیے تھے۔ گاڑی سے اترتے ہی اس نے پھوپھو کو سراپا انتظار پایا تھا۔ بہت پیار سے حال احوال تفصیلاً پوچھتے ہوئے وہ اسے اندر لے آئی تھیں۔ اور ملازمہ کی ہمراہی میں فریش ہونے کے لیے اوپر کی منزل پر بنے ایک کمرے میں بھیج دیا تھا۔ اور پھر چائے پی کر ذرا سا

آرام کرنے کے لیے لیٹی تو ڈنر پر ملازمہ کے جگانے پر ہی اس کی آنکھ کھلی تھی۔

شام کو جلدی سونے کا اثر تھا کہ صبح سویرے ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ نماز پڑھ کر وہ کمرے سے ملحق ٹیرس کا دروازہ کھول کر باہر نکلی تو آنکھوں کے سامنے جس منظر کو اپنا منتظر پایا بے ساختہ ہی اس کے منہ سے ستائش کے الفاظ نکلے تھے۔ ناہموار میدانی علاقے کا یہ گاؤں پہاڑی علاقے کے سنگم پر واقع تھا سو قدرت کی بھرپور صناعی کا منہ بولتا شاہکار۔ اس بات کا اندازہ تو اسے شام کو گاؤں میں داخل ہوتے ہی ہو گیا تھا۔ خلیق پھوپھو کی یہ حویلی جو قدیم طرز تعمیر کا خوب صورت نمونہ تھی۔ مختصر سی پہاڑی کو کاٹ کر اس کے دامن میں تعمیر کی گئی تھی۔ سو کمرے سے بائیں ٹیرس پر نکل کر سامنے سرسبز و شاداب پہاڑی کا کچھ حصہ دکھائی دیتا تھا۔ جس کے پہلو میں خوب صورت آبشار بہہ رہی تھی۔ وہ تو قدرتی مناظر کی دیوانی تھی۔ فوراً" اپنا کیمرہ نکال کر کھٹا کھٹ کئی تصویریں کھینچ ڈالی تھیں۔ پھوپھو بائیں طرف حویلی کے لان میں چیئرز پر نشست جمائے جوس کے سپ لیتی نظر آئیں تو چند لمحے مزید سامنے موجود منظر کو آنکھوں میں محفوظ کر لینے کے بعد وہ سیڑھیاں پھلانگتی بڑے ہال سے گزرتی لان میں چلی آئی۔

"گڈ مارننگ بیٹا۔" پھوپھو اسے دیکھ کر شفقت سے مسکرائیں۔

"میں سمجھی تم تھکی ہوئی ہو دیر سے اٹھو گی۔"

"نہیں پھوپھو شام کو بہت نیند لے لی تھی اس لیے جلد اٹھ گئی۔" انہیں جواب دیتی وہ چیئر سنبھال کر بیٹھتے ہوئے کہنے لگی۔

"ابھی تو تمہیں میری سال خوردہ کمپنی برداشت کرنی پڑے گی۔ البتہ سنڈے کو شمسہ آجائے گی تو تمہیں بوریت نہیں ہو گی۔ ویسے یہاں گھومنے پھرنے اور دیکھنے کو بہت کچھ ہے یقیناً" تم انجوائے کرو گی۔" انہوں نے اپنی بیٹی کا حوالہ دیتے ہوئے اسے تسلی دی تھی۔

خلیق پھوپھو کے دو شادی شدہ بیٹے تھے۔ بڑے آصف آرمی میں کرنل تھے۔ اور چھوٹے واصف جو اے سی کے عہدے پر کسی دور دراز ضلع میں تعینات بڑے بھائی کی طرح اپنی فیملی کے ساتھ رہائش پذیر تھے۔ جبکہ شمسہ بھی مستقلاً" لیکچرر شپ اختیار کر کے انہیں وقتی جدائی سونپ کر ہاسٹل جا ٹھہری۔ آنے والے دنوں میں اسے اندازہ ہوا کہ یہاں رہ کر اسے کتنی بوریت کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے۔ شمسہ آپی کے ویک اینڈ آنے کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوا کہ وہ خاصی مختلف اور سنجیدہ مزاج کی خاتون نکلیں۔ ایسے میں روما کے پاس وقت گزارنے کا ایک ہی ذریعہ رہ جاتا تھا۔

لاہور میں رہنے والے دوستوں سے لمبی لمبی گپ لگا میسجز کرنا یا پھر گاڑی لیے باہر نکل جانا اور قدرت کے حسین شاہکاروں کو مصنوعی آنکھ میں محفوظ کرنا۔ ادھورے اور پھٹے پرانے کپڑے پہنے کسانوں کے بچے سروں پر چارے کی گٹھڑیاں رکھے عازم سفر دیہاتی عورتیں، سر اور کمر سے بڑی بڑی چادریں باندھے گھاس کاٹتی پھول چنتی لڑکیاں، درختوں سے اچھل اچھل کر خوراک کا ذخیرہ کرتی بکریاں، جگالی کرتی بھیڑوں کے ساتھ پھدکتے ان کے ننھے منے سفید سفید روئیں والے میمنے، کچھ بھی اس کے کیمرے کی دست برد سے محفوظ نہ رہتا۔ ایسے میں اسے احساس تک نہ ہوا کہ وہ کسی آنکھ کے پردے پر ایک لمحے میں محفوظ ہو کر دل میں اتر چلی تھی۔ وہ کسی کی سیاہ شفاف آنکھوں کو رت جگا بخش گئی تھی۔ کسی کی سوچوں کو بے انتہا مضطرب کر گئی تھی۔ کوئی دل اسے حریم جاں مان کر مانگ رہا تھا۔ اس کی ایک جھلک کسی دل کو ہمیشہ کے لیے دیوانہ کر گئی تھی۔ اور وہ اس کی جستجو کر چلا تھا۔

محبت ساعتوں کا ایسا کھیل ہے جو زندگیوں پر محیط ہو جاتا ہے۔ خرم ملک کا دل بھی اس انجان کھیل کا پوری طرح حصہ دار بن چکا تھا۔ بے اختیار ہی اس کے قدم ایسے راستوں کی جستجو کرتے جہاں اس کے ملنے کا امکان ہو سکتا تھا۔ مگر اسے بے چین کرنے والی ہستی گمنام تھی اور خرم کو یقین تھا وہ اسے ڈھونڈ لے گا۔

جس نے اس کے دل میں ہر سو اپنی محبت کا اجالا بکھیر کر اسے منور کر ڈالا تھا۔ اس کی گاڑی کا نمبر نوٹ کر لینے کے بعد وہ مطمئن تھا۔

☼ ☼ ☼

خرم کے دادا ملک سرور حیات جنہیں خاندان میں آغا جان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔ علی گڑھ کے تعلیم یافتہ تھے اور ستر کی دہائی میں ریلوے کے وفاقی وزیر رہ چکے تھے۔ قیام پاکستان کی ابتدا سے سیاست کے متحرک رکن رہے تھے۔ ان کی دو ہی اولادیں تھیں ملک داور حیات اور ملک خاور حیات پندرہ سال قبل جب آغا جان اپنی اہلیہ کے ہمراہ اللہ کے گھر کی مبارک حاضری سے واپس آ رہے تھے اور پورا خاندان ایک قافلے کی صورت ان کے استقبال کو ایئرپورٹ گیا تھا۔ اسلام آباد سے گاؤں واپس آتے ہوئے اس قافلے کی ایک گاڑی ڈھلوانی سڑک سے اتر کر گہرے کھڈ میں جا گری تھی۔ اور آغا جان کی اہلیہ کے ساتھ ان کی بہو اور بیٹے کو بھی دار البقا کی طرف حاضری کا پیام دے گئی۔ یوں چودہ سالہ خرم کی زندگی میں بہت بڑا خلا پیدا ہو گیا جسے اس کی چچا، چچی اور آغا جان نے بھرنے کی بھرپور کوشش کی تھی یہ ان کی حد سے زیادہ توجہ اور بے پناہ شفقتوں کا ہی نتیجہ تھا کہ اعلا تعلیم حاصل کرنے کے بعد ایک کامیاب انسان کے طور پر دادا اور چچا کے نقش قدم پر چل کر عملی سیاست کرتے ہوئے کاروبار کو بھی نہایت کامیابی سے چلانے کے ساتھ زمینوں کی دیکھ بھال کا کام احسن طریقے سے کر رہا تھا۔

آغا جان اس کی کامیابیوں کے علاوہ اس کے لکھڈ کھاؤ کے بھی گرویدہ تھے۔ خرم نے ان کی ذمہ داریاں بانٹ کر گویا انہیں ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔ ورنہ ملک خاور جہاں سیاست میں باپ کے مقام کو برقرار رکھے ہوئے تھے۔ وہاں انہیں زمینوں اور گاؤں کے معاملات سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ جبکہ آغا جان کا خیال تھا کہ زمینوں اور گاؤں کو نظر انداز کر کے سیاست میں قدم جمائے رکھنا ممکن نہیں ہے۔ ملک خاور کے بچے زیر تعلیم تھے۔ لہٰذا اس نے چچا کا بازو بن کر حقیقی معنوں میں ثابت کیا تھا کہ خلوص توجہ اور محبت کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔ آغا جان کی وجہ سے اس کی مستقل رہائش گاؤں میں ہوا کرتی البتہ شہر کے چکر لگتے رہتے۔

پچھلے دو تین سالوں سے آغا جان اور ملک خاور شادی کے لیے اس پر زور دینے لگے تھے۔ آغا جان خاندان میں رشتے جوڑنے کے حق میں تھے۔ جبکہ ملک خاور کا رجحان اپنے ایک دو سیاسی دوستوں کی فیملیز کی طرف تھا۔ اس طرح ان کے خیال میں سیاست کو پروموشن تو ملتی ہی ہے اور آڑے وقتوں میں مدد بھی۔ میری نفیسہ چچی کو آئے دن کوئی نہ کوئی اپنے سرکل کی طرحدار حسینہ پسند آجاتی۔ تو وہ اس کے پیچھے پڑ جاتیں۔ آغا جان اور چچا جان کو شرافت سے ٹال جاتا۔ مگر نفیسہ چچی اس کے لیے ماں اور دوست کی طرح تھیں۔ سو ان کے مشوروں پر بے تکے تبصرے کرتا۔

"کریں نا اپنی فلاں مسز کی فلاں بیٹی سے شادی۔" وہ بڑے سکون سے کہتا۔

"کیا مطلب؟" نفیسہ چچی اس پر آنکھیں نکالتیں۔

"مطلب یہ چچی جان کہ شادی میری ہونی ہے یا آپ کی جو آپ ادھر ادھر دل لگاتی پھر رہی ہیں کسی دن چچا کو بتا دوں گا کہ فلاں حسینہ آپ کے دل کو لگ گئی ہیں۔" وہ یوں ہی باتوں میں اڑا جاتا۔

"بکو مت۔ تمہارے لیے دل کو لگی ہے بے وقوف۔" وہ اس کے کندھے پر دھپ لگاتی ہنس پڑتیں۔

"بات تو تب ہے جب میرے دل کو لگے کوئی محترمہ۔" وہ ان کے گھٹنوں پر سر ٹکا کر آنکھیں موند لیتا۔

"ایسا نہ ہو کہ اس سے پہلے ہی تمہارے چچا بات پکی ہونے کی مٹھائی کھلا دیں۔" وہ اسے ڈراتیں۔

"ایسا کبھی بھی نہیں ہو گا۔ وہ کوئی ظالم خطرناک قسم کی چچا تھوڑی ہیں۔ میرے پیارے چچا جان کو خبر ہے۔ وہ میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کریں گے۔"

"ہوتی نا میری کوئی کالی کلوٹی بیٹی پھر میں دیکھتی تم

اپنی مرضی کیسے کرتے ہو کان سے پکڑ کر اس کے پلے باندھ لیتی۔" وہ پیار سے اس کے بال بکھیر کر فخر سے کہتیں۔

"شکر ہے اللہ نے مجھے بچالیا آپ کی کالی کلوٹی سے۔" وہ دعائیہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر کہتا۔

☼ ☼ ☼

"زینب تم نے آج تک کیا کیا ہے سوائے چھٹیاں کرنے کے۔ اس سے تو بہتر ہے کہ تم پکی پکی چھٹی کرلو۔ میں کوئی نئی ملازمہ رکھ لوں گی اور تم سکون سے گھر بیٹھو گی۔" وہ کھانا لگنے کی اطلاع پر ڈرائنگ روم میں آئی تھی۔ جب خلیق پھوپھو کی تیز آواز سیڑھیوں پر اس کی سماعتوں کا حصہ بننے لگی تھی۔ ان کے سخت اور تیز لہجے کے جواب میں زینب کا منمناتا ہوا لہجہ اس کے کچھ پلے نہ پڑا تھا۔ یہاں رہتے ہوئے اسے اتنا اندازہ تو ہو چلا تھا کہ پھوپھو کا رویہ نوکروں سے خاصا درشت رہتا تھا۔ یہی حال شمسہ کا تھا۔ وہ منٹوں میں کسی بھی ملازم کو معمولی سی غلطی پر بے عزت کر کے رکھ دیتی تھی۔

"روز تمہارے پاس کوئی نہ کوئی بہانہ ہوتا ہے بی بی۔ کاکی کو تم نے کون سا ہسپتال میں ایڈمٹ کروانا ہے اور کہاں ہے وہ تمہارا نکھٹو نواب اس سے کہو نا تمہاری غیر موجودگی میں گھر پر رہا کرے۔"

"آؤ رومی بیٹا میں تمہارا ہی ویٹ کر رہی تھی۔" زینب سے کہتے ہوئے ان کی نظر رومی پر پڑی تو یکدم ہی چہرے کے تاثرات مشفقانہ اور لہجہ شگفتہ ہو گیا۔

"کوئی پرابلم ہے پھوپھو؟" کھانا نکالتے ہوئے اس نے سرسری نظر قدرے پریشان کھڑی زینب پر ڈالی۔

"یہ نوکر کسی پرابلم سے کم ہوتے ہیں بیٹا کام سے جان چھڑانے کے سو بہانے موجود ہیں ان کے پاس۔" انہوں نے ایک کٹیلی نگاہ زینب پر ڈال کر جواب دیا تو وہ آنسو پیتی کچن کی طرف مڑ گئی۔

پھر پورے دن میں جب بھی اس کا سامنا زینب سے ہوا وہ رونی صورت بنائے کام میں لگی ہوئی دکھائی دی۔

"سنو تم پھوپھو سے کیا کہہ رہی تھیں کوئی پرابلم آئی مین پریشانی ہے کیا؟" دوپہر کو جب وہ اسے ٹیرس پر چائے دینے آئی تو روما بے ساختہ ہی اس سے استفسار کر بیٹھی تھی۔

"بی بی کاکی بہت بیمار ہے۔ آدھے دن کی چھٹی مانگی تو بیگم صاحب بگڑنے لگیں بی بی سچ کہوں میں کبھی کام چوری نہیں کرتی مالکوں کا دیا کھاتے ہیں۔ ان کے کام نہ آئیں تو اللہ بھی نہ بخشے پر کاکی کی طرف سے اتنی فکر ہے سمجھ نہیں آرہا کیا کروں۔"

"چھوٹی بہن ہے تمہاری؟" لفظ کاکی سے وہ یہی سمجھی کہ زینب اپنی بہن کے لیے پریشان ہو رہی ہو۔

"نہیں جی میری اپنی بیٹی ہے۔" اس نے روما کی غلط فہمی دور کی تھی۔

"تم شادی شدہ ہو؟" روما کو زور کا جھٹکا لگا تھا۔

"میری شادی کو تو پانچ وریاں گزر گئے جی دو کاکیاں ہیں اور ایک کاکا ہے خیر سے۔" وہ اتنی کم عمر سی لڑکی تین بچوں کی ماں تھی روما حیرت سے اس کا منہ دیکھتی رہ گئی۔ جبکہ زینب دوسری ملازمہ کے بلانے پر پلٹ کر جا چکی تھی۔

☼ ☼ ☼

"مجھے ایک بات کی بالکل سمجھ نہیں آتی روما بی بی آپ ہیں کیا چیز؟" وہ یوں ہی آوارہ گردی کے لیے نکل رہی تھی جب شمسہ نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

"پاپا تو کہتے ہیں میں لڑکی ہوں۔" اس نے معصومیت سے جواب دیا اتنا تو اندازہ ہو چکا تھا کہ شمسہ اس کی کلاس لینے والی ہے۔

"ذرا اپنی گردن پر ہاتھ رکھو۔" اس نے ڈپٹ کر کہا تو اس نے فوراً" تعمیل کی۔

"یہاں پر آپ نے کیا پایا؟" شمسہ نے سوال کیا تو اس نے نفی میں گردن ہلا دی۔

"عرض یہ ہے محترمہ کہ لڑکیوں کے یہاں پر بالوں کی ایک چٹیا ہوا کرتی ہے جو بے بی کٹ کے باعث

آپ کی غائب ہے دوسرے آپ کا ٹاپ اور جینز کچھ مردانہ خصوصیات کی نشاندہی کرتا ہے۔"

"تو یہ بات آپ پاپا سے کہیں نا وہ مجھے ہر وقت کیوں ٹوکتے رہتے ہیں کہ لڑکیوں کو یوں نہیں کرنا چاہیے۔" اس نے بے حد سادگی سے اپنے لیے فیور چاہی تھی۔

"بچے سدھر جاؤ سیدھی طرح گھر سے ہم یہ ڈریسنگ ہی چینج کرلو تاکہ ماموں کو اندازہ ہو کہ ہم نے آپ کی کچھ نہ کچھ برین واشنگ کر ہی ڈالی ہے۔"

"آپی میں جاؤں؟" اس نے مزید کچھ سننے سے قبل اجازت مانگی تو اس نے گھور کر جانے کا اشارہ دیا تھا۔

"صابر ادھر آؤ۔ ذرا یہ گاڑی کے ٹائر تو دھو دو۔" دروازہ کھولتے ہوئے اس کی نظر ملازم پر پڑی جو پائپ سے پودوں کو پانی دے رہا تھا۔ صابر سر ہلا کر مٹی سے اٹے ٹائروں کو دھونے میں منہمک ہوا تو اس کا دھیان بے اختیار اندر سے آتی آوازوں کی طرف چلا گیا تھا خلیق پھوپھو کسی ملازم پر برس رہی تھیں تھوڑی ہی دیر میں اس نے زینب کو روتے ہوئے چہرے کے ساتھ گیٹ سے نکل کر جاتے دیکھا تھا۔

"آؤ بیٹھو زینب۔" سڑک پر آتے ہوئے اس کی نظر ایک مرتبہ پھر زینب پر پڑی تو روما نے گاڑی اس کے قریب روکتے ہوئے فرنٹ ڈور کھولا تھا۔ زینب گڑبڑا کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ارے بھئی میں کوئی گھوسٹ ہوں جو یوں آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی ہو۔" اس کے جھنجلا کر کہنے پر زینب کو مجبوراً" بیٹھنا پڑ گیا۔ روما کے پوچھنے پر پتا چلا کہ آج تنخواہ ادھار مانگنے پر ڈانٹ پڑی تھی۔ روما تو اس کے گھر کے سامنے اتارتے وہ اس کی دعوت پر کاکی کی عیادت کو اتر آئی مگر کاکی کو دیکھ کر اسے زینب کی عقل پر ماتم کرنے کی جی چاہا جس کی کاکی کو راکھی کے کتے نے کاٹا تھا اور وہ خود ساختہ علاج کر کے بالکل مطمئن تھی۔

"بی بی یہ ٹونا ہوتا ہے کہ جس گھر کا کتا کاٹے اس گھر کی مرچیں زخم پر باندھ لو۔ زخم ٹھیک ہو جائے گا۔"

"فضول باتیں مت کرو زینب کتے کے کاٹنے کے انجکشن ہوتے ہیں۔" اس معصوم بچی کو ایسی حالت میں دیکھ کر اس کا وحشت سے برا حال ہو گیا تھا۔ کاکی کو گاڑی میں ڈال کر وہ قصبے کے کلینک چلی آئی تھی۔

"میڈم زخم خاصا بڑا ہے اس کے لیے آپ کو چودہ انجکشن شہر سے منگوانے ہوں گے۔" ڈاکٹر کے بتانے پر اس نے فوراً" ہی پاپا کا نمبر ملا ڈالا تھا۔

اسے کوئی بہت رحم دل ہونے کا دعوا تو نہیں تھا۔ مگر چند ٹکوں کی خاطر انسانیت کو اپنے سامنے سسکتے دیکھنا بھی اس کے حوصلے کی بات نہ تھی۔ آنے والے دنوں میں اس نے کاکی کی خیریت دریافت کرنے کے لیے کئی چکر لگائے تو اس کی زینب اور نواب ماچھی کے تینوں بچوں سے جہاں بہت دوستی ہو گئی وہیں ان دونوں میاں بیوی کے لیے گویا روما کا وجود کسی مسیحا کا درجہ اختیار کر گیا تھا۔ زینب اسے دعائیں دیتی نہ تھکتی تھی اور نواب کی آنکھوں میں اس کے لیے احترام کا سمندر موجزن رہتا تھا۔ تینوں بچے اس کی گاڑی کو دیکھ کر بھاگ کر اس کی طرف لپکتے تو روما گویا سرشار ہو کر ان ننھے دوستوں کو اپنے پہلو سے لگا لیتی۔

☼ ☼ ☼

"خرم میں اچھی طرح جانتی ہوں یہ سب تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے۔ صرف اور صرف تمہاری لاپروائی کی وجہ سے میں اتنی دور ہاسٹل میں پڑی رہتی ہوں۔ اب تو جیسے گھر میں رہنا خواب ہو گیا ہے۔" شمسہ خاصے جھلائے ہوئے انداز میں اس سے مخاطب تھی جو قدرے بے دھیانی سے اس کی بات سنتے ہوئے سامنے پڑے ٹیبل پر پاؤں رکھے کوئی نمبر سرچ کر رہا تھا۔

"تو اس خواب کو تعبیر کا رنگ دے دو یہ جو فضول کا شوق پال رکھا ہے اس کو ریزائن کر کے مستقل یہیں رہائش اختیار کرلو۔"

"اور تم ایک لیٹر سائن نہیں کروا سکتے اتنا معمولی سا کام ہے۔" شمسہ تپ کر کہہ رہی تھی۔

"ایک لیٹر کہاں تم خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ ٹرانسفر پر

بین ہے۔"

"ہاں مگر سی ایم ہاؤس کو اتھارٹی ہے نا' جب چیف منسٹر یہاں کے وزٹ پر آئے تھے تو اتنا گولڈن چانس تھا مگر تمہیں کچھ یاد ہو تو تب نا۔"

"نہیں بھئی وہ دراصل اتنا ٹائم کہاں ملتا......"

"میں نے خود ٹی وی پر لائیو کوریج دیکھی تھی اس پروگرام کی۔ تم سی ایم صاحب کے ساتھ والی نشست پر تشریف فرما تھے تمہارا کیا جاتا جو ایک لیٹر سائن کروا لیتے۔" شمسہ کا ملال ازحد تھا۔

"بھئی مجھے بالکل اچھا نہیں لگتا کہ میں سی ایم صاحب سے کہوں کہ ہماری بہن بے چاری کا لیکچرر شپ کے بغیر گزارا نہیں ہو رہا یا ہم پر فاقوں کی نوبت آ سکتی ہے لہٰذا آپ اس کی تبدیلی کے احکام جاری کریں۔ مجھے تو معاف ہی رکھو چچا سے بات کرو شاید وہ کچھ کر دیں۔" وہ خواہ مخواہ خواتین کی جاب کے خلاف تھا سو صاف گوئی سے انکار کر گیا جبکہ شمسہ تو اس کے ہماری بہن کہنے پر لب بھینچ کر رہ گئی تھی۔

تبھی گیٹ پر گاڑی کا ہارن بجا اور گیٹ وا ہوئے تو اس کی توجہ اس طرف چلی گئی۔ اور اگلے پل اسے بے تحاشا خوشگوار حیرت نے آن گھیرا۔ ساتھ ساتھ اسے خود ہی ہنسی بھی آنے لگی اس علاقے کے ہر قابل ذکر خاندان کو اس نے ذہن میں رکھ کر کھوجا تھا۔ مگر اس کا دھیان نہیں گیا تو خلیق آنٹی کی حویلی کی طرف۔ اب جبکہ وہ گاڑی کے نمبر کے ذریعے اس کا بائیو ڈیٹا معلوم کرنے کا سوچ رہا تھا تو اسے یوں لاپروائی سے اندر کی طرف بڑھتے دیکھ کر اتنا تو اندازہ ہو چلا تھا کہ وہ یہاں کی رہائشی تھی۔

"روی ادھر آؤ۔" شمسہ نے اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دیکھ کر پکارا تو وہ اندر کی طرف جاتی پھر ان کی طرف پلٹ آئی۔

"ان سے ملو یہ ہیں ہمارے کزن ملک خرم اور خرم یہ ہمارے کاظم ماموں کی بیٹی روما۔" شمسہ نے مسکرا کر ان کا تعارف کروا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

وہ زینب اور اس کے بچوں کے ساتھ کافی دیر سے ٹیوب ویل پر گھوم رہی تھی۔ زینب اپنی بکریوں کے لیے چارہ لینے آئی تھی۔

حبس زدہ گرم دوپہر کے اختتام تک ابر آلود موسم کی ٹھنڈی ہوا اور بارش کی کن من نے خوشگوار تاثر قائم کر دیا تھا۔ اس کی واپسی تک بارش تیز بوچھاڑ میں تبدیل ہونے لگی۔ ایسے موسم میں ڈرائیو کرنا بے حد خوب صورت لگ رہا تھا۔ مگر نالے تک پہنچ کر سارا مزا اڑنچھو ہو گیا تھا نالے کا پل زیر تعمیر تھا جبکہ سڑک شور مچاتے پانی کی زد میں آ چکی تھی۔ شمال کی طرف کافی دیر سے اندھیرا سا نظر آ رہا تھا جبکہ نالہ بھی اسی سمت سے بہتا ہوا یہاں تک آ رہا تھا اس نے ڈرتے ڈرتے گاڑی پانی میں ڈالی مگر چند قدم پر ہی گھبرا کر ریورس کی اور پھوپھو کو فون کر کے اس افتاد سے آگاہ کیا تھا۔

"فکر مت کرو بیٹا میں ابھی کسی کو بھیجتی ہوں۔" انہوں نے تسلی دے کر فون بند کیا تو وہ بارش سے جھومتے درختوں پر نظر جما کر قرآنی آیات کا ورد کرنے لگی۔ یک دم بائیں طرف سے کھڑکی کا شیشہ بجا تو وہ مزید خوف زدہ ہو گئی۔ درمیانی سی عمر کا وہ شخص چھتری تانے تند ہوا سے نبرد آزما اسے شیشہ فولڈ کرنے کا اشارہ دے رہا تھا۔ اسے خیال آیا شاید پھوپھو نے بھیجا ہو۔ تبھی شیشہ نیچے کر کے اس کی بات سننے لگی۔

"جی مجھے ملک جی نے بھیجا ہے آپ میرے ساتھ فارم ہاؤس پر چلیں۔"

"کون ملک جی؟" وہ حیران ہوئی تھی۔

"وہ.....جی ملک خرم نے مجھے......"

"میں کسی ملک خرم کو نہیں جانتی۔" چند روز پہلے کا تعارف بدحواسی میں ذہن سے نکل چکا تھا سو انکار کر کے کہہ دیا تو چند لمحے اسے حیران نظروں سے دیکھنے رہنے کے بعد پلٹ گیا مگر تھوڑی دیر بعد ہی خرم کے ساتھ واپس آتا دکھائی دیا تو وہ شرمندگی سے اپنی یادداشت کو کوس کر رہ گئی۔

"آیئے محترمہ اگر ایڈونچر کا شوق پورا ہو گیا ہو تو ہمارے ساتھ چلیے گاڑی کو فی الحال آگے پیچھے کرنا ممکن

نہیں ہے آپ کو اپنے قدموں کو استعمال کرنا ہو گا۔" وہ قدرے آف موڈ کے ساتھ اس کی گاڑی کا دروازہ کھول کر کہہ رہا تھا۔ وہ دونوں چھتریاں ہونے کے باوجود اچھے خاصے بھیگ رہے تھے۔

"کدھر تک جانا ہو گا۔" روما گاڑی سے نکلی مگر تیز بوچھاڑ نے اسے ایک مرتبہ پھر واپس گاڑی میں آنے پر مجبور کر دیا سو پریشانی سے خرم سے پوچھنے لگی۔ جواباً" خرم نے سامنے پہاڑی پر بنے کاٹیج نما بنگلے کی طرف اشارہ کیا تھا جس کے پیچھے وسیع و عریض فارم ہاؤس تھا مگر نیچے سڑک سے دیکھنے پر صرف بنگلے کی عمارت دکھائی دیتی تھی۔

"ابھی ادھر ہی بیٹھیں نا بارش رک جائے تو پھر۔" بادل زور سے گرجے تو روما نے چیخ مار کر کانوں پر ہاتھ رکھ لیے تھے۔ خرم کا ناگوار موڈ یک دم بدلا بمشکل اپنی مسکراہٹ دبائے وہ رخ موڑ کر طوفانی موسم کا جائزہ لینے لگا۔

افضل کو واپس بھیج کر دوسری طرف کا دروازہ کھول کر اس کے برابر آن بیٹھا اور موبائل نکال کر خلیق آنٹی سے رابطہ کرنے لگا تھا۔ انہیں بھتیجی کی خیریت سے آگاہ کر کے مطمئن ہو کر سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر بظاہر چیختے چنگھاڑتے موسم کا نظارہ کرتے ہوئے اس کی ساری توجہ برابر میں بیٹھی بھیگی پلکیں' اور رونی صورت لیے اس لڑکی کی طرف تھی جو یقیناً" لرزتے دل کے ساتھ جل تو جلال تو کا ورد کر رہی تھی اور خرم اس کی حالت سے خاصا محظوظ ہو رہا تھا۔

"بارش کب تک رک جائے گی۔" اس نے دوسری تیسری مرتبہ خرم سے احمقانہ سوال کر ڈالا تھا۔

"بارش رک بھی گئی تو نالے کو کراس کرنا اگلے چوبیس گھنٹوں میں ممکن نہیں ہو گا۔" اس نے حقیقت بتا کر روما کو ہلا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بے حد سراسیمگی سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"آپ تو بہت بہادر ہیں پھر کیوں تو پریشان ہو رہی ہیں۔"

"لعنت ہے بہادری پر' میں کوئی بہادر شہادر نہیں ہوں۔" اس نے زود رنج لہجے میں کہا تو بے اختیار خرم کی ہنسی نکل گئی۔

"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" وہ چونک کر پوچھ رہی تھی۔

"نہیں بھئی میں بالکل آپ کا مذاق نہیں اڑا رہا۔ لیکن مجھے یہ سمجھ نہیں آئی آپ اس طرح اکیلی کیوں نکلتی ہیں۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے آپ ڈرائیور کو ساتھ لیا کریں۔" وہ سنجیدہ ہو کر اسے سمجھانے لگا تھا۔

"آپ پریشان نہیں ہیں پتا نہیں بارش کب رکے گی؟" اس کی بات بے دھیانی سے سنتے ہوئے ایک پھر اس نے پوچھا تو وہ خاموشی سے اسے دیکھتا چلا گیا تھا۔

"تم کیا جانو اچھی لڑکی یہ خراب موسم اور طوفانی بارش میری زندگی کے سب سے خوب صورت دن کا پیغام لائے ہیں۔" اپنے جواب کی منتظر روما نے سادگی سے اس کی طرف نگاہیں اٹھائیں' اس پل خرم کا دل کچھ اس طرح اس کی نگاہوں میں سمٹ آیا تھا کہ سٹپٹا کر رخ موڑ کر ونڈو سے باہر دیکھنے لگی تھی۔

"میرا خیال ہے ہمیں اوپر چلنا چاہیے یہاں کب تک بیٹھیں گے۔" بارش کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ خرم نے نالے کی طغیانی پر نظر جما کر ایک بار پھر رائے دی تھی۔

"اور کون کون ہے؟" وہ ایک ثانیے کو سوچ کر پوچھنے لگی تو بے اختیار خرم کی نظریں اس کی جانب اٹھی تھیں وہ اتنی لاپروا نہیں تھی۔ جتنی بظاہر نظر آتی تھی۔

"افضل اس کی بیوی بچے' فارم ہاؤس کے ملازمین۔" خرم کے بتانے پر اس نے سر ہلا کر گاڑی کا دروازہ کھولا تھا۔

"ارے واہ یہ تو بہت خوب صورت جگہ ہے۔" افضل کے بیوی بچوں کو دیکھ کر فطری طور پر اس کی سراسیمگی کم ہو گئی تھی۔

"یہ تو بالکل ایسا سین ہے جیسا... فلموں میں ہوتا ہے۔" حقیقتاً" یہ علاقہ قدرتی حسن سے مالا مال تھا اس اونچی پہاڑی پر بنے ہوئے اس بنگلے سے آمنے سامنے دو گاؤں' ان کی آبادی اور گرد و پیش کے بہت

سے مناظر بخوبی نظر آرہے تھے وقتاً فوقتاً ہونے والی ساون کی بارشوں نے زمین کو سبزے کی خوب صورت چادر اوڑھادی تھی۔ ایسے میں بارش کا دلفریب منظر ۔۔۔ روما بے ساختہ کہہ کر تائید طلب نظروں سے اسے دیکھنے لگی تو وہ اس کی ایکسائٹمنٹ پر مسکرا کر چیئر پر براجمان ہوگیا تھا۔

پاس ہی برآمدے میں افضل کے بچے اودھم مچائے ہوئے تھے۔ ان کے آنے پر افضل کی بیوی جو کچن میں کھانا بنارہی تھی۔ کھینچ کھانچ کر بچوں کو اندر لے گئی۔

"آپ یہاں اکیلے رہتے ہیں۔ آئی مین آپ کی فیملی۔" اس منظر کو نگاہوں میں جذب کرتے ہوئے وہ قدرے ریلیکس ہو کر اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"نہیں اسی گاؤں میں آغاجان کے ساتھ اپنی حویلی میں رہتا ہوں۔"

"آپ کیا کرتے ہیں۔" اگلا سوال ہوا۔

"میں سیاست میں ہوں اس علاقے کا ناظم ہوں۔"

"وہ کیا کرتا ہے؟" اس کے سادگی سے پوچھنے پر خرم کا دل چاہا کہے وہ میرا سر ہوتا ہے۔ مگر پھر اپنی اس خواہش کو بالائے طاق رکھ کر سمجھانے کے لیے موزوں الفاظ کا انتخاب کرنے لگا۔

☆ ☆ ☆

ویک اینڈ پر واصف اور آصف اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ موجود تھے۔ شمسہ تو ہر ویک اینڈ پر حویلی آتی رہی تھی۔ اس بار سب کے اکٹھا ہونے پر پکنک کا پروگرام بن گیا۔ اسلام آباد کو نزدیک خیال کر کے سب اسی پر متفق ہوئے تھے۔ خرم کو بھی زبردستی انہوں نے شریک کرلیا تھا۔ چھتر پارک اور فیصل مسجد سے ہو کر وہ دامن کوہ کی طرف آگئے تھے۔ خرم کو کچھ کام تھا۔ وہ گھنٹے بعد انہیں جوائن کرنے کا کہہ کر کہیں چلا گیا تھا۔ روما آتے ہوئے واصف بھائی بینش بھابھی کے ساتھ ان کی گاڑی میں موجود تھی۔ بینش بھابھی کے ساتھ ساتھ وہ ان کے بچوں کے ساتھ بھی خاصی گھل مل چکی تھی۔ وہ بھابھی اور بچوں کے ساتھ سڑک پر واک کرتے ہوئے ایک چکر کاٹ کر آرہی تھی۔ جب خرم گاڑی سے اتر کر ان کی طرف چلا آیا تھا۔ باقی سب بھی قدرے فاصلے پر ادھر ادھر بکھرے انجوائے کر رہے تھے۔ بینش بھابھی کے بیٹے کی کسی بات پر ہنستے ہوئے وہ خرم کو اس کی معصوم سی شرارتوں سے آگاہ کر رہی تھی۔ جب شہر کا نظارہ کرتی شمسہ کی نظران دونوں پر پڑی اور وہ ٹھٹک گئی۔

اسے شبہ سا ہوا جیسے روما کے عارضوں پر ہنستے ہوئے کھلنے والے گلاب خرم کی نظروں کی دین تھے۔ یکدم وہ بے چین ہو کر ماں کی طرف آئی جو ملازم سے کھانے پینے کا سامان گاڑی سے نکلوا کر آرہی تھیں۔ شمسہ کے تھانیدارانہ انداز پر وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی تھیں۔ شمسہ نے کچھ کہے بغیر تیکھی نظر سے ابرو اچکا کر روما اور خرم کی طرف اشارہ کیا۔ جواباً خلیق النساء نے اسے یوں دیکھا جیسے کہہ رہی ہوں "پاگل ہوگئی ہو" اور دوبارہ سے ملازم کو ہدایات دینے لگیں۔ مگر شمسہ کے ذہن میں جو خیال آیا وہ اسے اتنی جلدی جھٹکنے والی نہ تھی۔ پہلی فرصت میں اس نے ماں سے تفصیلی بات چیت کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

پھر سارا وقت اس کی توجہ تمام باتوں سے ہٹ کر صرف ان دونوں کی جانب رہی۔ مگر نہ تو خرم اتنے لوگوں کی موجودگی میں کسی امیچورٹی کا ثبوت دے کر خود کو اور روما کو ٹاک آف دا ٹاؤن بنانا چاہتا تھا اور نہ ہی روما کو آصف اور واصف کی کمپنی انجوائے کرتے خرم کا خواہ مخواہ پلو پکڑنا مناسب لگ رہا تھا۔ بلکہ واپسی پر وہ بینش بھابھی کے ساتھ ان کی گاڑی میں بیٹھی تو شمسہ کے دل کو سکون نصیب ہوا تھا۔

☆ ☆ ☆

"مجھے بہت عجیب لگتا ہے جب یہاں کے لوگ مڑ کر گھور گھور کر دیکھتے ہیں۔ نان سینس۔" اس سے محض دو قدم کے فاصلے پر ایک بڑے پتھر پر براجمان وہ برملا اپنے خیالات کا اظہار کر رہی تھی۔

"اگر میں تمہیں پہلی بار یہاں کہیں سڑک پر پینٹ سوٹ میں ملبوس نظر آتا تو کیا تمہاری توجہ میری طرف ہوتی۔" خرم نے کچھ سوچ کر پوچھا تھا۔

"آف کورس" روما نے اثبات میں سر ہلایا تھا۔

"کیوں؟"

"اس لیے کہ یہاں کے لوگ، بہت کھلے ڈلے بلکہ پینڈو سے حلیے لیے پھرتے ہیں ایسے میں کوئی ڈفرنٹ۔"

"جب یہاں ایک مرد کو قدرے ڈفرنٹ حلیے میں دیکھ کر تمہاری توجہ اس کی طرف مبذول ہوگئی جبکہ تم دنیا گھوم چکی ہو تم نے ہر ڈریس میں ہر قوم اور نسل کے لوگوں کو دیکھا ہوگا تو یہ بے چارے لوگ جو اپنے پنڈ سے شاید ہی کبھی باہر گئے ہوں اور وہ بھی کسی قریبی قصبے تک تو انہوں نے ایسی فضول ڈریسنگ میں پہلی بار کسی لڑکی کو دیکھا ہوگا وہ اسے گھور گھور نہ دیکھیں تو کیا کریں۔" خرم نے کچھ افسوس کے انداز میں اسے سمجھایا تھا۔

"واٹ ڈو یو مین، میری ڈریسنگ فضول ہوتی ہے کیا۔" اس نے چونک کر خرم کے چہرے پر چھائی ناگواری کا جائزہ لیا تھا۔

"تو اور کیا؟ مجھے تو شرم آتی ہے کہ ایسی بے ہودہ ڈریسنگ سینس رکھنے والی لڑکی میری دوست ہے۔" خرم نے اپنی مسکراہٹ کو بمشکل دبا کر بے دھڑک رائے کا اظہار کر ڈالا تھا، جبکہ وہ اسے منہ کھول کر شاک کے عالم میں دیکھ رہی تھی۔

"بلکہ میں تو تمہارے اس حلیے کی وجہ سے ہی تمہیں آغاجان سے ملوانے نہیں لے جاسکا کہ وہ میری ذہنی حالت پر شک کرنے نہ بیٹھ جائیں۔" اس نے روما کے غمزدہ انداز کو نظر انداز کر کے انکشاف کیا تو اس کے چہرے پر سوچ کے سائے رقصاں ہوگئے تھے۔

☆ ☆ ☆

اگلے ہی روز وہ قریبی قصبے سے شاپنگ کر کے لوٹ رہی تھی۔ اس نے زیادہ تر ڈریسز ہی خریدے تھے۔ جس میں کافی سے زیادہ شلوار قمیص اور کرتے تھے۔ اور اس روز جب وہ شلوار قمیص کے نسبتاً ڈھیلے ڈھالے سوٹ میں ملبوس بڑا سا دوپٹہ شانوں پر پھیلائے باہر جانے کے لیے نکل رہی تھی۔ تو اخبار کا مطالعہ کرتی خلیق النساء نے اسے گاڑی کا ڈور کھول کر بیٹھتے دیکھا اور یک دم ہی ان کے ذہن میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔ پکنک کے روز شمسہ نے جو خدشہ ظاہر کیا تھا۔ وہ اب وسوسہ بن کر ان کے دل میں اتر رہا تھا پہلی بار روما کے بدلتے اطوار نے انہیں چونکایا تھا۔

"کہیں ایسا تو نہیں کہ یہ تبدیلی خرم کی وجہ سے ہو، بلکہ اس کے حسب منشا ہو۔ کیا یہ ممکن ہے روما اور خرم، خرم اور روما۔" اور ان کا دل جیسے بے چین ہو چلا تھا۔ خرم کا بہت عرصے سے شمسہ سے گریز اور شمسہ کا ہر رشتے کو ریجیکٹ کرتے چلے جانا۔ اگر بات خلیق النساء کی مرضی اور پسند کی ہوتی تو خرم کا گریز بھانپنے کے بعد وہ شمسہ کو کسی بھی اپنے ہم پلہ حیثیت کے لینڈ لارڈ سے بیاہ چکی ہوتیں مگر شمسہ اس معاملے میں ان کی سننے کو تیار ہی نہ تھی۔ وہ خود آغاجان سے دو تین مرتبہ اشاروں کنایوں میں بات کر چکی تھیں مگر انہوں نے بھی کوئی حوصلہ افزا جواب نہ دیا تھا۔ ایسے میں روما کے انداز و اطوار چیخ چیخ کر اعلان کر رہے تھے کہ کچھ غلط ہونے والا ہے۔ جو انہیں قطعی گوارہ نہیں ہوگا۔

☆ ☆ ☆

اس میں آنے والی خوشگوار تبدیلی ایسی نہیں تھی کہ خرم نظر انداز کر دیتا مگر وہ سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی چپ تھا۔ روما ہر ملاقات پر اس کے رد عمل کی منتظر رہتی مگر اس کی خاموشی اسے جھنجھلانے پر مجبور کر رہی تھی۔

"آپ نے کہا تھا کہ آپ مجھے آغاجان سے ملوانے جائیں گے۔" ایک روز جب وہ اسے حویلی ڈراپ کرنے جا رہا تھا۔ وہ خود ہی بول پڑی تھی۔

"آں ہاں۔۔۔ اچھا۔" وہ مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھ کر چونکا۔ سرخ اور بلیک کلر کے کنٹراسٹ کا

سوٹ اس کی بے حد چمکتی ہوئی سفید رنگت پر نا صرف بے حد بھلا لگ رہا تھا۔ بلکہ مناسب سی فٹنگ نے اس کے سراپے کو بھی بے حد دلکش بنا ڈالا تھا۔ شولڈر کٹ بالوں سے سرکتا ہوا دوپٹہ جسے وہ بار بار سر پر جمانے کی کوشش کر رہی تھی۔ بلاشبہ وہ مغربی انداز کے ساتھ مشرقی حسن کا خوب صورت امتزاج معلوم ہو رہی تھی۔ میک اپ وہ بالکل نہیں کرتی تھی نہ ہی کوئی جیولری استعمال کرتی ورنہ مزید غضب ڈھاتی اور غضب تو خیر اب بھی ڈھا رہی تھی۔ اگرچہ خرم نے شرارتاً" چونک کر اس کی طرف یہ ظاہر کرنے کو دیکھا تھا۔ جیسے وہ اس کی شخصیت میں در آنے والی تبدیلی سے ابھی ابھی واقف ہوا ہو مگر اب جیسے نظر ہٹانا مشکل ہو رہی تھی۔ اس کے یوں دیکھنے پر وہ ذرا سی کنفیوژ ہوئی تو لے مزید اچھی لگی تھی۔ پہلی نظر میں اس کے انداز میں دیکھنے والے کو جو بے باکی محسوس ہوتی وہ دراصل اس کی لاپروائی تھی جو کچھ فطرتاً" اور کچھ اس کے ماحول کی دین تھی۔

"چلو پھر آج تمہیں آغا جان سے ملوا ہی لاتے ہیں۔" اس نے گاڑی کا رخ وہیں سے موڑ لیا تھا۔ خرم سے آغا جان کے بارے میں سن سن کر اسے یوں لگنے لگا تھا جیسے وہ کوئی بے حد نحیف نزار قسم کے انسان ہوں گے۔ ہمہ وقت بستر پر براجمان رہنے والے، مگر خاصے صحت مند اور رعب دار پرسنالٹی کے مالک گلاسز لگائے اخبار پڑھتے آغا جان پر نظر پڑتے ہی اس کے سارے اندازے غلط ثابت ہوئے تھے۔ وہ تو ان کی پرسنالٹی سے خاصی مرعوب ہو چلی تھی۔ مگر جب وہ اس سے بہت محبت اور شفقت سے پیش آئے تو تب کہیں جا کر اس کی سانسیں بحال ہوئی تھیں۔ وہ اس سے ماں کی بیماری اور پاپا کے بزنس اور روز و شب سے متعلق بات چیت کرتے ہوئے خاصے خوش مزاج ثابت ہو رہے تھے۔

"خرم بچی پہلی بار اپنے گھر آئی ہے اس کی خاطر مدارات کا کوئی بندوبست کرو بابا۔" اس کا انٹرویو کرتے ہوئے وہ خرم سے مخاطب ہوئے تھے۔

"جی آغا جان وہ فتح محمد۔۔۔۔" وہ کچھ کہنے لگا تھا۔

"فتح محمد کی بیوی بیمار ہے میں نے اسے گھر بھیجا ہے! کوئی عورت نہ ہونے کی وجہ سے ان کی حویلی میں صرف مرد ملازم ہی کام کرتے تھے۔

"میں اللہ بخش سے چائے کا کہتا ہوں۔" خرم اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"آغا جان میں چائے بناؤں۔" روما نے مروت برتنی چاہی اسے یقینی طور پر معلوم تھا کہ وہ منع کر دیں گے بھلا مہمان سے کام کون کرواتا ہے۔

"ضرور مجھے بہت خوشی ہو گی کہ میں اپنی بیٹی کے ہاتھ کی چائے پیوں۔" آغا جان نے اجازت دے کر اس کے چودہ طبق روشن کر ڈالے اسے چائے بنانا کب آتی تھی۔ خرم کے بتانے پر وہ کچن میں آگئی پھر چند پل کھڑے رہنے کے بعد لاؤنج میں جھانکا۔ ارادہ تو یہی تھا کہ خرم کو بھی اندر آنے کا اشارہ کر دے گی کچھ اس سے مدد مل جائے گی۔ مگر ایک منظر نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کر ڈالی تھی۔ آغا جان مسکراتے ہوئے خرم کی طرف متوجہ تھے۔ تبھی خرم نے ابرو اچکا کر یوں اشارہ کیا جیسے رائے مانگی ہو۔ جواباً" آغا جان نے انگشت شہادت اور انگوٹھے کو جوڑ کر تین انگلیاں کھڑی کرتے ہوئے زبردست کا اشارہ دیا تو کچن سے یہ منظر دیکھتی روما کے دل کی دھڑکنیں بے تحاشا بے ترتیب ہونے لگی تھیں۔

وہ اس قدر کنفیوژ ہوئی کہ چائے بنانے کا اگر کچھ آئیڈیا ذہن میں تھا بھی تو اب نکل چکا تھا۔ پانی میں چینی اور دودھ ڈال کر بھی چائے کا کوئی رنگ دیگچی میں دکھائی نہیں دے رہا تھا اور روما ذہن پر زور ڈالنے کی کوشش کر رہی تھی کہ آخر اس نے کیا گڑبڑ کی ہے جو چائے کی شکل نہیں بن رہی۔

"یا اللہ اگر خرم ادھر آجائے تو اسے ہی دکھا دوں یا کم از کم اللہ بخش سے یہ ہی پوچھ لے کہ چائے کس طرح بناتے ہیں۔" تبھی آغا جان کا ملازم انہیں مردان خانے میں بلانے چلا آیا کہ ان کے کوئی دوست ان سے ملنے آگئے تھے۔ اللہ بخش ان کی تواضع کے لیے کچن میں آیا اور اس کے بتانے پر کہ وہ پتی ڈالنا بھول گئی تھی روما نے اپنا سر پکڑ لیا تھا۔

"پاپا صحیح کہتے ہیں مجھ میں لڑکیوں والی کوئی کوالٹی ہی نہیں ہے۔" پہلی بار اس نے خود سے اعتراف کیا تھا۔ شاید یہ خرم کے ہونے کا احساس تھا کہ وہ بدل رہی تھی بلکہ بدل چکی تھی صرف ظاہری حلیے سے ہی نہیں بلکہ اندر سے بھی، وہ شعوری اور لاشعوری طور پر وہی شخصیت میں بدلتی جا رہی تھی جیسا کہ خرم اسے دیکھنا چاہتا تھا اور اس کے پاپا بھی۔

آغا جان تو اپنے دوست کے ساتھ تھے۔ البتہ اللہ بخش اس کی ادھوری چائے کو مکمل تیار کر کے اسے اور خرم کو سرو کر کے چلا گیا تھا۔

"اللہ بخش آج تم نے چائے اتنی مزے کی بنائے ہے کہ دل چاہ رہا ہے تمہارے ہاتھ چوم لوں۔" خرم چائے کا سپ لے کر شرارتاً" کہہ رہا تھا اور روما دل ہی دل میں زینب سے کوکنگ سیکھنے کا پروگرام بنا رہی تھی۔

☼ ☼ ☼

"روما کہاں ہے؟" خلیق النساء نے کتاب سے نظریں ہٹا کر پاس سے گزرتی زینب سے استفسار کیا تھا۔ انہوں نے روما پر گھومنے پھرنے کی کوئی قدغن نہیں لگائی تھی۔ یہ گاؤں اور اس کی زیادہ تر زمینیں ان کی اپنی تھیں۔ یہاں کا ماحول اچھا تو تھا ہی اگر برا بھی ہوتا تو یہاں کسی کی جرات نہیں تھی کہ وہ ملک فیملی کی کسی لڑکی پر بری نظر ڈالتا۔ بعض دفعہ وہ آرام کر رہی ہوتی تھیں تو روما کسی نہ کسی ملازمہ کو بھی بتا کر باہر چلی جاتی تھی۔ اس وقت تو انہیں یہی گمان گزرا تھا کہ وہ اپنے کمرے میں ہو گی۔

"روما بی بی باہر گئی ہوئی ہیں۔" زینب انہیں جواب دے کر آگے جانے لگی تھی۔

"مگر اس کی گاڑی تو یہیں کھڑی ہے۔" انہوں نے چونک کر پورچ میں کھڑی اس کی کرولا کی طرف اشارہ کیا تھا۔

"بیگم صاحبہ وہ خرم صاحب کے ساتھ انہی کی گاڑی پر گئی ہیں۔" زینب کے جواب پر ان کے چہرہ کا رنگ فق ہو گیا تھا۔ جسے زینب نے بھی بخوبی محسوس کیا تھا۔ وہ وسوسے جو خلیق کے دل میں جنم لے رہے تھے وہ اس قدر جلدی یقین کی شکل میں سامنے آجائیں گے یہ تو ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا۔ زینب انہیں سوچ میں گم پا کر آگے بڑھ گئی تھی۔ خلیق النساء نے کتاب سامنے ٹیبل پر پٹخی اور گلاسز اتار کر اس کے اوپر پھینکے، چند لمحے سوچنے کے بعد وہ اٹھ کر حویلی کی اوپری منزل کے ٹیرس پر آگئیں اور بے چینی سے ٹہلنے لگیں ان کی نظریں بار بار حویلی کے گیٹ کی طرف بھٹک رہی تھیں۔ ان کا انتظار بالآخر رنگ لایا اور خرم کی جیپ حویلی کی طرف آنے والی سڑک پر نمودار ہوئی تھی۔

روما فرنٹ ڈور کھول کر کچھ کہتے ہوئے نیچے اتری اور غالباً" اللہ حافظ کہہ کر آگے بڑھی تھی۔ تبھی خرم نے کھڑکی سے سر نکال کر مسکراتے ہوئے گیٹ کی طرف آتی روما کو کچھ کہا تو وہ رک کر پیچھے مڑی اور چند قدم اس کے قریب جا کر کھڑکی پر ہاتھ رکھ کر کچھ کہنے لگی تھی اور وہ وقت خلیق النسا کو گویا صدیوں پر محیط لگا تھا۔ خرم آہستگی سے گاڑی ریورس کرتے ہوئے اسے گیٹ کی طرف جاتے ہوئے دیکھ رہا تھا اور جب وہ گیٹ سے اندر داخل ہوئی تو اس کی گاڑی ایک جھٹکے سے آگے بڑھی تھی۔ گاڑی کے پہیوں سے اٹھنے والی دھول پر نظریں جمائے خلیق النسا کو اپنی آنکھوں کے آگے گویا اندھیرا محسوس ہونے لگا تھا۔

مرد اور عورت کے تعلق کی نوعیت کو تجربہ کار نظر ایک لمحے میں جانچ لیتی ہے۔ خرم کا روما کو روک کر کچھ کہنا، مسکراتے ہوئے اس کی نظروں کا تعاقب اور روما کے گیٹ سے اندر داخل ہونے کے بعد روانہ ہونا۔

"میں کب اتنی لمبی تان کر سوئی کہ مجھے خبر ہی نہ ہو سکی۔" انہوں نے بڑبڑاتے ہوئے خود کلامی کی تھی۔ روما کی نظر میں خرم کی کیا حیثیت تھی انہیں اس کی قطعاً" کوئی پروانہ تھی مگر خرم روما کو اس قدر اہمیت

دے گا اس بات نے انہیں چکرا کر رکھ دیا تھا۔

☼ ☼ ☼
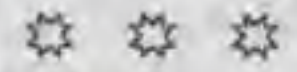
"خرم آپ کو پتا ہے وہ جو پانی گھوم گھوم کر نکلتا ہے اونٹ سے ـــــ" وہ کچھ اٹک اٹک کر اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ سنجیدگی سے اس کی بات سنتے خرم کے لبوں کو مسکراہٹ چھو گئی تھی۔

"اب یہ مت سمجھیے گا کہ میں کوئی بے وقوفوں والی بات کر رہی تھی۔ وہ جو ولیج کلچر کا حصہ ہوتا ہے اونٹ کنویں سے پانی نکالتے ہیں میں اس کی بات کر رہی ہوں۔"

"اونٹ کنویں سے پانی نکالتے ہیں۔" خرم نے ہنوز مسکراتے ہوئے پرسوچ انداز میں اس کی بات کو دہرا لیا تھا۔

"بھئی بندے تو کنویں سے پانی نکالتے دیکھے ہیں۔ مگر اونٹ گھڑا اٹھا کر کنویں پر پانی بھرنے جائے پہلی مرتبہ سنا ہے۔" وہ سنجیدہ نہیں ہو رہا تھا۔

"کوئی نہیں، میں اور بات کر رہی ہوں۔" وہ اس کے مذاق اڑانے پر منہ پھلا کر کہہ رہی تھی۔

"میں نے ایک فلم میں دیکھا تھا کہ اونٹ کنویں کے گرد چکر لگاتا ہے اور پھر خود بخود مختلف برتنوں میں بھر بھر کر پانی نکالتا ہے۔"

"اس علاقے میں تو اب ایسا نہیں ہوتا "جنجر والی" سے تھوڑا سا آگے جائیں تو اب بھی کہیں کہیں یہ نظام نظر آجاتا ہے۔ بائے دا وے تم کیوں پوچھ رہی ہو۔" اس نے قریبی علاقے کا نام لیتے ہوئے بتایا تھا۔

"میں وہ سب دیکھنا چاہتی ہوں۔" اس کی فرمائش پر خرم دل ہی دل میں پروگرام بنا کر کچھ سوچنے لگا۔ خاصے طویل سفر کے بعد اگلے ہی روز وہ ایسے علاقے میں تھے جہاں ابھی بھی جانوروں کے ذریعے آبپاشی کی جاتی تھی۔

"واؤ کتنا پیارا منظر ہے۔" بھینسا کنویں کے گرد جوت کر پانی نکالا جا رہا تھا۔

"میں اپنے فرینڈز کو بتاؤں گی تم لوگ جو چیزیں صرف فلموں اور ڈراموں میں دیکھتے ہو میں وہ حقیقت میں دیکھ چکی ہوں۔" اس منظر کو مختلف اینگل سے کیمرے کی آنکھ میں مقید کرتے ہوئے وہ ایکسائٹمنٹ سے کہہ رہی تھی۔ کنوئیں کا مالک ان کے لیے قریبی باغ سے مالٹے لینے گیا تھا۔ اگرچہ یہ زمینیں ان کی ملکیت نہیں تھیں مگر یہاں کے لوگ بھی خرم سے اس کے سیاسی پس منظر اور مقام سے واقف ہونے کے باعث کافی عزت اور احترام سے مل رہے تھے۔

"روما۔" وہ شہتوت کے درخت کے ٹوٹے ہوئے تنے پر بیٹھی اس منظر کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی جب خرم نے ـــــ سنجیدگی سے پکارا تھا۔

"جی۔" اس کے انداز میں کچھ ایسا تھا کہ وہ پوری طرح اس کی طرف متوجہ ہوئی تھی۔

"تمہیں میرا ساتھ کیسا لگتا ہے۔" وہ کافی پرسوچ انداز میں استفسار کر رہا تھا۔

"مجھے آپ کا ساتھ پا کر ایسا لگتا ہے کہ میری زندگی مکمل ہو گئی ہے۔ میری زندگی میں اب کسی اور کی گنجائش نہیں رہی۔" اس کا جواب مکمل تھا۔

"زندگی ساتھ گزارنے کے بارے میں کیا خیال ہے۔" وہ ہر طرح سے اپنا یقین کرنا چاہتا تھا۔

"اس کا فیصلہ تو پاپا کریں گے۔" اس کی طرف دیکھے بنا وہ مضبوطی سے کہہ رہی تھی۔

"اور تم کیا کرو گی؟" وہ قدرے شوخ ہوا۔

"آئی ول ٹرائے مائی بیسٹ۔" جواباً وہ مسکرا کر کہہ گئی۔

"تمہیں پتا ہے تمہارا ساتھ پا کر میں کیا فیل کرتا ہوں۔"

"ہوں مجھے لگتا ہے میری کمپنی آپ کو بھی اچھی لگتی ہے۔" اس کے محتاط اندازے پر وہ مسکرا دیا تھا۔

"مجھے تو تم اچھی لگتی ہو، ہر وقت ہر لمحہ تم میرے ساتھ رہتی ہو میری زندگی بن کر، ایسا تب سے نہیں ہے جب میں خلیق آنٹی کے کہنے پر بارش میں تمہیں لینے گیا تھا اور تب سے بھی نہیں جب مجھے شمسہ نے تم سے متعارف کرایا تھا۔ بلکہ میں اس سے بہت پہلے

ہی تمہاری ایک جھلک دیکھ کر تمہارا دیوانہ ہو گیا تھا۔ تمہیں ڈھونڈتا پھرا تھا تمہارا تعارف حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا۔" خرم اپنی بے تابیوں اور بے چینیوں کا حال سناتا چلا گیا اور روما کی آنکھوں میں ڈھیر ساری حیرت اترنے لگی۔

کبھی کبھی خرم کی آنکھوں میں دیکھنے پر اسے دلکش سے جذبے کا احساس ہوتا تھا اسے یوں لگتا تھا جب خرم اس کی طرف دیکھتا ہے۔ تو اس کی آنکھوں میں ڈھیر سارے رنگ اتر آتے ہیں۔ ایسے میں کوئی الوہی جذبہ روما کے دل پر دستک دینے لگتا۔ اس کی دھڑکنوں کو بے قرار کر جاتا۔ مگر کبھی اسے اپنا وہم لگنے لگتا کہ شاید وہ یک طرفہ جذبے کا شکار ہو خرم اسے محض ایک دوست سمجھتا ہو۔ کیونکہ اس سے پہلے اس نے کبھی خود کو اس طرح عیاں بھی تو نہ کیا تھا۔ مگر آج ـــــ اس لمحے روما کا دل چاہا یہ وقت یہ لمحے تھم جائیں اور وہ اس کے سامنے بیٹھ کر یہ انوکھا اقرار سنتی رہے۔ آپ جسے چاہیں وہ بھی آپ کے لیے دل میں ایسے خوب صورت احساسات لیے پھرتا ہے۔ آپ کو اپنی زندگی سمجھتا ہے۔ محبوب کی طرف سے محبت کا اقرار، چاہے جانے کا احساس اس قدر دلنشیں ہو گا اس کا اندازہ روما کو پہلی بار ہوا تھا۔ وہ گویا ہواؤں میں اڑنے لگی تھی۔ خرم کے دل میں بسنے والے جذبے اس کے چہرے پر دھنک رنگ بکھیر رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

ملک کاظم ان کے چھوٹے بھائی تھے۔ شوہر کے بے وقت انتقال کے بعد اگرچہ وہ زمینوں کی آمدن پر انحصار کرتی رہیں مگر دیار غیر سے ملنے والی بھائی کی مالی امداد کی بدولت ان کے بچے بے فکری سے اعلا تعلیم حاصل کر سکے تھے۔ چند ماہ پہلے کاظم ملک نے انہیں فون کر کے روما کی لاپروائی اور غیر ذمہ داری کا رونا روتے ہوئے ان کے پاس چھوڑنا چاہا تو انہیں بھلا کیوں اعتراض ہوتا لیکن اب رہ رہ کر انہیں اپنی غلطی کا احساس ہو رہا تھا۔ پہلی غلطی انہوں نے روما کو بلا کر کی تھی تو دوسری غلطی بارش والے روز خرم کو اس کے پاس بھیج کر کی تھی۔ بھلا کسی ملازم کو بھی بھیجا جا سکتا تھا۔ ان کی بیٹی کے دل کو تخت و تاراج کر کے کوئی اور بامراد ہو یہ انہیں ہرگز گوارا نہیں تھا چاہے ان کے لاڈلے بھائی کی بیٹی ہی کیوں نہ ہو اور اس کے لیے وہ ہر حد تک جانے کو تیار تھیں۔ وہ اسی سوچ میں گم تھیں جب ملازمہ نے انہیں آغا جان کے فون کی اطلاع دی۔ آغا جان "عموماً" خود سے فون کم ہی کرتے تھے۔ سلام دعا اور حال احوال کے دوران بھی ان کا ذہن قیاس کے گھوڑے دوڑا رہا تھا۔

"کاظم تو شہر کا ہی ہو کر رہ گیا ہے۔ اس سے کہو کبھی ادھر کا بھی چکر لگا لے۔"

"جی جی آغا جان۔" وہ اٹک کر پرسوچ انداز میں کہہ رہی تھیں۔

"کچھ دنوں تک لاہور جانے کا پروگرام بنا رہا تھا تو ارادہ تھا کہ اس سے بھی ملاقات ہو جاتی، میں چاہتا ہوں کہ آپ ان کو میری آمد کی بابت ـــــ"

"ہیلو، ہیلو!۔" خلیق النسا نے ان کی بات کاٹ کر تیزی سے جو کہنا شروع کیا تو پھر رابطہ ہی منقطع کر ڈالا تھا۔ انہوں نے ریسیور کریڈل سے علیحدہ کر کے رکھ دیا تھا۔ اب ان کا ذہن تیزی سے کام کر رہا تھا۔ تبھی تو وہ خرم کا نمبر ملا رہی تھیں۔

"السلام علیکم آنٹی۔" خرم نے موبائل پر ان کا نمبر دیکھ کر چھوٹتے ہی سلام کیا تھا۔

"وعلیکم السلام بیٹا، مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی کہاں ہو اس وقت؟"

"آنٹی میں تو فیکٹری آیا ہوا ہوں شام کو ہی واپس آؤں گا۔ خیریت! کوئی پریشانی ہے کیا؟"

"پریشانی تو خیر نہیں ہے، وہی شمسہ نے میرا دماغ کھا رکھا ہے۔ بھائیوں سے کہتی ہے تو وہ تم پر ڈال دیتے ہیں اور تم بھی ہاتھ پاؤں نہیں ہلاتے میں بہت دنوں سے تم سے اس مسئلے پر بات کرنے کا سوچ رہی تھی۔ مگر روما کی ٹینشن میں دماغ سے نکل گیا، ایک تو اس روما نے کاظم بھائی کے ساتھ مجھے بھی بہت پریشان کر رکھا

ہے۔" شام تک صبر اور ضبط کا یارا نہیں تھا' سو انہوں نے فون پر ہی تمہید باندھ ڈالی تھی۔

"خیریت آنٹی؟ روما کو کیا ہوا؟" اس کے انداز سے چھلکتی پریشانی خلیق النسا کو بری طرح چبھی تھی۔

"کیا بتاؤں بیٹا روما کی خیریت کا' یہ پردیس میں رہنے والے اپنا سارا وقت تو دولت کمانے پر صرف کر دیتے ہیں۔ اور پھر وقت گزرنے کے بعد ان کی بگڑی ہوئی اولادیں ان کے لیے صرف پچھتاوے اور پریشانی کا سبب بن کر رہ جاتی ہیں۔ میرے بھائی بھی انہی میں سے ایک ہیں۔" وہ بڑے سکون سے بتاتی چلی گئیں۔

ان کی بات مکمل ہونے تک خرم کا چہرہ شدید ذہنی تناؤ کا غماز بن کر سرخ ہو چکا تھا۔ اسے یوں لگا گویا وہ ہوش و حواس کھو بیٹھے گا۔

☼ ☼ ☼

خاصی طویل نیند کے بعد وہ فریش ہو کر باتھ روم سے نکلی تو موبائل کی بجتی ٹیون نے اسے اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ ٹاول سے چہرہ تھپتھپاتی وہ بیڈ کے قریب آئی اور موبائل اٹھا کر نمبر دیکھا تو فریا کا نام جگمگا رہا تھا۔

"السلام علیکم فریا ڈیئر کیا حال ہیں۔" وہ تولیہ پرے پھینک کر لیس کرتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"ہائے رومی' تم تو لگتا ہے وہاں جا کر کچھ بدل گئی ہو۔" اس کے سلام کرنے پر اس نے جواب دیے بغیر تبصرہ کر ڈالا تھا۔

"تم کیا جانو فریا میرے اندر کے موسم بدل گئے ہیں۔ میرے اردگرد کائنات بدل گئی ہے۔ میں سراپا خود بدل گئی ہوں' کسی کی چاہت نے میرے چاروں جانب پھول ہی پھول کھلا دیے ہیں اور جس کی محبت نے میرے دل میں ڈیرہ ڈالا ہے وہ تو ہے ہی اس قابل کہ اس کے لیے میں خود کو بدل ڈالوں' وہ جو میرے لیے سراپا محبت ہے اس سے صرف اور صرف محبت ہی کی جا سکتی ہے۔" وہ خاموش ہو کر سوچتی چلی گئی تھی۔

"کیا ہوا ہے رومی؟" دوسری طرف فریا اس کی خاموشی پر جھنجلا کر پوچھ رہی تھی۔

"یار تم تو واقعی بدل گئی ہو۔" ہمیشہ کی طرح کوئی برجستہ جواب نہ پا کر وہ سنجیدہ ہو کر کہہ رہی تھی۔

"جانے بھی دو' یہ بتاؤ کہ تم لوگ کیا کر رہے ہو آج کل' میرے بغیر رہنے کی عادت تو نہیں ہو گئی تمہیں۔" وہ ہاتھ بڑھا کر میوزک سسٹم آن کرتے ہوئے اسے ٹال گئی تھی۔ بیڈ پر نیم دراز پاؤں ہلاتے ہوئے اس گپ شپ میں نہ جانے اسے کتنی دیر گزری تھی۔ جب دروازے پر دستک دے کر خلیق النسا اندر آ گئیں۔

"ارے پھوپھو آپ! او کے فری پھر بات کریں گے۔ کوئی کام تھا پھوپھو' مجھے بلا لیا ہوتا۔" موبائل آف کرتے ہوئے وہ کھڑی ہو گئی تھی۔

"تم بہت دیر سے کمرے سے باہر نہیں آئیں تو میں نے سوچا دیکھوں میری بیٹی کیا کر رہی ہے۔" وہ مسکرا کر اس کے قریب آن بیٹھی تھیں۔

"روز ہی کہیں نہ کہیں گھومنے نکل جاتی تھی تو آج خوب سارا آرام کرنے کا پروگرام بنا لیا۔" "تم خرم کے ساتھ جاتی رہتی ہو؟"

"جی پھوپھو اور میں آغا جان سے بھی دو تین دفعہ مل چکی ہوں۔ بہت ہی نائس....." اس کے دل میں کوئی چور نہیں تھا سو سادگی سے اعتراف کرتے ہوئے بتانے لگی تھی۔

"میں اسی سلسلے میں تم سے بات کرنے کا سوچ رہی تھی بیٹا' بات دراصل یہ ہے کہ خرم اور شمسہ کی بات بچپن سے ہی طے ہے۔ شمسہ تو فرماں بردار بچی ہے جہاں ماں اور بھائیوں نے طے کر دیا وہیں دل سے راضی ہے یوں بھی بچپن سے طے کردہ رشتے دل میں جگہ پا ہی لیتے ہیں۔ مگر خرم ابھی شادی نہیں کرنا چاہتا تم اسے سمجھاؤ کہ اب اپنا گھر بسا ہی لے' شمسہ کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔ مگر یہ رشتہ ٹوٹا تو دونوں خاندانوں کے مابین بہت سے مسائل جنم لیں گے۔ بلکہ مسائل بھی کیا دشمنی کی فضا پیدا ہو جائے گی۔" روما کے دھواں دھواں ہوتے چہرے سے بے نیاز انہوں نے اپنی بات مکمل کی تو وہ بمشکل سر ہلا پائی تھی۔

خلیق النسا نے ایک بازی لگائی تھی۔ جو مہرے انہوں نے اس بازی کی بساط پر جمائے تھے ان کی جیت یا مات کس کا مقدر بنتی؟ مگر بہرحال انہیں ہاتھ پر ہاتھ دھرے تو نہیں بیٹھنا تھا۔ اپنی بیٹی کے دل کی خوشی اتنی خاموشی سے وہ کسی اور کو کیسے سونپ دیتیں۔ خرم سے انہوں نے روما کے بارے میں جو کہا تھا اس کے بعد انہیں قوی یقین تھا کہ وہ اپنی راہ بدل لے گا اور روما یہ سن کر کہ وہ انگیجڈ ہے اس کے پیچھے ہٹنے پر مایوس ہو جائے گی۔

☼ ☼ ☼

کہیں دور دشت خیال میں
کوئی قافلہ ہے رکا ہوا
کہیں خالی گود کی آنکھ میں
کئی رتجگے ہیں پڑے ہوئے
کہیں عہد ماضی کی راہ پر
کوئی یاد سی کہیں کھو گئی
کہیں خواب زاروں کے درمیان
مجھے زندگی نے بسر کیا
میرے ماہ وصال کی گود میں
نہ وصال کا کوئی چاند ہے
کوئی آس ہے نہ امید ہے
نہ کسی ستارے کا ہاتھ ہے
نہ ہی ہاتھ میں کوئی ہاتھ ہے
کئی واہمے کئی وسوسے
مجھے گھیر لیتے ہیں شام سے
نہ ہی دن متاع حیات ہیں
جو بسر کیے تیرے نام سے

آنسو مچل مچل کر اس کی آنکھوں سے بغاوت کرتے ہوئے اس کے رخساروں کو تر کر رہے تھے روما کاظم اپنا فیصلہ اپنے دل کا فیصلہ ہار گئی تھی۔ اس نے اپنے ہاتھوں سے اپنے مقدر میں شکست لکھ ڈالی تھی۔ کیونکہ وہ غاصب نہیں بننا چاہتی تھی وہ امانت میں خیانت کی قائل نہیں تھی۔ اس لیے وہ اپنا آپ ہار گئی تھی۔ اپنی جان ہار گئی تھی۔ زندہ ہو کر بھی بے جان ہو بیٹھی تھی۔ درد کی گھڑیوں میں اس کے آنسو اس کی شکست کا ماتم کر رہے تھے۔ وہ بھی کوئی زندگی ہو گی جو تمہارے بغیر میں گزاروں گی۔ سوچتے ہوئے اس کے آنسوؤں میں تیزی آ گئی۔

اس نے یہاں کی دشمنیاں نہیں دیکھی تھیں مگر پاپا سے یہاں کی دشمنیوں کے قصے ضرور سنے تھے کہ کس طرح معمولی معمولی باتوں کو انا کا مسئلہ بنا کر قتل تک ہو جاتے ہیں۔ اور جہاں معاملہ عزت' غیرت اور عورت کا ہو..... اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔ مگر وہ ایسی کسی دشمنی کی بھینٹ خرم کو چڑھتے نہیں دیکھ سکتی تھی اور باقی کون سا غیر تھے۔ اس کی سگی پھوپھو اور ان کی اولاد' پورا دن اور پوری رات سوچ سوچ کر اس کے دماغ کی گویا رگیں پھٹنے لگی تھیں اور اس پریشانی میں اسے یہ تک احساس نہ ہوا کہ خرم نے اسے کال نہیں کی تھی۔

"شمسہ آپی میری پھوپھو کی بیٹی ہیں اور پھوپھو کی بیٹی تو بہن کے برابر ہوئی نا' یا اللہ میں یہاں شمسہ آپی کا دل اجاڑنے تو نہیں آئی تھی۔ مجھے کس دوراہے پر کھڑا کر دیا ہے۔" اس نے بے حد کرب سے رب کو پکارا تھا۔ شمسہ آپی کی اس رشتے سے کس قدر اٹیچ منٹ ہو گی' پہلے روز شمسہ کا بے حد استحقاق اور فخر سے خرم سے تعارف کرانا یاد آیا تو اپنا آپ ان کی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ لگنے لگا تھا۔ خرم کے نزدیک بے شک اس رشتے کی کوئی اہمیت نہ ہو مگر شمسہ آپی تو ان کے انتظار میں بابل کی دہلیز پر ہیں۔ ان کا کیا قصور؟ میں ان کی خوشیوں پر ڈاکا ڈال کر اپنی زندگی میں رنگ بھروں؟ نہیں' کبھی نہیں" ایک طویل رتجگے نے بالآخر اس بظاہر لاپروا اور من موجی مگر درحقیقت بے حد حساس اور دوسروں کا خیال رکھنے والی پیار بھرے دل کی مالک لڑکی سے فیصلہ کروا ڈالا تھا۔ یہ الگ بات کہ اس کا اپنا دل ہی اس فیصلے پر نوحہ کناں تھا جو ہجر کے موسم کی نوید

سن کر کانپ رہا تھا۔ بے حد کرب اور اذیت کے ساتھ اس نے موبائل سرچ کر کے وہ تصاویر نکالیں جو دو روز پہلے ہی اس نے مختلف قدرتی مناظر کی لی تھیں۔ مگر ہر تصویر میں خرم موجود تھا۔

"کیسے گزرے گی میری زندگی تمہارے بغیر؟" اس کی تصویر سے سوال کرتے ہوئے اس نے موبائل سینے پر رکھا اور روما کاظم کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسوؤں کا سیلاب اتر آیا تھا۔

"تمہارے ساتھ نے مجھے مکمل کیا تھا تمہیں کھو کر میں کہیں کی نہیں رہوں گی خرم، کاش میں یہاں نہ آئی ہوتی۔" بہت سے پچھتاوے اس کے دل کے مکین بن رہے تھے۔ مگر وہ اپنے فیصلے پر اٹل تھی۔

اس کی سوجی ہوئی سرخ آنکھیں اس کا ٹوٹا بکھرا انداز اگلے روز خلیق النسا کو اپنی فتح کا احساس دلا رہا تھا۔ انہوں نے یہی قیاس کیا کہ خرم نے اسے اپنانے سے انکار کر دیا ہو گا تبھی تو وہ کمرہ نشین ہو کر سوگ منا رہی تھی اور جب باہر نکلی تو اس کا بولایا ہوا انداز چیخ چیخ کر دیکھنے والی آنکھ کو اس کے ہار جانے کی خبر دے رہا تھا۔ اور انہوں نے اپنی یہ خوشی شمسہ سے شیئر کر ڈالی، یہ جانے بغیر کہ عقل اور مقدر کے مہرے ہمیشہ ایک سمت میں سفر نہیں کرتے، بلکہ اکثر اوقات غلط نیت کا کڑوا ذائقہ بھی چکھنا پڑتا ہے۔

☼ ☼ ☼

زینب، خلیق النسا کے حکم پر حویلی کے پچھلے احاطے میں جا بجا بکھرے پتے جھاڑو سے اکٹھے کر رہی تھی۔ تھک ہار کر وہ ذرا سا ستانے کے لیے خوشنما پھولوں کی اس بیل تلے آن بیٹھی، جو شمسہ کے کمرے کی کھڑکی کو ڈھانپ کر روشندان سے ہوتی ہوئی چھت پر پہنچ رہی تھی۔ تبھی وہ اندر سے آتی بیگم صاحبہ اور ان کی بیٹی کی آوازیں بے دھیانی سے سنتی چونک اٹھی تھی۔

"تمہارا اندازہ بالکل درست تھا۔ بہت لیلیٰ مجنوں بنے پھرتے تھے خرم اور روما بی بی، میں نے بھی ایک ہی وار میں محبت کے غبارے سے ہوا نکال دی۔" خلیق النسا فخریہ بیٹی کو اپنا کارنامہ بتا رہی تھیں۔

"پھر خرم نے کیا کہا اماں۔" شمسہ دلچسپی سے پوچھ رہی تھی۔

"کچھ کہنے کے قابل ہوتا تو کہتا نا، بھئی شاک بھی تو اتنا زبردست لگا تھا۔"

"بات تو آپ کی درست ہے مگر کہیں وہ کلیئر کرنے نہ بیٹھ جائے۔" شمسہ خدشے کا اظہار کر رہی تھی۔

"کلیئر کرنا ہوتا تو اب تک کر چکا ہوتا۔ اس روما بی بی کے اطوار تو دیکھو کس طرح نڈھال دکھائی دے رہی ہے۔ عورت کے کردار کے بارے میں معمولی شک ہی مرد کے لیے کافی ہوتا ہے باقی کہانی تو اس کا دل خود ہی گھڑ لیتا ہے، بڑی دور تک مرد اس بارے میں خود بخود ہی سوچ لیتا ہے۔ پھر میں نے جو کچھ کہا وہ اتنا معمولی بھی نہیں تھا۔ خرم تو کیا اس دھرتی کا کوئی بھی مرد ایسی لڑکی کو قبول نہیں کرے گا جو دیار غیر میں کسی عیسائی لڑکے کے ساتھ کورٹ میرج کر کے باپ کے منہ پر کالک مل چکی ہو، میں نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ باپ بہلا پھسلا کر پاکستان لایا ہے۔ پاسپورٹ تک چھپا رکھا ہے ورنہ کب کی واپس جا چکی ہوتی۔" زینب بے حد بے چین ہو کر بیٹھے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

"روما بی بی کا دل تو کورا کاغذ تھا۔ جس پر خرم ملک کی تصویر بنتے اس نے خود دیکھی تھی۔ ان دونوں کی پاکیزہ محبت سے آگاہ ہوتے ہوئے وہ انہیں اس سازش کی بھینٹ کیسے چڑھنے دیتی۔ جبکہ وہ تو روما کو پیرو مرشد کا درجہ دیتی تھی۔ اس کے لیے اپنے دل میں اس قدر محبت، عزت اور احترام رکھتی تھی۔

"روما بی بی، روما بی بی۔" وہ جھاڑو پھینک کر بھاگم بھاگ اس کے کمرے میں پہنچی اور ساکت سے انداز میں کھڑکی سے باہر کا منظر دیکھتی روما کا کندھا جھنجھوڑ ڈالا تھا۔

"کیا ہے زینب؟" اس نے بے حد حیرت سے اسے دیکھا تھا۔

"آپ ذرا میری بات سنیں۔"

"ہاں تو سن رہی ہوں نا۔" اس نے الجھ کر بے زاری سے جواب دیا تھا۔

"نہیں۔۔۔" زینب نے کچھ خوف زدہ سے انداز میں دروازے کی طرف دیکھا تھا۔

"آپ ادھر باتھ روم میں آ کر میری بات سن لیں۔" اس نے تقریباً روما کا بازو پکڑ کر اسے باتھ روم کی جانب گھسیٹا تھا۔

"اب پھوٹو بھی کچھ۔۔۔" روما جھنجلا کر باتھ روم میں کھڑی زینب سے مخاطب ہوئی تھی۔

"آپ کا خرم صاحب سے کوئی جھگڑا ہوا ہے کیا؟" وہ رازداری سے نیچی آواز میں کہہ رہی تھی۔

"نہیں تو۔۔۔" اس نے حیرت سے نفی میں سر ہلایا تھا۔

"پھر انہوں نے آپ کو کچھ نہیں بتایا؟ آپ سے کچھ نہیں پوچھا۔"

"کیا کہہ رہی ہو زینب، خرم نے مجھے کیا بتانا تھا مجھ سے کیا پوچھنا چاہیے تھا۔" روما کا چہرہ سوالیہ نشان بنا دیکھ وہ اسے سب کچھ بتاتی چلی گئی اور روما کو یوں لگا گویا کوئی آسمان اس کے سر پر آن گرا ہو۔ لوگ اپنے مفاد کی خاطر اپنے قریبی رشتوں کو اس حد تک ڈی گریڈ کرتے ہیں۔ کیا خون کے رشتوں کی اوقات اتنی ہی ہوتی ہے۔ مشرق میں رشتوں سے محبت اور پاسداری کے جو قصے اس نے سنے تھے۔ ان کی حقیقت بس یہی تھی۔ اپنا نصیب اپنے ہاتھوں سے لکھنے کی کوشش میں کوئی دوسرے پر ایسا قبیح الزام بھی دھر سکتا ہے۔ کسی بے گناہ کے کردار کی ایسی دھجیاں اڑائی جا سکتی ہیں۔ اس ساری سازش کا پردہ اٹھتے ہی اسے خیال آیا ان دو دنوں میں خرم نے اسے کال کرنا تو کجا ایک میسج تک نہیں کیا تھا۔

"زینب تمہیں میرا ایک کام کرنا ہو گا۔" بالآخر ایک فیصلے پر پہنچ کر وہ زینب سے گویا ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

بہت الجھی بکھری کیفیت میں وہ آفس سے اٹھ کر قریبی ہوٹل لنچ کرنے چلا آیا تھا کہ صبح بھی صرف ایک کپ چائے کے سوا کچھ نہ لیا تھا۔ گھر پر چچی کی عدم موجودگی کے باعث کوئی بھی اس کی حالت کا نوٹس لینے والا نہ تھا۔ اور اب مینو پر نگاہیں جمائے اتنی دیر سے نہ جانے کیا سوچے جا رہا تھا۔ کوئی تیسری مرتبہ ویٹر اس کی ٹیبل پر آیا تو مجبوراً "اسے آرڈر کر کے ایک مرتبہ پھر سوچوں کے تانے بانے میں الجھنے لگا تھا۔

ہوٹل میں لنچ کرتے لوگوں کی گفتگو ویٹرز کی آوازیں، چمچوں اور پلیٹوں کے بجنے کا شور مدھم سروں میں بجتا میوزک، اس کے اردگرد جیسے سب کچھ سو چکا تھا کھانا اس کے سامنے سرو ہونے کے بعد بھی اس کی پوزیشن میں کوئی فرق نہ آیا تو اس کی ٹیبل پر کھانا سرو کرنے والا ویٹر دوسرے لوگوں کو سرو کرتے ہوئے گاہے بگاہے ایک نظر اس پر بھی ڈالتا رہا۔ جس نے اتنی دیر کھانے کو ہاتھ تک نہیں لگایا تھا۔ کافی دیر کے بعد اس نے گلاس میں پانی ڈال کر چند گھونٹ بھرے اور پھر کاؤنٹر پر بل پے کر کے باہر نکل گیا تھا۔ ویٹر کی حیران نگاہوں نے کافی دور تک باہر نکلتے اس شخص کا تعاقب کیا تھا۔

آفس کی طرف جاتے ہوئے دماغ پر سوچوں کا دباؤ اس قدر بڑھا کہ اس نے سڑک کنارے گاڑی روک دی اور خود کو ڈھیلا چھوڑتے ہوئے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔ بظاہر سادہ اور معصوم نظر آنے والی وہ لڑکی کس طرح اسے بے وقوف بنا گئی؟ نہیں مگر بے وقوف تو تب بناتی جب وہ خود اس کی طرف آتی، ان دونوں کے درمیان بننے والی ریلیشن شپ کا سارا کریڈٹ تو خود اسی (خرم) کو جاتا تھا اس کی توجہ نے ہی روما کو اس کی طرف ملتفت ہونے پر مجبور کر دیا تھا مگر؟؟؟

کتنے سارے سوال تھے جو اس کے ذہن پر ہلچل مچا رہے تھے مگر کسی ایک کا جواب بھی خرم کے پاس نہیں تھا درخت کے سائے تلے پھٹے پرانے کپڑوں میں ملبوس فقیرنی بیٹھ کر ریزگاری گن رہی تھی۔ ساتھ ہی ساتھ ہاتھ میں پکڑی برگر نما چیز سے وہ شکم کی آگ بجھا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر بہت پرسکون سی

مسکراہٹ تھی اس لمحے خرم کو اس فقیرنی پر بے تحاشا رشک آنے لگا۔ چند گھنٹوں میں اکٹھے ہونے والے تھوڑے سے سکے اس کے سکون اور اطمینان کا سبب تھے۔ ایک وہ خود تھا جس کے پاس سب کچھ تھا مگر دل و دماغ میں وحشت کے بھانبھڑ جل رہے تھے۔

☼ ☼ ☼

چچا چچی اپنے بیٹوں کے اصرار پر ان سے ملنے کے لیے چند دن کے لیے دبئی گئے ہوئے تھے۔ ان کے دونوں بیٹے اسامہ اور طلحہ دبئی میں زیر تعلیم تھے۔ ایسے میں اس کا فیکٹری کے معاملات پر نظر رکھنا بے حد ضروری ہو گیا تھا۔ مگر پھر کچھ ایسا ہوا جس نے اس کے اعصاب کو توڑ کر رکھ دیا تھا خلیق آنٹی کی کال سننے کے بعد وہ کچھ بھی درست طریقے سے نہیں کر پا رہا تھا۔ اگرچہ اسے وہ سب بے حد ناقابل یقین لگا تھا۔ مگر بھلا خلیق آنٹی اپنی بھتیجی کے بارے میں ایسی غلط بات کیونکر کہہ سکتی ہیں یہ خیال اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

"اس کا فیصلہ تو پاپا کریں گے۔" خرم کی نگاہوں میں سادگی اور معصومیت کا پیکر وہ دھنک رنگ چہرہ گھوم جاتا۔

"آئی ول ٹرائی مائی بیسٹ۔" گویا وہ باپ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرتی تھی۔

"پاپا چاہتے ہیں میں گاؤں میں رہ کر لڑکیوں والے مینرز سیکھوں۔" منہ پھلا کر کہتی ہوئی اولین ملاقاتوں کی ایک بات یاد کی صورت اس کے ذہن پر دستک دیتی۔

"سر یہ ڈاکومینٹس آپ نے چیک کر لیے۔" کوئی تیسری مرتبہ منیجر نے خود آ کر اس سے ان کاغذات کی بابت استفسار کیا جن پر وہ پچھلے ڈیڑھ گھنٹوں سے نظریں جمائے نہ جانے کیا کچھ سوچ رہا تھا۔ اس نے پہلے تو ناسمجھی سے منیجر کا چہرہ دیکھا اور اگلے پل فائل پوری طاقت سے دور اچھال دی۔ منیجر اس کی حرکت پر حیران پریشان کھڑا تھا۔ سارے کاغذات کمرے میں ادھر ادھر بکھر چکے تھے۔ جن پر قدم رکھتا وہ آفس سے باہر نکلا اور گاڑی اسٹارٹ کرتے ہوئے گاؤں کی طرف جانے والے راستے پر ڈال دی تھی۔

☼ ☼ ☼

اگرچہ شہر سے وہ روما سے دوبدو بات کرنے کا سوچ کر ہی نکلا تھا۔ مگر گاؤں کی سڑک پر آتے ہی بلا ارادہ اس کا رخ اپنی حویلی کی طرف ہو گیا۔ پتا نہیں کیوں یہ خیال بار بار ذہن پر کچوکے لگانے لگا تھا کہ اگر یہ سب غلط نکلا تو وہ اس کی پاکیزگی پہ شک کرنے کا مجرم ٹھہرے گا اور اگر یہ سب درست ہوا تو کیا وہ ضبط کر پائے گا۔ دونوں ہی سوالات اپنی جگہ اتنے تیکھے تھے۔ کہ روما کے سامنے جانے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ خلیق النسا کی حویلی کی ملازمہ سامنے سڑک پر کھڑی تھی اور اس کی گاڑی پر نظر پڑتے ہی اس نے دونوں ہاتھ اس قدر زور سے ہلائے گویا اس نے گاڑی نہ روکی تو اسے ٹکر دے مارے گی۔

مجبوراً اسے گاڑی کو بریک لگانے پڑے تھے۔

"ملک جی میں آپ کی حویلی گئی تھی۔ مجھے آپ سے بڑا ضروری کام تھا۔" وہ اپنی پھولی سانسوں کو بحال کرتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ہاں بولو۔" وہ اس وقت زیادہ لمبی بات سننے کے موڈ میں نہیں تھا۔

"وہ جی روما بی بی اور آپ کے خلاف سازش ہوئی ہے۔"

"کیسی سازش۔" وہ چونک کر پوری توجہ سے اس کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

اور زینب سے ساری بات سن کر اس نے ایک بار پھر خلیق النسا کی حویلی جانے کا قصد کیا مگر اب وہاں جانے کا مقصد بدل گیا تھا دوپہر میں جب خلیق اور شمسہ روٹین کی نیند پوری کر رہی تھیں۔ اپنے کمرے میں بے چینی سے ٹہلتی روما نے خرم کی جیپ کا ہارن سنا اور تیزی سے سیڑھیاں اترتی ہوئی باہر آ گئی۔ اس کے قریب روش پر گاڑی کھڑی کر کے وہ باہر نکلا تھا۔

"خرم آپ اس وقت یہاں۔۔۔۔"

"خلیق آنٹی کی جرات کیسے ہوئی یہ سب بکواس کرنے کی۔۔۔" اس کی بات کاٹ کر طیش سے کہتے ہوئے اس نے اندر کی طرف قدم بڑھائے تھے۔

"نہیں خرم پلیز۔" بے اختیار ہی روما نے اس کا بازو تھام کر روک لیا تھا۔

"آپ پھوپھو سے کوئی بات نہیں کریں گے۔" اس کے حتمی انداز پر وہ ٹھٹک کر رک گیا۔

"آپ آغا جان سے بات کریں نا۔" وہ قدرے جھجک کر کہہ رہی تھی۔ خرم نے اپنے بازو پر دھرے اس کے ہاتھ کو دیکھا اور اس کے غصے پر روما کے اپنائیت بھرے انداز نے پانی پھیر دیا تھا۔

"میں آغا جان سے بات کر چکا ہوں جناب۔" خرم نے مسکرا کر جواب دیا تھا۔ خلیق النسا اور شمسہ اس دوپہر خرم کی وہاں آمد سے بے خبر رہیں۔

☼ ☼ ☼

اس نے خرم کے سامنے خود کو کمپوز رکھ کر اسے بھی کول ڈاؤن ہونے پر مجبور کر دیا تھا۔ مگر فون پر کاظم صاحب کی آواز سنتے ہی بے اختیار اس کے گالوں پر آنسو لڑھک آئے تھے۔ کاظم صاحب اس کے آنسو تو نہ دیکھ پائے مگر اس کی بھیگی آواز سن کر وہ تڑپ اٹھے تھے۔

"روما میری جان میرے بیٹے کیا ہوا ہے؟"

"پاپا بس ابھی اور اسی وقت مجھے آپ کے پاس آنا ہے۔" اس نے بے حد ضدی انداز سے کہا تھا۔

"بات کیا ہے بیٹا آپ اتنی پریشان کیوں ہو؟" ان کی پریشانی کی بھی انتہا نہ تھی۔

"کچھ نہیں بس مجھے آپ کے پاس آنا ہے ابھی۔"

"نہیں میں اپنے بیٹے کو اچھی طرح جانتا ہوں۔ کوئی بات تو ہے میں ابھی خلیق سے بات کرتا ہوں وہ چند دن بھی میری جان کا خیال نہیں رکھ سکیں۔" ان کے انداز میں شکوہ در آیا تھا۔

"نہیں پاپا پلیز آپ پھوپھو سے کوئی بات نہیں کریں گے۔ بس فوراً مجھے اپنے پاس بلائیں۔" اس کے اصرار پر تین گھنٹوں کا سفر ڈھائی گھنٹے میں ہی طے کرنے کے بعد ڈرائیور ان کی حویلی کے پھاٹک پر ہارن دے رہا تھا۔

خلیق النسا نے بہت محبت سے اسے روکنے کی کوشش کی اور اس کی گاڑی کے روانہ ہونے پر خس کم جہاں پاک کہہ کر ہاتھ جھاڑے تھے۔ یہ چیپٹر ان کے خیال میں اب کلوز ہو چکا تھا۔

☼ ☼ ☼

روما اس حد تک بدل گئی تھی کہ کاظم صاحب کو یقین نہیں آ رہا تھا کہاں تو وہ گھر میں نہیں ٹکتی تھی اور اب اس نے انہیں آفس سے چھٹی کرنے پر مجبور کر دیا تھا کہ وہ ان کے ساتھ بہت سا وقت گزارنا چاہتی تھی۔ خانساماں کو ایک طرف بٹھا کر اس کی نگرانی میں ناشتا، چائے جوس وغیرہ بناتی روما کو دیکھ کر گویا ان کی آنکھوں میں ٹھنڈک اترتی چلی گئی۔ اچانک واپسی کے بارے میں اس نے انہیں یہ کہہ کر مطمئن کر دیا کہ اسے ان کی بہت زیادہ یاد آ رہی تھی۔ دراصل وہ درست بات بتا کر بھائی بہن کے رشتے میں دراڑ نہیں ڈالنا چاہتی تھی۔

گاؤں کے قیام کی تفصیل سناتے ہوئے بار بار خرم کا ذکر انہیں چونکا گیا تھا۔

"میرا خیال ہے۔ مجھے بھی گاؤں کا چکر لگانا چاہیے خرم سے بھی تو مل کر اس کا شکریہ ادا کرنا ہے۔ اس نے ہماری بیٹی کا اتنا خیال رکھا ہے۔" کاظم صاحب نے شرارتی انداز سے اسے چھیڑا تو وہ پزل ہو گئی۔

"اس کے لیے آپ کو گاؤں جانے کی ضرورت نہیں ہے پاپا۔ وہ آپ سے خود ملنے آئیں گے۔" کافی کا کپ اٹھا کر وہ کچن میں رکھنے کے بہانے اٹھ گئی تھی۔

اس کا کہنا بے جا نہیں تھا اس سے اگلے روز ہی خرم تو نہیں البتہ آغا جان ان سے ملنے چلے آئے تھے۔ خلیق النسا کے پیروں سے زمین اس وقت کھسکی جب کاظم صاحب نے انہیں فون کر کے خرم کی بابت ان کی رائے جاننا چاہی۔ ان کے بقول وہ خرم سے مل چکے

تھے اور خرم ان کی نظر میں بہت میچور، سمجھ دار، پڑھا لکھا اور برائٹ فیوچر رکھنے والا نوجوان تھا۔
"وہ آپ کسی دوست کے بیٹے کیپٹن۔۔۔ بابر کا بھی تو ذکر کر رہے تھے۔" انہوں نے بوکھلا کر بھائی کو ٹالا تھا۔
"کیسی بات کر رہی ہیں خلیق، بابر میرے دوست کا بیٹا ہے، مگر رشتہ داری اپنی جگہ زیادہ اہم ہے اور پھر یہ فوجی بظاہر جتنے بھی سوفٹ کیوں نہ ہوں سختی ان کے مزاج کا حصہ ہوتی ہے پھر روما کہاں آرمی کی سخت اور ڈسپلنڈ لائف میں ایڈجسٹ کرے گی۔ میری تو خرم سے جتنی بھی بات چیت ہوئی ہے وہ مجھے بہت نائس اور کیئرنگ مین لگا ہے۔ یقیناً" روما کو خوش رکھے گا۔" ان کے انداز سے معلوم ہو رہا تھا کہ وہ فیصلہ کر چکے ہیں۔ ان کی رائے بس رسمی تھی۔
"جیسے آپ کی مرضی؟" خلیق النسا نے جل کر تائید کی تھی۔ انہوں نے فی الحال اس ذکر کو شمسہ سے مخفی رکھنا تھا مگر کب تک۔۔۔ وہ پریڈ آف کر کے اسٹاف روم میں داخل ہو رہی تھی جب اس کی اپنی کولیگ اور ہاسٹل روم میٹ ایمن سے مڈبھیڑ ہو گئی۔
"شمسہ ذرا میری بات سننا۔" اس نے باہر کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا تو شمسہ نے بھی اس کی پیروی کی تھی۔
"وہ تمہارے کزن کا کیا نام ہے جو سیاست میں ہے۔" ایمن کا انداز تصدیق کرنے والا تھا۔ وہ لیکچررشپ کے ساتھ کالم لکھ کر صحافت میں بھی حصہ دار بنا کرتی تھی۔ اس وقت بھی اس کے ہاتھ میں فولڈ کیا ہوا اخبار تھا۔
"ملک خرم کمال ہے اتنی دفعہ تمہیں بتایا تو ہے پھر بھی۔"
"یہ والا خرم۔۔۔" ایمن نے اس کی ادھوری بات سن کر اخبار کا اندرونی صفحہ نکالا اور دو کالمی سرخی پر انگلی رکھ دی۔
"ملک خاور حیات کے بھتیجے اور تحصیل روشن گڑھ کے ناظم ملک خرم کی اگلے ہفتے منعقد ہونے والی شادی کی تقریب، ولیمہ میں وزیر اعلا سمیت متعدد سیاسی شخصیات کی شرکت متوقع ملک خرم بزرگ سیاستدان اور ریلوے کے سابق وفاقی وزیر کے پوتے ہیں۔" اگر خبر میں ان کے خاندانی پس منظر کو بیان کرنے کے علاوہ کاظم ماموں کا ذکر نہ ہوتا تو شمسہ اس خبر کو کسی صحافی کی "ہوائی اڑائی" سمجھ لیتی مگر اب اس غیر اہم سی خبر نے اس کی بولنے کی صلاحیت اور قدموں پر کھڑے رہنے کی سکت چھین لی تھی۔

☼ ☼ ☼

اچانک طے ہونے والی اس شادی کے تمام فنکشن بے حد شاندار اور بارونق تھے۔ خرم کی ننھیال رحیم یار خان میں تھی۔ اس کے ننھیالی کزنز نے جہاں مایوں مہندی اور بارات کے دوران بہت ہلا گلا کیا وہاں چچی نے بھی اپنی فیملی اور دوستوں کے ساتھ مل کر خوب رونق لگائی بالآخر پی سی میں دیے جانے والے ریسپشن پر یہ ہنگامہ اختتام پذیر ہوا مگر روما کو پتا چلا کہ گاؤں میں دیا جانے والا ولیمہ ابھی باقی تھا۔ شمسہ نے کسی فنکشن میں شرکت نہیں کی تھی۔ حالانکہ وہ خرم کی شادی کی خبر پڑھتے ہی اسی روز گاؤں چلی آئی تھی۔
روما اور خرم نے باربار خلیق النسا سے اس کی غیر حاضری کی بابت استفسار کیا تو وہ اس کی طبیعت خراب ہونے کا بہانہ کر دیتیں۔ مگر دل ہی دل میں بے حد حیران بھی ہوتیں، کوئی تصدیق نہ تردید، گلہ نہ شکوہ کچھ بھی تو ان دونوں نے نہ کیا تھا وہ مزید شرمندہ ہوتیں، گویا ان کی چال وہ دونوں خوب سمجھ چکے تھے۔ گاؤں کے مزاج کو مد نظر رکھتے ہوئے۔ سر شام ہونے والے ولیمے میں حویلی کے احاطے میں مردوں کے لیے کھانے اور نشست و برخاست کا انتظام تھا۔ جبکہ حویلی کی دوسری منزل عورتوں کے لیے مخصوص تھی۔ جہاں مردوں کا داخلہ "تقریباً" ممنوع تھا۔ بس کھانا سرو ہونے پر آغا جان اور خاور چچا سمیت فیملی کے چند مرد آن موجود تھے۔
ریڈ اور آف وائٹ کمبینیشن کے شرارے میں ملبوس روما میچنگ زیورات پہنے اسٹیج پر کئی گھنٹوں سے براجمان نہ صرف تھک چکی تھی بلکہ اسے خاصی سردی بھی لگ رہی تھی۔ حالانکہ موسم میں اتنی خنکی نہ تھی۔ خرم آغا جان سے کوئی ضروری بات کرنے اوپر آیا تو برادری کی چند خواتین سے بات چیت کرنے پر رک گیا تھا۔ تبھی اس کی نظر روما کے مضمحل سے انداز پر پڑی تو ان سے ایکسکیوز کرتا وہ اس کے پاس چلا آیا تھا۔
"کیا بات ہے بھئی سجنوں کا موڈ کیوں آف ہے؟" خرم کی کسی کزن نے اٹھتے ہوئے اس کے لیے جگہ خالی کی تو وہ اس کے پاس بیٹھتے ہوئے مسکرا کر پوچھنے لگا تھا۔
"میں کمرے میں جانا چاہتی ہوں۔ اتنی دیر سے بیٹھے بیٹھے تھک گئی ہوں۔"
"او کے میں چچی سے کہتا ہوں وہ تمہیں نیچے لے جائیں۔" اسے تسلی دے کر خرم نے ادھر ادھر نظریں دوڑائیں اور اس کی نظروں کے تعاقب میں روما نے بھی چچی کو تلاشنے کی کوشش کی تبھی اس کی نظر کافی فاصلے پر موجود شمسہ پر پڑی تھی۔ طبیعت کی خرابی کا بہانہ کر کے اس نے کسی فنکشن میں شرکت نہیں کی تھی۔ اگر آج بھی نہ آتی تو بھابھیوں کے طنز اور اشارے بازیوں کا سامنا کرنا پڑتا، سو مجبوراً" وہ یہاں تک آ تو گئی تھی۔ مگر اب آنکھوں کے سامنے کا منظر دل کو از حد بے چین کر رہا تھا۔
سیاہ شلوار سوٹ میں ملبوس آف وائٹ شال کندھوں پر ڈالے خرم اپنے دراز قد کے ساتھ بے حد جچ رہا تھا۔ اس کے پہلو میں سجی سنوری روما جو کوئی گڑیا دکھائی دے رہی تھی۔ ان دونوں کو یوں اکٹھے دیکھ کر شمسہ کی آنکھوں میں ایک دکھ بھری حسرت اتر آئی تھی۔ جو بلاشبہ روما کی نظروں سے پوشیدہ نہ رہ سکی۔
"کاش آپ کبھی جان سکیں شمسہ آپی کہ میں نے ضمیر کے فیصلے پر سر جھکا کر اپنے دل کی خوشی آپ کو سونپ دی تھی۔ مگر آپ لوگوں کی ہوشیاری اور مکاری نے مجھے پھر سے اپنے دل کی راہ پر قدم رکھنے کا حوصلہ بخش دیا تھا۔" روما نے نظروں کا زاویہ بدل کر سوچا تھا۔
"مگر اب آپ کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ میری زندگی میں آنے والی فیصلے کی اس گھڑی سے بے خبر ہی رہیں ورنہ آپ کا ملال یقیناً" مزید بڑھ جائے گا۔
آپ جیسے کبھی جان نہیں پاتے کہ ہوشیاری اور مکاری سے بخت نہیں بدلا کرتے کہ نصیب کے فیصلے تو رب کی طرف سے ہوتے ہیں۔ مکاری سے حاصل ہونے والی عارضی فتح ہمیشہ دائمی شکست کی منتظر رہتی ہے۔

☼ ☼

انیلہ کرن

آج تمہاری سالگرہ ہے

جلتی شمعیں روشن چہرے
کامنی لڑیاں نازک سہرے
نرگس بیلا موتیا لالہ
جوہی چمپا اور بنفشہ
ہر کوئی یار و شاد ہے نا
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے نا

بے حد مترنم انداز سے نظم سنائی جارہی تھی اور وہ کچھ حیران اور کچھ مبہوت سا سن رہا تھا۔ حیران تو وہ رات بارہ بجے آنے والی اس کال پر ہی ہو گیا تھا اور مبہوت اسے اس کا انداز کر رہا تھا۔ کہنی کے بل بیڈ پر تھوڑا اونچا ہوتے ہوئے اس نے اپنی حیرت کا اظہار بھی کر دیا تھا۔

"تمہیں میری سالگرہ یاد تھی؟"

جواب میں دوسری طرف سے کھنکھناتا ہوا قہقہہ سنائی دیا تھا۔

"تم میری زندگی کا حاصل ہو میں جو پل بھی تمہاری سنگت میں گزارتی ہوں وہ میرے لیے امر ہو جاتا ہے تمہاری آواز سن لوں تو میں جی اٹھتی ہوں اور تمہیں تو صرف سوچ کر ہی میرا دل خوشی سے بھر جاتا ہے پھر بھلا میں تمہاری سالگرہ کیسے بھول سکتی تھی آئی لو یو آئی رئیلی لو یو"

اس کا لہجہ بہت میٹھا اور آواز بہت خوبصورت تھی مگر اس کے منہ سے نکلے ہوئے لفظ...... وہ ساکت رہ گیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ندا نے اپنی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے ذرا سی گردن موڑ کر کھڑکی کی قریب کھڑی ضویا کو دیکھا جو موبائل کان سے لگائے بہت ہنس ہنس کر کسی سے باتیں کر رہی تھی۔ وہ سفید ٹراؤزر اور بلیک ٹاپ میں ہمیشہ کی طرح بے حد حسین لگ رہی تھی اس کے ملائم چمکدار سنہری بال اس کے شانوں پر لہرا رہے تھے اور براؤن آنکھیں جگمگا رہی تھیں۔ اس کے کانوں میں ڈائمنڈ لگے چھوٹے چھوٹے ٹاپس تھے۔ اس کے علاوہ اس نے کوئی جیولری نہیں پہنی تھی اور نہ ہی اس نے اپنے چہرے پر کسی قسم کا میک اپ کر رکھا تھا۔ پھر بھی وہ کسی اپسرا کی طرح حسین اور دلکش دکھائی دے رہی تھی۔

"کچھ لوگوں کو اللہ کتنا نوازتا ہے۔"

ایک گہری سانس لے کر اس نے ضویا کی طرف سے اپنی توجہ ہٹائی تھی ضویا بے حد امیر کبیر فیملی سے تعلق رکھتی تھی اور محض شوقیہ اس سافٹ ویئر ہاؤس میں جاب کر رہی تھی۔ سافٹ ویئر ہاؤس کے ایریا منیجر سے اس کی رشتہ داری تھی اور اس وجہ سے ضویا کو مراعات بھی خصوصی قسم کی ملا کرتی تھیں۔ اس کا دل

چاہتا تو کوئی کام کرتی اور دل نہ چاہتا تو آرام سے بیٹھ کر کمپیوٹر گیمز کھیلتی نیٹ سرفنگ میں دل لگاتی یا گھنٹوں فون پر مصروف رہتی تھی۔ ویسے وہ بہت ذہین تھی فیلڈ کا نالج بھی اس کے پاس وافر تھا مگر بس موڈی تھی اور جو کرتی تھی اپنے موڈ کے تابع ہو کر ہی کرتی تھی۔

اب یہ ندا کی بد قسمتی تھی کہ ہر بار ضوبیا اس کے گروپ میں ہوا کرتی تھی لیکن پچھلے تین ماہ میں جب سے ضوبیا نے جاب شروع کی تھی۔ انہوں نے جتنے بھی پروجیکٹ کیے تھے ان میں گروپ کافی بڑا ہوتا تھا عموماً پانچ یا چھ افراد ہوا کرتے تھے۔ اس لیے ضوبیا کے سنجیدگی سے کام نہ کرنے کے باوجود ندا کو زیادہ فرق نہیں پڑا کرتا تھا مگر اس بار جو پروجیکٹ ملا تھا اس کے لیے گروپ میں بس وہ اور ضوبیا ہی تھیں۔ اس لیے سارا کام ندا کو اکیلے ہی کرنا پڑ رہا تھا۔ دو دن بعد انہیں کلائنٹ کے سامنے پروجیکٹ پریزنٹ کرنا تھا اور اسے اچھی طرح سے پتا تھا کہ اگر تب تک کام مکمل نہ ہوا تو کمبختی اس کی آئے گی کیونکہ وہ نہ تو جاب شوقیہ کر رہی تھی اور نہ ہی ایریا منیجر سے اس کی کوئی رشتہ داری نکلتی تھی۔

"ہیلو کیا ہو رہا ہے؟"

وہ پوری طرح سے اپنے کمپیوٹر کی طرف متوجہ تھی جب ایک شناسا سا آواز نے اسے چونکایا اس نے سر تیزی سے اوپر اٹھایا سامنے عمر کھڑا مسکرا رہا تھا۔ ہمیشہ کی طرح فریش اور مسکراتا ہوا اس کے ہلکے براؤن بال اس کی کشادہ پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے اور آنکھوں میں ہمیشہ والی مسکراتی ہوئی چمک تھی۔

وہ اس کا تایا زاد اور منگیتر تھا اور بقول عمر کے دنیا میں اس جیسی سڑیل اور نک چڑھی لڑکی کا واحد چاہنے والا بھی۔ وہ اس سے چار برس بڑا تھا اور بہت بچپن سے اس کا بے حد خیال رکھتا آیا تھا اس کی اپنے آس پاس موجودگی ندا کو ہمیشہ پرسکون کر دیا کرتی تھی مگر آج وہ اتنی پریشان تھی کہ عمر کی آمد نے بھی اسے کوئی خوشی نہیں دی۔

"کیا بات ہے ایسے گھور گھور کے کیوں دیکھ رہی ہو پہچانا نہیں کیا؟"

کرسی کھینچ کر اس کے عین سامنے بیٹھتے ہوئے عمر نے اسے چھیڑا تھا جو خالی خالی نظروں سے اسے دیکھے جا رہی تھی۔

"عمر میں بہت مصروف ہوں اور میرا موڈ بھی اچھا نہیں" عادتاً" وہ چڑ کر بولی تھی۔ عمر ہلکے سے ہنس دیا۔

"موڈ تمہارا اچھا ہوتا کب ہے اور جہاں تک مصروفیت کی بات ہے تو اپنی سالگرہ والے دن انسان کو صرف انجوائے کرنا چاہیے اس لیے تم فوراً" اٹھ جاؤ میں تمہیں لنچ کے لیے لینے آیا ہوں۔"

"میں نہیں جا سکتی عمر! پرسوں اس سافٹ ویئر کی پریزنٹیشن ہے۔ کلائنٹ کو فائنل ڈیٹ دی جا چکی ہے اور اوپر سے S.Q.A.E والوں نے اس میں اتنے BUGS نکال دیے ہیں کہ میں آج اور کل پورا دن مسلسل کام کروں گی تو ہی کچھ ہو سکے گا اور۔۔۔"

"اور کچھ نہیں بس تم فوراً" اٹھ جاؤ" عمر نے ٹیبل پر رکھا اس کا بیگ اٹھا کر غصے سے کہا تھا وہ زچ سی ہو کر کھڑی ہو گئی۔

"عمر پلیز۔۔۔" اس نے اپنا بیگ جھپٹا تھا عمر دوبارہ بیٹھ گیا۔

"ارے آج تمہاری سالگرہ ہے اور تم نے بتایا ہی نہیں۔"

ضوبیا پتا نہیں کب ان کے قریب آ کر کھڑی ہو گئی تھی اور اب بے حد چہک کر پوچھ رہی تھی۔ ندا نے ایک خاموش نظر اس پر ڈالی۔ وہ ضوبیا سے کسی حد تک فرینک تو تھی مگر ان دونوں کی دوستی بالکل بھی نہیں تھی۔ ضوبیا نے شروع سے ہی اسے کوئی خاص لفٹ نہیں کرائی تھی اور ندا کو اس سے لفٹ لینے کا کوئی شوق بھی نہیں تھا۔ اس وقت بھی اس نے صرف اثبات میں سر ہلانے پر ہی اکتفا کیا تھا مگر جواب میں ضوبیا کا رد عمل حیران کن تھا وہ زبردستی اس سے چمٹ گئی اور اتنے جوش و خروش سے اسے سالگرہ کی مبارکباد دی کہ ندا تو ایک طرف عمر بھی حیران رہ گیا۔

"تھینک یو ضوبیا!" ندا جھینپ کر ہلکے سے مسکرائی۔

"تم آج آفس کیوں آئیں تمہیں تو چھٹی کرنی چاہیے تھی دیکھو اب گھر سے لوگ تمہیں بلانے آگئے ہیں۔"

عمر کی طرف کن انکھیوں سے دیکھتے ہوئے وہ اب پرانی سہیلیوں کے انداز میں ندا کو ڈانٹ رہی تھی۔

"یہ میرے گھر سے نہیں آئے یہ میرے کزن ہیں عمر حسن اور عمر یہ میری کولیگ ضوبیا انصاری ہیں۔"

ندا نے مسکراتے ہوئے ان دونوں کا آپس میں تعارف کرایا۔

"میں اسے لینے آیا ہوں مگر یہ محترمہ جانے پر رضا مند نہیں ہیں اب آپ ہی کچھ کیجیے۔"

عمر نے ضوبیا سے سفارش چاہی تھی اور اس نے فیور دینے میں لمحہ نہیں لگایا۔ فوراً" ہی ندا کا کمپیوٹر شٹ ڈاؤن کر دیا اور دھونس جمانے والے انداز سے بولی۔ "بس ندا! اب تم جاؤ باقی کا کام ہو جائے گا۔"

"ضوبیا کلیرو یو والے سافٹ ویئر میں اتنے سارے Bugs ہیں اور" ندا نے احتجاج کرنا چاہا۔

"وہ سب میں دیکھ لوں گی تم بے فکر ہو جاؤ اور گھر جا کر اپنی سالگرہ مناؤ۔"

وہ حتمی انداز سے بولی تھی۔ ندا نے بے چارگی سے عمر کی طرف دیکھا تو اس نے لاپروائی سے شانے اچکا دیے ناچار اسے بیگ اٹھا کر اس کے ساتھ چلنا پڑا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلے روز آفس میں کئی چیزوں نے اسے ایک ساتھ خوشگوار حیرت سے دوچار کیا تھا۔ ضوبیا نے نا صرف کلیر ویو والے سافٹ ویئر کے سارے Bugs فکس کر دیے تھے بلکہ اس نے سافٹ ویئر کو (Software Quality Assurance Engineer) S.Q.A.E سے کلیئر بھی کروا دیا تھا اور وہ اس کے لیے ایک بے حد قیمتی اور نفیس ہینڈ بیگ سالگرہ کے گفٹ کے طور پر لائی تھی۔

اس کا رویہ بھی ندا کے ساتھ بے حد دوستانہ تھا۔ ندا حیران ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے رویے سے بے حد خوش بھی تھی اور اس نے خود بھی ضوبیا کے ساتھ اپنا رویہ پہلے سے بہت بہتر کر لیا۔ اس روز لنچ کے وقفے میں وہ ضوبیا کو ٹریٹ دینے کے لیے کے ایف سی لے کر گئی جہاں انہوں نے پہلی بار ڈھیروں باتیں کیں اور کم از کم ندا نے اس سارے وقت کو بہت انجوائے کیا اسے خود پر حیرت تھی کہ اس نے اتنے عرصے میں ضوبیا سے دوستی کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی۔

"ندا! یہ تمہارے کزن عمر کیا کرتے ہیں؟"

وہ دونوں لنچ کے بعد ضوبیا کی کار میں واپس آفس کی طرف آ رہی تھیں۔ جب ضوبیا نے بے حد سرسری انداز میں سوال کیا۔

"عمر؟ اپنی فیکٹری سنبھالتا ہے یا اپنی امپورٹ ایکسپورٹ کی فرم کا خیال رکھتا ہے۔"

اس نے لاپروائی سے جواب دیا تھا مگر ضوبیا چونک گئی اس کا تو خیال تھا کہ عمر بھی ندا کی طرح کوئی جاب کر رہا ہو گا۔

"تمہارے تایا کی اپنی فیکٹری ہے تم نے کبھی بتایا ہی نہیں۔"

"ایک نہیں تین ہیں ایک کو عمر دیکھتا ہے۔ ایک کو تایا جی اور ایک میں عمر کے بڑے بھائی ہوتے ہیں۔"

"اچھا ان کا اتنا بڑا بزنس ہے تو تمہارے فادر۔۔۔"

ضوبیا نے دانستہ بات ادھوری چھوڑی تھی۔ اتنے عرصے میں اسے یہ تو اچھی طرح سے پتا چل گیا تھا کہ ندا کا تعلق مڈل کلاس سے ہے وہ بہت نارمل سا لباس پہنتی تھی اور آفس آنے جانے کے لیے بھی اس نے ٹیکسی لگوائی ہوئی تھی۔

"میرے ابو گورنمنٹ سروس میں تھے کالج میں لڑکوں کو فزکس پڑھایا کرتے تھے تایا جی نے تو بہت چاہا

کہ ابو بھی ان کے ساتھ بزنس میں شریک ہو جائیں مگر ابو کا اس طرف رجحان ہی نہیں تھا تایا جی نے اپنا کاروبار زیرو سے شروع کیا تھا کچھ بھی ان کے پاس موروثی نہیں تھا مگر وہ بہت ذہین اور محنتی ہیں انہوں نے بہت محنت اور جدوجہد سے یہ مقام حاصل کیا ہے اور ایسا ہی عمر بھی ہے اس لیے اس نے فیکٹری کے ساتھ ساتھ امپورٹ ایکسپورٹ کا بزنس بھی شروع کردیا ہے بلکہ وہ کہتا ہے کہ جب ہماری شادی ہو جائے گی تو وہ مجھے ایک سافٹ ویئر ہاؤس بھی بنا کردے گا۔"

وہ مسکراتے ہوئے سادگی سے بتا رہی تھی اور اپنی اس سادگی میں اس نے ضوبیا کے بدلتے ہوئے تاثرات بھی محسوس نہیں کیے تھے جس کا چہرہ پتھر کی طرح سپاٹ ہو چکا تھا۔

☆ ☆ ☆

"ضوبیا! کیا بات ہے بیٹا! تم آفس نہیں گئیں اور رات ڈنر پر بھی تم نہیں تھیں طبیعت تو ٹھیک ہے تمہاری۔"

سفید نائٹ ڈریس پہنے وہ ڈھیروں کشنز کے درمیان بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی جب ممی کمرے میں آئیں۔ ضوبیا ان کی اکلوتی بیٹی تھی اور انہیں بے حد عزیز تھی۔

"ٹھیک ہوں میں! بس ایسے ہی دل نہیں چاہ رہا تھا۔"

اس نے مختصر جواب دے کر ممی کے بیٹھنے کے لیے اپنے قریب جگہ بنائی۔

"تم کچھ پریشان ہو بیٹا!"

اس کے قریب بیٹھ کر انہوں نے بغور اس کا چہرہ دیکھا تھا جس پر الجھن کے آثار تھے ممی کی بات سن کر اس نے دھیرے سے اثبات میں سر ہلایا اور گردن جھکالی۔

"کیا پریشانی ہے بیٹا! کچھ بتاؤ تو سہی۔" ممی نے بے اختیار ہی اسے ساتھ لگالیا تھا۔

"ممی! وہ میری کولیگ ہے نا ندا؟"

"ہاں تم نے چند ایک بار ذکر تو کیا تھا کیا ہوا اسے"

"اسے کچھ نہیں ہوا ممی! اس کا ایک کزن ہے وہ دو دن پہلے ہمارے آفس آیا تھا وہ مجھے بہت اچھا لگا ممی بہت زیادہ بالکل میرے آئیڈیل جیسا مگر ممی اس کی منگنی ندا سے ہو چکی ہے۔"

اس نے اٹک اٹک کر بتایا۔

"اوہ" ان کے لبوں سے بس ایک ہی لفظ نکل سکا تھا۔

"ممی! میں عمر کے بغیر نہیں رہ سکتی آپ کو نہیں پتا وہ میرے حواسوں پر چھا گیا ہے جب سے میں نے اسے دیکھا ہے اسی کو سوچے جارہی ہوں۔"

ممی کے شانے پر سر رکھتے ہوئے وہ بے حد آزردگی سے کہہ رہی تھی۔

"بیٹا! جب وہ تمہیں نہیں مل سکتا تو اس کے بارے میں سوچنے کا کیا فائدہ؟" اس کے نرم ریشمی بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے ممی نے نرمی سے سمجھایا تھا۔

"کیوں نہیں مل سکتا مجھے۔" اس نے ایک جھٹکے سے اپنا سر اٹھایا تھا۔

"میں اسے ہر قیمت پر حاصل کر کے رہوں گی"

"لیکن بیٹا! تم خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ وہ ندا کا منگیتر ہے۔" ممی نے اسے نرمی سے سمجھانا چاہا مگر وہ کچھ اور بپھر گئی۔

"منگیتر ہی ہے نا ممی! شوہر تو نہیں ہے اور مجھے یقین ہے کہ یہ منگنی عمر نے اپنے بزرگوں کے کہنے پر کی ہے ورنہ اس کا اور ندا کا کوئی میچ ہی نہیں ہے نہ رہن سہن کا نہ شکل و صورت کا اور نہ ہی مزاج کا عمر جتنا خوش مزاج نظر آتا ہے ندا اتنی ہی سڑیل ہے مجھے پورا یقین ہے ممی میں عمر کو اپنی طرف مائل کرلوں گی۔"

وہ بے حد عزم سے کہہ رہی تھی۔ ممی چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ کہہ سکیں اور خاموشی سے وہاں سے اٹھ کر چلی گئیں۔

☆ ☆ ☆

اگلے روز ضوبیا آفس پہنچی تو ندا اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ دو دن پہلے اس کا ضوبیا کے ساتھ اتنا اچھا

وقت گزرا تھا کہ اسے گھر جا کر اور اگلے دن بھی ضوبیا کا ہی خیال آتا رہا تھا۔

"تم کل کیوں نہیں آئیں میں نے تمہارا اتنا انتظار کیا؟"

ضوبیا سے ملتے ہی اس نے شکوہ کیا جواب میں وہ مسکرادی اس کی آنکھوں میں فاتحانہ چمک تھی جو ندا نہیں دیکھ پائی تھی۔ وہ تو پورے خلوص سے ضوبیا کو اپنا دوست مان چکی تھی مگر ضوبیا کا اس سے دوستی کرنے کا صرف ایک ہی مقصد تھا اس کے ذریعے عمر تک پہنچنا اور اس مقصد کو پورا کرنے کے لیے وہ ہر طرح سے کوشش میں مصروف ہو گئی تھی۔ سب سے پہلے اس نے ندا سے کچھ اور دوستی بڑھائی اور اکثر ہی اس کے ساتھ شاپنگ اور سیر و تفریح کے پروگرام بنانے لگی۔ سیر و تفریح کے ہر پروگرام میں وہ زبردستی عمر کو بھی شامل کرلیا کرتی تھی۔ جس سے ندا تو یہی سمجھتی تھی کہ وہ اسے اور عمر کو ایک ساتھ وقت گزارنے کا زیادہ سے زیادہ موقع فراہم کرتی ہے۔ مگر خود وہ اس طرح سے عمر کے ساتھ اپنا تعلق مضبوط بنانے کی کوشش کر رہی تھی اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اسے اپنے مقصد میں کامیابی بھی ہوتی جارہی تھی۔ اس کی اور عمر کی پسند ناپسند بہت ملتی تھی پھر ان کا لائف اسٹائل اور حلقہ احباب بھی ملتا جلتا تھا۔ اس لیے کچھ ہی دنوں میں اس کی عمر سے اچھی خاصی دوستی ہو گئی۔

اب وہ بعض اوقات ندا کو ساتھ لیے بغیر بھی کوئی بھی بہانہ بنا کر عمر کے آفس جا پہنچتی اور گھنٹوں وہاں بیٹھی اس سے باتیں کرتی رہتی تھی وہ ذہین لڑکی تھی بے حد خوبصورت بھی تھی اور گفتگو کے فن سے اچھی طرح سے واقف بھی تھی اس لیے عمر کو بھی اس کی کمپنی اچھی لگتی تھی مگر اپنے بارے میں ضوبیا کے جذبات سے وہ بالکل بھی واقف نہیں تھا ضوبیا دانستہ اپنے جذبات کو اس سے چھپائے ہوئے تھی۔ وہ وقت آنے سے پہلے ایسی کوئی بات منہ سے نہیں نکالنا چاہتی تھی کیونکہ اسے ڈر تھا کہ کہیں عمر کا جواب انکار میں نہ

ہو اس لیے پہلے وہ اس کا دل جیتنا چاہتی تھی پھر اس کا عمر سے اظہار محبت کرنے کا ارادہ تھا ندا کے ساتھ عمر کے بارے میں بات کرتے ہوئے اور اس کی موجودگی میں خود عمر سے مخاطب ہوتے ہوئے بھی وہ حد درجہ محتاط رہا کرتی تھی کچھ ندا بھی فطرتاً لاپروا اور سادہ مزاج تھی۔ اس لیے اس نے بھی کبھی ضوبیا کے چہرے کی اس چمک پر غور نہیں کیا تھا جو عمر کے سامنے آتے ہی اس کا چہرہ مزید روشن اور خوبصورت بنادیا کرتی تھی۔

ندا اور عمر کے منگنی کے بندھن میں بندھے ہونے کے باوجود وہ ندا سے کبھی خائف نہیں ہوئی تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ محبت کی اس جنگ میں اس کا ہر ہتھیار ندا سے بہت بڑھ کر ہے۔ وہ اس سے زیادہ خوبصورت تھی دولت مند گھرانے کی فرد تھی اور عمر سے ٹوٹ کر محبت کرتی تھی جبکہ ندا تو کئی کئی دن تک عمر سے فون پر بات تک نہیں کرتی تھی خود عمر کو اس سے ہر وقت ہی شکایت رہتی تھی کہ اسے اپنے کام اور گھر کے آگے اور کچھ نظر ہی نہیں آیا۔

ندا کا کوئی بھائی نہیں تھا اور اس کے فادر بھی ریٹائرڈ ہو چکے تھے اس لیے اپنے گھرانے کے مالی مسائل حل کرنے کے لیے وہ جاب کرنے کے ساتھ پرائیویٹ طور پر بھی سافٹ ویئر بنانے کا کام کرتی تھی حالانکہ عمر اور اس کے تایا بہت کوشش کر چکے تھے کہ ندا اور اس کا خاندان ان سے مالی سپورٹ لے لیں مگر ندا اور اس کے گھر والوں کو یہ کسی طور پر منظور نہیں تھا۔

☆ ☆ ☆

ان کی دوستی کو چھ ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ اس دوران ندا چار مرتبہ ضوبیا کے گھر گئی تھی اور ضوبیا تو ان کے گھر بیسیوں مرتبہ آچکی تھی۔ ان کے گھر آکر وہ امی ابا اور اس کی چھوٹی بہن حرا سے خوب باتیں کرتی۔ ان کے ساتھ کھانا کھاتی اور خوب گھل مل کر رہتی۔ مگر سارا وقت اس کا دھیان عمر کی طرف ہی رہتا اس کا دل چاہتا کہ کسی بھی طرح عمر وہاں آجائے اور وہ اکثر آ بھی جایا

کرتا تھا۔ اس کا تو یہ برسوں کا معمول تھا وہ تقریباً" روز ہی ان کی طرف آتا تھا اور ابا سے ڈھیروں باتیں کرتا۔ امی سے لاڈ اٹھواتا اور جان بوجھ کر ندا کو چڑایا کرتا تھا۔ جب سے تائی اماں کی وفات ہوئی تھی وہ ندا کی امی سے زیادہ ہی اٹیچڈ ہو گیا تھا۔

ندا ضویا کی سنگت میں بے حد خوش تھی وہ اسے اپنی دیگر تمام دوستوں سے زیادہ اچھی لگتی تھی۔ وہ ندا کا اتنا خیال رکھتی تھی کہ بعض اوقات ندا کو خود پر رشک آنے لگتا مگر اس کا یہ خیال رکھنا اسی وقت تک تھا جب تک اس کی عمر سے بے تکلفی اس حد تک نہ پہنچ گئی جس حد تک وہ اسے پہنچانا چاہتی تھی۔ ندا تو اس کے لیے عمر تک پہنچنے کی سیڑھی تھی اور اب جب اس کی عمر سے اچھی خاصی دوستی ہو گئی تھی تو اسے اس سیڑھی کی ضرورت نہیں رہی تھی اس لیے ندا کے ساتھ اس کا رویہ خود بخود تبدیل ہونے لگا اس نے ندا کے گھر جانا پہلے سے کم کیا پھر بالکل ہی چھوڑ دیا۔ آفس بھی وہ اب بہت کم آنے لگی تھی اور ندا کے ساتھ گفتگو کرنا بھی اس نے بہت کم کر دیا تھا آؤٹنگ یا شاپنگ کے لیے جانا تو اب خواب سا ہی بن گیا تھا۔ یہ ساری صورت حال ندا کے لیے بڑی تکلیف دہ تھی۔ اس لیے اس نے ضویا سے کھل کر بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ اور اس روز جب ضویا تین دن کے بعد آفس آئی اور آدھا گھنٹہ ایریا منیجر کے پاس گزار کر فوراً" ہی واپس جاتی نظر آئی تو ندا نے اسے آواز دے کر روک لیا۔

"ابھی تو تم آئی ہو ضویا وہ بھی اتنے دنوں کے بعد اور اب فوراً" ہی واپس بھی جا رہی ہو کچھ دیر تو بیٹھو یار میں تو تم سے بات کرنے کے لیے ترس گئی ہوں کتنی ہی بار تمہیں فون بھی کیا مگر یا تو تمہارا موبائل بند ملا یا پھر کال اٹینڈ نہیں ہوتی۔"

وہ اپنے پرانے بے تکلف انداز سے ضویا کا راستہ روکے بول رہی تھی جواب میں ضویا نے بے حد سرد نگاہوں سے اسے دیکھا اور کہنے لگی۔

"میں نے ریزائن کر دیا ہے میں آج اس لیے آئی تھی۔"

"ریزائن مگر کیوں؟" اس نے بے اختیار پوچھا تھا۔ جواب میں ضویا استہزائیہ انداز سے مسکرا دی۔

"میری مرضی بس موڈ نہیں رہا تو چھوڑ دی میں کوئی ضرورتاً" تو جاب نہیں کر رہی تھی۔" اس کے انداز میں طنز تھا مگر ندا نے اپنی سادگی میں محسوس ہی نہیں کیا۔

"ہاں یہ تو ہے۔" وہ خوش دلی سے مسکرائی تھی۔

"کہیں شادی کا ارادہ تو نہیں کر لیا۔" اس نے یونہی پوچھ لیا۔

"ہاں ایسا ہی ہے؟" ضویا کا انداز دوٹوک تھا۔

"اچھا کس سے؟" خوشگوار حیرت میں گھر کر وہ متجسس ہوئی تھی۔

"عمر سے" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ سنجیدگی سے بولی تھی۔ ندا کو پہلی بار کچھ غلط ہونے کا احساس ہوا تھا۔

"کون عمر؟" اسے اپنی آواز کسی گہرے کنویں سے آتی ہوئی محسوس ہوئی۔

"تمہارا کزن عمر حسن" ضویا سخت بے رحم ہو رہی تھی۔ ندا کی آنکھوں میں بے یقینی دھند کی طرح اتری وہ بے اختیار نفی میں سر ہلانے لگی۔

"تم ایسا کیسے کر سکتی ہو عمر تو میرا۔۔۔!" اس کی بات ادھوری رہ گئی تھی، ضویا نے بہت تیزی سے اس کی بات کاٹی تھی۔

"میں جانتی ہوں وہ تمہارا منگیتر ہے بلکہ اب تم سمجھو کہ تھا۔ میں ایک ماہ کے اندر اندر تمہیں عمر سے شادی کر کے دکھاؤں گی کیونکہ میں اس سے محبت کرتی ہوں اور یہ بات میں نے اسے کل رات بتا بھی دی ہے آج اس کی سالگرہ ہے اور اس نے مجھے ڈنر پر بلایا ہے صرف مجھے اور اس بات کا مطلب تم اچھی طرح سمجھ سکتی ہو اگر اس نے صرف مجھے انوائٹ کیا ہے تو مطلب اس کی زندگی میں صرف میں ہی اہم ہوں تم نہیں نہ ہی کوئی اور، اور تمہیں تو اس کی کبھی پروا بھی نہیں رہی۔ بلکہ مجھے یقین ہے کہ ہمیشہ کی طرح تمہیں یہ بھی یاد نہیں ہو گا کہ آج عمر کی سالگرہ ہے مگر تم فکر نہ کرو اب اس کا خیال رکھنے کے لیے میں ہوں نا میں کبھی اس کی طرف سے ویسے لاپروا نہیں ہوں گی جیسے تم رہی ہو۔"

اپنی زبان سے زہریلے تیر برسا کر وہ آفس سے باہر نکل گئی تھی۔ ساکت کھڑی ندا لڑکھڑائی اور اپنی چیئر پر گر سی گئی۔ اس نے زندگی میں پہلی بار عمر کو اپنی زندگی سے نکال کر کچھ سوچنے کی کوشش کی تھی مگر بری طرح سے ناکام رہی عمر اس کی طاقت اس کی ہمت تھا وہ اسے اپنی زندگی سے نکال دیتی تو کچھ بھی نہیں کر سکتی تھی اور کچھ کرنا تو در کنار وہ تو اس کے بغیر زندہ ہی نہیں رہ سکتی تھی۔ یہ ٹھیک تھا کہ اس نے عمر کی طرف سے ہمیشہ لاپروائی برتی تھی۔ اس نے کبھی عمر کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی بلکہ بعض اوقات تو وہ اس کی توجہ سے چڑ بھی جایا کرتی تھی مگر اس سب کے باوجود اس نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ عمر اس کی زندگی سے کبھی دور بھی جا سکتا ہے۔ اس نے سالگرہ سمیت کسی بھی اہم موقع پر عمر کو وش کبھی نہیں کیا تھا مگر عمر تو اس بات پر کبھی ناراض نہیں ہوا تھا بلکہ وہ تو کسی بھی بات پر کبھی اس سے ناراض نہیں ہوا تھا۔

آنسو اس کے گالوں پر روانی سے بہہ رہے تھے۔ اسے پہلی بار محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے عمر کو اپنی لاپروائی کی وجہ سے کھویا ہے۔ وہ اگر عمر سے دور نہ رہتی تو ضویا یا کوئی بھی دوسری لڑکی عمر کے قریب نہیں ہو سکتی تھی روتے ہوئے اس نے اپنا موبائل نکالا۔ اور زندگی میں پہلی اور شاید آخری بار عمر کو سالگرہ کی مبارکباد دینے کے لیے میسج لکھنے لگی۔

ہم تو صرف دعا گو لوگ
خاک و مہر کا کیا سنجوگ
پاس رہیں یا دور رہیں
وحشت سے رنجور رہیں
محفل تو آباد ہے نا
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے نا

میسج سینڈ کر کے اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور تھکے تھکے قدموں سے دفتر سے باہر نکل آئی۔

☼ ☼ ☼

فیملی ہال کے دروازے سے اندر داخل ہو کر وہ ایک لمحے کے لیے رکی اور اس نے ہال میں نظر دوڑائی تھی وہ وہاں موجود تھا سیاہ سوٹ اور سرخ ٹائی میں وہ ہر دن سے زیادہ شاندار لگ رہا تھا۔ ضویا کی ریزرو کرائی ہوئی ٹیبل پر موجود وہ اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ندا سے ہی واحد جھوٹ بولا تھا کہ عمر نے اسے ڈنر پر انوائٹ کیا ہے ورنہ حقیقت تو یہ تھی کہ ڈنر پر ضویا نے عمر کو بہت اصرار کر کے بلایا تھا۔

"السلام علیکم ہیپی برتھ ڈے اگین۔"

عمر کے قریب پہنچ کر اس نے بہت چہک کر اسے متوجہ کیا تھا۔ ٹخنوں تک آتے سیاہ فراک اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس اپنے شانوں پر بڑا سا سیاہ دوپٹہ پھیلائے وہ کسی اپسرا سے کم نہیں لگ رہی تھی۔

"تھینک یو" اس کا لایا ہوا سرخ پھولوں کا بکے پکڑتے ہوئے عمر جو اسے دیکھ کر اخلاقاً" کھڑا ہوا تھا ہلکے سے مسکرایا اور دوبارہ بیٹھ گیا۔

"تم بہت اچھے لگ رہے ہو عمر بالکل خوابوں کے شہزادے جیسے، میرے خوابوں کے شہزادے جیسے۔"

اس کے سامنے بیٹھتے ہوئے وہ بہت استحقاق سے اسے دیکھتے ہوئے محبت سے بولی تھی۔ عمر خاموشی سے اسے دیکھے گیا بلاشبہ وہ بہت حسین اور پر اعتماد تھی۔

"پتا ہے جب میں نے پہلی بار تمہیں اپنے آفس میں دیکھا تھا تو اسی وقت تم میرے دل میں اتر گئے تھے اور میں نے اس وقت فیصلہ کر لیا تھا کہ ہر حال میں تمہیں اپنا بنا کر رہوں گی اور۔۔۔!"

"اور اسی لیے تم نے ندا سے دوستی بھی کی تاکہ اسے سیڑھی بنا کر تم مجھ تک پہنچ سکو۔"

اس کی بات کاٹ کر عمر بہت نرم لہجے میں بولا تھا۔ وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"ظاہر ہے ورنہ تم مجھے کہاں لفٹ کرواتے تھے تمہیں تو تب ندا کے علاوہ کچھ نظر ہی نہیں آتا تھا۔"

"غلط بات کر رہی ہو تم" عمر کا لہجہ اس بار بدل گیا تھا "مجھے اس وقت ہی نہیں آج بھی ندا کے علاوہ کچھ نظر نہیں آتا۔ میں آج بھی اس سے اتنی ہی محبت کرتا ہوں جتنی اس وقت کرتا تھا جب تم اس کی دوست نہیں تھیں۔" وہ غرا کر بولا تھا ضوبیا کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

"تم جھوٹ بول رہے ہو اگر تم اس سے محبت کرتے ہوتے تو یہاں میرے پاس نہ بیٹھے ہوتے۔"

اس نے احتجاج کیا تھا مگر اپنے لہجے کی کمزوری خود اسے بھی اچھی طرح سے محسوس ہو رہی تھی۔ عمر استہزائیہ انداز سے ہنس دیا۔

"تمہارا خیال ہے میں یہاں تم سے اظہار محبت کرنے کے لیے بیٹھا ہوں۔ میں یہاں تمہیں صرف یہ بتانے آیا ہوں کہ تم اس سے دس گنا زیادہ اچھی ہو۔ میں تب بھی میں ندا کو چھوڑ کر تمہیں نہ اپناتا تم خواہ جتنی بھی خوبصورت ہو مجھے ندا سے زیادہ اچھی کبھی نہیں لگیں، میرے دل میں صرف ندا ہے اور ہمیشہ وہی رہے گی۔"

"ہاں چاہے ندا تمہیں معمولی سا وقت اور توجہ بھی نہ دے اسے تمہاری سالگرہ تک یاد نہ رہے۔"

اس نے اپنا آخری پتہ بھی پھینک دیا تھا۔ مگر داؤ پھر بھی الٹا ہی پڑا تھا۔ ہاں تب بھی۔

میں اس سے محبت کرتا ہوں اور بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں کہ وہ بھی مجھ سے محبت کرتی ہے بے شک وہ اظہار کرے یا نہ کرے۔ اور تم اتنی بات سمجھ لو کہ ندا میں سو خامیاں بھی ہوں تب بھی میں ہمیشہ اس کا رہوں گا۔ میرے دل میں تمہارے لیے تو کیا کسی بھی دوسری لڑکی کے لیے کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اس لیے اب کبھی میرے پیچھے آنے کی کوشش نہ کرنا۔"

دو ٹوک انداز سے کہتا ہوا وہ اپنی کرسی سے اٹھا اور بغیر اس کی طرف دیکھے وہاں سے چلا گیا۔ ضوبیا نے جھکا ہوا سر اٹھا کر ٹیبل پر پڑے ان سرخ پھولوں کو دیکھا جنہیں وہ وہیں چھوڑ گیا تھا اور اس کی آنکھوں کے کنارے بھیگنے لگے اسی وقت ایک ویٹر ٹرالی دھکیلتا ہوا وہاں آیا۔ ٹرالی میں بہت خوبصورت سا کیک رکھا ہوا تھا۔ جو اس کی ہدایت کے عین مطابق اس کے وہاں آنے کے دس منٹ بعد وہاں لایا گیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں مرچیں سی لگنے لگیں۔

کیسے کیسے خواب بنے
رنگ برنگے پھول چنے
سالگرہ کا کیک کٹے گا
ان کے ہاتھ میں ہاتھ رہے گا
خواب ہر اک برباد ہے نا
آج تمہاری سالگرہ ہے
دیکھو ہم کو یاد ہے نا۔

آنسوؤں کو پلکوں کی باڑ سے اندر رکھنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے اپنا پرس کھولا اور بغیر دیکھے کئی بڑے نوٹ نکال کر ٹیبل پر رکھ دیئے۔ پرس کی زپ بند کر کے وہ بغیر کسی طرف دیکھے فیملی ہال سے باہر نکل آئی۔ پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے اس کے آنسو تواتر سے اس کے گالوں پر بہہ رہے تھے۔

"ہر جنگ ہتھیاروں سے نہیں جیتی جاتی کبھی کبھار ہم تمام تر ہتھیاروں کے لیس ہوتے ہوئے بھی اپنی بد قسمتی یا مخالف کی خوش قسمتی کے باعث جنگ ہار دیتے ہیں۔"

اپنی سلور گرے ہنڈا سٹی میں بیٹھنے سے پہلے اس نے بے حد حسرت سے آسمان کی طرف دیکھا۔

"بعض اوقات ہم دوسروں کے نصیب کے تارے اپنے آسمان پر سجانے کی کوشش میں اماوس کی رات کو اپنا مقدر بنا لیتے ہیں۔"

ہتھیلی کی پشت سے آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے کار آگے بڑھائی تھی۔

☼ ☼ ☼

"عمر پتا نہیں آج کہاں رہ گیا ہے فون بھی بند کر رکھا ہے اس نے اور آفس میں بھی نہیں ہے۔"

امی جان نے کوئی دسویں مرتبہ بلند آواز سے تشویش کا اظہار کیا تھا۔ ندا خاموش بیٹھی ٹی وی دیکھتی رہی اور حرا ہر بار کی طرح امی کو تسلی دینے لگی۔

"آجائیں گے امی! کوئی کام پڑ گیا ہوگا۔"

"اب ایسا بھی کیا کام کہ انسان اپنی سالگرہ کا دن بھی بھول جائے۔"

وہ بڑبڑاتے ہوئے کچن کی طرف چلی گئیں۔ حسب روایت انہوں نے عمر کے لیے کیک بھی خود بیک کیا تھا اور اس کی پسند کا کھانا بھی بنایا تھا۔ عمر کی سالگرہ ہمیشہ انہی کے گھر منائی جاتی تھی۔ ابھی بھی تایا جی شام سے ہی آ کر ابو کے ساتھ ان کی اسٹڈی میں بیٹھے تھے۔ اظہر بھی پہنچنے والا تھا مگر خود عمر غائب تھا سب اس کا انتظار کر رہے تھے۔ صرف ندا تھی جسے اس کا انتظار تو نہیں تھا مگر بے پناہ بوجھ تلے دبے دل میں اس کے آنے کی خواہش باقی سب سے زیادہ شدید تھی۔ ٹی وی کی طرف زبردستی دھیان لگاتے لگاتے آخر وہ بےزار ہو کر اٹھی اور لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔ جس وقت اس نے برآمدے میں قدم رکھا اسی وقت بیرونی دروازہ کھول کر عمر اندر داخل ہوا تھا۔ ندا اپنے دل کی خواہش کے یوں پورا ہونے پر حیرت سے ساکت ہو گئی۔

"کیا بات ہے پتھر کی ہو گئی ہو۔" عمر نے قریب آ کر اس کی آنکھوں کے آگے ہاتھ لہرایا تھا۔ اس کی آنکھوں میں ہمیشہ والی شرارتی چمک تھی جو ندا کے سامنے آتے ہی ابھر آیا کرتی تھی مگر آج ندا اس چمک سے چڑی نہیں بلکہ اس کے اندر تک سکون اتر گیا تھا۔ پھر بھی وہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

"تم ضوبیا کے ساتھ ڈنر پر نہیں گئے تم نے تو اسے انوائٹ کیا ہوا تھا۔"

"اوہ" عمر چونکا تھا۔ "تو اس نے تمہیں بھی اپنا محبت نامہ سنا دیا تھا۔ اس لیے تم نے مجھے وہ دکھیاری سی سالگرہ کی مبارکباد دی تھی۔ بے وقوف لڑکی۔"

عمر نے محبت سے سر پر چپت ماری تھی۔

"ہاں میں گیا تھا مگر میں نے اسے نہیں بلکہ اس نے مجھے انوائٹ کیا تھا اور میں گیا بھی صرف اس کی طبیعت صاف کرنے تھا۔ اسے یہ بتانے کہ میری ندا چاہے جتنی بھی بے وقوف اور لاپروا ہے میرے لیے وہی اس دنیا کی سب سے خاص لڑکی ہے اور میں صرف اسی سے محبت کرتا ہوں اور آج میں چچی جان سے درخواست بھی کرنے والا ہوں کہ میری اگلی سالگرہ سے پہلے میری شادی کر دی جائے تاکہ اپنی ندا کا میں خود خیال رکھ سکوں اور کوئی بھی اس کا دل نہ دکھا سکے۔"

"عمر!" وہ اس کے شانے سے لگ کر رو پڑی۔

"آئی لو یو عمر میں تم سے بہت محبت کرتی ہوں۔ میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

اس نے زندگی میں پہلی بار عمر کے سامنے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا وہ ہلکے سے ہنس پڑا۔

"آئی نو ڈارلنگ تم کچھ نہ کہو تب بھی میرے دل کو تمہاری محبت کا یقین ہے۔"

وہ اس کا ہاتھ تھپتھپا کر محبت سے بولا تھا۔ اسی وقت دروازہ کھلا اور حرا باہر نکلی "لو جی یہاں یہ سین چل رہا ہے اور اندر ہم بھوک کے مارے فوت ہونے کے قریب ہیں۔" اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے وہ مصنوعی خفگی سے بولی تھی اور فوراً ہی پلٹ بھی گئی تھی۔ ندا اور عمر ایک ساتھ ہنس دیئے اور ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے اس دروازے کی طرف بڑھے جس کے پار ڈھیروں خوشیاں ان کی منتظر تھیں۔

☼ ☼

صباحت کرن

دشتِ محبت کی

مکمل ناول

اوائل سردیوں کے دن تھے۔ صبح بے حد ٹھنڈی تھی۔ طویل رات کے گزر جانے کے بعد بھی سورج جیسے اپنے دیدار اور حرارت کی تقسیم سے دامن بچاتا نظر آتا تھا۔ صبح کے ساڑھے نو ہو رہے تھے ان خاموش صبحوں میں کچن کے گرم ماحول میں عزیز ہستی کے ساتھ ناشتے کا مزا ہی اور تھا۔ سو وہ اماں کی پکار پر کتاب چھوڑ کر کچن سے آتی پراٹھوں کی اشتہا انگیز خوشبو کی جانب چل پڑی۔ تاہم ذہن کتاب کے کرداروں اور ان کے اگلے ری ایکشن میں الجھا ہوا تھا۔

ناشتے کے بعد اماں تو حسب دستور اپنے تخت طاؤس پر جا ٹکیں۔ اخبار سامنے پھیلائے۔ ٹھنڈے ٹھنڈے صبح کے روشن ماحول میں سردیوں کی میٹھی میٹھی دھوپ سینکتی ' چائے سے شغل فرماتیں اور کبھی کبھی اخبار بند کر کے زیر لب بڑبڑاتی ہوئیں۔ ان کی یہ بڑبڑاہٹیں عموماً" حالات سے ماخوذ ہوتیں اور ان میں اکثر ان لوگوں کا ذکر پایا جاتا جنہیں روبرو کچھ کہہ نہیں سکتی تھیں یا پھر کبھی کبھی وہ ملکی حالات پر کڑھنے لگتیں۔

آج بھی ان کی بڑبڑاہٹیں اسٹارٹ ہو چکی تھیں۔ زونیرہ بی جو اماں کو اخبار میں مصروف دیکھ کر کچھ اور پڑھ لینے کے لالچ میں کتاب کچن میں ہی لے آئی تھیں کہ باہر یہ کام خطرناک نتائج لا سکتا تھا۔ اماں کی آواز سن کر اچانک الرٹ ہو گئیں اور صبح سے چولہے پر چڑھی چائے کی دیگچی میں سے اماں کے لیے ایک کپ چائے لے کر دوبارہ دیگچی ہلکی آنچ پر رکھ چھوڑی یہ تو روز کا معمول تھا۔ اماں کو چائے چونکہ بے حد مرغوب تھی للذا صبح اٹھتے ہی وہ دیگچی چڑھا دیتیں جس میں سارا دن بے چاری چائے کی پتی بے آواز جلتی رہتی۔ اماں کے دل کی طرح بقول اماں کے۔

پھر سارا دن انہیں چائے دینے کی ذمہ داری اسی کی تھی کبھی کبھی تو زونیرہ تنگ آ کر کہہ دیتی۔

"اماں۔ اس چائے کا کیا فائدہ ایسی عادت بھی اچھی نہیں ہے بھوک مر جاتی ہے۔ آپ کھانا بھی کتنا

کھاتی ہیں اس کی وجہ سے اور اگر آپ کو اتنی ہی عادت ہو گئی ہے تو گرین ٹی منگوالیں کم از کم نقصان تو کم ہو۔"

"خاک نقصان کم ہو گا کس دیس میں ہو بی بی۔ عام چائے کی قیمت آسمان چھونے لگی ہے اور تم سبز چائے کا ذکر کر رہی ہو کہیں اپنی پھوپھیوں کی طرح تمہیں بھی میرا کوئی خزانہ تو نظر نہیں آگیا۔" اماں تلخی سے کہتیں کہ خود ہی عاجز تھیں۔ جواباً "ہمیشہ کی طرح وہ بھی اماں کے سامنے چپ ہی رہتی۔ ویسے بھی وہ اماں سے بحث کرنے سے دامن بچاتی تھی۔ ورنہ اماں اپنی تنہائی کا رونا رونے لگتیں کہ وہ بھی ان کے دیگر دونوں بچوں کی طرح انہیں اپنا نہیں سمجھتی۔ انہیں سمجھانا چاہتی ہے انہیں وہ مقام نہیں دیتی جو ایک ماں کو ملنا چاہیے۔

"کیا ہوا اماں کسے یاد کر رہی ہیں۔" چائے کا کپ انہیں تھماتے ہوئے حالات جاننے کی کوشش کی کہ آج کس کی بخشش ہو رہی ہے اور اماں کے ہونٹوں پر کس کا ذکر خاص ہے۔

"لو ہونا کیا ہے وہی روز کے حالات وہی خون خرابا وہی فکر و آرام گھر کی پریشانیوں سے بچنے کے لیے بندہ باہر نکلے تو باہر اس سے بڑھ کر مسائل کے انبار۔ گھر کی فکروں سے سوچوں سے نکلنے کے لیے اخبار پڑھ لیں تو اس میں ایک کے بجائے سو گھروں کا ذکر۔ دوست نے دوست کو مار ڈالا فلاں نے فلاں کے غم میں خود سوزی کر لی بیوی نے شوہر کی بے وفائی پر خود کو آگ لگائی یا پھانسی چڑھ گئی۔ ساس نے بہو کو جلا ڈالا۔ بے روزگاری سے تنگ آکر نوجوانوں نے فلاں غلط کام کر لیا۔ بس ایسی ہی روز کی خبریں ہیں۔ کسی کے گھر کوئی بھوکا مر رہا ہے اناج نہیں اور کہیں اناج ہے تو لوگ مرے ہوئے کے سوگ میں بھوکے ہیں۔ نصیب سب کا ایک ہی ہے بس آگے پیچھے اور رخ بدلے۔" آزردگی سے کہتے ہوئے انہوں نے اخبار تخت پر رکھ دیا۔

"اماں آپ کیوں دوسروں کی فکر میں گھل رہی ہیں۔ یہ دور اپنی فکر کرنے کا ہے دوسروں کا بھلا چاہنے سے ملتا کیا ہے یہاں۔ آپ نہیں جانتیں اس کے نقصان پھر بھی کڑھ رہی ہیں چلیں چھوڑیں۔ ان خبروں سے تو بے خبری ہی بھلی ان سے تو ہماری خاندانی خبریں اور اہل محلہ کا ذکر زیادہ شاندار ہوتا ہے (کم از کم آپ کے ذریعے کسی کی بخشش تو ہو جاتی ہے)" آخری جملہ سرگوشی میں کہا۔ اماں چائے کا کپ رکھ کر استفہامیہ دیکھنے لگیں۔

"چھوڑیں اماں۔ یہ بتائیں کیا حالات ہیں ہماری خاندانی سیاست کے۔ کہیں زبوں حالی کا شکار تو نہیں۔ ویسے بھی ثمن آپا کی منگنی کے بعد کوئی ہاٹ نیوز سننے میں نہیں آئی کافی خاموشی ہے۔" اس نے اخبار کی شہ سرخیوں پر نظر ڈالتے ہوئے اماں کا من پسند موضوع شروع کیا۔

"ارے خاک خاموشی ہے۔ زبان والے بھی کبھی چپ رہے ہیں کبھی ثمن کا ذکر کرتے ہیں تو کبھی اپنی سمیرہ کا۔ اب بن نہیں پائی دونوں نند بھاوج کی تو ہمارا کیا قصور۔ شادی سے پہلے تک تو خوب دوستی تھی۔ پھر ایک محبت کی تقسیم عناد کا باعث بنی تو ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ہماری بیٹی اگر بری ہے تو ان کا دامن بھی کم داغدار نہیں۔ مگر تم نے مجھے یہ کن باتوں میں لگا دیا۔ صبح صبح بیٹھ گئیں باتیں بگھارنے کام کرو کر اٹھ کر۔ ہر وقت کی سستی ہے تمہاری جہاں موقع ملے چپک جاتی ہو۔ چلو اٹھ کر صفائی کرو۔ ہزار بار کہا ہے ناشتے کے بعد پہلا کام گھر کی صفائی کا ہونا چاہیے۔ مگر ہماری اولاد کو تو کتابیں اٹھا کر دے دو بس یہ کام شوق سے ہو گا۔ کوئی کتاب نظر آگئی تو آخری وقت میں ملک الموت کو بھی حیران چھوڑ کر آگے دوڑ جائیں گے کہ

"دو منٹ ٹھہرو۔ کتاب پوری کر کے جہاں چلنا ہو گا چلیں گے۔" یک لخت اماں کو اس کی کتابوں سے دوستی یاد آگئی اور ہمیشہ کی طرح وہ طیش میں آگئیں۔ جواباً "اس نے بے ساختہ قہقہہ بکھیر کر انہیں داد دی۔ اماں کا گفتگو میں موٹے موٹے الفاظ استعمال کرنا اسے بہت اچھا لگتا تھا جو ظاہر ہے اخبار سے ہی حاصل ہوتے تھے۔ کبھی کبھی تو اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ ان سے زبان لڑائے تاکہ اسے اپنی اور اماں کی زبانوں کی حد معلوم ہو جائے کہ دونوں کس مقام پر ہیں۔ ساتھ میں ممکن ہے اماں سے کچھ سیکھنے کا موقع بھی مل جائے مگر اماں سوہ تو "زبان لڑانا" سن کر ہی اپنے الفاظ یوں کھلے چھوڑ دیتیں کہ انہیں سمیٹ کر دماغ کے ڈربے میں قید کرنا مشکل ہو جاتا اور ان حالات میں غور کرنا اس سے مشکل۔

"چلو بی بی۔ قہقہے پھر بکھیرتی رہنا۔ اب اٹھ کر صفائی کا کام سنبھالو۔ بیٹیوں والے گھر گندے اچھے نہیں لگتے۔ جس گھر میں عورت کا وجود ہو تو اس کے ہونے کا احساس بھی ہونا چاہیے کہ یہاں کسی عورت کا گزر ہے۔ چلو اٹھو شاباش کام سنبھالو۔"

"اٹھتی ہوں نا اماں۔ ایک تو آپ ہر وقت کام کام اور بس کام کہتی رہتی ہیں۔ ذرا میں بیٹھتی ہوں تو آپ کو کوئی نا کوئی کام یاد آجاتا ہے۔ کام والی ماسی اس لیے نکال دی کہ میری عادت خراب نہ ہو جائے۔ بیٹھے بیٹھے میرے پرزے جام نہ ہو جائیں۔ جانے کیسا سسرال ملے۔ سو میں نے یہ کام سنبھال لیا۔ تو آپ سے کچن میں کھڑا ہونا محال ہو گیا۔ کمر میں درد ہونے لگا سو یہ ذمہ داری بھی میرے سر آگئی۔ حالانکہ پھپھو وغیرہ کے گھر پر کوئی کام ہوتا ہے آپ فوراً" سر ہلا دیتی ہیں تب کسی کو کچھ نہیں کہتیں۔ اسی بات کا مجھے دکھ ہوتا ہے۔ آپ کیوں دوسروں کی طرح خود کو لوگوں کے لیے بدلتی ہیں۔"

"مجبوری ہے میری میں نہیں چاہتی کہ اب عمر کے آخری حصے میں ساری عمر کی ریاضتیں ضائع جائیں۔ ساری عمر سنی ہی ہے ان کی ہاں میں ہاں ملائی ہے۔ اب اس وقت کیا فائدہ انکار کرنے کا اور ویسے بھی میں انہیں انکار کی مجال نہیں رکھتی۔ ان کے مخالف ہونا آسان کام نہیں ہے۔ لفظوں کی ایسی مار مارتی ہیں کہ ہم جیسا تو سمجھتے سمجھتے ہی پاگل ہو جاتا ہے۔ جیسے ابھی تم مجھے پاگل کرنے لگی ہو۔ چلو اٹھو پھر باتیں بنانے لگیں۔ کتنی بار کہا ہے یہ کتابیں مت پڑھا کرو۔ بڑے

دونوں تو نالائق نکلے ہی اپنے ددھیال کی محبتوں میں چور۔ مگر تجھ پر تو مجھے بڑا بھروسہ تھا کہ تیری پرورش خالص میری چھپر چھایا میں ہوئی ہے۔ تو اپنی پھپھیوں کی چالاک محبتوں سے دور رہے گی۔ میں تمہیں ان کی پہچان کرادوں گی۔ مگر کیا ہوا دور رہ کر بھی تو نے ان سے خوب محبت جتائی ہے۔ مت پڑھا کر میرے سامنے یہ کتابیں میرا دل جلتا ہے کہ زمانے نے جو میرا دل زخمی کیا سو کیا۔ مگر اب میری اولاد بھی میری نگاہوں کے سامنے وہی کام کر رہی ہے جو میرے بہت ناپسندیدہ لوگ کرتے ہیں۔ مگر ہائے میرے نصیب۔ میری اولاد پر میرے الفاظ کہاں اثر کرتے ہیں ان پر تو اپنی پھپھیوں کے کتابی الفاظ ہی اثر کرتے ہیں اور میرے معصوم بچے ان میٹھے لفظوں کے جال میں پھنستے چلے جاتے ہیں۔ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں۔ یا اللہ جانے میرے بچوں کو اپنے ددھیال سے اتنی محبت کیوں ہے۔" آزردگی سے کہتے ہوئے اماں نے سر تھام لیا تو وہ بھی دکھی صورت بنائے انہیں دیکھتے ہوئے پیچ پیچ کرنے لگی۔ جواباً "ہوش میں آتی اماں نے کچھ ایسی نگاہوں سے گھورا کہ بے اختیار اٹھنا ہی پڑا۔

"کرتی ہوں اماں، ایک تو آپ بھی مجھے فارغ نہیں دیکھ سکتیں۔ ذرا جو مجھے بیٹھے دیکھ لیں گی تو کوئی نا کوئی کام آپ کو یاد آجائے گا۔"

اماں یک لخت ناراض ہو گئیں اور اس سے پہلے کہ وہ جواباً" کچھ کہتی دروازہ بجا۔ پل کو دل کی دھڑکن بے ترتیب ہوئی۔ دوسرے ہی لمحے زونیہ بی بی حرکت میں آگئی تھیں۔ سب سے پہلے تخت پر بکھرے کپڑے ایک ساتھ کیے۔ ٹیبل کے گرد پڑی کرسیاں ترتیب سے رکھیں۔ چائے کے برتن تیزی سے ٹرے میں رکھے۔ اخبار ہاتھ میں لے کر کچن میں جانے کا ارادہ تھا ہی کہ نظر صحن کے بیچوں بیچ پڑی اداس جھاڑو پر گئی جس کے گرد رات کے کھائے گئے چپس اور چاکلیٹ وغیرہ کے ریپر بکھرے تھے مگر جھاڑو اور ان کے بیچ جدائی کا موسم جاری تھا۔ اتنا سا فاصلہ تھا بیچ میں اور زونیہ بی بی۔ صدا کی محبت ناشناس، غفلت میں ہی ظالم سماج بنی رہیں۔ ریپر وغیرہ پیر سے تخت کے نیچے کیے اور جھاڑو اٹھا کر جگہ پر رکھی۔ یہ سارے کام کافی عجلت میں ہوئے تھے اماں اسے مصروف دیکھ کر جلتی بھنتی دروازہ کھولنے اٹھ گئی تھیں۔

"اماں ٹھہریں میں کھول دوں گی۔" جھاڑو جگہ پر رکھتے ہوئے وہ بولی جس پر اماں سلگ ہی تو اٹھیں۔ تین دستکیں ہو چکی تھیں اور اب بھی روک رہی تھی۔

"تم کھول دو گی، کیا بی بی، پریشانی کے در۔" اماں تیزی سے بولیں۔ بس اس کے سامنے ہی تو ان کا غصہ بے لگام ہو جایا کرتا تھا اور اس غصے کی قدر سب سے زیادہ کرتی بھی وہی تھی۔

اماں دروازہ کھولنے لگی تھیں اس نے صحن میں نظر دوڑائی کافی بہتر لگ رہا تھا۔ اب دعا یہی تھی کہ آنے والا یہیں ٹکا رہے۔ اندر جانے کی بات نہ کرے۔

اور شکر تھا کہ دروازہ کھلنے پر اسے مایوسی نہیں ہوئی۔ آنے والی اس کی اپنی پھپھو ہی تو تھیں۔ جن سے اماں کی باتوں کے زیر اثر اکثر اس کے تعلقات خراب ہی رہتے تھے۔ مگر ان کی محبت پھر سے حالات سازگار کر دیتی تھی۔

"ارے پھپھو کافی دنوں بعد آئیں" وہ انہیں سلام کرنے کے بعد ان کے برابر ہی بیٹھ گئی۔

"ارے ابھی دو دن پہلے ہی تو آئی تھی میں۔ تم نے لگتا ہے مجھے یاد کیا تھا مگر بیٹا کیا کروں آج کل آپا کی طرف جا رہی ہوں ثمن کی شادی کی تاریخ طے ہوئی ہے پتا ہو گا تمہیں تو۔" جواب دیتے ہوئے بھابھی پر بھی نظر ڈالی شکر تھا کہ مزاج نارمل تھا۔ ان کی گفتگو کے لیے نہایت موزوں۔ ورنہ بھابھی تو کچھ نہیں کہتی تھیں بس رخ موڑ لیا کرتی تھیں اور یہ خاموشی لفظوں سے زیادہ جان لیوا ہوتی تھی۔ مزید کمی زونیہ پوری کر دیتی اپنی نادانی اور لاعلمی میں۔ ان سے معمولی باتوں پر بحث کر کے۔

"اچھا اشہد کیا گھر پر ہے پورے دو دنوں سے شکل نہیں دکھائی اس نے۔"

"ارے وہ فارغ کہاں ہوتا ہے۔ آج بھی انٹرویو کے لیے نکلا ہے۔ ہائے میں کتنا سمجھاتی ہوں اسے اپنا کمپیوٹر سینٹر کھول رکھا ہے تو اسی پر توجہ دے۔ کتنا کمالے گا اس طرح مگر کہتا ہے کہ یہ صرف میرا تھوڑی ہے اس میں میرے دوستوں کا بھی حصہ ہے۔ میری جگہ یہاں نہیں ہے اس پر پہلا حق میرے دوستوں کا ہے اور بس پھر شام کو ایک آدھ کلاس کو پڑھا کر وہی دوسرے دن نوکری کی خواہش۔" پھپھو آج پھر اس پر ناراض تھیں وجہ وہ خود بھی جانتی تھی پھپھو چاہتی تھیں کہ وہ کمپیوٹر سینٹر پر ہی توجہ دے۔ جب شروع میں تنہا محنت کی تھی تب دوستوں کو یاد کیوں نہیں کیا تھا اس نے۔

"تو یہ تو بڑی اچھی بات ہے پھپھو کہ وہ خود کچھ کرنا چاہتا ہے۔ آپ کو اس کے لیے فکر نہیں کرنی پڑ رہی سوچنا نہیں پڑ رہا آپ کو تو شکر کرنا چاہیے کہ وہ اپنے مستقبل کے لیے محنت کر رہا ہے۔" وہ بڑے رسان سے بولی تو پھپھو کے ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی کبھی کبھی وہ کتنی اچھی اور میٹھی باتیں کرتی تھی۔

"لیکن تمہیں کچھ کام تھا اس سے۔ دو ڈھائی بجے تک تو آجائے گا وہ۔" اچانک یاد آنے پر پھپھو نے سلسلہ کلام جوڑا۔

"ہاں مجھے ثمن آپی کی شادی کے لیے شاپنگ کرنی ہے ظاہر ہے اس کے ساتھ ہی جاؤں گی اماں کو تو میرے ساتھ مارکیٹ جانے کے خیال سے رات بھر نیند ہی نہیں آتی کہ جانے کل کیا حشر ہو گا اور رہیں آپا، تو وہ اپنی نند کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ان کے پاس میرے لیے تو فرصت ہو گی نہیں۔" بڑی پھپھو کے ذکر پر لہجے میں آپ ہی آپ تلخی سما گئی۔ یہ سب اماں کے خیالات تھے جو دماغ میں کچھ ایسے سمائے تھے کہ پھر خود کچھ سوچنے کی گنجائش ہی نہ رہی تھی کہ آیا یہ سب سچ ہے بھی یا نہیں؟

"ہاں بے چاری آپا اپنے طور پر تو جو کر سکتی تھیں کرتی ہیں اور جہاں سہیرہ کی ضرورت پڑتی ہے گھر کی بڑی بہو سمجھ کر اسے وہ کام سونپ دیتی ہیں۔ آخر کو گھر کی بہو کے بھی کچھ فرائض ہوتے ہیں۔ خیر تم اشہد کے ساتھ چلی جانا میں کہہ دوں گی اسے۔" اچانک اپنے لہجے کی تلخی کا اندازہ ہوا تو وہ فوراً" ہی اسے اطمینان دلا گئیں۔ کہیں وہ بے ادبی نہ کر جائے۔

"اب تم یہیں چپکی رہو گی یا اندر جا کر کچھ کرنے کی بھی سوچو گی؟" اچانک اماں ناراضی سے بولیں تو اسے بھی بکھرے گھر کا خیال آیا۔

"پتا ہے بھابھی۔ فریحہ کے لیے ثمن کی سسرال سے رشتہ آیا ہے۔" پھپھو نے اماں کو مخاطب کیا تھا قدم اس کے رک گئے تھے۔

"اچھا کون لوگ ہیں، کیسے ہیں۔" اماں فوراً" متوجہ ہو گئیں ویسے بھی نند بھاوج میں کبھی اتنی شدید جنگ نہیں رہی تھی کہ دل کا حال چہرے پر نقش ہو جائے۔

"ارے کوئی قریبی عزیز ہیں۔ شاید چچا، ماموں کا بیٹا ہے نوید کا۔"

"اچھا، کہیں وہی تو نہیں جس کا رشتہ زوئی کے لیے آیا تھا۔" اماں ذہن پر زور ڈالتے ہوئے بولیں۔

"پتا نہیں بھابھی۔ مگر آپا کہہ رہی تھیں لوگ بڑے اچھے ہیں اور انہیں تو یہ رشتہ بڑا پسند ہے ہاں کرنے کے چکر میں ہیں وہ۔" کہہ کر انہوں نے اپنی بھابھی کا مکمل جائزہ لیا مگر بھابھی تو کسی اور ہی خیال میں تھیں کچھ دیکھا ہی نہیں۔

کچن میں کام کرتے ہوئے یہ ساری باتیں باآسانی اسے سنائی دے رہی تھیں، مگر کچھ دیر بعد آوازیں دھیمی پڑ گئیں اور کچھ تو سمجھ نہیں آرہا تھا البتہ اپنا نام تو کوئی نہ پکارے تب بھی سماعتوں تک پہنچ جاتا تھا۔ سو اسی وہم کے ساتھ وہ کھانا بناتی رہی۔ جانتی تھی کہ آج پھپھو یہیں کھانا کھائیں گی۔

"ارے اماں، آپ یہاں ہیں اور ہمارے گھر میں اندھیرا ہو رہا ہے۔" وہ دسترخوان پر کھانا چن رہی تھی جب اشہد آگیا آتے ہی اماں کا حال پوچھا اپنی کیپ اتار کر اس کے سر پر رکھی اور بڑے آرام سے پھپھو کے برابر براجمان ہو گیا۔

"ارے روشنی ہی تو لینے آئی تھی یہاں۔۔۔۔" پھپھو نے میٹھی نگاہ اس پر ڈالی اور دوسری اپنی بھابھی پر یہ اور بات کہ وہ ان سنی کر گئیں۔

"کیوں پھپھو' کیا آپ کی بجلی دغا دے گئی ہے۔" اس نے بڑی معصومیت اور لاعلمی سے سوال کیا جہاں اماں خوش ہوئیں۔ وہاں پھپھو سمیت اشہد کا بھی سر پیٹ لینے کو جی چاہا۔

"اماں بلب کی روشنی کی بات نہیں کر رہیں کزن۔ اماں کا اشارہ تو محبت کی روشنی کی طرف ہے۔ جو پہلے انسان کو انسان سے ہوتی ہے۔ پھر زندگی سے ہو جاتی ہے۔ مگر تم نہ سمجھو شاید۔ یہ باتیں تمہاری عقل سے بڑی ہیں۔" کہتے ہوئے اشہد نے اس کے سر سے کیپ اتار لی۔ اماں اٹھ کر کچن کی طرف بڑھ گئی تھیں پھپھو ان کے پیچھے تھیں۔

"جی نہیں اب ایسی بھی عقل سے پیدل نہیں ہوں سب سمجھتی ہوں یہ محبت وحبت۔"

"اچھا ریئلی۔" وہ جھٹکے سے اس کے مقابل آبیٹھا۔ وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔ ایسا کیا کہا تھا بھلا۔

"ہاں تو کوئی جھوٹ تھوڑی بول رہی ہوں۔"

"اچھا تو اب جلدی سے بتا دو یہ محبت ہوتی کیا بلا ہے۔"

"کیا ہوتی ہے کیا مطلب۔ بس محبت' محبت ہوتی ہے۔"

"بس' یہ بس والی بات ہے۔ یہ تو بس سے باہر والی بات ہے۔ ارے محبت کی تعریف میں تو شعراء نے کیا کچھ نہیں کہا اور کہنے والے تو اب بھی تشنگی محسوس کرتے ہیں اور تم نے بس کہہ دیا۔ چلو شاباش جلدی سے بتاؤ۔ اس بارے میں تمہارے کیا کیا خیالات ہیں۔ چلو بولو شاباش۔"

"نہیں بھئی مجھے نہیں پتا۔ جو پتہ ہے اس پر یقین نہیں ہے وہ سب کتابی لگتا ہے اور سچ ہی تو ہے اس دور میں کہاں محبت کا وجود۔ سب ٹائم پاس ہے اور اسے میں سمجھنا چاہتی نہیں ہوں۔ سو آنکھیں بند کر لیتی ہوں۔"

"لیکن بہرحال کہیں کہیں سچی محبت بھی موجود ہے۔"

"تم کہتے ہو تو ہوتی ہو گی مگر مجھے اس پر یقین نہیں ہے۔ بھلا ایسے کیسے ممکن ہے اشہد کہ اس تیز دور میں۔ ایک انسان دوسرے کے لیے جیے۔ اپنے سے زیادہ دوسرے کی فکر کرے خیال ہو تو دوسرے کا۔ نہیں یہ سب کہاں ہوتا ہے اب۔ یہ سب تو کتابوں میں ہوتا ہے اور کتابوں میں ہی رہ گیا ہے۔ اچھی چیزیں تو کتابوں میں ہی ملتی ہیں نا۔ حقیقت میں یہ سب نہیں ہوتا اور اگر ہوتا بھی ہے تو بس ٹائم پاس جسے ہم محبت کا نام دیتے ہیں اور جس کے بغیر زندگی کا تصور نہیں کرتے اور حیرت تو اس پر کہ وقت پڑے تو اسی محبت اسی زندگی کے بغیر خوشحال جی لیتے ہیں لیکن تم ہی بتاؤ اشہد۔ کیا یہ محبت ہے۔ نہیں یہ محبت ہو ہی نہیں سکتی جو وقت کے ساتھ ساتھ بدلتی رہے۔ ہاں اس کا نام محبت ضرور ہے جو ضرورتاً" رکھا گیا ہے۔ جب اصل چیز کی کمی واقع ہو جاتی ہے تو ضرورت پڑنے پر بالکل ایسی ہی چیز بنائی جاتی ہے جس کا نام بھی وہی رکھا جاتا ہے جو ہوتی بھی بظاہر اصل چیز جیسی ہی ہے مگر درحقیقت وہ بالکل نہیں ہوتی اور اس کا ادراک تو اسے آزمانے کے بعد ہی ہوتا ہے۔ یہی حال محبت کا ہے زندگی اتنی تیز ہو گئی ہے کہ اب کوئی فرہاد کسی شیریں کے لیے نہر کھودنے کی نہیں سوچ سکتا اور وہ دور بھی گیا اشہد جب لوگ کچے گھڑے کے شیدائی ہوا کرتے تھے۔"

"تم بالکل درست کہہ رہی ہو ہنی مگر اس بات سے تو انکار نہیں کرو گی نا کہ آج بھی کہیں نہ کہیں کچھ لوگ ضرور ہیں جو اچھے ہیں۔ سچے ہیں اپنے ہر قول و فعل اور عمل میں جو محبت کو محبت سمجھتے ہیں ایک ضرورت نہ کہ ٹائم پاس۔"

"ہاں ایسے لوگ بھی ہیں مگر بہت کم اشہد' یہ لوگ ہر قدم پر تو نہیں ملتے نا اور ضروری تھوڑی ہے کہ ہم اتنے خوش نصیب ہوں کہ اتنے سچے اور اچھے لوگ نہیں مل جائیں' نہیں کم از کم مجھے تو خود پر اپنی قسمت پر اتنا یقین ہرگز نہیں ہے۔ اسی لیے تو میں اپنے بارے میں ان محبتوں کے بارے میں سوچتی نہیں ہوں۔"

"لیکن اگر تمہیں مل جائیں تو۔۔۔" وہ اس اقرار پر کہ کم از کم اسے اب بھی محبت کی موجودگی پر یقین ہے خوشی سے بولا۔

"تو بھی مجھے یقین آئے گا۔ کہا نا کہ یقین کا ہمیشہ فقدان رہا ہے میرے پاس۔ بہت ممکن ہے کہ میں اپنی غفلت میں ہی اسے کھو دوں کیونکہ یہ تو میں جانتی ہوں کہ اس یقین کے حصول میں میں خود کو دکھی ہرگز نہیں کروں گی۔ یہ تو رسک ہی ہوا نا اشہد۔ جانے محبت سچی ہو یا نہ ہو۔ پہلے ہی میں اپنی پریشانیوں سے نظریں چراتی ہوں اس پر مستزاد ایک مزید دکھ۔ نہیں اس سے بہتر تو میں ابھی خوش ہوں مطمئن ہوں' پھر تمہارا ساتھ ہے۔ مجھے ان محبتوں سے کوئی غرض نہیں میں نہیں چاہتی کہ اس طرح میری حاصل شدہ خوشیاں بھی مجھ سے روٹھ جائیں وہ شعر تو سنا ہو گا تم نے۔

محبت کرنے والے دل سدا ناشاد رہتے ہیں
محبت اک پرانی بددعا معلوم ہوتی ہے

اس لیے کیا اب بھی تم یہ چاہو گے کہ مجھے اپنے ذہن و دل پر سے پہرے ہٹا کر در کھول دینے چاہئیں۔ محبت کے بارے میں سوچنا چاہیے۔"

"میرے ہوتے ہوئے ہرگز نہیں۔" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"تھینک یو۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔ ویسے بھی تمہاری دوستی' تمہارا ساتھ ہی میرے لیے اتنا کافی ہے کہ میں محبت کے بارے میں یہ سب کہہ پائی ہوں۔ ورنہ جانے میرے کیا خیالات ہوتے۔ اچھا اب چھوڑو یہ ٹاپک۔ یہ بتاؤ فارغ کب ہو۔"

"فی الحال تو کچھ مصروفیت ہے۔ کوئی خاص کام ہے تمہیں۔" وہ سنجیدگی سے بولا۔ جیسے ذہن اب تک پچھلی گفتگو کے زیر اثر ہو۔

"ہاں ہمارے لیے تو خاص ہی ہے۔ شاپنگ کرنی ہے ثمن آپا کی شادی کی کب چلو گے۔ جب فارغ ہو مجھے بتا دینا۔" تیزی سے کہتی ہوئی اماں کی پکار پر وہ کچن کی طرف بڑھ گئی جبکہ بہت سے ان کہے الفاظ اس کے ہونٹوں پر ہی رہ گئے۔ لیکن دل کو یہ اطمینان بھی تھا کہ کم از کم وہ اسے اپنا دوست تو سمجھتی ہے اور انکار تو اسے محبت سے بھی نہیں ہاں جھوٹے لفظوں سے ہے۔ تو وہ لفظوں کا سہارا لے گا ہی نہیں عمل کر کے دکھا دے گا۔ سوچتے ہوئے وہ واش بیسن کی طرف بڑھ گیا۔

♥ ♡ ♡ ♥
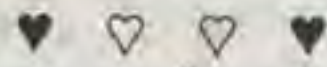
دروازے پر دستک ہوئی اس نے جھانک کر دیکھا تو چھوٹی بڑی پھپھو کھڑی تھیں اس نے فوراً" سلام کیا۔ بڑی پھپھو نے تو جواب ہی نہیں دیا جانے کس بات کا غم منا رہی تھیں جبکہ چھوٹی پھپھو بھی افسردہ شکل سمیت سر ہلا گئیں۔

وہ دونوں ست روی سے اندر آگئیں جبکہ بڑی پھپھو بھی پیچھے تھیں۔ اسے نہیں پتا تھا ان دونوں کی اماں سے بھلا ایسی کیا بات ہوئی ہے جو ساری توانائی ختم ہو گئی ہے اور یہی جاننے کے لیے وہ چائے کی ٹرے سمیت اندر داخل ہوئی تو اچانک ہی ان کی وہ ساری گفتگو تھم گئی جو اسے کچن میں محسوس ہو رہی تھی مگر ٹھیک سے سمجھ نہیں آرہی تھی اور اب۔ ان تینوں کے چہرے اتنے سپاٹ تھے کہ اسے کچھ پوچھنے کی ہمت ہی نہیں ہوئی حتیٰ کہ وہ دونوں جانے کو اٹھ کھڑی ہوئیں اور جب وہ ان دونوں کو رخصت کر کے پلٹی اماں کی زبانی ساری کہانی جاری تھی۔

"اے لو۔ سمجھتی کیا ہیں خود کو اور ہمیں کیا سمجھتی ہیں ہماری کوئی مرضی' کوئی پسند' کوئی فیصلہ نہیں کیا۔ ساری عمر ان کی ہاں میں ہاں ملائی ہے۔ کبھی آگے سے کچھ نہیں کہا تو ان کا خیال ہو گا کہ اب بھی کچھ نہیں کہوں گی سوچا ہو گا بے زبان بھابھی ہیں کچھ بھی کہہ دو کچھ بھی کرا لو' ان کا تو کوئی فیصلہ ہی نہیں۔ ارے ایسے کیسے کوئی فیصلہ نہیں جس کا درد ہو دل میں اس کے لیے دماغ سوچتا بھی ہے۔ ایک بیٹی دے دی ٹھیک ہے

اب اپنا سر کاٹ کر رکھ دیں ان کے قدموں میں۔ مجھے تو بھئی اب معاف ہی رکھیں میں تو ان کے کسی۔۔۔ کسی کام نہیں آسکوں گی لہٰذا اس بارے میں تو مجھ سے کوئی توقع نہیں رکھیں۔"

"کس بارے میں اماں اور کیا یہ ساری باتیں کہیں آپ نے پھپھو سے۔" وہ حیرانی سے بولی۔ کیونکہ جانتی تھی اماں پھپھو کی باتوں کے کیسے جواب دیتی تھیں۔

"یہ سب نہیں کہہ پائی تو کیا ہوا جو کچھ کہا ہے وہی بہت ہے ویسے بھی عقل مند کے لیے اشارہ کافی ہوتا ہے اور تمہاری پھوپھیاں تو ہیں بھی بڑی چالاک۔" جو عورتیں ان کے تینوں بچوں کو ان کا نہ رہنے دیں وہ تو چالاک ہی ہوئیں۔

"مگر وہ کہہ کیا رہی تھیں۔" اسے ابھی تک اماں کے غصے کی وجہ نہیں سمجھ آئی تھی۔

"کہنا کیا ہے وہی باتیں کہنے لگیں۔ ثمن کی بھی شادی ہو جائے گی فریحہ کے لیے بہت اچھا رشتہ آیا ہے۔ ان کا ارادہ بن رہا ہے۔ جلد ہی اچھی خبر سنائیں گی اب لے دے کر تم ہی رہ گئی ہو تمہاری شادی بھی کر دینی چاہیے اور جانتی ہو فریحہ کے لیے کون سا رشتہ اچھا لگا ہے انہیں، یہ وہی لوگ ہیں جن کا رشتہ تمہارے لیے آیا تھا تب انہوں نے ثمن کے سارے سسرال کو بھی برا بنا دیا تھا اور آج اپنی بیٹی کا معاملہ ہے تو سب اچھے ہو گئے ہیں۔ یہ سب مجھ سے کہہ کر گئی ہیں کوئی اور ہوتا تو ان سے پوچھتا ضرور کہ اتنی جلدی اتنی تبدیلی کیسے آگئی ان لوگوں میں۔ مگر جانتی ہیں نا کہ میں تو پلٹ کر سوال کروں گی نہیں سو زبان چلتی رہتی ہے۔"

"پھر آپ نے کیا کہا۔"

"بتایا تو سہی۔ میں ان کے اشاروں پر اب نہیں چلنے والی جو ہونا ہے وہ تو ہونا ہی ہے مگر اپنے دل کے خلاف میں کوئی فیصلہ نہیں کروں گی کسی کے بھی لیے۔ ایک بیٹی دے دی۔ تب انہیں اتنا جانتی نہیں تھی اور یہ بھی نہیں پتا تھا کہ میری بچی کا یہ حال ہو گا۔

تمہارے بابا نے فیصلہ کیا تو چپ ہو گئی۔ دل کو منا لیا مگر اس کا حال دیکھ کر پھر ایسی کوئی غلطی نہیں کر سکتی۔ ہائے کیسی پیاری بچی تھی میری اور اب کیا ہو گئی ہے پھیکا شلجم۔ کبھی ساس نندوں کا خیال ہے تو کبھی شوہر کی فکر۔ ایک بچہ ہے وہ بھی ایسا ہی بے قابو۔ سب کی پریشانیوں میں اپنے آپ سے بھی غافل ہو گئی ہے میری بچی۔ لیکن پاگل ہے جانتی نہیں ان خدمتوں کا کوئی صلہ نہیں، کیا ملا ہے مجھے جو اسے مل جائے گا۔ ان کو قدر ہی کہاں اب دوسری کا ناس مارنا چاہتی ہیں مگر میں نے بھی کہہ دیا ہے اپنے کسی بچے کو اب اس خاندان میں نہیں بیاہنے کی۔ خواہ وہ ان کی فریحہ ہو یا۔۔۔۔"

"فریحہ! اماں اگر فریحہ کے لیے تو پھپھو کو رشتہ پسند آگیا تھا نا۔"

"ارے خاک پسند آگیا تھا۔ بس سب ہمیں جلانے کے طریقے ہیں۔ کوئی اور رشتہ کہاں پسند آنا ہے انہیں جب برسوں سے نظر ایک ہی پر ٹکی ہوئی ہے حق سمجھتی ہیں عدیل پر تو اپنا۔ سو ہمیں خیرات میں بھی تھوڑی سی عزت نہیں دیتیں۔ لیکن ہمیں کچھ سمجھتیں تو دیتیں نا عزت، یا اہمیت۔"

"تو کیا فریحہ اور بھیا؟" وہ خوشی سے بولی۔ فریحہ اتنی بری بھی نہیں تھی جتنی اماں کہہ رہی تھیں۔

"نہیں تو تم۔۔۔" اماں غصے سے بولیں۔ اس کی بچکانہ خوشی کچھ اچھی نہیں لگی تھی۔

"مگر اماں فریحہ اتنی بری بھی نہیں۔ میرے ساتھ تو کافی اچھی ہے۔"

"ہاں تمہارے ساتھ تو اچھی ہی ہو گی کم از کم شادی سے پہلے تک۔ پھر تو وہی قصے ہوں گے ہمیشہ والے مگر میں نے بھی سوچ لیا ہے اب مجھے اپنوں کے ہاتھوں زخم نہیں کھانا۔ جب یہاں کسی کو اپنی غلطی کا احساس ہی نہیں تو ہمیں قربانی دینے کی کیا ضرورت ہے۔ رشتے جب خوشی کا باعث نہیں بن رہے تو ان کو دکھ کی وجہ کیوں بننے دیں۔ بس میں نے فیصلہ کر لیا ہے مجھے اس خاندان سے کسی کی بیٹی لینی اور نہ دینی

ہے۔ ایک ہی رشتے سے بہت دل بھر گیا میرا۔ اب تم دونوں کو اس خاندان سے دور رکھ کر خوش دیکھنا چاہتی ہوں۔ بہت سی امیدیں ہیں مجھے تم دونوں سے۔"

انہوں نے دکھی چہرے سمیت اسے دیکھا تو وہ سدا کی لاعلم۔ ان کا مطلب ہی نہ سمجھ پائی کہ اصل قصہ کس کا ہے۔

"بالکل نہیں اماں۔ آپ ہم سے بہتر ہی سوچ سکتی ہیں۔ اچھا ہی کیا جو پہلے ہی مرحلے پر انکار کر دیا۔ ویسے بھی آپا کون سی خوش ہیں۔ جو ہم مزید رشتے جوڑیں ویسے بھی اماں ضروری تو نہیں کہ بھیا فریحہ کے لیے راضی ہو ہی جائیں اتنی آزادی کے بعد ہماری پسند کی بیڑیاں وہ ضروری نہیں کہ قبول کر ہی لیں۔" وہ انہیں دلاسا دیتے ہوئے بولی تو وہ بے حد مطمئن ہو گئیں۔ یہی سب تو وہ سننا چاہتی تھیں لیکن باعث خوشی یہ بات نہ تھی کہ اس نے فریحہ اور عدیل کے رشتے کے خلاف بات کی تھی بلکہ خوشی تو اس بات کی تھی کہ اس نے خود ہی اس خاندان میں رشتہ کرنے سے انکار کر دیا تھا اور یہی تو درحقیقت وہ جاننا چاہتی تھیں کہ اس کے دل میں اشہد کے لیے کوئی جذبہ تو نہیں جو وہ یا ان کی نند غلط فہمی کا شکار ہوئی ہیں مگر آج اس کی بھی تسلی ہو گئی۔

"لیکن اتنی دیر بیٹھی تھیں وہ اور میرے آنے کے بعد بھی باتیں کر رہی تھیں تو کیا یہی بات کی تھی انہوں نے۔ لگ تو ایسا رہا تھا جیسے آپ کو کسی بات کے لیے راضی کر رہی ہوں۔" وہ اپنی ہمیشہ کی بے نیازی سمیت بولی۔ اماں کا چونکنا یقینی تھا۔ وہ تو اسے بڑی معصوم سمجھ رہی تھیں مگر تھی تو وہ انہیں پھپھیوں کی بھتیجی۔

"ہاں تو میرا انکار سن کر وہی باتیں کریں گی ایسا ہی ردعمل ہو گا ان کا جیسا تمہیں لگا۔ اب کوئی اس انکار پر مٹھائیاں تو نہیں بانٹیں گی وہ۔"

"لیکن اماں مجھے تو ایسا لگ رہا تھا جیسے بھائی سے زیادہ ان کے ہونٹوں پر میرا نام ہو، بار بار زوئی زوئی کی آواز آرہی تھی۔" وہ اٹھتے ہوئے معصومیت سے بولی خبر نہیں تھی کہ اماں تو سلگ ہی اٹھی ہیں اس کی عقل پر۔

"لو بی بی جب سب سن ہی لیا تھا تو میرا دماغ کیوں کھنگال رہی ہو۔ جب سب پتا ہی ہے تو مجھے کیوں گناہ گار بنا رہی ہو۔"

"لیں اماں مجھے کیا پتا آپ کیا باتیں کر رہی تھیں آواز ہی اتنی دھیمی تھی جیسے لفظوں پر ٹیکس لگا ہو یا چوری کا خطرہ ہو۔ وہ تو بس اپنا نام تھا تو پہنچ گیا کانوں تک اور پتا ہوتا تو میں آپ سے پوچھتی ہی کیوں ذرا سوچیں۔ اب آپ کو بتانا ہے تو بتا دیں، ورنہ میں خود ہی سوچنے بیٹھ جاؤں گی۔" وہ کمرے سے باہر نکلتے ہوئے بولی اماں بولنے پر آمادہ ہو گئیں اس کا سوچنا نقصان دہ تھا۔

"لو اور کیا بات چھپائی ہے تم سے وہی بات ہے اور میں نے پکا ارادہ کر لیا ہے کہ اب میں اس خاندان میں اپنی کسی اولاد کی شادی نہیں کرنے والی اس لیے کوئی مجھے کبھی مجبور نہ کرے اور نہ ہی کوئی ایسا عمل کرے کہ میں دل کے خلاف فیصلہ کرنے پر مجبور ہو جاؤں۔ آخر کبھی تو میرا بھی سر اٹھے ان کے سامنے۔ کبھی تو میری بھی چلے۔ کم از کم اپنے بچے ہی میرے کہنے میں رہیں۔" سختی سے کہتے کہتے وہ بڑبڑانے لگیں تو کچھ نا سمجھتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔ شاید آپا آئی تھیں۔

آنے والی آپا ہی تھیں۔ وہی تھکا تھکا نڈھال وجود، اپنے آپ سے غافل اور دنیا سے بے خبر سی۔ اس لمحے اسے آپا پر بہت ترس آیا حالانکہ وہ تو کافی عرصے سے ایسی ہی تھیں مگر اسے کبھی محسوس نہیں ہوا تھا۔ واقعی آپا اب وہ نہیں رہی تھیں وہ انہیں لے کر اماں کے پاس آگئی جانتی تھی اب اماں کی گفتگو کو دوسرا موضوع ملنے والا ہے۔

"اماں آخر آپ کو میرے لیے یہی ایک گھر ملا تھا۔ میں تو تنگ آگئی ہوں روز روز کی الجھنوں سے۔ ایک ایک کی پریشانی ہے ساری ذمہ داریاں میرے ہی سر ہیں۔ اپنے گھر شوہر اور بچے پر توجہ دو تو پھپھو آموجود ہوتیں کہ انہوں نے تو مجھے علیحدہ کر کے احسان کر دیا مگر خود مجھے ذرا سی شرم نہیں ہے کہ کبھی ان کے

بلائے بغیر بھی چلی جاؤں کیا ہوا جو دن میں ایک دوبارہ وہ خود ہی بلا لیتی ہیں کچھ مجھ پر بھی تو فرض ہے۔ اب روز روز اس موضوع کے ساتھ موجود ہوتی ہیں کہ مجھے فکر ہی نہیں نند کی شادی کی' علیحدہ ہو کر خوب غفلت دکھا رہی ہوں میں۔ ساتھ میں ایاز کو بھی میری دیگر خامیاں بیان کی جاتی ہیں۔ سو اس طرف بھی موسم بدل جاتا ہے اور جب پھپھو کی طرف چلی جاؤں تو آج کل تو سوال ہی نہیں اٹھتا اپنے یا اپنے گھر کے بارے میں کچھ سوچنے کا ہمیشہ کوئی نہ کوئی کام ادھورا ہو گا میرا منتظر اور جب اسے نبٹاؤں گی تو کوئی نیا مسئلہ حاضر ہو گا۔ مگر اس سب کے باوجود پھپھو کبھی خوش نہیں ہوں گی کوئی نہ کوئی بات انہیں بری ضرور لگے گی اور اس کا اظہار ایاز کے سامنے ہو گا۔ ایاز جو پہلے ہی میری گھر سے غیر حاضری کو میری غفلت سمجھے بیٹھے ہوں گے ان کے غصے کو اخراج کا رستہ مل جائے گا اور جب وہ غصے میں آ جائیں نا تب سب بھول جاتے ہیں کچھ یاد نہیں رہتا انہیں۔" آپا ہمیشہ کی طرح اماں کو دیکھتے ہی شروع ہو گئیں۔

"میں آج کل پھپھو کے گھر ہی تھی۔ وہ خود ثمن کی شادی کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ فریحہ کے امتحان ہو رہے ہیں۔ لے دے کر گھر کی دیگر ذمہ داریاں میرے ہی سر آ جاتی ہیں۔ سو اپنے گھر کے کاموں سے فارغ ہو کر وہاں پہنچ جاتی ہوں۔ دن بھر پھپھو کی سنتی ہوں اور رات کو ایاز کی۔ کہ آج کل میں گھر پر بالکل توجہ نہیں دے رہی۔ میں تو تنگ آ گئی ہوں اماں جسمانی سکون تو حاصل ہے ہی نہیں اب ذہنی سکون بھی چھنتا جا رہا ہے۔"

"تو آپا آپ پھپھو کی طرف ہی رہ جائیں نا۔ روز آنے جانے سے اور دونوں گھروں پر توجہ دینے سے آپ کی صحت متاثر ہو گی۔" وہ درد سے بولی۔

"ارے۔ پھپھو کو کب پسند ہے کہ ہم ان کے قریب رہیں۔ انہیں تو بچوں کا خیال ہی پسند نہیں۔ کجا کہ سنی تو ہے بھی اتنا شرارتی۔ اس طرح تو ان کی ٹینشن اور بڑھ جائے گی۔" وہ اماں کو دیکھتی ہوئی تنی سے بولیں مگر جواباً" اماں چپ ہی رہیں گویا اب ناراض ہو گئی تھیں ادھر ادھر کی سن کر۔

"اب آپ ہی بتایئے اماں۔ جاننے والوں کی لسٹ ان کے پاس تھی۔ کارڈ وہ لکھوا رہی تھیں اب اگر لاہور بھجوانے والے کچھ کارڈ رہ گئے تو اس میں میرا کیا قصور۔ مگر وہ ایاز کے سامنے ہی شروع ہو گئیں کہ میری وجہ سے یہ غلطی ہوئی ہے۔ پہلے ہی شادی کی تیاریاں وہ تنہا کر رہی ہیں اب یہ کارڈ کی ذمہ داری بھی ان کی ہے' کسی اور کو تو ان کے علاوہ کسی کام میں دلچسپی ہی نہیں' وہ میرے ساتھ ایاز کو بھی گھسیٹتی ہیں اور ایسے میں ایاز غصے میں نہ آئیں یہ ناممکن ہے اور ان کا غصہ ظاہر ہے مجھ پر ہی اترے گا۔ آج بھی شروع ہو گئے پھپھو کے ساتھ کہ جانے مجھ میں پھپھو کو کیا نظر آیا تھا جو قربانی کا بکرا بنا دیا انہیں۔ مزید لوگوں کی باتیں کہ میں ساس نندوں کی جھنجھٹوں سے آزاد اپنے علیحدہ گھر میں رہتی ہوں۔ ہونہہ۔"

"ارے یہ تمہاری پھپھو بڑی چالاک ہیں تم نہیں سمجھو گی ان کے منصوبے' مگر انہوں نے تمہارے ذمے کیوں ڈالا۔ فریحہ نہیں تھی کیا۔ اپنی بیٹی کو تو کچھ نہیں کہا ہو گا کہ کچھ غلطی اس کی بھی تھی تم از کم یاد رکھنے کا کام تو وہ کر لیتی۔"

"نہیں اماں بےچاری فریحہ کا اس میں کوئی قصور نہیں ہے۔ وہ تو اپنی پڑھائی میں مصروف ہوتی ہے پھر بھی میرا ہاتھ بٹاتی ہے اور پھپھو کو بھی غلط کہنے سے روکتی ہے۔ وہ کم از کم پھپھو کی طرح بنا دیکھے کچھ نہیں کہتی۔"

"ارے چھوڑو۔ تم کیا جانو ان ماں بیٹیوں کی چالیں۔ میں سب سمجھتی ہوں ان کے مقصد مگر تم ابھی نہیں سمجھو گی۔" اماں نے بازی فریحہ کی طرف جاتے دیکھی تو بہت ساری باتیں کہنے کا ارادہ ترک کرتی اٹھ کھڑی ہوئیں۔

♥ ♡ ♡ ♥

"خیریت تو ہے یہ اتنی تیزی کس لیے۔۔۔ آج سورج کہاں سے نکلا ہے بی بی۔" اماں اسے تیزی سے

کام نبٹاتے دیکھ کر بولیں کہاں تو سو بار کہنے پر بھی سستی دکھاتی تھی۔

"اماں بھول گئیں آپ' آج مجھے اشہد کے ساتھ شاپنگ کرنے جانا ہے اس لیے جلدی کام کر رہی ہوں تا کہ میرے پیچھے سے آپ مجھے کچھ نہ کہیں۔"

"ہو ایک تو یہ لڑکی مجھ پر الزام لگانے کا کوئی وقت ہاتھ سے نہیں جانے دے گی اور بی بی اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ اشہد تمہیں لے جائے گا۔ اب بھول جاؤ اسے وہ نہیں آئے گا۔"

"کیوں' کیوں نہیں آئے گا وہ۔ آپ کو منع کیا ہے اس نے۔" جھاڑو لگاتے ہوئے اس نے ٹھہر کر انہیں دیکھا۔

"نہیں منع تو نہیں کیا مگر میں کہہ رہی ہوں نا کہ اب وہ نہیں آنے والا' پتا ہے مجھے۔"

"ایسے کیسے نہیں آئے گا وہ۔ جب اس نے مجھے کہا ہے تو ضرور آئے گا۔ وہ وعدہ خلاف نہیں ہے اتنا تو میں جانتی ہوں اور پھر مجھ سے تو کبھی وہ جھوٹ بول ہی نہیں سکتا۔"

"آج تک کی جان پہچان الگ تھی۔ اب کی اور ہو گی یہ بھی جان لو اور آرام سے کام کرو وہ نہیں آنے والا۔"

"اور اگر آ گیا تو۔۔۔" وہی فطری سرکشی۔ وہی باغیانہ مزاج جو سب کچھ بھلا گئی کہ مقابل کون ہے۔

"تو تم نہیں جاؤ گی مجھے نہیں اچھا لگتا تمہارا اس کے ساتھ ہر جگہ منہ اٹھائے آنا جانا لوگ کیا کیا باتیں بناتے ہیں تمہیں کیا پتا۔" انتہائی سخت لہجے میں کہتے کہتے اچانک آخر میں جملہ بہت بے کسی کا تاثر دینے لگا مگر شاید اس نے غور نہیں کیا تھا۔

"تو آپ لوگوں سے ڈر کر انکار کر رہی ہیں حالانکہ جانتی ہیں کہ یہ دھمکی میرے قدم نہیں روک سکتی میں نے جو فیصلہ کر لیا ہے وہ کم از کم لوگوں کی خاطر نہیں بدل سکتی اور آپ سے بھی میری یہی گزارش ہے آپ میری ماں ہی رہیں اور میرے ہی لیے سوچیں لوگوں کے بارے میں سوچنا آپ کا فرض نہیں ہے۔" اپنی بات کہہ کر اس نے انہیں دیکھا کہ انہیں کچھ اعتراض ہو تو وہ بھی سن لے مگر اماں چپ ہی رہیں اس وقت اس سے کچھ کہنا بے کار تھا کیونکہ انہیں یقین تھا کہ ان کی نند نے جس طرح اشہد تک ان کا یہ پیغام پہنچایا ہو گا اس کے بعد اشہد کا آنا ناممکن تھا مگر آفرین ہو اشہد عمران پر کہ جو نا صرف اسے لینے آیا بلکہ ان سے بھی حسب معمول گفتگو کی ایسے جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

اماں دنگ رہ گئیں یا تو اسے ان کے فیصلے سے کوئی فرق ہی نہیں پڑا تھا یا پھر شاید وہ لاعلم ہی تھا۔ ان دونوں کو باہر نکلتے دیکھ کر وہ سوچ رہی تھیں۔

"پتا ہے اشہد آج میں بہت خوش ہوں۔"

"چلو اب آج کی خوشی کی وجہ بھی بتا دو کس سے جیتی ہو لڑائی میں۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا' تم کیا سمجھتے ہو مجھے کوئی لڑنے کا شوق ہے۔ جی نہیں' مجھے خود بھی شوق نہیں معمولی معمولی باتوں کے لیے بحث کرنے کا' مگر جب لوگ کوئی غلط بات کہتے ہیں یا جھوٹا الزام لگاتے ہیں یا کمزور سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں تب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا اور ایسے وقت میں چپ رہ ہی نہیں سکتی اب اگر اس وجہ سے کوئی مجھے برا کہتا یا سمجھتا ہے تو سمجھتا رہے ایسے لوگوں کے لیے میں اتنا صبر کرنے سے رہی۔"

"کون کہتا ہے تمہیں کہ تم غلط بات برداشت کرو مگر جس طرح تم لڑتی ہو یہ بھی ٹھیک طریقہ نہیں ہے مقابل جیسا سوال کرے ایسا ہی جواب دینا چاہیے۔"

"مجھے نہیں آتا ایسے جواب دینا۔ آستین میں خنجر ہو اور اوپر میاں مٹھو بنے رہو' مجھے نہیں پسند لگی لپٹی۔"

"مگر زمانے کے یہی اصول ہیں یہی ضابطے۔"

"مجھے زمانے سے کوئی غرض نہیں۔ میں اپنے اعمال کی خود ذمہ دار ہوں اور میرے اعمال کے نتائج مجھ ہی سے وابستہ ہوں گے۔"

"اسی لیے کہہ رہا ہوں کیونکہ تم بھی اسی زمانے کا حصہ ہو اور تمہارا اس سے تعلق ہے خواہ تم کتنی ہی

جدا رہو تمہیں اس کی ضرورت پڑنی ہی ہے۔ زمانے سے مخالف چلنے والے بظاہر بڑے سخت ہوتے ہیں مگر اندر سے بہت کھوکھلے۔ اس لیے ٹوٹنے سے پہلے ہی کوئی ایسا سہارا ضرور ڈھونڈ لینا جو تمہیں زمانے کے سرد و گرم سے بچا سکے۔"

"تو ڈھونڈنے کی کیا ضرورت ہے تم ہو نا۔ میرے بہت اچھے دوست اور میرا عدیل بھیا۔ جب تک وہ تھا ہم تینوں کتنے خوش باش تھے نا اشہد لیکن یہ گزرتا ہوا وقت ہمیں مطمئن کیوں نہیں کرتا کیوں اس میں دلکشی محسوس نہیں ہوتی اور جب یہ وقت گزر جاتا ہے تب یہ بھی خوبصورت یاد بن جاتا ہے۔ تمہیں یاد ہے نا اشہد جب عدیل نے گریجویشن کر لیا تھا تب وہ نوکری کے لیے کتنا اداس رہتا تھا ہم سب اداس و پریشان رہتے تھے مگر اب آج وہی دن کتنے اچھے اور یادگار لگتے ہیں کیا ہوا جو ہم اداس تھے ایک ساتھ تو تھے پہلے نوکری نہیں تھی تو پریشانی تھی اور اب نوکری ہے تو کون سی خوشی ہے۔"

"لیکن ابھی تو تم کہہ رہی تھیں کہ بہت خوش ہو آج۔"

"ہاں وہ بھی عدیل کا فون آیا تھا اسی لیے خوش تھی۔"

"اچھا کیا کہا اس نے۔ کب آنے کے ارادے ہیں۔"

"اس کے تو جانے کیا ارادے ہیں اماں نے پوچھا تو کہہ دیا کہ جلد ہی آجاؤں گا۔ اماں بہت خوش ہو گئی ہیں حالانکہ جانتی ہیں کہ یہ تو وہ کافی عرصے سے کہہ رہا ہے۔ جس کمپنی میں وہ جاب کرتا ہے جب وہ اسے اجازت دے گی تب ہی آسکے گا وہ۔"

"چلو وہ بھی آہی جائے گا۔ دیکھو شاپنگ سینٹر بھی آگیا۔" بائیک روکتے ہوئے وہ بولا۔

"یہ گھر کتنا خوبصورت ہے نا اشہد۔" واپسی کے سفر میں وہ قصر عمر کو بغور دیکھتے ہوئے بولی اشہد بھی اسپیڈ کم کر کے گھر دیکھنے لگا۔

"ہوں اچھا ہے تمہیں چاہیے۔" سنجیدگی سے کہتے ہوئے وہ بائیک آگے بڑھانے لگا۔

اتنی سنجیدگی اور بے موقع سوال پر تو وہ گنگ ہی رہ گئی۔ مذاق تو لگ نہیں رہا تھا یہ سب۔

"ہاں میرا ایک دوست ہے۔ ایسا گھر بنا سکتا ہے۔" پھر وہی سنجیدہ لہجہ۔

"کیا سچ۔ کیا وہ آرکیٹیکٹ ہے۔" وہ خوشی سے چلائی۔

"نہیں۔ اس کی کھلونا سازی کی فیکٹری ہے۔" تحمل سے جواب ملا اور پھر اس کی چیخ تھی اور اشہد کے قہقہے۔

"خیریت تو ہے تم بڑے خوش نظر آرہے ہو۔ ایسی کون سی نئی تبدیلی آئی زندگی میں۔"

"ارے ہاں ہنی، میں تمہیں بتانا ہی بھول گیا۔ میرے انسٹیٹیوٹ میں ایک لڑکی آئی ہے۔ جتنی خوبصورت ہے اتنی ہی ذہین میں تو اس کی ذہانت دیکھ کر حیران رہ گیا جانتی ہو واقعہ کیا ہوا۔"

"مجھے نہیں جاننا۔ ویسے بھی تمہاری روز روز کی کارگزاریاں سننے لگی تو میری اسمارٹنس خاک ہو جائے گی۔" وہ جل کر بولی۔

"اچھا چلو نہیں سناتا۔ تمہاری اسمارٹنس خاک ہوئی تو بلاوجہ آلودگی بڑھے گی مگر ایک بات ہے وہ جیسی بھی ہے کوئی نہ کوئی خاص بات ہے ضرور اس میں۔ نہیں بلکہ وہ تو پوری ہی بہت خاص ہے بہت امپورٹڈ۔" مرر میں اس کا تنا ہوا چہرہ دیکھ کر مزید ہوا دی حالانکہ کچھ دیر قبل تک ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔

"امپورٹڈ ہے یا لوکل یہ تو ملنے پر ہی پتا چلے گا۔" وہ دھیرے سے بڑبڑائی اشہد نے تو جیسے کچھ سنا ہی نہیں تھا۔

"سنو کیا بہت خوبصورت ہے۔" اس کی خاموشی محسوس کر کے وہ بولی۔

"ارے ایسی ویسی۔ میں تو کیا میرے سارے کولیگز اسے دیکھ کر دنگ رہ گئے بھول گئے کہ اس کے ٹیچر ہیں یہ تو اس نے خود ہی احساس دلایا۔ ویسے احساس دلانے کا انداز بھی بہت خوب تھا لیکن تم نہیں سمجھو گی

تمہیں تو دنیا سے غرض ہی نہیں ہے تمہیں یہ باتیں کہاں آئیں گی۔ ہاں کیا پوچھ رہی تھیں تم کہ کتنی خوبصورت ہے۔ اتنی خوبصورت ہے کہ اس جیسی شاید میں نے کوئی دوسری نہیں دیکھی اور اس جیسی کوئی اور ہو بھی کیسے سکتی ہے۔ گوری رنگت، سنہرے بال، خوبصورت بادامی آنکھیں، تراشیدہ لب، خوبصورت ناک، صراحی دار گردن اور کیا کہوں بس یہ سمجھ لو کہ حسن جاناں کی تعریف ممکن نہیں۔"

"کیا بک رہے ہو میں نے تم سے اس کی تعریف کرنے کو کہا بھی نہیں ہے اور آگے دیکھ کر چلاؤ، مرنا ہے کیا؟"

"ارے چھوڑو۔ مرے ہوئے کہاں مرتے ہیں۔" لہجہ کافی مخمور تھا وہ تو سلگ ہی اٹھی۔

"خوش فہمی میں مت رہو۔ میں اپنی فکر کر رہی تھی۔"

"کبھی یہ کام ہمیں بھی سونپ کر دیکھو، دیکھو کس انداز میں کرتے ہیں۔"

"تم جو کر رہے ہو نا پہلے وہی ٹھیک سے کر لو۔ میری فکر کرنے والے ابھی موجود ہیں۔"

"بال پیچھے کروانے۔ ہزار بار کہا ہے جب بائیک پر جانا ہو بال سمیٹ لیا کرو، مگر تمہارا تو فیشن ہی مکمل نہیں ہوتا۔" وہ اپنے چہرے سے اس کے بال ہٹاتے ہوئے غصے سے بولا۔

"زندگی تکمیل پا گئی، جو اس کے ساتھ چلنے والے کام مکمل ہو جائیں گے مگر تمہیں کچھ کہاں نظر آئے گا۔ نگاہوں میں تو وہ گوری چڑیل بسی ہوئی ہے اب تو میری ہر بات تمہیں بری لگے گی۔ مگر یاد رکھنا تم مجھ سے جان نہیں چھڑا سکو گے تم نے خود ہی مجھے دوست کہا ہے اور یہ رشتہ نہیں ٹوٹ سکتا۔ سن لیا تم نے۔" اس کا شانہ جھنجھوڑا تو وہ مرر میں اس کا سرخ چہرہ دیکھتے ہوئے سر ہلا گیا ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ دل چاہا پوچھے کہ کیوں اسے اتنا غصہ آرہا ہے کیوں وہ کسی تیسرے کو برداشت نہیں کر پا رہی، مگر چپ رہا۔ ابھی شاید مناسب وقت نہیں آیا تھا کہیں لاعلمی میں وہ انکار ہی نہ کردے۔

دل آرزوئے شوق کا اظہار نہ کر دے
ڈرتا ہے مگر یہ کہ وہ انکار نہ کر دے
آگاہ نہیں ہے جو ذوق ستم سے
بے تابی دل اس کو خبردار نہ کر دے

♥ ♡ ♡ ♥

"اماں کیا ہوا خیریت تو ہے کیا کہہ دیا پھپھو نے جو آپ اتنی چپ چپ سی ہیں؟" کھانا کھاتے ہوئے وہ اماں کو گم سم دیکھ کر بولی۔ جب سے اماں بڑی پھپھو کے گھر سے لوٹی تھیں یا تو بڑبڑانے لگتیں یا پھر مکمل چپ ہو جاتیں۔

"میں تو ساری عمر ہی چپ رہی ہوں۔ بولنا ہی نہیں آتا مجھے۔ آیا ہی نہیں۔ پہلے ماں باپ کی فرمانبرداری کی، پھر سسرال والوں کی جی حضوری کی اور اس کے بعد ہمیں خاموش دیکھ کر ہماری اولاد آگے بڑھ آئی حکم دینے کو۔ زندگی بس یونہی ختم ہوئی جا رہی ہے۔" اماں آزردگی سے بولیں۔

"تو پھر اب دکھ کس بات کا ہے یہ تو معمول ہو گیا۔" وہ تحمل سے بولی۔ روز روز کی فکروں نے اسے بھی پریشان کر دیا تھا۔ وہ بھی تھک گئی تھی۔

"اب افسوس ہو رہا ہے کہ زندگی میں بخشتا کیوں مجھے بھی تو بہت سی چیزوں کی ضرورت تھی وہ میں نے کیوں دان کر دیں کم از کم جس چیز پر میرا حق تھا اسے استعمال کرنے کا تو مجھے پورا اختیار تھا پھر کیوں کمزور رہی میں۔"

"چھوڑیں اماں۔ اب دکھ کس بات کا اور اب پچھتاوے سے حاصل بھی کیا انہیں حالات کو سدھارنے کی کوشش کریں۔ ویسے بھی اماں آپ نہیں جانتیں کیا کہ بخشنے والے ہاتھ پھیلے ہوئے ہاتھوں سے بہتر ہوتے ہیں بہت عظیم اور مالدار۔ انمول دولت سے پر، پھر کس بات کا دکھ ہے آپ کو، آپ نے جب جو کیا اچھا ہی کیا، آپ بندوں سے شکوہ کیوں کرتی ہیں خدا نے تو آپ کو کبھی مایوس نہیں کیا نا۔ آپ نے

ہمیشہ لوگوں کے ساتھ اچھا کیا اور خدا نے آپ کے ساتھ۔ آپ کا اچھا رویہ خود آپ کے لیے مشعل راہ ہے لوگ آپ کو چالاک سمجھتے ہیں خود کو تکلیف دیتے ہیں اور یہی آپ کی کامیابی ہے۔"

"ارے وہ تو مجھے کچھ سمجھتی ہی نہیں ہیں بس حکم کر دیتی ہیں اب جانتی ہو تمہاری بڑی پھپھو نے آج کیا حکم کیا ہے، کہنے لگیں کہ بھابھی آپ نے شادی پر کچھ نہ کچھ تو دینا ہی ہے ثمن کو سونے کا ایک سیٹ بہت پسند آیا۔ دلا تو میں بھی دوں مگر آپ کی طرف سے یادگار رہے گا وہ آپ دے دیجیے۔ ارے کوئی ان سے کہے میں کہاں سے دوں مگر کہے کیوں کیا خود نہیں جانتیں، سمجھتی ہیں تمہارے بابا بہت کچھ چھوڑ کر گئے ہیں جس پر میں ناگن بنی بیٹھی ہوں سو اس طرح وصول کرنا چاہتی ہیں۔"

"پھر آپ نے ان کو منع نہیں کر دیا۔ یہ نہیں کہا کہ کہاں سے لا کر دوں پوچھنا تو تھا ان سے کہ کب انہوں نے ہمارے چابیوں سے بھرے گچھے گزرتے دیکھ لیے آخر انہیں شک کیسے ہوا کہ ہمارے پاس قارون کا خزانہ ہے۔" حسب عادت وہ اماں کی بے بسی اور پھپھو کی چالاکی پر بھڑک اٹھی اور اماں کو ایک مضبوط سہارا مل گیا۔

"لیکن میں انکار بھی کیسے کرتی اور کرتی بھی تو کیا وہ مان جاتیں۔ یقین کر لیتیں میری بات کا آخر ان کی بھی اولاد کا معاملہ ہے۔"

"ان کی اولاد کا معاملہ ہے تو آپ کی اولاد کا معاملہ ہے اماں۔ آپ بھی انہیں صاف انکار کر دیں۔ ہم تو ان کے لیے سدا سے ہی برے ہیں اچھا کر کے اچھے نہیں ہو جائیں گے اور یاد رکھیں اماں کبھی جو اگر مشکل پڑی بھی نا تو اپنے لیے تو یہ لوگ مل جل کر راہیں نکال لیں گے مگر ہمیں تنہا چھوڑ دیں گے یہ کہہ کر کہ ان کا رشتہ تو ابا سے تھا اب ابا نہیں رہے تو ہم سے کیا تعلق پھر ہم کیا کہہ پائیں گے۔ جب آج کچھ نہیں کہہ سکتے تو ایسا دوست تو دشمن سے بھی زیادہ خطرناک ہوتا ہے اماں کہ جسے ہم سے سچی محبت بھی نہ ہو اور ہم اسے اپنا سمجھ رہے ہوں۔ آپ بس انکار کر دیں اماں۔" ہمیشہ کی طرح اماں کو کمزور دیکھ کر وہ طیش میں آگئی تھی اور اماں فرط مسرت سے آنکھیں پھاڑے بس اسے دیکھتی رہ گئیں۔ ان کے جلائے ہوئے شعلے نے بڑی تیزی سے آگ پکڑی تھی دل میں سکون اتر گیا تھا۔ برسوں بعد کوئی ایسا سہارا ملا تھا کہ روح میں چین اتر گیا تھا۔

"ارے چھوڑو اب انکار سے بھی کیا حاصل، جتنا ہو پائے گا دے دیں گے ویسے بھی بہن بیٹیوں کو دینے سے باپ بھائیوں کے خزانے میں کمی تھوڑی آتی ہے ہم بھی دے دیں گے پھر یہ وقت تو گزر جائے گا بات رہ جائے گی ہمیشہ کے لیے، ہم جو پہلے ہی برے ہیں اور برے ہو جائیں گے۔ ویسے بھی تمہارے ابا ہوتے تو انکار نہ کرتے۔ سمجھ لو ہم ان کی فرمانبرداری کر رہے ہیں اس طرح۔"

"ابا ہوتے تو حالات یہ نہ ہوتے اماں۔ ایک مقام ہوتا آپ کا ہمارا۔ عزت کے ساتھ بلائے جاتے ہم۔ جبکہ آپ کی خاموشی پر تو انہوں نے آپ کو اپنا غلام ہی بنا لیا ہے۔ خیر جیسی آپ کی مرضی۔" بے دلی سے کہتی ہوئی وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی اماں کی یہ بات اسے بالکل اچھی نہیں لگتی تھی پہلے تو زور و شور سے اپنے خیالات کی آکسیجن فراہم کر کے اس کے اندر جلتے نفرت کے خوابیدہ شعلے کو بھڑکاتیں اور جب بہت کچھ یاد کر کے یہ شعلہ عروج پر پہنچتا۔ اماں دھیمے اور درگزر کرنے والے نرم جملے کاربن ڈائی آکسائیڈ کی صورت میں نچھاور کر دیتیں اور عین عالم شباب پر آ کر اپنا عندیہ بدل لینا اس کے لیے بہت مشکل تھا وہ خود اپنے آپ میں الجھ جاتی تھی۔ مگر اماں سدا لاعلم ہی رہیں اسی خوشی میں مسرور کہ کم از کم ایک اولاد تو ان کا ساتھ دے رہی ہے۔ ان کے درد کو سمجھتی ہے وہ درد جو شاید درد تھا بھی نہیں۔

♥ ♡ ♡ ♥
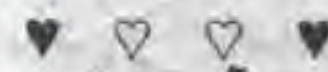
آج پھر آپا موجود تھیں اپنی کہانیوں سمیت۔ وہ انہیں اور اماں کو مکمل آزادی دے کر منظر سے غائب ہو گئی تاکہ ان کی گفتگو میں مخل نہ ہو اور پھر کافی دیر بعد جب یقین ہو چلا کہ وہ اپنا اپنا درد بیان کر چکی ہوں گی وہ چائے سمیت اماں کے کمرے میں پہنچی تو یہ کیا ابھی تک آپا اماں سے باتوں میں مصروف تھیں اور خلاف توقع اماں کچھ لاتعلق سی نظر آ رہی تھیں اور یہ لاتعلقی ہی درحقیقت اماں کی ناراضی کا اظہار تھی جب وہ کچھ نہ کہہ سکتی تھیں تو ان سنی کر کے رخ موڑ جایا کرتی تھیں۔ پھر مقابل خواہ کچھ بھی کرتا رہے انہیں جیسے غرض ہی نہیں ہوتی۔

"کیا ہوا خیریت تو ہے آپا کہیں پھپھو اور ایاز بھائی آپ سے ڈر تو نہیں گئے جو میرے آتے ہی کہانی ختم ہو گئی۔" اسے دیکھتے ہی آپا جس طرح چپ ہوئی تھیں وہ نظر انداز نہ کر پائی۔

"زوئی اپنا کام کرو جا کر فضول باتیں مت کیا کرو۔" آپا نے بیزاری سے رخ موڑ لیا۔

"لیجیے یہ اگر فضول باتیں ہیں تو آپ کیوں روز کرنے آ جاتی ہیں۔ کبھی کبھی تو آپ کی باتیں سن کر مجھے واقعی بڑی خوشی ہوتی ہے اور شکر کرتی ہوں کہ آپ کی شادی خاندان میں ہی ہوئی۔" (اماں نے چونک کر گھورتی نگاہوں سے اسے دیکھا مگر وہ کہہ رہی تھی) "ورنہ تو آپ کے منہ سے کسی دوسرے خاندان کی برائیاں سن سن کر میرا تو دماغ آؤٹ آف آرڈر ہو جاتا۔ ایک خاندان میں شادی کی وجہ سے آپ کی اور اماں کی باتیں ایک جیسی ہوتی ہیں تو کم از کم دماغ میں جگہ تو کم گھیرتی ہیں۔" وہ بڑی پریشانی سے کہتی ہوئی ان کے مقابل بیٹھ گئی۔

"ارے نصیب تو میرے ہی خراب ہیں۔ جو ماں اپنی اولاد کو مٹھی میں نہ کر پائی۔ اسے زمانے کی طلب بھی نہیں کرنی چاہیے۔ اپنی منوانے کا فن تو ہمیں کبھی آیا ہی نہیں سو اب چاہا کہ چپ رہ کر ہی آخری وقت میں اپنی من مانی کرتے چلیں بتا دیں زمانے کو کہ ہم بھی کچھ کم نہیں ہیں سب کی طرح ہی ہیں بس ہمیں بھی موقع ملنا چاہیے۔ تو دیکھا کہ پہلا پتھر تو ہماری اولاد ہی کے ہاتھ میں ہے وہ بھی اپنی ماں کے خلاف اور پھپھو کے حق میں فیصلہ چاہتی ہے۔ مگر میں نے بھی اب کے ضد پکڑ لی ہے میں جب تک سر جھکائے بیٹھی ہوں ٹھیک سر جھکائے رہوں گی۔ یہی چاہتی تھیں نا وہ مگر اب چاہے وہ خود میرے آگے سر جھکا دیں مگر اب میں اپنی بیٹی اس خاندان میں نہیں دینے کی۔"

"مگر اماں، اشہد میں برائی کیا ہے وہ تو خود آپ کو بہت اچھا لگتا ہے اور ہے بھی اچھا۔" آپا نرمی سے بولیں۔ اب افسوس ہو رہا تھا گھر کی ہر چھوٹی بڑی بات آ کر یونہی اماں کے گوش گزار کر دیتیں۔ خبر کیا تھی کہ اماں کے دل میں یوں محاذ بن جائے گا۔

"ارے اچھا تو ایاز بھی تھا پھر اس میں ایسی برائیاں کہاں سے آ گئیں۔"

"اماں ایاز اب بھی اچھے ہی ہیں اور تھوڑی بہت غلط فہمی ہو ہی جاتی ہے۔ اب اس ایک بات کو بنیاد بنا کر اشہد کے لیے انکار تو غلط ہے نا اماں۔"

"غلط ہو یا صحیح یہ میں نہیں جانتی اور اشہد برا ہے یہ بھی میں نے کب کہا۔ وہ بہت اچھا ہے مگر اصل مسئلہ اشہد کے اچھا یا برا ہونے کا نہیں ہے جنگ تو میری اور تمہاری پھپھو کی ہے اب اس میں نقصان تو بے گناہوں کا بھی ہو گا ہی۔"

"مگر اماں یہ بھی آپ کی غلط فہمی ہے چھوٹی پھپھو بڑی پھپھو کی طرح بالکل نہیں ہیں۔ پھر وہ خود زوئی کو اپنی بہو بنانا چاہتی ہیں جبکہ میرا معاملہ اس کے بالکل برعکس تھا۔ پھپھو ایاز اور ثمن کے کہنے پر مجبور ہو گئی تھیں لیکن بری وہ بھی نہیں ہیں بس کبھی کبھی مزاج بگڑ جاتا ہے اور صبر کی تو مجھ میں بھی کمی ہے تو حالات سنور نہیں پاتے۔ مگر گزرتے وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو ہی جائے گا۔ آپ اسے بنیاد مت بنائیں۔ ایک بار ارادہ کر کے ہاں کریں یقین کریں زوئی واقعی بہت خوش رہے گی اشہد کی تو یہ خواہش ہو گی ہی جبکہ پھپھو خود بھی یہی چاہتی ہیں، یہ بات کم ہے کیا اور پھپھو کی اچھائی کا ثبوت یہ کم ہے کیا اماں کہ وہ اتنے عرصے سے آپ سے اصرار کر رہی ہیں مگر اب تک انہوں نے اشہد کو نہ تو اپنے عمل کی ہوا لگنے دی ہے نہ ہی وہ آپ کے مسلسل انکار سے باخبر ہے۔ ورنہ وہ چاہتیں تو اشہد

کے خواہش کرنے پر یا زوئی سے قریب ہونے پر کبھی بھی ٹوک سکتی تھیں آپ کے انکار سمیت مگر اب تک انہوں نے کچھ نہیں بتایا اور اشہد مسلسل ہم سب کے ساتھ اچھا ہی ہے۔"

"تم کچھ بھی کہو بی بی مگر میں اب کسی کی باتوں میں نہیں آنے کی پہلے ہی ایک ایک نے مجھے زخم دیئے ہیں اور جس میں تمہارا نام بھی سر فہرست ہے اتنا وقت ہمیں یونہی اپنی آگ میں جلاتی رہیں۔ پریشان کرتی رہیں ارے جب سب اتنے ہی اچھے تھے اور وقت کے سنورنے کی تمہیں امید بھی تھی تو کہا ہی کیوں کچھ ہم سے' کیوں کیا ہمارا دماغ خراب اپنی باتوں سے مگر اب تم کچھ بھی کہتی رہو۔ میرا فیصلہ تو بدلنے کا نہیں۔ ایک بیٹی دے دی تمہارے بابا کا فیصلہ تھا۔ اب ایک کے لیے میں فیصلہ کروں گی اور اس سے مجھے کوئی نہیں روک سکتا۔"

♥ ♡ ♡ ♥

حسن' جاناں کی تعریف ممکن نہیں
آفریں آفریں آفریں آفریں

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو اشہد آئینے کے سامنے کھڑا بال سیٹ کرتا ہوا گنگنا رہا تھا یا شاید اسے دیکھ کر شروع ہوا تھا۔ اس کی ساری خوشی کافور ہو گئی اس نے خاموشی سے حلوے کی پلیٹ سائیڈ ٹیبل پر رکھ دی۔

"ارے ہنی۔ تم کب آئیں اور کہاں سے' دروازہ تو شاید بند تھا۔"

"بند ہوتا تو کیا غم تھا ویسے بھی تم اپنی یہ خرافات دروازہ بند کرکے تو کرتے نہیں ہو۔" وہ ناراضی سے کہتی ہوئی اس کے بیڈ پر ٹک گئی۔

"کون سی خرافات۔" وہ بھی بیڈ پر اس کے مقابل آبیٹھا۔ اس کی ناراضی کو پرشوق نگاہوں سے دیکھتے ہوئے۔

"اب میں گا کر تاؤں۔" جلنے کے بعد جیسے وہ خاک ہو کر رہ گئی۔

"وہ تو تم حسن جاناں کی تعریف پر اتنی بلیک بلیک ہو رہی ہو۔ آئی سی۔ آئی سی۔" وہ پرسوچ لہجے میں بولا تو وہ اپنی گندمی رنگت کے بلیک بلیک کہے جانے پر ہی سلگ اٹھی۔

"اچھا تو اب میں بلیک ہو گئی اور وہ تمہاری نیلما محسن۔ وہ بڑی ماہ لقا' ماہ پارہ' ماہ نور' ماہ رو' ماہ بانو' ماہ وش' ماہ جبین' ماہ پیکر' ماہ رخ' ماہ ناز ہے۔"

"آہ۔ اور کوئی ماہ رہ گیا ہو وہ بھی بول دو۔" گہری سانس خارج کرتے ہوئے وہ بیڈ کی پشت سے ٹیک لگا گیا۔ "ویسے نور جہاں کو بھول گئیں تم۔ وہ نور جہاں بھی ہے سارے جہان کا نور۔ اس کے بغیر زندگی میں روشنی نہیں۔" وہ خیالوں میں کھوتے ہوئے بولا وہ بس اسے گھور کر رہ گئی۔

"تمہیں برا لگا ہے تو تمہیں خوش کرنے کے لیے ایک شعر یاد آرہا ہے مجھے' سناؤں۔"

"سچ' جلدی سناؤ۔" وہ فوراً" آمادہ ہو گئی۔

"ہاں سنو۔"

لپٹا ہوا کہر میں جیسے خزاں کا چاند
میلے لباس میں بھی وہ پیارا بہت لگا

"کیا۔" شعر سن کر وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کھڑی ہوئی دکھ تو اس بات کا تھا کہ اس کے لباس کو نشانہ بنایا تھا تعریف نہیں کر سکتا تھا تو تیر چلانے کی کیا ضرورت تھی اور اسی غم نے کچھ سمجھنے کا موقع نہ دیا یہ بھی نہ دیکھا کہ اس کی آنکھیں کیا کہہ رہی ہیں یا اس کی ناراضی پر ہونٹ کس طرح مسکرائے ہیں۔

"ارے سنو تو جا کہاں رہی ہو۔ اچھا نہیں لگا کیا شعر؟" وہ فوراً" اٹھ کھڑا ہوا۔

"نہیں اچھا ہے۔ بہت اچھا ہے میرے لائق۔ میں اسی قابل ہوں' میلا لباس ہونہہ' نشاندہی ہی کرنی تھی تو کہہ دیتا تھا شعر کا لالچ دینے کی کیا ضرورت تھی چاند اور میں ہونہہ۔"

"اچھا تمہیں اچھا نہیں لگا تو سوری یار چلو دوسرا شعر سنا دیتا ہوں یہ واقعی بہت اچھا ہے۔"

"نہیں خبردار۔ خبردار جو اب تم نے کسی شعر کا نام لیا تو سمجھے ورنہ میں۔۔۔"

"لگتا ہے تمہیں حسن جاناں کی تعریف اچھی نہیں لگی ہے ورنہ شعر تو اچھا خاصا تھا مگر تم ہی بتاؤ ہنی' میں اس کی تعریف کس سے کروں۔ اس کے حسن کے قصیدے کسے سناؤں۔ ایک تم کو اپنا دوست سمجھا تھا تو بول دیا مگر تم بھی رقیب نکلیں اور یہ تو مجھے یقین ہے کہ میری فیلنگز کا تمہیں کبھی احساس نہیں رہا۔ ہونٹوں سے تو دوست کہتی ہو مگر بوقت ضرورت دامن بچا جاتی ہو یہ میں نے محسوس کر لیا ہے۔"

"اشہد!" وہ آنکھیں پھاڑے بس اسے دیکھنے لگی۔

"چلو چھوڑو۔ میں تو تمہارا دوست ہوں نا۔ کم از کم مجھے ہی تمہارا خیال رکھنا چاہیے۔ اب میں تمہارے سامنے اس کا ذکر نہیں کروں گا۔ مگر تم مجھ سے مت روٹھنا اور سارے رشتوں پر جانے مجھے یقین ہے کہ نہیں مگر تمہارے اور اپنے رشتے پر بہت اعتماد ہے بڑا یقین ہے کہ کم از کم یہ زمانے کے ساتھ نہیں بدلے گا۔ زمانہ اس پر اثر انداز نہیں ہو گا۔ کیونکہ یہ جتنا کچا اور کمزور نظر آتا ہے در حقیقت اتنا ہی مستحکم اور طاقتور ہے دل کی گہرائیوں میں پیوستہ ہے نا۔"

"ہوں۔" وہ بس سر ہلا کر آگے بڑھ گئی اور یہ لہجہ کیا اشہد نے محسوس نہیں کیا تھا جانے وہ کیوں اقرار نہیں کرتی تھی۔

"ہاں ٹھیک ہے' یہ دیکھو میں تمہارے لیے کیا لائی ہوں۔" اس نے فوراً" حلوے کی پلیٹ آگے کر کے موضوع بدل دیا۔

"کیا ہے۔"

"حلوہ ہے اخروٹ کا۔ تمہارے لیے بنایا ہے۔"

"رئیلی میرے لیے۔"

"ظاہر ہے دنیا میں کچھ ہی لوگ تو مجھے عزیز ہیں اگر ان کی پسند کا بھی خیال نہیں رکھوں گی تو زندگی کا خاتمہ۔"

"اوہ تھینک یو ہنی۔ تمہارے منہ سے یہ اظہار سن کر مجھے اتنی خوشی ہوئی ہے کہ میں پھولا نہیں سما رہا۔" اس نے حلوے کی پلیٹ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔

"اچھا تو پھر رہنے ہی دو۔ جب تم ابھی ہی پھولے نہیں سما رہے تو حلوہ کھانے کے بعد تو شاید تم کمرے میں فٹ ہی ہو جاؤ۔ اس لیے اس کو چھوڑو۔"

"اور اگر نہ چھوڑوں تو۔"

"تو مجھے آئسکریم کھلا لاؤ۔" جھٹ فرمائشی پروگرام شروع ہو گیا۔

"کیا مطلب ہے میں نے کیا آئسکریم کی دکان کھول لی ہے جو شروع ہو گئیں ویسے بھی ایک بار تمہیں آئسکریم کھلائی تھی پچھتا رہا ہوں اگلی بار کے لیے ورلڈ بینک سے قرضہ لینا پڑے گا۔"

"گول مول باتیں کر کے انکار کر رہے ہو مجھے۔"

"آں نہیں میری کیا مجال۔ لیکن ابھی نہیں کچھ دن انتظار کر لو۔ مجھے جاب مل جائے پھر چلیں گے۔"

"کیا جاب کھو گئی ہے کہیں جو مل جائے گی تو چلو گے اور ہاں یاد آیا اماں کہہ رہی تھیں تم نے کہیں باہر بھی اپلائی کیا ہے کیا یہ سچ ہے۔"

"ہاں۔ جدہ کی ایک فرم ہے۔ وہاں جاب کرنے والے کے تو عیش ہوں گے۔ اسی لیے اپلائی کر دیا کہ اس طرح بھی اپنی قسمت آزما لیں۔ لیکن تم بے فکر رہو۔ مجھے یہاں جاب ملنے والی نہیں۔ اپنی قسمت سے میں خوب آشنا ہوں۔ جس چیز کی طلب کرتا ہوں وہ مجھ سے دور ہونے لگتی ہے۔"

"اچھا جیسی تمہاری مرضی۔ میں منتظر ہوں۔ اب یاد رکھنا تمہارا کام ہے۔" بے تاثر چہرے سمیت کہتے ہوئے وہ باہر نکل گئی۔

"ہاں۔ بس زندگی میں ایک یہی تو "کام" ہے۔" سوچتے ہوئے وہ بھی اس کے پیچھے باہر نکل گیا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"اماں کہیں جا رہی ہیں۔" ناشتے کے بعد ہی اماں کو جانے کے لیے مستعد دیکھ کر وہ کچن سے باہر آگئی۔

"ہاں تمہاری پھپھو نے کہا تھا آنے کو۔ انہیں شاید کسی ضروری کام سے جانا ہے۔ اب شادی والا گھر تنہا تو چھوڑ نہیں سکتیں سو مجھے بلا لیا۔" وہ چائے کا کپ درمیانی میز پر رکھتے ہوئے بعجلت بولیں۔

"تو آپ جائیں گی۔ انکار نہیں کیا آپ نے۔"
"ارے، جانا تو پڑے گا۔ اپنوں کو انکار تو نہیں کیا جاسکتا نا۔ رشتے انسان بناتا کس لیے ہے ایسے وقتوں کے لیے ہی تو۔" اماں کی صفائی پر اسے اندازہ ہو گیا کہ پھپھو نے کچھ زیادہ ہی میٹھی گفتگو کی ہے جو اماں سب کچھ بھول گئی ہیں۔
اماں گئیں تو وہ خود بھی کچھ ڈل ہو گئی اور کاموں پر اس کی گرفت بھی ڈھیلی پڑ گئی۔ سست روی سے کام نبٹانے کے بعد فارغ ہوئی تو نیند کی دیوی نے بڑی نرمی سے اپنی آغوش میں سمیٹ لیا۔ اچانک دستک کی آواز پر دل بڑی تیزی سے دھڑکا۔ گھر میں محصور تنہا آدمی کے لیے فون کی بیل یا ڈور بیل سائرن ہوتے ہیں تبدیلی کے کہ اب وہ تنہا نہیں رہے گا۔ سوچوں میں کسی اور کا دخل ہونے والا ہے۔
"جی فرمائیے۔" آنکھیں مسلتے ہوئے دروازہ کھولا مگر مقابل ایک اجنبی کو دیکھ کر ساری نیند بھک سے اڑ گئی۔
"عائشہ آپا کا گھر یہی ہے۔"
"جی ہاں آپ کون" اس نے اوپر سے نیچے تک جائزہ لیا۔
"جی میرا نام اظہر وحید ہے اور میں۔۔۔"
"اب یہ نہیں کہیے گا کہ آپ میرے چچا، خالہ، ماموں یا پھوپھی زاد ہیں۔۔۔"
"آپ نوید کو بلا دیں وہ مجھے جانتا ہے۔"
"کون نوید۔" وہ سوچتے ہوئے بولی اچانک یاد آیا کہ ایک اور عائشہ آپا بھی تو اسی محلے میں بستی ہیں نوید کی امی۔
"نوید یہاں نہیں رہتا وہ سامنے والا گھر ہے۔" بے زاری اور الجھن اس کے چہرے کا حصہ بنی ہوئی تھی اس کے جاتے ہی اس نے دروازہ بند کیا۔ تھوڑی ہی دیر بعد دوبارہ دستک ہوئی۔ اس نے جھنجلا کر دروازہ کھولا۔ دروازے پر فریحہ کھڑی تھی جس کی پریشانی کا اس نے کوئی نوٹس نہیں لیا۔ اماں کا خیال آچکا تھا کہ فریحہ کی آمد بے وقت ہوئی تھی۔ خدا خیر کرے۔

"کیا ہوا خیریت۔ اماں تو ٹھیک ہیں۔"
"ہاں بابا۔ اب انہیں کیوں کچھ کروا رہی ہو، وہ خیریت سے ہیں، مجھے تو تمہاری پھپھیوں نے بھیجا ہے کہ آکر ان کے ساتھ کھانا کھالو تمہارے بغیر ان کے حلق سے نوالہ نہیں اتر رہا۔"
"کیا کھانے کے لیے، مگر میں نے تو کھانا بنا لیا ہے۔"
"یہ تمہارا مسئلہ ہے میں نے تمہیں بڑوں کا پیغام دے دیا ہے۔ ویسے اگر تم دماغ استعمال کرتیں اور ہمیں اپنا سمجھتیں تو ہمارے بلائے بغیر حق جتاتی ہوئی آجاتیں اب دو دن تو رہ گئے ہیں آپی کی مایوں کو۔ مگر جانے کیوں تم ہم کو اپنا سمجھتی ہی نہیں ہو۔ بہر حال میری بات اگر تمہاری سمجھ میں آگئی ہو تو چلو۔ ویسے بھی چلانی تو تمہیں اپنی ہی ہے۔" فریحہ ہمیشہ کی طرح سارے فاصلے مٹاتی ہوئی بولی۔
"جب میری عادت سے واقف ہو تو بلا وجہ اتنا کچھ کہنے کی وجہ۔ خیر یہ بتاؤ اماں نے کیا کہا ہے کہیں تم صرف پھپھو کے کہنے پر تو نہیں آگئیں جانے اماں کیا چاہتی ہوں۔"
"ان کی چاہت کبھی امی یا خالہ کی چاہت سے الگ ہوئی ہے بھلا جواب وہ کچھ کہیں گی۔" فریحہ کی بات پر وہ چلنے پر آمادہ ہو گئی۔
"کبھی اپنے دل کی بھی سن لیا کرو۔ جانے وہ کیا چاہتا ہو۔ صرف یہی جاننے میں مت لگی رہا کرو کہ اماں کیا چاہتی ہیں۔ کبھی یہ بھی سوچو کہ تم کیا چاہتی ہو، میرا نہیں خیال کہ ممانی کبھی تمہاری بات ٹالیں گی۔" ساتھ چلتے ہوئے فریحہ بولی۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی تو خالہ ممانی سے اشہد کا ذکر کر رہی تھیں۔
"کیا بکواس کر رہی ہو۔ کیا آج سوئی نہیں ہو جو اتنی الٹی سیدھی ہانک رہی ہو۔" اس کے ساتھ چلتے ہوئے وہ بولی تو فریحہ اسے دیکھ کر رہ گئی جانے وہ اتنی ہی انجان تھی یا کچھ زیادہ ہی سمجھدار۔۔۔
پھپھو کے گھر میں آج سے ہی کافی رش تھا وہ تو حیران ہی ہو گئی۔ ہر شخص اپنی اپنی خوشیوں میں مگن

تھا۔ سی ڈی پلیئر کی تیز آواز خود اپنے ہی لفظوں کو سماعت سے محروم کر رہی تھی اس نے پھپھو پر نظر ڈالی جو خواتین سے ہنستے ہوئے محو کلام تھیں آج ان کے سر میں بالکل درد نہیں ہو رہا تھا ورنہ جب آپا کی بری دینے آئی تھیں معمولی ٹیپ ریکارڈر کی محدود آواز بھی ان سے برداشت نہیں ہوتی تھی۔

کہکشاں چھین کے اوروں کے مقدر کی
اپنی راہوں میں ستارہ نہ سجاؤ لوگوں

بے ساختہ ہی زہریلے موسم میں شعر یاد آیا تو ہونٹوں پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔
"کیا ہوا کزن خیریت۔ یہ اماوس کی رات میں اتنی روشنی کہاں۔" علی ڈھلی پلیٹیں اس کے سامنے دسترخوان پر رکھتے ہوئے بولا۔ فریحہ اسے یہاں بٹھا کر جانے کہاں چلی گئی تھی۔ "کہیں اشہد بھائی کا خیال تو نہیں آگیا۔" شرارتاً دیکھا۔
"کیا بکواس کر رہے ہو۔" اس نے علی سے زیادہ دل کو ڈانٹا جانے کیوں یہ اس بات پر ناراض نہیں ہوا تھا۔ "جب دیکھو فضول ہانکنے بیٹھ جاتے ہو عادت ہو گئی ہے تمہیں بکواس کرنے کی۔ جو دماغ میں آیا بس بول دیا سوچا نہ سمجھا۔ آگے پیچھے دیکھے بغیر شروع ہو گئے۔"
"سنو سنو کزن میں جو چونکہ آپ ہی کے خاندان سے تعلق رکھتا ہوں اس لیے جواب تو دوں گا ہی کہ آپ جو اتنا مجھے ڈانٹ رہی ہیں بنا دیکھے تو اس سے مجھے کچھ تبدیلی کی بو آرہی ہے ایک ہی بات کے پیچھے پڑ جانا اور وضاحت کرنا۔ یہ آپ کا خاصہ نہیں ہے کمزور لوگوں کا کام ہے کہیں آپ بھی تو کمزور نہیں ہو گئیں محبتوں کے ہاتھوں۔" اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے وہ شرارت سے بولا۔
"علی تم بک۔۔۔"
"ہاں ہاں۔ جانتا ہوں جانتا ہوں کہ بکواس کر رہا ہوں مگر کیا کروں کہ آپ کے سامنے آکر میرے سارے الفاظ بکواس بن جاتے ہیں اچھا چلیں ڈونٹ مائنڈ۔ کھانا اسٹارٹ کریں۔" کہتے ہوئے اس نے خود ہی چاول اس کی پلیٹ میں ڈال دیے اور خاموش بیٹھ گیا جبکہ اس کی چھیڑی ہوئی بات اس کے خالی دماغ نے فوراً" کیچ کی تھی۔ "اشہد اور میں۔ کیا فضولیات ہے دنیا کے پاس اور کوئی کام نہیں ہے کیا اور اب ہم اتنی ہی اہم ہستیاں ہیں کہ ہمارے بارے میں کوئی سوچے اور اشہد تو پہلے ہی نیلما محسن میں انٹرسٹڈ ہے یہ لوگ نہیں جانتے شاید۔ خیر مجھے اس طرح نہیں سوچنا چاہیے میں اور اشہد صرف دوست ہیں۔ جسٹ فرینڈز اور کاش کہ ایک یہ رشتہ ہی قائم رہے۔"

♥ ♡ ♡ ♥
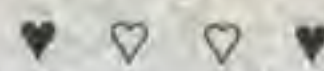
پھر ثمن آپا کی مایوں کا دن بھی آگیا اس نے آپا کا میک اپ اچھا کیا تھا وہ نکھری نکھری لگ رہی تھیں اور بس پھر کئی لوگوں نے ہمیشہ سے جدا اس کی طرف رخ کیا اور وہ بھی سخاوت کے پرانے ریکارڈ توڑتی ہوئی کسی کامیاب مشاطہ کی طرح ان کے چہرے سجاتی رہی۔
اشہد آپا کو بلانے آیا تھا جب وہ عظمی کے چہرے پر رنگ بکھیر رہی تھی۔ پیلے اور سبز کرتا پاجامے میں ہمیشہ کی طرح اپنے بکھرے بالوں سمیت۔ میک اپ میں محض لپ اسٹک اور آئی لائنر لگائے اپنے وجود سے بے نیاز سی اس کی نگاہوں کی تپش محسوس کر کے بے اختیار اسے دیکھا اور پھر عظمی کو ابھی ٹھہرو کہتی ہوئی اس کی طرف بڑھ گئی۔ عظمی ہونٹ کاٹ کر رہ گئی۔
"زمانے کو قدموں میں رکھنے والوں کو خود زمانہ بھی کچھ نہیں کہہ سکتا اتنے مضبوط جو نظر آتے ہیں یہ لوگ۔ بظاہر پورے زمانے سے ٹکرا جانے والے لیکن تنہائی میں بہت کمزور ہوتے ہیں۔ بہت اکیلے، کھوکھلے اور بکھرے ہوئے سے۔" اسے اشہد کی طرف بڑھتے دیکھ کر فریحہ سوچ کر رہ گئی۔
"کیا ہوا، آگئی نیلما محسن۔" اس نے بت بنے اشہد سے پوچھا تب اس کا سکتہ ٹوٹا اور اس بے وقت کے سوال پر دل چاہا کہ سر پیٹ لے۔ یہ ذکر تو کباب میں ہڈی کی طرح تھا۔

"اگر آبھی گئی ہو تو تم‘ اس حلیے میں ملو گی اس سے۔"

"کیوں کیا برائی ہے اس میں۔ اچھی نہیں لگ رہی کیا۔" وہ دوپٹہ پھیلا کر ٹھیک سے کھڑی ہو گئی۔

"میرا جواب تو ہمیشہ سے ایک ہی ہے اور ایک ہی رہے گا مگر کیا کیا جائے کہ حسن جاناں کی تعریف ممکن نہیں۔"

"بس کرو۔ موقع محل کا بھی لحاظ کیا کرو۔ ہر وقت اس کی تعریف میں ہی لگے رہتے ہو۔ جمعہ جمعہ آٹھ دن گزرے نہیں اس کی محبت میں اور موصوف شاعری کرنے لگے۔ آخر کو میں بھی تمہاری دوست ہوں اور دوستی محبت سے آگے کی چیز ہوتی ہے۔ اس لحاظ سے کچھ میرا بھی حق بنتا ہے۔ کبھی جھوٹے منہ مجھے بھی کوئی شعر سنا دیا کرو۔" وہ روانی میں بولی جبکہ "جھوٹے منہ" کہنے پر اشہد کا دل خوش ہو گیا وہ جو کبھی سچ کے علاوہ کسی طرف دیکھتی ہی نہیں تھی آج جھوٹ پر ہی اکتفا کر رہی تھی۔

ریشم پہن کے بھی میری قیمت نہ بڑھ سکی
کھدر بھی اس کے جسم پہ مہنگا بہت لگا

وہ بے ساختہ بولا۔ زونیر کچھ بدمزا سی ہو گئی
"لو۔ پھر وہی لباس کا ذکر اور میرے لیے تمہارے پاس یہ کھدر والے اشعار ہی بچے ہیں اور جب ریشم پہننا تھا تو مجھے بتا دینا تھا۔ ہوں آج تو دولہا بنے پھر رہے ہو۔" وہ مسکراتی نگاہوں سے اس کا مکمل جائزہ لیتی ہوئی بولی۔

"کس کا۔" بے ساختہ سوال ہوا۔

"زوئی۔" عظمی کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو گیا۔ زونیرہ نے سر ہلایا اور اشہد کی طرف متوجہ ہوئی۔

"سنو۔ نیلما محسن آجائے تو اسے مجھ سے ملانا ضرور۔" حکمیہ انداز میں کہتے ہوئے وہ اندر بڑھ گئی جبکہ وہ سوچ کر رہ گیا کہ اب تو نیلما محسن سے ملا ہی دینا چاہیے۔ ورنہ ممکن ہے یہ آنکھ مچولی زندگی کی ساری روشنی ہی چھین لے جائے۔

ثمن آپا کو مایوں بٹھانے کی رسم تقریباً" اختتام کی طرف تھی۔ دوسری طرف مہمانوں میں کھانا شروع کر دیا گیا تھا۔ نوجوان ایک دوسرے کے چہرے پر ابٹن ملنے کے لیے ــــ تاک میں تھے۔ وہ کسی سے اتنی کلوز نہیں تھی کہ کوئی اس کے ساتھ شرارت کی غلطی کرتا سو محفوظ تھی مگر یہ کیا۔

وہ فریحہ کو علی پر اسی ابٹن کی وجہ سے چلاتے دیکھ رہی تھی جب اسے اپنے رخسار پر کسی کا ہاتھ محسوس ہوا۔

یہ اشہد تھا۔ مسکراتا ہوا۔ جس نے اس کے چہرے پر ابٹن مل دیا تھا۔ وہ خوش تھا کہ جواباً" اس نے صرف "ارے" کہنے پر اکتفا کیا تھا ہمیشہ کی طرح ہنگامہ نہیں کیا تھا۔ "تھینک یو نیلما محسن‘ تمہارے ذکر سے کچھ تو فائدہ ہوا۔"

"اف خدایا۔" وہ روہانسی شکل لیے اندر کی طرف بڑھ گئی جبکہ اشہد کا قہقہہ اس کے پیچھے تھا۔

پھر واپس آکر اس نے خوب ہی خبر لی اشہد کی۔

"پتا ہے ہنی۔ مجھے بہت اچھا لگتا ہے جب تم لڑ جھگڑ کر دل کا غبار نکال لیتی ہو۔ کسی کے لیے دل میں برائی نہیں رکھتیں۔ لیکن ہنی تمہارا طریقہ کار ٹھیک نہیں ہے یوں تو تمہارا مقام گر رہا ہے اور میں تمہیں بہت اچھا بہت بلند دیکھنا چاہتا ہوں۔ میں نہیں چاہتا کہ اس طرح کوئی زخم تمہارے دل کو چھوئے۔ مگر اس کے باوجود بھی اگر کبھی تم سب سے لڑ کر تھک جاؤ۔ تنہا محسوس کرو خود کو‘ تب اس وقت میرا شانہ موجود ہو گا تمہارے لیے‘ مجھے خوشی ہو گی اگر جو میں کبھی تمہارے کام آؤں۔ میرے ہونے کا مقصد پورا ہو۔" واپسی پر وہ اسے چھوڑنے کے لیے جاتے ہوئے بولا۔

"اور اگر اسی دن تم مجھے میسر نہ آئے تو۔ اس دن جب میں تمہارے سہارے کی آس میں کمزور پڑ جاؤں گی۔ اس دن اگر تم نہ ملے تو کیا ہو گا میں تو ٹوٹنے کے بعد اور بکھر جاؤں گی اور ٹوٹی چیزوں کو جوڑنا اتنا مشکل نہیں ہوتا جتنا بکھری چیزوں کو سمیٹ کر جوڑنا۔

چھوڑو یہ ٹاپک۔ یہ بتاؤ۔ نیلما محسن کے نہ آنے کی وجہ۔ مجھے کب ملاؤ گے اس سے۔"

"ابھی نہیں کسی خاص موقع پر۔"

"خاص موقع اور کیا ہو گا ثمن آپی کی شادی سے بڑھ کر آخر وہ تمہیں اپنا بھائی کہتی ہیں۔"

"وہ کہتی ہیں نا میں نے تو نہیں کہا۔"

"ہمم۔ کیا مطلب کیا ہے تمہارا۔ ایک کافی نہیں ہے کیا۔" اس نے قدم روک کر شاکی نگاہوں سے دیکھا۔

"مطلب یہ کہ میرے دل نے کبھی یہ نہیں کہا کہ وہ میری بہن ہیں۔" صاف جواب حاضر تھا۔

"تو کیا کہا ہے دل نے۔ خیر تو ہے تمہارے دماغ کی۔"

"پتا نہیں۔" اس نے شانے اچکا دیے۔ "ہائے ڈی ڈے ہنی۔ یہ تم اتنی پریشان کیوں ہو رہی ہو۔ میری منہ سے کسی تیسری کا ذکر سن کر خیریت تو ہے۔"

"بالکل خیریت ہے اور میں کیوں پریشان نہیں ہوں گی۔ تم بھول سکتے ہو مگر میں نہیں کہ ہر حال میں میں تمہاری دوست ہوں اور رہوں گی۔ اس لیے تمہاری طرف سے پریشان ہونا بھی میرا فرض ہے آئی بات سمجھ میں۔"

"ہوں" وہ اس پوشیدہ اقرار پر سر ہلا گیا۔ ایک تمسخرانہ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر دوڑ گئی۔

دوست بن کر بھی نہیں ساتھ نبھانے والا
وہی انداز ہے ظالم کا زمانے والا

جانے وہ کون سا گیم کھیل رہی تھی جو اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

"پھپھو پتا ہے آج عدیل کا خط آیا ہے لکھا ہے جلد ہی آنے والا ہے۔ میں نے اور اماں نے تو سوچا ہے کہ اب آئے گا تو اس کی شادی کر دیں گے ایک دو لڑکیاں بھی مجھے پسند ہیں۔" اس نے دونوں پھپھو کو اپنی خوشی کے ساتھ چند لڑکیوں کے نام بھی بتائے۔ مگر حیرت تو اس بات پر ہوئی کہ پھپھو نے سب میں ہی کوئی نہ کوئی برائی بتا دی۔

"معاف کیجیے گا پھپھو۔ آپ لوگوں کو ہم سے اتنی محبت ہے کہ کوئی بھی ہمارے لیے آپ کی نظر میں سماتا ہی نہیں۔ آپ ہر ایک کو انکار کر دیتی ہیں جانے وہ کون سے آسمان پر بستا ہو گا جو آپ کو ہمارے لائق لگے گا کبھی۔ ورنہ آج تک تو آپ کو کوئی پسند ہی نہیں آیا خواہ وہ میرے لیے ہو یا عدیل کے لیے۔" شکوہ ہونٹوں سے پھسل ہی گیا۔

"تو ہم کوئی تمہارے دشمن ہیں ہم تو تمہارا بھلا ہی چاہتے ہیں۔ ویسے بھی جیسی تمہاری مرضی جو دل چاہے کر لو۔ ہم کون ہوتے ہیں کسی کو انکار کرنے والے؟" بڑی پھپھو ناراضی سے اٹھ کھڑی ہوئیں تو چھوٹی پھپھو نے ان کا ہاتھ تھام کر بٹھایا کہ فی الحال ان کے ساتھ کی بہت ضرورت تھی۔ وہ آج بہت پلاننگ سے اور بالکل آخری بار خصوصاً" اشہد کے رشتے سمیت تشریف لائی تھیں کہ ان کا جواب کیا تھا۔ کیونکہ آج کل بھابھی ایک رشتے پر بڑی متوجہ تھیں اور یہ بات تو اس کے لیے بھی حیران کن تھی اظہر وحید اس حد تک کیسے پہنچا کہ اس کی خاطر اپنی متوقع منگیتر کو چھوڑ کر اس سے شادی کا شوشا چھوڑ دیا اور اماں وہ تو جیسے ایسے ہی رشتے کی تمنائی تھیں جہاں بس ساس تھی ایسے گھر میں زوئی یقیناً" خوش ہی رہے گی یہ ان کا خیال تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥

آج صبح سے ہی دل کچھ بے قرار سا تھا اور وجہ بھی جلد ہی سامنے آگئی۔ اظہر کی امی کی آمد ہوئی تھی اماں جتنی خوش اور مطمئن تھیں کہ اکلوتا لڑکا ہے ساس نندوں کا سر ے سے جھگڑا ہی نہیں ہو گا اکلوتا بیٹا ماں کا سہارا ہو گا اور اس کی بیوی بھی یقیناً" غیر اہم تو ہو گی نہیں اسی لیے آج وہ جواب لینے آئیں تو اماں نے فوراً" اقرار کر لیا مگر یہ کیا یہاں اقرار ہوا تو انہوں نے جھٹ تاریخ پیش کر دی کہ اس تاریخ پر وہ شادی چاہتی

ہیں اور یہی اظہر کی بھی خواہش ہے۔ اور اس نئی خواہش پر پل کو تو اماں گڑبڑا ہی گئیں مگر انہیں ناراض کرنا بھی مناسب نہ تھا سو اقرار کر دیا۔ یوں اس کی شادی کی تاریخ بھی طے پا گئی ایک خواب کی طرح اچانک یہ اور بات کہ یہ سب بہت حیران کن لگ رہا تھا۔ اس کے دل کی حالت تو جانے کیسی انجان ہو رہی تھی مگر دونوں پھپھوں کے چہرے ستے ہوئے لگ رہے تھے۔ چھوٹی پھپھو نے بتایا کہ اشہد کو جاب مل گئی ہے۔ تو جواباً" وہ خوشی کا اظہار بھی نہ کر پائی جانے کیوں۔ سارے الفاظ جانے کہاں کھو گئے تھے اس کے گھر آیا۔ آپا چپ نہیں رہی تھیں یہ سب سن کر۔ سو موقع ملتے ہی شروع ہو گئی تھیں۔

"اتنی بھی کیا جلدی تھی آپ کو کچھ سوچتیں تو سہی۔ زونیو کہیں بھاگی تو نہیں جا رہی تھی۔ جو آپ نے جھٹ پٹ اقرار کر دیا۔ کتنا سمجھایا تھا میں نے آپ کو پھپھو نے بھی کم منت نہیں کی آپ کی۔ مگر آپ نے اپنوں پر غیروں کو ترجیح دی مجھے بتایئے آپ کو پھپھو میں برائی کیا نظر آئی تھی وہ زونیو کی بد تمیزیوں کے باوجود اسے بہو بنانا چاہتی تھیں تو اس میں برائی کیا تھی اور اشہد' اسے نہیں جانتیں کیا آپ اس کی آنکھیں اس کے انداز سب ہی جانتے ہیں کہ وہ صرف زونیو سے محبت کرتا ہے پھر آپ نے کیوں انکار کیا۔ میرا اور زوئی کا معاملہ بالکل جدا جدا ہے پھر آپ میری زندگی کو اس سے کیوں ملا رہی ہیں۔ اماں اب بھی سوچ لیں۔ اب بھی کسی کو پتا نہیں ہے بات آگے نہیں بڑھی اب بھی انکار کیا جا سکتا ہے اور اظہر کی اماں تو چاہتی بھی شاید یہی ہیں کہ انکار ہو جائے آخر کو ان کی سگی بھانجی پر زوئی کو فوقیت دی جا رہی ہے وہ کیونکر خوش ہوں گی۔ سوچ لیں اماں کہیں بہت اچھے کے چکر میں کچھ برا نہ ہو جائے اور پھر آپ نے زونیو سے بھی تو نہیں پوچھا اماں۔ جانے وہ کیا چاہتی ہو۔ اس کے دل میں کیا خواہش ہو آخر کو وہ اشہد کے ساتھ ساتھ کافی عرصے سے ہے۔"

"ارے خدا نہ کرے جو میری بچی کے ساتھ برا ہو کبھی سب ٹھیک ہو جائے گا دیکھنا آہستہ آہستہ اور کیا کہا تم نے کہ زوئی کی کیا مرضی ہے۔ ارے اس کی وہی مرضی ہو گی جو میں چاہوں گی۔ وہ میری بیٹی ہے کبھی میری بات نہیں ٹالے گی۔ تمہاری طرح نا اہل نہیں جو میری امیدیں خاک کر دے وہ میری آنکھ کا اشارہ سمجھتی ہے۔ منہ سے کبھی وہ لفظ نہیں نکالے گی جو مجھے ناپسند ہو گا۔" اپنے کمرے کی طرف جاتی ہوئی زونیو کے قدم تھم گئے۔ ماں کے لہجے میں اتنا مان صرف اسی کے لیے ہو سکتا تھا۔

"مگر اماں ایک بار پوچھ کر تو دیکھ لیں۔ اس طرف بھی تو سوچیں۔ ممکن ہے ان دونوں کا نصیب ایک دوسرے سے ہی جڑا ہو۔"

"نصیب جڑے ہوں گے تو کسی بھی طرح مل ہی جائیں گے دونوں۔ ہمارے تمہارے روکنے سے نہیں رکیں گے اس لیے بے فکر رہو یہ سب قدرت کے کام ہیں۔" جانے اماں نے کس کا ذکر کیا تھا جس کے بعد آپا بالکل چپ ہو گئی تھیں وہ بھی اپنے کمرے میں آ گئی۔

"زوئی بیٹا جاگ رہی ہو۔" اماں باہر سے پکارتی ہوئی آئیں تو وہ جھٹ سے اٹھ بیٹھی۔

"جی اماں کچھ کام تھا۔" وہ کمرے کی بتی روشن کرتی ہوئی بولی۔

"ہاں۔ کام ہی سمجھ لو عجب پریشانی ہو چلی ہے کچھ سمجھ نہیں آتا کیا کروں۔ سوچتے سوچتے دماغ خراب ہو گیا ہے۔ واقعی سخت فیصلے کمزور دل والوں کو نہیں کرنے چاہئیں۔"

"اماں کیا کہہ رہی ہیں آپ کیا پریشانی ہے مجھے بتایئے۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"جانتی ہوں اسی لیے تو خود بخود قدم تیری طرف کھنچے چلے آتے ہیں جانے کیسا یقین ہے تجھ پر کہ تجھے بتا دوں گی تو میری پریشانی' پریشانی نہیں رہے گی۔"

"تو پھر کہیے نا اماں کیا بات ہے۔"

"تمہیں پتا ہے نا زوئی کہ میں نے ہمیشہ سے اپنی جگہ بنانے کی کوشش کی ہے اور ہمیشہ ہی ناکام رہی

ہوں کبھی کسی نے میری پشت پناہی نہیں کی۔ رفتہ رفتہ میں نے یہ خواہش ہی چھوڑ دی کہ کسی بات میں من مانی کروں مگر پھر تم نے زوئی۔ تم نے مجھے سب کے سامنے کیا۔ میری اہمیت واضح کی۔ بتایا کہ میرا بھی وجود ہے دنیا میں اور اس یقین پر مجھے اتنی خوشی ہوئی کہ میں نے ایک فیصلہ کر لیا۔ اس یقین کے ساتھ کہ تم میری سچی بیٹی ہو جو مجھ سے حقیقی محبت رکھتی ہے۔ جو کبھی میرا مان نہیں توڑے گی۔ سو میں نے فیصلہ کر لیا کہ میں تمہاری شادی اس خاندان سے دور کروں گی میں نہیں چاہتی کہ کل تمہارا بھی سہیرہ جیسا حال ہو اسی لیے میں نے تمہاری پھپھو کو انکار کر دیا۔"

"کیا۔"

"ہاں وہ کئی بار آئی ہیں تمہارے لیے۔ اشہد کو بھی نہیں بتایا کہ اسے اچانک بتا کر حیران کرنا چاہتی ہیں ان کا خیال ہو گا اشہد اور تم اس رشتے سے بہت خوش ہو گے مگر میں جانتی ہوں کہ تم میرے فیصلے کے خلاف کچھ نہیں کہو گی اسی لیے میں نے انکار کیا ہے۔ میں نے غلط تو نہیں کیا نا زوئی میں تمہاری ماں ہوں اور مجھے تم نے مان دیا ہے کہ کبھی تم میری بات نہیں ٹالو گی۔" انہوں نے رک کر اسے دیکھا مگر اسے تو ایسا لگ رہا تھا وہ بولنا بھول چکی ہے۔

"تم چاہو تو بے شک انکار کر دو۔ آخر تم بھی میری ہی اولاد ہو۔ عدیل اور سہیرہ کی طرح۔ انہوں نے بھی کبھی میری نہیں مانی تم بھی چاہو تو انکار کر دو ہاں میرا فخر بڑھا دو۔ بولو تمہیں اظہر سے شادی پر اعتراض تو نہیں۔ اب مجھے جواب دو۔ تمہیں انکار تو نہیں۔"

اور اس سوال پر اس نے چونک کر اماں کو دیکھا۔ جواب کیسے دے وہ۔ آج تک ہر مسئلہ اماں کے ذہن سے ہی سلجھا تھا وہ کیسے کوئی رائے کوئی خیال ظاہر کر سکتی تھی۔ جبکہ اس کے ہاتھ تو کچھ تھا بھی نہیں۔ کوئی روشنی کی کرن' کوئی راستہ کچھ بھی نہیں اور اگر ہوتا تو بھی وہ کیا کرتی کیا اماں کو انکار کر کے آج تک کی محبتیں ضائع کر دیتی۔ بہت بہتر۔ بہت اچھا ہوا جو وار اسے پر کرنے سے پہلے ہی فیصلہ ہو گیا۔

"زوئی۔" اسے خاموش دیکھ کر اماں کی نگاہوں میں عجب خدشات کروٹ لینے لگے۔ جیسے انہیں اس پر شک ہونے لگا ہو۔

"ارے اماں اب کیا مجھے آپ سے ناراض ہونا پڑے گا۔ آپ مجھ سے پوچھ رہی ہیں۔ کیا آپ کو مجھ پر اتنا بھی اختیار نہیں رہا۔" اس نے سر ان کی گود میں ڈال دیا جانے کیوں خالی پنے کی سی کیفیت طاری ہو رہی تھی۔

"تو کیا زوئی۔" انہوں نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"ہوں۔ مجھے کبھی آپ کے فیصلے سے انکار ہو سکتا ہے اماں' نہیں کبھی نہیں۔ میں تو یہی چاہتی ہوں کہ میری ماں کو ہر چھوٹی سے چھوٹی اور بڑی سے بڑی بات سے خوشی حاصل ہو وہ ہمیشہ مسرور و مطمئن رہے اسے کبھی کسی سے کوئی شکوہ نہ ہو۔ مجھے آپ کا ہر فیصلہ منظور ہے اماں۔" انہیں مطمئن کرتے ہوئے اس نے آنکھیں موند لیں۔ ایک قرض تھا جو سر سے اتر رہا تھا۔ ایک فرض تھا جو پورا ہو رہا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥
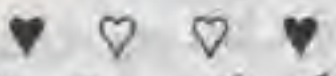
"اشہد۔ اٹھو کب تک سوتے رہو گے۔ چلو جلدی اٹھ جاؤ شاباش۔" کافی دنوں سے اشہد سے ملاقات نہیں ہوئی تھی سو وہ فارغ ہوتے ہی چلی آئی تھی۔ پھپھو تو بتا رہی تھیں کہ آج رات کی فلائٹ سے اسے جانا ہے مگر وہ تو ابھی تک سو رہا تھا۔

"ہنی یار سونے دو نا ایک تو تمہیں لطافت سے اٹھانے کا فن بھی نہیں آتا۔" اس نے تکیہ بانہوں میں لے کر کروٹ بدلی۔

"معاف کرنا تم کوئی شہنشاہ نہیں ہو جو تمہارے لیے خصوصی اہتمام کیا جائے۔ عام انسان ہو اس لیے فوراً" اٹھ جاؤ۔ کم آن۔ دیکھو اب تو سورج نکلے بھی کافی وقت گزر گیا۔" کھڑکی سے پردے ہٹاتے ہوئے وہ بولی۔

"سورج لیکن میری نظروں کے سامنے تو بس چاند ہی چاند ہے۔" وہ اٹھ کر بیٹھتے ہوئے بولا۔

"ہاں یہ میری بدنصیبی۔ بھلا تم بھی اس سے پیچھا چھڑا سکتے ہو۔ خیر یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ میں اس میں خود کو انوالو کرنا نہیں چاہتی۔"

"کیوں اچھا نہیں لگتا میری داستان عشق سننا۔ ویسے نیل می ہنی تم اتنی بے زار سی کیوں ہو۔ محبت ناشناس سی۔ حالانکہ تمہارے سامنے کتنی ہی راہیں ہیں مگر تم ہو کہ بس عجیب راہوں کا ہی سفر پسند کرتی ہو جن میں کوئی خوبصورتی نہیں۔"

"اول تو یہ کہ میں بے زار نہیں ہوں بس حقیقت پسند ہوں۔ حقیقت قبول کر لینے والی بھی۔ یہ اور بات کہ حقیقت عموماً "لذت سے عاری ہوتی ہے اور رہی بات تمہارے اس عشق میں انٹرسٹ نہ لینے کی تو مجھے درحقیقت ان باتوں میں دلچسپی ہے ہی نہیں اتنا کچھ سن لیتی ہوں تو وہ سب تمہارے لیے کہ کہیں تمہاری دوستی سے ہاتھ نہ دھونا پڑ جائے۔ آخر تم ہی مجھے بہتر سمجھتے ہو اور میں جتنی بھی بری سہی، مجھ میں جو اچھائیاں ہیں سب تمہاری ہی دریافت ہیں اسی لیے میں تمہاری بہت قدر کرتی ہوں اور چاہتی ہوں کہ ہمیشہ میرے دوست رہو، رہو گے نا۔ دیکھو یہ اتنا آسان نہیں ہے میں نے تو پورے کے بجائے تھوڑے پر ہی اکتفا کر لیا ہے، جو میری سرشت نہیں ہے۔ مگر بالکل نہ ملنے سے کچھ مل جانا بہت ہوتا ہے لہٰذا میں چاہتی ہوں کہ تم ہمیشہ اپنے فیصلوں میں خوش رہو۔ مگر جب مجھے تمہاری دوستی کی ضرورت پڑے تم دامن نہ جھٹکو۔ تم میرے دوست رہو گے نا اشہد۔"

"ارے۔ یہ اچانک کیسی باتیں کر رہی ہو۔ خیریت تو ہے۔ فکر کس کی ہے۔ میری طرف سے کوئی خدشہ ہے کیا۔" وہ فوراً "متوجہ ہو گیا اس کی باتوں نے چونکا دیا تھا وہ کبھی اتنی پریشان تو نہیں ہوئی تھی۔ کچھ دنوں سے جاب کے سلسلے میں اتنا مصروف تھا کہ اردگرد کا کچھ خیال ہی نہیں تھا۔

"کہیں تم نیلما کی وجہ سے تو ٹینشن کا شکار نہیں ہو۔" ناشتے سے ہاتھ روک کر وہ پوچھ بیٹھا۔ جو بات وہ خود نہیں کہہ پایا تھا۔ مناسب وقت ڈھونڈ رہا تھا۔ آج وہ وقت آگیا تھا شاید۔

"نیلما محسن مگر اس کا یہاں کیا ذکر تم بے شک اس کے ساتھ جیسے بھی رہو اپنی خوشی سے۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گی بس تم مجھے دوستی کا اعتبار دینا۔ دنیا میں کچھ بھی ہو جائے تم میرے دوست ضرور رہنا۔ جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے کہ بھری دنیا میں میں بالکل اکیلی ہوں۔ بالکل تنہا کھڑی ہوں ایسے میں تمہارا خیال بہت ساتھ دیتا ہے اشہد۔"

"اور تم نے چاہا تو یہ ساتھ ہمیشہ تمہارے ساتھ رہے گا ڈونٹ وری۔"

"تھینک یو اشہد۔ مجھے تم سے یہی امید تھی۔"

"اچھا چھوڑو۔ اب دوسرے سوال کا جواب دو میں نے یہ بھی کہا تھا کہ تم محبت ناشناس ہو۔"

"افسوس کہ یہ بھی تمہاری غلط فہمی ہے۔ تم اب تک یہ نہیں سمجھ پائے کہ مجھے بھی دنیا میں کسی سے بے حد انس، بے حد محبت ہے۔ اس کی آنکھ میں پریشانی کا عکس ہو تو میرا سارا وجود بے کل ہو جاتا ہے اور اس کے خیال میں کہیں خوشی چمکے تو خود میرا وجود دمک اٹھتا ہے۔ وہ چپ رہے تو زندگی خاموش ہو جاتی ہے ہر طرف جیسے گہرا سناٹا رہ جاتا ہے اور جب وہ بولے تو لگتا ہے کہ دنیا کا کاروان چل رہا ہے۔ جب وہ میری تعریف کرے تو لگتا ہے کہ میں بہت اچھی ہوں اور جب وہ مجھے برا کہے تو ایسا لگتا ہے دنیا میں مجھ سے برا کوئی نہیں اور جب وہ مجھ پر مان کرے نا اشہد۔ مجھ پر اعتبار، بھروسہ کرے مجھ پر۔ تب۔ تب مجھے لگتا ہے کہ میں زمین پر نہیں ہوں۔ بہت بلندی پر پہنچا دی گئی ہوں بہت اوپر، بخشے کے لیے۔"

"اچھا اور وہ خوش نصیب ہستی ہے کون۔" وہ اٹھ کر اس کے قریب آگیا۔

"میری ماں اشہد۔" اس کا لہجہ انتہائی سنجیدہ اور کچھ بھیگا بھیگا تھا۔

"اوشٹ۔" اشہد بس بڑبڑا کر رہ گیا۔

"کیا ہوا۔"

"کچھ نہیں ہنی میں نے تم سے اس محبت کے بارے میں تھوڑی پوچھا تھا ماں سے تو سب کو ہی محبت ہوتی ہے کسی کو حد سے زیادہ کسی کو کم۔ مگر میں نے دوسری محبت کے بارے میں پوچھا تھا۔ صنف مخالف والی۔"

"اچھا ابا والی۔ ابا سے بھی محبت ہے مجھے مگر اس بارے میں زیادہ کچھ یاد نہیں ہاں یہ کہہ سکتے ہیں کہ یہ محبت میں نے بھیا سے کی ہے۔"

"اور میں۔ میرا کہیں نام نمبر آتا ہے یا بس یونہی دوست دوست کی رٹ لگائے رہتی ہو۔" وہ خاک ہو گیا۔

(پاگل ہو تم بھی آج تک نہیں سمجھ پائے۔ دوستی کی جڑ کیا ہوتی ہے محبت ہی تو مگر تمہیں تو شاید پہلے ہی بہت محبت حاصل ہے۔ سو میں نے اپنے سارے احساسات دوستی کے نام سے جوڑ لیے ہیں۔ شاید یہ رشتہ کوئی مجھ سے چھیننے کی کوشش نہ کرے۔ میں کوئی دھنوان تو نہیں ہوں مگر جب سے میرے اپنوں نے میرے آگے جھولی پھیلائی ہے تب سے میں خود بخود آمادہ ہوئی جا رہی ہوں۔)

"تم چاہو تو آزما لینا۔ صرف زبانی ہی نہیں کہا ہے وقت پڑے گا تو ضرور تمہارا ساتھ دوں گی اپنی اور زمانے کی تمام سوچوں کو بالائے طاق رکھ کر۔ ٹرسٹ می۔"

"مجھے بھروسہ ہے یقین ہے تم پر اسی لیے تو میں تمہاری دوستی پر بھی بہت خوش ہوں اور اسی خوشی میں آج تمہیں آئسکریم کھلانے کا عہد بھی پورا کرنے والا ہوں تیار ہو کر آجاؤ۔ میں بھی اماں سے کہہ دوں۔" وہ اٹھتے ہوئے بولا

"لیکن ایک بات سمجھ نہیں آئی تم نے تو کہا تھا جاب ملنے پر مجھے ٹریٹ دو گے اور کل پھپھو بھی کہہ رہی تھیں کہ تم کہیں جانے والے ہو۔ مجھے تو اپنی پریشانیوں میں یاد ہی نہیں رہا تم سے پوچھنا۔ کیا تمہیں جاب مل گئی ہے۔ کہیں جانے کا چکر کیا ہے۔"

"چکر کچھ خاص نہیں بات صرف اتنی سی ہے کہ مجھے جاب مل گئی ہے۔ جدہ کی اسی فرم میں۔" اس نے رک کر اسے دیکھا وہ بس کیا کہہ کر رہ گئی تھی۔ "آج رات کی فلائٹ ہے۔" مزید انکشاف...... بات اتنی آگے تک پہنچ گئی تھی اور اسے کچھ خبر ہی نہ تھی۔ اف۔

"میں جانتا ہوں تمہیں شاک پہنچا ہے مگر تم ہی سوچو ہنی میرا جانا ہمارے بہتر مستقبل کے لیے بہت ضروری ہے (شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو) مجھے راستہ مل گیا ہے اب منزل پر پہنچنا مشکل کام نہیں۔ بس تمہیں میرا ساتھ دینا ہو گا مجھے پتا ہے ہنی کہ تمہیں یہ خبر اچھی نہیں لگی ہے۔ خود میرے لیے بھی تم سے دور ہونے کا خیال سوہان روح ہے اور اس سے بڑھ کر تمہارا یہ اداس چہرہ۔ یہ میری ساری خوشی ختم کیے دے رہا ہے۔ پلیز ہنی اس خوشی میں میرا ساتھ دو۔ پھر جانے تمہاری مسکراہٹ کب نصیب ہو۔ یہ وقت جو آج ہمارے پاس ہے ایسا وقت پھر کبھی نہیں آئے گا کم از کم اسے تو میری زندگی میں ایک سنہری یاد بنا دو۔ تاکہ یہی میری تنہائیوں کی ساتھی ہو ہنی۔" اس نے سر اٹھا کر اشہد کو دیکھا۔

"ہنی تم مجھ سے ناراض تو نہیں ہو نا۔" اس کا ویران چہرہ دیکھ کر وہ پریشانی سے بولا۔

"ہوں ناراض۔ ہوں گی کیوں نہیں۔ ایک تو تم اتنی دور جا رہے ہو اور وہ بھی اس وقت جب میری سالگرہ قریب ہی ہے اسی وقت جانا ہے تمہیں تاکہ گفٹ گول کر جاؤ۔" وہ سب کچھ نظرانداز کرتے ہوئے وقت کے ساتھ چلتی ہوئی بولی۔ اشہد مسکرا دیا۔

"تمہارا گفٹ۔ آں۔ چلو تمہارا گفٹ مجھ پر ادھار رہا۔ کوئی اسپیشل گفٹ لاؤں گا تمہارے لیے ٹھیک ہے۔" وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔ ایک بار اس نے کہا تھا کہ مجھے سالگرہ پر کوئی اچھی سی کتاب دینا۔ تاکہ کبھی تم نہ ہو میرے پاس تو اس کتاب کے ذریعے تم میرے پاس تو رہو گے اور جواباً "اس نے کہا تھا کہ کسی نہ کسی طرح تمہیں مجھ سے دور ہونا ہی ہے اور آج وہ وقت آہی گیا تھا۔

"سچ کہہ رہے ہو۔ مجھے یاد رکھو گے اشہد۔ دیکھو اگر تم نے مجھے یاد رکھا تو میں سمجھوں گی کہ تم واقعی میرے دوست ہو۔ دیکھو میرا یہ مان مت توڑنا اشہد۔ تم جانتے ہو نا کہ ساری دنیا میرے لیے انجان ہے۔ کوئی بھی مجھے سمجھ نہیں پایا اور کسی کو ضرورت بھی تو نہیں۔ بس ایک تم ہو اور میں یہ چاہتی ہوں کہ زمانے کے سرد و گرم سے محفوظ یہ رشتہ بے غرضی کے ساتھ زندہ رہے۔ کیا ایسا ہو سکے گا اشہد۔ تم مجھے یاد رکھو گے نا۔ یہ دوستی زندہ رہے گی نا اشہد۔"

جاتے ہوئے وہ دے گیا آزار دوستی
میری وفا کو میرا نگہبان کر گیا

"صرف دوستی ہی نہیں وہ محبت بھی جو برسوں سے اس دوستی کی بنیاد ہے تم شاید میری بات نہیں سمجھیں خیر تا سمجھی دکھانا تو تمہاری پرانی عادت ہے اس لیے یہ دیکھو سب سمجھ آجائے گا۔" اس نے ایک لفافہ آگے کر دیا۔

"تم ہمیشہ کہتی تھیں نا کہ تمہیں نیلما محسن سے ملنا ہے آج میں اس کی تصویر لے ہی آیا ہوں اسے دیکھ کر تمہیں بہت حیرت ہو گی اور ہنسی بھی آئے گی۔" اس نے لفافے سے تصویر نکال کر اسے دی اور وہ۔ بس اس تصویر کو پھٹی پھٹی آنکھوں سے دیکھتی رہ گئی۔ یہ آج کا دن کیا تھا اتنا حیرت انگیز اس کا وجود زلزلوں کی زد میں تھا ایسے زلزلے جو اندر ہی اندر اس کے وجود کو کھوکھلا کر رہے تھے اور بظاہر عمارت سالم سلامت تھی کسی کو خبر بھی نہیں تھی کہ اندر کیا تباہی مچی ہوئی ہے اور یہ تصویر نیلما محسن کی کہ جس نے ایک انوکھا فیصلہ کرنے میں اسے مدد دی تھی۔ جبکہ یہ کیا تھی۔ سلونی رنگت اور عام سے نقوش والی اس شہر کی ہزاروں لڑکیوں میں سے ایک۔ جس کی عمر زیادہ سے زیادہ دس بارہ ہو گی۔۔۔ نیلما محسن جسے دیکھ کر اسے قہقہے لگانے چاہیے تھے وہ بنا لڑے ہی جنگ جیت گئی تھی مگر اصل ہار کا تحفہ تو وہی تھا۔ کچھ دیر پہلے تک ایک احساس تو تھا جو ڈھارس بندھاتا تھا کہ اس نے اماں کی بات مان کر غلط نہیں کیا مگر اب۔ اف۔ بہت سے آنسو آنکھ میں آن رکے۔

"ارے ہنی۔ یہ کیا تم رو رہی ہو۔ آئی ایم سوری یار۔ آئی واز جسٹ جوکنگ۔ بلیو می۔ مجھے تمہیں ہرٹ نہیں کرنا تھا۔ اسٹارٹ سے ہی تم نے میری اسٹوری کی تھیم بدل دی تھی بلکہ ایک عام بات کو اسٹوری کا درجہ دے دیا تھا اور میں بھی بڑے مزے سے اسے پلے کرتا رہا۔ کم از کم اس سے مجھے تمہاری دلی کیفیت کا اندازہ تو ہو گیا۔ پہلے میں نے چاہا تھا کہ اب اماں کو تمہارے گھر پہنچ جانا چاہیے اب تمہارے ہاتھ میں میرے نام کی انگوٹھی جگمگانی چاہیے مگر پھر یاد آیا کہ تم نے کہا تھا کہ فارغ وقت میں تو سب ہی محبت کر لیتے ہیں۔ کچھ کرنے کے بعد' کچھ ہونے کے بعد کوئی محبت کرے تو اس محبت کا اصل مزہ بھی آئے۔ یہ محبت محبت بھی لگے۔ سو میں نے اماں سے کچھ نہیں کہا۔ اب پہلے میں خود کو مکمل طور پر اسٹیبلش کر لوں۔ پھر اماں کو تمہاری طرف خصوصی طور پر بھیجوں گا۔ آخر کو ممانی کو آگاہ کرنا بھی تو ضروری ہے نا۔ ویسے تمہاری طرح اندر ہی اندر راضی تو وہ بھی ہوں گی ہی یہ تو میں بھی جانتا ہوں مگر فارمیلٹیز بھی ضروری ہیں۔ اب تم یہ کہو گی کہ مجھے کیسے پتا چلا۔ تم راضی ہو تو سنو یہ یقین مجھے تمہارے ساتھ نے بخشا ہے اور میں جانتا ہوں کہ میں غلط نہیں۔" مستحکم لہجے میں کہتے ہوئے وہ بیڈ پر ٹک گیا۔ جبکہ وہ اس کے یقین پر حیران تھی اور یہ سارے انکشافات۔ اس نے کب اس بارے میں سوچا تھا یہ سوچ کر کہ یہی اس کی خوشی ہے۔ اور اک کے بعد بھی آنکھیں موند لی تھیں آج تک اس نے کچھ نہیں کہا تھا اور آج بولا تھا تو اس کے پاس جواباً کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ اس کی طرف سے وہ بہت پر یقین تھا اتنا کہ اسے زمانے سے باخبر رہنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔ وگرنہ وہ اس یقین سے کچھ پرے دیکھتا تو شاید آج یہ سب نہ کہتا۔ یہ تو وہ جانتی تھی کہ پھپھو کو اس کی منگنی کا ذکر کرنے کا موقع نہیں ملا جب ہی وہ اپنے حال میں مصروف اتنا خوش ہے اور وہ اسے خوش ہی دیکھنا چاہتی تھی سو جب تک کہ وہ رخصت نہ ہو گیا وہ چپ ہی رہی۔ بولنے کا یارا بھی نہ تھا اس میں۔

وہ چلا گیا اور زندگی میں عجب خاموشی سی ہو گئی۔ جبھی کہ اسی خاموشی میں اس کا نام اظہر وحید کے ساتھ جوڑ دیا گیا اور وہ جو حالات سے مقابلے پر مکمل آمادہ تھی مگر اظہر کی محبت نے ساری توانائی جذب کر لی۔ زندگی بڑی خاموشی اور آہستگی سے گزر رہی تھی کہ بینا کی آمد نے جیسے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔ پہلے ہی اپنی ساس کے ساتھ اس کے تعلقات کچھ خاص نہیں تھے مگر بینا کے آنے کے بعد اس نے محسوس کیا کہ وہ ہر ہر بات پر اس کا اور بینا کا موازنہ کرتی ہیں اور گزرتے وقت کے ساتھ یہ بات اظہر پر بھی عیاں ہو چکی تھی شاید اسی لیے وہ بینا کے التفات کو نظرانداز نہیں کرتا تھا۔ بہرحال وہ اس کی کزن اور کبھی اس کی ہونے والی منگیتر بھی تھی۔

اماں کی طرف وہ بہت کم جاتی تھی اور اس وقت جب اماں کی یاد بہت ستاتی۔ وہ جب بھی جاتی اماں کی وہی داستانیں ہوتیں کہ فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ مگر جواباً" وہ چپ ہی رہتی تب اچانک اماں پوچھتیں کہ "وہ خوش تو ہے۔"

"خوش کیوں نہ ہوں گی اماں نہ تو آپس میں خاندان کے مسائل ہیں اور نہ ہی خاندان اتنا بڑا ہے کہ ایک دوسرے کی فکر ہی عذاب میں ڈال دے۔" وہ بے جان لہجے میں انہیں مطمئن کرتی تو وہ فوراً" مطمئن ہو جاتیں۔

اس کی شادی کو آٹھ ماہ سے زائد کا عرصہ گزر چکا تھا اور کچھ یہی عرصہ اشہد کو گئے بھی ہوا تھا۔ پھپھو اب زور و شور سے اشہد کے لیے لڑکی ڈھونڈنے میں لگی ہوئی تھیں۔

"پھپھو تو تمہاری شادی ہوتے ہی اشہد کے سر پر سہرا باندھنے کی فکر میں تھیں مگر ظاہر ہے اشہد اتنی آسانی سے کیسے مان سکتا تھا اس کے لیے تو یہی بات ناقابل قبول تھی کہ تمہاری شادی ہو گئی ہے۔ پاگل ہی ہو گیا تھا وہ۔ مگر اب شاید اس کی سمجھ میں آگیا ہے کہ یہ سب قسمت کی بات ہے جو ملنا ہوتا ہے وہ تو مل ہی جاتا ہے۔ خواہ ہم اپنے مقام پر نہ ہوں مگر وہ ہمارے مقام پر جا کر ٹھہر جاتا ہے وہاں سے کہیں نہیں جاتا۔ کسی کے نصیب کی بارشیں کسی اور چھت پر نہیں برس سکتیں یہ تو بس بہلاوے ہیں۔ جب ہی اشہد نہ کرتے کرتے چپ ہو ہی گیا ہے اور اسی خاموشی کو غنیمت جان کر پھپھو لڑکی پسند کرنے میں لگی ہیں تاکہ اس کے آنے پر کم از کم منگنی کی رسم تو ادا کر دیں۔" آج کافی عرصے بعد آپا اس سے اشہد کا ذکر کر رہی تھیں۔

"وہ آنے والا ہے۔"

"ہاں بس اب یہ اگلے ماہ کی پچیس تک آجائے گا وہ۔" آپا سوچتے ہوئے بولیں۔

♥ ♡ ♡ ♥
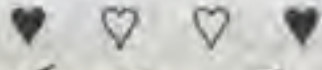
اور پھر وہ آگیا۔ پھپھو نے اس کے لیے بہت اچھی لڑکی چنی تھی ان دونوں کو ایک ساتھ دیکھنا اسے بڑا عجیب لگا تھا اشہد تو پہلے ہی اس کی نگاہوں کے لیے مکمل تھا پھر یہ اتنی بڑی تبدیلی اور ایک بڑی تبدیلی تو اس میں بھی آچکی تھی وہ مس سے مسز ہو گئی تھی کم از کم اس مقام کا تو اسے خیال رکھنا چاہیے۔ اس نے خود کو سرزنش کی۔

"کیسی ہو۔" پھپھو کے کہنے پر وہ ان دونوں کو مبارک باد دینے اسٹیج پر گئی تب اشہد اسے دیکھتا ہوا بولا۔ ڈارک گرین امریکن جارجٹ کے کامدار لباس میں۔ اپنے کھلے بالوں' ڈارک میک اپ اور طلائی زیورات سمیت وہ پہلی والی زونیہ نہ تھی کوئی بڑی تبدیلی اس میں آگئی تھی کیا؟ ہاں اس کی آنکھیں پہلی جیسی چمکتی ہوئی نہیں تھیں اس کے دل کو ویران کر کے خود بھی اجڑی اجڑی لگ رہی تھیں۔ اس کی نظر ہنی پر پڑی تو پھر گردش دوراں بھول کر بس تھم سی گئی وہ یہ بھی بھول گیا کہ زرین تو خیر دلہن بنی بیٹھی ہے مگر مووی میکر تو متوجہ ہے۔

"کیسی لگ رہی ہوں۔" جواباً" اس نے بھی سوال کیا۔ نگاہیں ملیں اور بہت ہمت سے جمع کیا ہوا حوصلہ

اس کی چمکتی نگاہوں کے آگے قائم نہیں رہ سکا۔
(یہ۔۔۔ یہ اشہد اب بھی۔۔۔۔ اب نہیں۔ اب یہ ٹھیک نہیں۔ کم از کم اب اسے حالات کو سیریسلی لینا چاہیے خود کو بدلنا چاہیے۔ میری ہی خاطر۔ اسے مجھے ڈسٹرب نہیں کرنا چاہیے میں اتنی مضبوط نہیں ہوں۔)
"بتا دوں۔ ویسے میرا جواب تو تم جانتی ہی ہو۔ حسن جاناں کی تعریف ممکن نہیں۔" آخری جملہ زرین کی طرف رخ کر کے کہا گیا تھا وہ سمٹ کر سر جھکا گئی تھی جبکہ وہ محظوظ ہو کر قہقہہ لگا گیا تھا۔ جیسے اپنی خوشی کی تشہیر کر رہا ہو۔
"اچھا خوش ہو۔" وہ اسے جانچتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے بولا۔
"ہوں۔ ہاں ہوں۔" وہ اسٹیج کے نیچے موجود لوگوں کو دیکھتے ہوئے بولی۔ "لگتی نہیں ہوں کیا۔"
"لگتی تو ہمیشہ سے بہت کچھ ہو۔ مگر صرف میرے کہنے سے کیا ہوتا ہے۔" وہ عجب سخت لہجے میں بولا جواباً" وہ چپ ہی رہی۔ "یعنی خوش ہو تم۔ ہاں چلو اچھی بات ہے ویسے یہ سچ تو ہے نا۔"
"ظاہر ہے۔ خوش ہوں تب ہی کہا ہے کیا نہیں ہونا چاہیے خوش۔ آخر ایک ہی سوال کے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو تم۔ وہم کیا ہے تمہیں۔ چاہتے کیا ہو تم۔" جانے کیوں اس کے گول مول سوالات اسے طیش دلا گئے تھے وہ ایک دم جنون میں آگئی تھی۔
"ارے۔ ارے۔ تم تو ناراض ہو گئیں۔ تمہیں برا لگا تو آئی ایم سوری۔ مگر تم شاید بھول چکی ہو مگر تم نے مجھے دوست کہا تھا اور اسی حوالے سے میں کہوں گا کہ میں تمہارے اس جواب سے اب تک مطمئن نہیں ہوا تم مجھے ٹھیک سے بتاؤ۔ رئیلی خوش ہو۔"
"ہاں ہوں۔" اس نے گہری سانس خارج کی۔
"بہت۔" پھر وہی کانٹوں کی طرح چبھتا ہوا سوال۔ جواباً" اس نے رخ موڑ لیا۔ یہ بھی کوئی سوال تھا اور وہ جیسے یہی جواب چاہتا تھا جب ہی تو ہنستا ہوا بظاہر بہت مسرور سا زرین کی طرف متوجہ ہو گیا تھا۔

♥ ♡ ♡ ♥
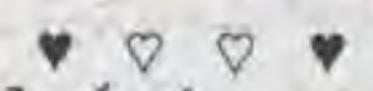
بینا کی آمد نے جہاں اس کی پرسکون جھیل سی زندگی میں کنکر پھینک کر اسے بےدار کیا تھا وہیں اپنی ساس اور اظہر کا بدلتا رویہ بھی حیران کن تھا۔ اظہر کا زیادہ سے زیادہ وقت بینا کے ساتھ گزرتا اور ایسے میں وہ جس کوئی کام کبھی بھی اس کی ساس کو پسند نہیں رہا تھا اس کے ذمے بہت سے کام ڈال دیے جاتے وہ اظہر سے دور ہونے لگی اور یہ دوری اس وقت مزید بڑھ جاتی جب اظہر کے سامنے ہی اس کے کیے ہوئے کام میں مین میخ نکالے جاتے۔ اگر وہ اسی وقت کچھ کہتی تو اظہر کا پارہ ہائی ہو جاتا اور چپ رہ کر تنہائی میں اصل معاملہ بتانا چاہتی تو اس کا جواب ہوتا۔
"تمہیں تو گھر کا سکون راس ہی نہیں آتا۔ کل تک اماں تم سے کوئی کام نہیں کرواتی تھیں تب تمہیں یہ شکایت تھی کہ تمہیں گھر کی فرد نہیں سمجھا جاتا۔ اب جب اماں نے تمہیں کام سونپا ہے اور تمہاری غلطیاں بتاتی ہیں تو یہ بھی تمہیں ان کی برائی لگتی ہے۔ تم خاموشی سے جی نہیں سکتیں۔ کوئی نہ کوئی ٹاپک اوپن کرنا ہی ہے تمہیں مگر میں جانتا ہوں اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ تم عادت سے مجبور ہو۔ لڑنا جھگڑنا تمہاری فطرت میں شامل ہے تم اس کے بغیر جی نہیں سکتیں۔ یہی بتایا تھا لوگوں نے اور آج میں نے دیکھ بھی لیا۔"
وہ زندگی کو خاموشی اور صبر کے ساتھ گزارے جا رہی تھی تو لوگوں کو یہ بھی منظور نہ تھا۔ اس دن اس کی ساس نے وہ ذکر اس کے آگے کر ہی دیا جو وہ اس کے پیچھے اور آنے جانے والوں کے سامنے کرتی تھیں۔
"ارے شادی کو سال سے زیادہ کا عرصہ گزر چکا مگر ہماری بہو نے اب تک کوئی خوشی کی خبر نہیں سنائی ارے یہ کیسے خوشی کی خبر سنائے گی یہ تو آئی ہی ہماری خوشیاں چھین کر ہے۔ ہائے مجھے تو آس ہی رہی کہ اس آنگن میں بھی ننھی قلقاریاں سنوں۔ کسی کو گود میں کھلاؤں اور میرا بچہ۔ ہائے کیا اسے خواہش نہ ہو گی۔ منہ سے کچھ بولتا نہیں تو کیا دل میں بھی کچھ نہیں ہو

گی۔ ارے جانے کس طرح اس منحوس کا سایہ پڑا تھا اس کی زندگی میں تو اندھیرا ہی چھا گیا ہے۔ اس سے بہتر ہو تو بیٹا دوسری شادی کر لیتا۔"
آخر میں کیا کہا تھا انہوں نے کہ جسے سن کر اس کی سماعتوں میں سناٹا چھا گیا تھا۔ پھر اس نے رب سے کتنی ہی دعائیں مانگی تھیں۔ مگر اللہ بھی جیسے اظہر اور زمانے کی طرح اس سے غافل ہو گیا تھا۔ جب ہی تو زندگی پھر یکے بعد دیگرے دھماکوں کی زد میں تھی۔
اظہر ایک ہفتے سے لاہور گیا تھا بینا کو چھوڑنے اور اس کا خیال تھا کہ جب وہ تنہا لوٹے گا تب سارے فاصلے ختم ہو جائیں گے۔ وہ جو دلوں کو دور کیے ہوئے ہیں ہمکنار کیا۔ وہ لوٹا تو دوریاں اور بڑھ گئیں۔
"زونیرہ آج میں تم سے صاف بات کرنے آیا ہوں تم جانتی ہی ہو گی کہ میں لگی لپٹی کا قائل نہیں اور انتظار اور صبر کا مادہ بھی نہیں مجھ میں۔ ہماری شادی کو ڈیڑھ سال ہونے تک تم نے مجھے کوئی خوشخبری نہیں سنائی اور اب بلاوجہ وقت کو گھسیٹنا بے کار ہے۔ ویسے بھی میں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ تمہیں آزاد کر دوں۔ دوسری شادی کا حق تو بہرحال مجھے حاصل ہے ہی اور پھر بینا میری محبت بھی ہے۔"
"تو میں کیا ہوں۔" اس نے اپنا نام چھننے کا ذکر کیا تو جانے کب کی سوئی ہوئی زونیرہ احتشام جاگ اٹھی۔ پہلے محبتوں پر یقین نہ کر کے محبت کو سچا پا کر سکھ چین گنوایا تھا اور اب محبتوں پر کیا ہوا مان دکھ دے رہا تھا۔
"تم۔ تم اب تک نہیں جان پائیں کہ تم میرے لیے کیا ہو۔ کیا رہ گئی ہو۔ شاید تم جانتی نہیں کہ میں ایک جذباتی مرد ہوں جو چیز مجھے بھا جائے اسے جلد از جلد حاصل کر لیتا ہوں خواہ وہ میرے کام کی نہ ہی ہو اور تمہارا شمار کچھ ایسی ہی چیزوں میں ہوتا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ میں نے تم سے محبت کی ہو مگر بہرحال اب میرے دل میں ایسا کوئی جذبہ نہیں ہے ہاں اگر میری کوئی اولاد ہوتی تو شاید میرے قدم ضرور رک جاتے مگر اب تو کوئی وجہ ہی نہیں۔"

♥ ♡ ♡ ♥
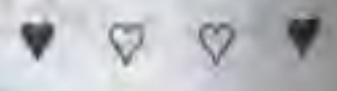
اور یہ اس کی قسمت تھی کہ اسے ایک بار پھر اماں کے گھر لے آئی تھی اور کسی نہ کسی کا ذکر کرتی رہنے والی اماں اس ذکر پر بالکل چپ تھیں ایک جامد چپ کا سایہ تھا ان کے چہرے پر۔ اب نہ تو ان کا اخبار میں دل لگتا تھا اور نہ ہی لوگوں کے برے رویے یاد رہتے تھے۔ حتیٰ کہ اکثر تو چائے پینے کا خیال بھی نہ رہتا۔ کچھ ایسے خیالوں میں رہنے لگی تھیں وہ۔ صبح وہ جلدی اٹھ جاتی تو اسے سونے کا کہتیں۔ فارغ بیٹھی ہوتی تو کہتیں۔ کتاب پڑھ لو۔ فارغ کیوں بیٹھی ہو اور جواباً" وہ انہیں دیکھ کر رہ جاتی یہی سب تو اس نے مانگا تھا مگر کب اور اب مل رہا تھا مگر کس طرح۔
زندگی ایسی کہانی لگنے لگی تھی جس کا کوئی مقصد کوئی انجام نظر نہیں آتا تھا۔ کچھ لوگوں نے اس کی علیحدگی کی وجہ اس کی زبان درازی کو کہا تھا۔ حالانکہ یہ چیز تو وہ اپنے ساتھ لے کر ہی نہیں گئی تھی وہ تو محبتوں کو نہ رکھنے کے ارادے سے اس دہلیز سے نکلی تھی۔ جبکہ کچھ لوگ جو اشہد کے حامی تھے۔ آج پھر اماں کو سمجھا رہے تھے کہ انہوں نے غلط فیصلہ کیا تھا۔ بڑی پھپھو بھی ان میں سے ایک تھیں۔
"دیکھا بھابھی آپ نے بنا سوچے سمجھے نکال باہر کیا نا۔ اپنا کوئی ایسا عمل کر سکتا ہے بھلا۔ ابھی اگر اظہر کی جگہ اشہد ہوتا تو کیا یہ سب ہوتا۔ نہیں کوئی اپنا اتنا انتہائی قدم اٹھانے سے پہلے سوچتا ضرور ہے۔ مگر خیر ہونی کو کون ٹال سکتا ہے۔ جو ہونا ہے وہ تو ہوتا ہی ہے آپ نے بھی اس کا اچھا ہی چاہا تھا آپ تھوڑی سی بھی برائی نہیں چاہتی تھیں اس کے لیے مگر خیر۔"
پھپھو نے اس کا موضوع کھولا تو اماں جو پہلے ہی اپنی غلطی پر پچھتا رہی تھیں۔ اندر ہی اندر پشیمان تھیں پھپھو کے نرم لہجے پر تو ان میں تاب ہی نہ رہی برداشت کی۔ خود کو برا بھلا کہنے لگیں اور جانے کس لمحے منہ سے نکل گیا۔
"کاش میں ہی کچھ عقل سے کام لیتی اپنا تو پھر اپنا ہی ہوتا ہے اور پھر اشہد جیسا اپنا۔ جو مجھے بہت عزیز بھی تھا کاش زونیرہ کی شادی نہ ہوئی ہوتی میں خود بڑھ کر

اشہد کے ہاتھ میں اس کا ہاتھ دیتی مگر اب کیا ہو سکتا ہے اب تو اشہد کی منگنی بھی ہو چکی ہے۔" اماں کا لہجہ کچھ ایسا تھا کہ پھپھو چونک اٹھیں جو آس چھلک رہی تھی ان کے جملوں اور لہجے سے اسے وہ خوب سمجھ گئی تھیں اور باتوں باتوں میں اس کا ذکر پھپھو سے بھی کر دیا تھا اور اس کا نتیجہ تو آج سہیرہ کی آمد پر انہیں معلوم ہوا۔

"اماں آپ کو اسے ایک بار تکلیف دے کر چین نہیں آیا جو پھر اسے آرزاں کیے دے رہی ہیں کہاں تو کوئی آپ کو اپنا نہیں لگتا اور کہاں آپ دل کی معمولی بات بھی طشت ازبام کر دیتی ہیں اگر آپ سے اپنا پچھتاوا برداشت نہیں ہو رہا تھا تو زونیو سے اظہار کر دینا تھا مجھے بلا لینا تھا پھپھو سے تو نہیں کہنا تھا اور اگر کہہ ہی دیا تھا تو ان جذبات میں اتنا بھی نہیں بہہ جانا تھا کہ آپ کو یاد ہی نہیں رہا کہ آپ کہہ کیا رہی ہیں۔" آپا آتے ہی شروع ہو گئی تھیں۔

"ارے ارے۔ اب یونہی بکواس کرتی رہو گی یا کچھ ہوش کی بھی کہو گی آخر میں تمہاری ماں ہوں کوئی اولاد نہیں، غضب خدا کا۔ آج کل کے بچوں کو تو چھوٹے بڑوں کا کچھ لحاظ ہی نہیں۔" اماں بھی فوراً جلال میں آگئیں۔

"چھوٹے بڑے کا فرق کچھ یونہی پیدا نہیں ہو جاتا اماں اور عورت ماں صرف جنم دینے سے نہیں بن جاتی اس کے بعد بھی بہت کچھ کرنا ہوتا ہے ایک ماں اگر اپنے فرائض ٹھیک طرح سے پورے کر دے نا تو شاید یہ معاشرہ بہت سی برائیوں سے بچ جائے، مگر کہاں، آپ نے تو پہلے ایک غلط فیصلہ کیا اور اب دوسرا کرنے چلی ہیں۔"

"کون سا غضب کیا ہوا میں نے کیا کیا ہے۔" اب وہ خود بھی پریشان ہو گئیں۔

"آپ کو نہیں پتا۔ آپ نے بڑی پھپھو سے یہ ذکر نہیں کیا کہ کاش آپ اشہد کو اپنا داماد بنا سکتیں۔"

"ہاں میں نے مگر میں نے یوں کھلے لفظوں میں تو نہیں کہا تھا۔ بس دماغ میں ایک خیال آیا تھا تو اپنا پچھتاوا بیان کر دیا اس میں کیا برا کیا۔"

"اچھا بھی نہیں کیا اماں آپ کا جو گریڈ تھا نا وہ کچھ اور نیچے چلا گیا ہے انسان کی اپنی بھی کوئی عزت ہوتی ہے پہلے آپ خود ہی اشہد کے بارے میں فیصلہ دینے پر راضی نہیں تھیں اور اب خود ہی خواہش کرنے لگیں۔ کچھ تو سوچا ہوتا اماں زونیو خوش ہو گی آپ کے اس عمل سے پہلے بھی اس نے آپ کے کہنے پر سر خم کیا تھا اور سب سے بڑی بے وقوف بھی وہ مگر اب۔۔۔ اب شاید اس کے پاس ایسا کچھ ہے بھی نہیں جس کی وہ قربانی دے سکے۔

اماں آپ نے یہ نہیں سوچا کہ جو کچھ آپ کہہ رہی ہیں اس کا نتیجہ کیا ہو گا۔ جب وہ اس در پر آتی تھیں آپ نے ہر بار انہیں خالی ہاتھ ہی لوٹایا تو اب آپ ان سے کیوں آس لگا رہی ہیں اب وہ کیوں اس بارے میں سوچیں ان کا کنوارا، لائق فائق بیٹا۔ جس کی منگیتر بھی بہت خوبصورت امیر و کبیر ہے اس کے لیے ایک طلاق یافتہ کا انتخاب سب سے بڑی بے وقوفی ہے فی زمانہ ایسا انتخاب کوئی ہوش مند تو بنا مجبوری کے شاید کر ہی نہیں سکتا۔"

"لیکن آخر اس میں برائی ہی کیا ہے۔ کبھی زوئی ان کی پسند رہی تھی۔"

"کبھی اماں کبھی۔ اب وہ وقت نہیں رہا بہت کچھ بدل گیا ہے۔ اب آپ یہ یاد رکھیں کہ زوئی ایک مطلقہ ہے اور کوئی ماں اپنے کنوارے بیٹے کے لیے کسی مطلقہ کو پسند نہیں کرتی یہی یہاں کا دستور ہے۔ یہ اصول ہم سب نے مل کر بنائے ہیں۔ پھپھو کی جگہ آپ بھی ہوتیں نا اماں تو شاید یونہی دامن بچا جاتیں۔"

"کیا ہوا آپا خیریت۔" وہ آپا کو تیز لہجے میں بولتے پا کر اپنے کمرے سے نکل آئی جانے اب کون سی قیامت آگئی تھی جبکہ آپا اسے اپنے آپ سے غافل۔ بکھرے الجھے بال اور ملگجے لباس میں دیکھ کر دل مسوس کر رہ گئیں کل تک وہ ان سے کہتی تھی کہ آپا خود پر بھی توجہ دیں اچھا برا وقت تو زندگی کے ساتھ ہے اب برے وقت کو گلے کا طوق تو نہیں بنایا جا سکتا نا۔

"کیا ہوا اماں۔ خیریت۔" آپا کو خود میں الجھے دیکھ کر وہ اماں سے مخاطب ہوئی آپا خود بھی چونک اٹھیں۔

"ہاں خیریت ہی ہے تم سناؤ اب بھی وہی سونا جاگنا چل رہا ہے یا زندگی میں کچھ اور بھی کرنا ہے۔"

"کیا مطلب اب اور کس قابل رہ گئی ہوں میں۔ بتائیے وہ بھی کر لوں گی۔"

"کیسی باتیں کر رہی ہو زوئی۔ گھر میں پڑے پڑے تو تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اب تو تجھے ہی کچھ کرنا پڑے گا ورنہ تم خود کو نقصان پہنچا بیٹھو گی۔" کہتے ہوئے وہ جانے کو اٹھ کھڑی ہوئیں۔

اس کے تو وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ آپا اپنے قول کو عملی جامہ پہنائیں گی اور وہ بھی اتنی جلدی۔ انہوں نے اسے گھر سے باہر نکالنے کا خوب انتظام کیا تھا ایاز بھائی کے دوست کے اسکول میں اس کی تقرری کروا کر۔

اور شاید انہیں علم تھا کہ وہ راضی نہیں ہو گی جب ہی اس کام کے لیے ایاز بھائی کو بھیجا تھا اور ایاز بھائی نے جس طرح اس سے گزارش کی تھی۔ اس کے پاس انکار کا چارا ہی نہیں رہا۔

♥ ♡ ♡ ♥

اس نے اسکول جوائن کر لیا تھا۔ آپا نے ٹھیک ہی کہا تھا تمہارہ کروہ غلط سلط سوچتی رہتی تھی صلاحیتوں کو زنگ لگ رہا تھا۔ آپا کتنی فکر کرتی تھیں اس کی۔

"اماں پتا ہے پھپھو بڑی خوش ہیں اشہد آ رہا ہے نا۔ اس کا دو سال کا ایگریمنٹ پورا ہو گیا ہے۔ اب وہ یہاں بزنس کرے گا۔ خوب پیسہ کمائے گا۔ ہائے کچھ لوگ کتنے خوش نصیب ہوتے ہیں کہ عمر کے ہر حصے میں ہر چیز پا لیتے ہیں اچھا گھر، اچھا شوہر۔ اچھے رشتے، خوبصورتی، دولت بظاہر تو کوئی کمی لگتی ہی نہیں جبکہ کچھ لوگ۔۔۔" وہ چپ سی ہو گئیں نظر اسکول سے پلٹتی زونیو پر جو ٹھہر گئی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

اشہد کے آنے میں اور شادی میں چند ہی دن رہ گئے تھے پھپھو سے ملاقات نہ ہونے کے برابر رہ گئی تھی خود وہ بھی بہت مصروف تھی اماں البتہ وہیں پائی جاتی تھیں اور واپسی میں وہ جس طرح زرین کی بری کا ذکر کرتیں۔ اشہد کی تعریف کرتیں تب اس وقت ان کی آنکھوں میں کیسا دکھ لہجے میں کیسی خواہش تڑپتی تھی وہ اسے محسوس کر کے آنکھیں چرا جاتی۔ اماں بھی جانے کیا کچھ سوچتی رہتی تھیں۔ تو کیا وہ۔ کیا خود ایسا اس نے نہیں سوچا تھا۔ اکثر تنہائی میں جب عمر کا گوشوارہ دیکھنے بیٹھتی تھی تب چپکے سے اس کا مسکراتا چہرہ نگاہوں کے سامنے آن رکتا۔ ضدی دل حالات اور عقل سے انجان ایسی ہی بچکانہ خواہش کرتا۔ مگر وہ سر جھٹک دیتی۔ وقت نے سب کچھ سمجھا دیا تھا اب وہ۔ وہ زونیو تو نہ رہی تھی۔ جسے اشہد چاہتا تھا درمیان میں وہ اظہر وحید کی بیوی بھی رہی تھی اور اب ایک مطلقہ۔ طلاق کا لیبل کسی عیب کی طرح اس کی پیشانی سیاہ کر رہا تھا اور کسی عیب دار کو اپنانے کی غلطی کوئی بے عیب کبھی نہیں کرتا۔

♥ ♡ ♡ ♥

واپسی کے سفر میں وہ بہت خوش تھا اپنوں سے ملنے کی خوشی، زرین کا خیال (کہ اس نے خود کو راضی کر ہی لیا تھا خوشیوں کے لیے یہی اس کے اور ہنی کے لیے بہتر تھا) اور آج وہ بنا اطلاع کے ہی گھر جا رہا تھا اسے دیکھ کر کس کس کا چہرہ چمکتا تھا یہ اسے دیکھنا تھا۔

اپنے گھر سے کچھ فاصلے پر ہی اس نے ٹیکسی فارغ کر دی تھی حالانکہ اس کے ساتھ کچھ سامان بھی تھا، مگر جانے کیوں دل چاہ رہا تھا ان گلیوں میں آوارہ گردی کرنے کا۔ وہ سارے لمحے آخری بار محسوس کرنے کا جن میں کچھ ہنی کا ساتھ حاصل رہا تھا۔ پھر جانے وہ زرین میں گم ہو جائے اور اس کام کا موقع ہی نہ ملے۔

وہ خیالوں ہی خیالوں میں آگے بڑھ رہا تھا تب اپنے سے کچھ آگے اسے ایک لڑکی پر زونیو کا گمان گزرا سر پر دوپٹہ تھا ورنہ وہ اسے بالوں سے پہچان لیتا۔ وہ تیز چلتا ہوا اس کے قریب ہو گیا وہ زونیو ہی تھی اور سب سے پہلے اسے دیکھ کر اسے جتنی خوشی ہوئی تھی وہ اتنی ہی

اداس لگ رہی تھی۔

"اشہد" وہ حیرانی سے بولی اور اس حیرانی میں خوشی سے زیادہ ویرانی تھی۔

"لگتا ہے تمہیں مجھے یوں اچانک اپنے سامنے دیکھ کر بالکل خوشی نہیں ہوئی۔"

"اچانک تو ہمیں بہت کچھ دیکھنا پڑتا ہے ہر بات پر تو خوشی نہیں ہو سکتی۔"

"کیوں کیا بہت خوش ہو ہو کر خوشی کھو گئی کیا۔" وہ شرارتاً بولا مگر وہ چپ ہی رہی۔

"اچھا یہ بتاؤ کیا گھر پر سب میرے منتظر ہیں۔ تم سے اس لیے پوچھ رہا ہوں تم سب میں اٹھتی بیٹھتی ہو گی تمہیں پتا ہو گا۔ ثمن نے تو مہینے پہلے ہی ڈھولک رکھ لی ہو گی اور فریحہ کافی پہلے سے اس دن کی منتظر تھی اور تم۔ تم نے کیا تیاری کی ہے میری شادی کی۔ ویسے تمہیں تو ضرورت بھی نہیں ہو گی۔ اظہر کی چوائس واقعی بہت اچھی ہے 'میری انگیجمنٹ والے دن تم بہت اچھی لگ رہی تھیں زرین سے بھی زیادہ۔"

"اشہد پلیز۔" اس نے قدم روک کر ملتجی نگاہوں سے اسے دیکھا تب اشہد کو پتا چلا کہ یہ خشک آنکھیں صرف کھنڈر ویران ہی نہیں ہیں کبھی کبھی ان میں پانی بھی اتر آتا ہے۔

"اب تم مجھ سے ایسی باتیں مت کرو۔ پلیز۔"

"کیوں۔ کیا اب تمہارے دل میں میری حیثیت بدل گئی ہے کیا اب میں تمہارا دوست نہیں رہا جو تمہیں سراہ سکوں۔"

"نہیں ایسی بات نہیں۔" وہ پریشانی سے انگلیاں چٹخانے لگی۔ وہ تو بھول ہی گئی تھی کہ ایک رشتہ اب بھی ان کے درمیان قائم تھا اور وہ کیا سمجھ رہی تھی۔

"تو کیا بات ہے۔ کل تک تو تم مجھ سے خواہش کرتی تھیں کہ میں تمہیں شعر سناؤں اس وقت بھی تو تم مجھے اپنی دوست کہتی تھیں پھر یہ اچانک کیا ہو گیا پہلے بھی دوستی ہی تھی اور اب بھی۔"

"تم۔۔۔ تم چپ نہیں ہو سکتے اشہد۔ ضروری ہے کہ میرا احتساب کرو۔ وہ سوال کرو۔ جنہیں میں خود نظر انداز کر دیتی ہوں اچھی دوستی ہے تمہاری۔"

"اچھا سوری ہنی۔ ناراض مت ہو۔ یہ بتاؤ کہاں جا رہی ہو۔ ہمارے گھر یا تمہارے گھر۔"

"اپنے گھر۔" جانے کتنی مشکل ہوئی تھی یہ جواب دینے میں۔

"تمہارا گھر تو بہت پیچھے رہ گیا ہنی چلو ماموں کے گھر چھوڑ دیتا ہوں۔ اچھا یہ بتاؤ۔ آج شب آؤ گی نا۔" اسے دروازے پر چھوڑ کر وہ بولا۔

"اشہد کیا ضروری ہے کہ تم ہر معاملے میں مجھے گھسیٹ کر اپنے ساتھ کر لو اب میں چاہوں بھی تو تمہارا ساتھ نہیں دے سکتی اور تمہیں بھی میرے ساتھ کی ضرورت نہیں ہونی چاہیے تمہیں زرین کے بارے میں سوچنا چاہیے۔"

"جب زرین کی باری آئے گی تو میں اس کی حق تلفی نہیں کروں گا مگر تم میری کزن ہو دوست ہو اور دوستی کا اصول یہی ہے کہ۔ دوست وقت پر دوست کے کام آئے اور تم انکار کر رہی ہو۔"

"تمہیں میں انکار نہیں کر رہی ہوئی تمہیں جب بھی ایک دوست کی ضرورت ہو گی مجھے حاضر پاؤ گے مگر یاد رہے صرف دوست کی۔" کہتے ہوئے اس نے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔ وہ بھی سر ہلاتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

♥ ♡ ♡ ♥
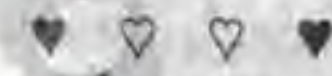
اہل خانہ کو اپنے لائے ہوئے گفٹ دے کر جب وہ سونے کے لیے اپنے کمرے میں گیا تو اماں کو اپنے پیچھے دیکھ کر اچانک یاد آیا کہ ان کا گفٹ دینا تو وہ بھول ہی گیا ہے حالانکہ یہ ڈرامہ تو اسے ہنی کے ساتھ کرنا تھا اسی لیے اس نے ہنی کا گفٹ سب سے نیچے رکھا تھا مگر یہ کیا ہنی تو سامنے تھی نہیں اور وہ اماں کو بھی بھلا بیٹھا تھا۔

"یہ لیں اماں یہ سب میں آپ کے لیے لایا ہوں۔" اس نے مختلف چیزیں اماں کے سامنے رکھ دیں جن میں سے انہوں نے کچھ چیزیں زرین کے لیے علیحدہ کر لیں وہ انہیں دیکھ کر مسکرا دیا ساس بہو کی شادی کے بعد والی "محبتیں" بھی دیکھی تھیں۔

"اور یہ۔۔۔ اس میں کیا ہے۔" اسے بیگ ایک طرف رکھتے دیکھ کر انہوں نے ایک شاپر کی طرف اشارہ کیا جو شاید وہ اندر ڈالنا بھول گیا تھا۔

"ارے یہ۔۔۔ یہ میں ہنی کے لیے لایا تھا۔" وہ شاپر سے تحائف نکالنے لگا ہنی کا سوٹ بہت خوبصورت تھا۔ ڈارک میرون اور کیمل براؤن کنٹراسٹ والا۔

"ارے مگر ہنی اتنے ڈارک کلر کب پہنتی ہے یہ تو زرین پر خوب جچے گا۔" انہوں نے سوٹ لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا مگر جانے اسے کیا ہوا کہ اس نے بے اختیار ہاتھ پیچھے کر لیا۔

"لیکن اماں یہ تو میں ہنی کے لیے لایا ہوں اور پھر زرین کے لیے اتنی چیزیں تو ہیں۔" اس نے وضاحت کی۔

"ہاں تو وہ تمہاری ہونے والی بیوی ہے جتنا دو گے اسے کم ہے۔ پھر ہنی کے لیے بھی تو تم اتنا کچھ لائے ہو ایک سوٹ نہیں دو گے تو کیا ہو جائے گا ویسے بھی وہ اتنے گہرے رنگ نہیں پہنتی۔" اماں کو اس کا ہاتھ پیچھے کرنا بہت برا لگا تھا۔

"اماں پہلے نہیں پہنتی تھی مگر شادی کے بعد سے تو پہنتی ہے میری منگنی والے روز بھی تو ڈارک کلر پہنا تھا کیسا سوٹ کر رہا تھا اس پر۔"

"مگر اب کیا فائدہ ہلکے یا گہرے رنگ کا۔ اب تو اس کی زندگی سے رنگ ہی ختم ہو گئے۔ ہائے کیا برا ہوتا جو بھابھی اپنے بچکانہ فیصلے کی بھینٹ نہ چڑھاتیں اس معصوم کو۔ ہائے میری بھولی بھتیجی اتنی سی عمر میں کیا کیا پہاڑ ٹوٹ پڑے اس پر۔ کیا میرا دل نہیں جلتا اس کے لیے مگر ایک لکیر سی آ گئی ہے بیچ میں اور اس لکیر کو ہی تو پار نہیں کر سکتی میں۔ پھر بھابھی کی ضد بھی یاد آ جاتی ہے سو سر جھٹک دیتی ہوں۔"

"کیا کہہ رہی ہیں اماں۔ خیریت تو ہے اور یہ ہنی اتنے دنوں پہلے کیسے آ گئی ورنہ آپ نے تو کہا تھا کہ وہ میکے بھی بہت کم آتی ہے پھر اس کے شوہر نے کیسے بھیج دیا۔"

"ارے تمہاری شادی کے لیے کب بھیجا ہے اب تو ہمیشہ کے لیے بھیج دیا ہے بے چاری کو۔ ہائے سوچتی ہوں تو کلیجہ کانپ اٹھتا ہے وہ پہاڑ ٹوٹ گیا اس پر جس کے خوف سے عورت کانپتی ہے۔"

"اماں آپ ٹھیک سے بتائیں آخر ہوا کیا ہے۔" وہ پریشانی سے بولا۔ ہنی کا کھویا کھویا لہجہ بھی یاد آ رہا تھا اور جواباً جو کچھ اماں نے اسے بتایا وہ سب اس کے لیے ناقابل یقین تھا اسے تو پتا ہی نہیں تھا کہ وہ اتنی زخمی ہے اب تو اس کے درد کا مداوا بھی نہیں کر سکتا تھا وہ۔

وہ اپنے آپ میں الجھتا رہا ساری رات اور صبح اس نے ماں سے کہہ ہی دیا۔

"اماں میں ہنی سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔"

اس کا لہجہ جس قدر ٹوٹا پھوٹا اور الجھن کا شکار تھا اماں اتنے ہی مستحکم لہجے میں گویا تھیں۔

"پاگل ہوئے ہو کیا بکواس کر رہے ہو' ہوش میں نہیں رہے کیا۔ کچھ میرے سفید چونڈے کا خیال ہی کرو۔ یہاں شادی کی تیاریاں مکمل ہیں اور جناب عشق میں نام کمانے کی فکر میں ہیں۔ پتا نہیں ہے کیا کہ دونوں طرف شادی کی تیاریاں مکمل ہیں تمہارے ذہن میں ایسا خیال آیا بھی تو عزت خاک میں مل جائے گی۔"

"مگر ماں وہ میری محبت ہے اور اسے میری ضرورت ہے۔"

"جانتی ہوں میں سب اور اس کے لیے بہت کوشش کی تھی مگر ناکام رہی مگر اب تم یہ خیال دل سے نکال دو۔ اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ زرین بہت اچھی ہے تم اس کے بارے میں سوچو اب وہ تمہاری بیوی بننے والی ہے صرف اسی کا خیال کرو۔"

"اور ہنی اس کا کیا ہو گا۔"

"اس کا بھی کچھ نہ کچھ ہو ہی جائے گا' لیکن تم اس کا خیال ذہن سے نکال دو ابھی تو میں جانتی ہوں تم اس کی محبت میں مجبور ہو۔ ہوش سے پیدل' مگر جب یہ بھوت اترے گا دماغ سے 'تب پچھتاؤ گے۔ آج کے دور میں کوئی محبت کے لیے قربانی نہیں دے سکتا۔ فرہاد

اور مجنوں بھی اس دور میں آجائیں تو یقیناً" راستہ بدل لیں۔"

"آج تم ہنی سے شادی کر بھی لو تو کل کیا ہوگا۔ یہی خیال ستائے گا کہ وہ تمہارے لائق نہیں تھی تم دونوں کا کوئی جوڑ نہیں تھا تم نے اس کے لیے قربانی دی ہے کہ کچھ بھی ہو کنواری اور شادی شدہ عورت کا فرق بہت واضح ہوتا ہے اور ابھی تم اس سے غافل ہو۔ اس معاشرے میں کنواری لڑکی کی شادی تو شادی شدہ مرد سے ہو سکتی ہے۔ مگر یہ والی صورت حال' نہیں' ایسا نہیں ہوتا۔ ہنی تمہارا راستہ ہے اشعد' تم اس میں بھٹک کر رہ جاؤ گے یہ جان لو۔ اب وہ تمہاری منزل نہیں رہی۔"

جانے یہ اماں کی باتوں کا اثر تھا یا اس لیبل کا جو اس پر لگا تھا کہ وہ سب کچھ بھلائے اپنی شادی کے ہنگاموں میں مصروف ہو گیا تھا۔

وہ اس کی شادی میں نہیں آئی تھی۔ اس کی کولیگ کی ماں کا انتقال ہو گیا تھا وہ وہیں تھی وہ بھی بظاہر غافل تھا مگر دل کے کسی کونے میں جو شکوہ تھا۔ وہ لب پر آ ہی گیا جب وہ اس کے ولیمے میں آئی۔

"تو گویا تمہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی میری شادی سے۔"

"کیوں یہ کیوں کہہ رہے ہو تم۔"

"اگر خوشی ہوئی ہوتی تو تم میری شادی کا فنکشن مس نہ کرتیں۔"

"آج تو آگئی ہوں اور میری خوشی کے اظہار کے لیے یہ ناکافی تو نہیں۔"

"آئی ایم سوری ہنی مجھے تمہیں ہرٹ نہیں کرنا چاہیے تھا کچھ تو دوستی کا ثبوت دینا چاہیے تھا آئی ایم سوری ہنی۔ اگر تم مجھ سے خفا نہ ہو تو ممکن ہے دوستی کی جو لکیر ہمارے درمیان ہے اس پر سے دھند کی چادر ہٹ جائے۔ ہیں تو ہم دونوں ہی مصروف' مگر زندگی کے ہنگاموں سے تھک کر اگر جو کبھی ہمیں ایک دوسرے سے شیئر کرنے کا موقع ملے تب وعدہ کرو کہ اس دوستی کے رشتے کو زندہ رکھو گی ساتھ نبھاؤ گی وعدہ کرو۔"

"تم آزما لینا اشعد۔ جانتے تو ہو میں جو سوچ لیتی ہوں اس میں مضبوط ہو جاتی ہوں۔"

♥ ♡ ♡ ♥

عدیل کی آمد بڑی غیر متوقع تھی جہاں وہ اسے دیکھ کر حیران تھی اماں بھی جیسے خود کو حالت خواب میں پا رہی تھیں۔ اس نے خط لکھ کر اطلاع تو دی تھی مگر انہیں کہاں یقین آنا تھا پہلے بھی ایک بار وہ ایسا مذاق کر چکا تھا۔

"ارے کیا ہوا۔ یہ میں ہوں ڈیئر مام' آپ کا بیٹا۔" اس نے قریب جا کر اماں کو جھنجھوڑا تب کہیں جا کر جاگیں۔ اس کے قریب آنے پر نہیں "مام" کہنے پر۔

"ہائے میں نے تو تمہیں مسلمان بھیجا تھا عدیل یہ کس رنگ میں رنگ کر آئے ہو۔" اماں روہانسی لے میں بولیں۔

"کیوں اچھا نہیں لگا اتنے ہینڈسم نوجوان کا ماں کہنا۔" وہ قریب ہو کر شرارت سے بولا اور زونیہ اس گھر میں یہ موسم دیکھ کر حیران رہ گئی یہ موسم تو کب کا روٹھ چکا تھا۔ پہلے اشعد یا پھپھو آجایا کرتے تھے مگر شادی کے بعد تو اشعد نے گھر بدل لیا تھا اور اس کی مصروفیات اتنی تھیں کہ کم ہی ملنا ہوتا تھا۔

"آئے ہائے۔ کیا بک رہے ہو۔ دیکھ رہی ہو زونی اسے کیسی بے شرمی کی باتیں کر رہا ہے لگتا ہے ساری تمیز انگریزوں میں بانٹ آیا ہے۔ ماں بہنوں کا بھی خیال نہیں اسے۔"

"لیجیے اب اس میں بد تمیزی کی کیا بات ہے میں نے کون سا آپ کے محلے کی لڑکی کا ہاتھ پکڑ کر آپ کے سامنے اظہار عشق کر دیا ہے جو شرماؤں۔ آپ بھی حد کرتی ہیں؟" وہ ہنسی روک کے سنجیدگی ظاہر کرتے ہوئے بولا۔ اماں تو جیسے صدمے سے غش کھانے لگیں۔ الفاظ گنگ ہو گئے تھے۔ زونی کے چہرے پر بڑے دنوں بعد ہنسی بکھری تھی اور عدیل مطمئن ہو گیا۔ اسی ایک مقصد کے لیے تو تایا نے اسے بلایا تھا کہ کم از کم اس کے آنے سے ہی اماں اور زونی کی زندگی کا کچھ رنگ بدلے۔

"لیجیے اب کیوں چپ ہیں۔ اب کیا ہوا میں نے تو اب خالصتاً" یہیں والی باتیں کی ہیں اب یوں ٹکر ٹکر کیوں دیکھ رہی ہیں کیا سچ مچ افسوس ہو رہا ہے۔" وہی اس کی شرارت تھی۔

"میرا خیال ہے مجھے ہی اٹھ جانا چاہیے جب تک اس کے سامنے رہوں گی اس کی زبان چلتی رہے گی۔ ہائے کتنا انتظار تھا میری بوڑھی آنکھوں کو اسے دیکھنے کا۔ جوان بیٹے کا سہارا کیا ہوتا ہے یہ کوئی میرے دل سے پوچھے زندگی تو یوں بھی گزر جاتی ہے خالی خالی بے آسرا سی مگر مرد کا سہارا عورت کے لیے گرم شال کی طرح ہوتا ہے جو اسے زمانے کے سرد و گرم سے محفوظ رکھتا ہے۔ مرد چادر ہوتا ہے عورت کی۔ جو اسے چاہے تو اس کے ہر فیصلے کو حد میں رکھتا ہے۔ دنیا میں عورت کا مقام متعین کرتا ہے اس کی پہچان اور سہارا بنتا ہے۔"

"اماں اماں۔ اب میں آگیا ہوں نا اب کیوں دکھی ہو رہی ہیں۔ اچھے دن ہیں نا ہمارے سامنے۔ برے دنوں کا رونا چھوڑیے سب اچھا ہو جائے گا۔" عدیل انہیں تسلی دیتے ہوئے بولا۔

"برے دن زندگی سے نکل تو نہیں جاتے ذکر نہ بھی کریں فکر تو رہتی ہی ہے۔" انہوں نے کن انکھیوں سے زونیہ کو دیکھا۔ "اور دکھ تو مجھے تمہارا ابھی سے ابھی آتو گئے ہو پھر جب یہاں کے مسائل سے تنگ آجاؤ گے تو غیروں کی طرح منہ پھیر کر بھاگ جاؤ گے۔"

"زونی یار' خیر تو ہے آج کہیں غموں کا عالمی دن تو نہیں منایا جا رہا پاکستان میں۔"

"ہاں میاں تم کوئی نہ کوئی اچھی بری بکو گے ہی' بے وقوف کہیں کے۔ اپنا ملک پھر اپنا ہی ہوتا ہے اور یہ "اپنا" ہونا ہی کچھ کم نہیں ہوتا۔"

"ارے واہ زونی۔ اماں تو بہت اچھا بول لیتی ہیں کیا خبریں زیادہ دیکھنے لگی ہیں۔ اچھا چھوڑیں اماں ناراض کیوں ہوتی ہیں اور یہ جو آپ اپنا ملک کہہ رہی ہیں نا۔ آپ صرف کہہ رہی ہیں جبکہ میں اسے محسوس کر چکا ہوں آپ کو کیا پتا۔ جب اپنی چیز اپنی دسترس میں ہوتی ہے تب تک کوئی خاص کشش کوئی خدشہ نہیں ہوتا لیکن جب ہاتھ سے نکل جاتی ہے۔ تب اس سے دور ہو جانے کا کھو دینے کا احساس خالی کر دیتا ہے کہ ایک چیز جو مل گئی تھی ناقدر شناسی میں کھو دی اور خالی ہو گئے وہ تھی تو سب تھا احساس نہ تھا اور وہ بچھڑی تو احساس بھی پچھتاوے کی صورت میں بیدار ہو گیا۔ اس چیز کا ہمارے ہاتھ سے چھو کر نکلنا ہی کیوں ضروری ہوتا ہے اماں۔ وہ ہمیں بے ہوش کر کے لاعلمی میں بھی تو ہم سے بچھڑ سکتی ہے ہم اسے جاگتے میں ہی کیوں کھوتے ہیں کیوں آخر۔" عدیل کا شکستہ لہجہ انہیں خود بھی اپنے دکھ یاد دلا گیا۔ انہیں بھی تو اسی سوال کا جواب چاہیے تھا انہوں نے بھی تو اپنے ہاتھوں ایک قیمتی دولت ناقدر شناسی میں گنوا دی تھی۔

♥ ♡ ♡ ♥

"اماں کیا خیال ہے اب بھیا کے سر پر سہرے کی سوچیں۔" اس نے کافی دنوں بعد کوئی مسکراتی بات کی تھی۔

"ارے سوچ تو میں بھی رہی ہوں مگر کوئی نظر میں سمائے بھی تو۔ بندہ یقین بھی کرے تو کس پر۔" اماں اداسی سے بولیں۔

"اماں فریحہ کے بارے میں کیا خیال ہے دیکھی بھالی ہے پھر اپنی ہے' کم از کم ہمارا درد تو ہو گا اس کے دل میں۔"

"ہاں خیال تو میرا بھی یہی تھا اچھی ہے وہ ہمارے ساتھ' عزت کرتی ہے ہماری اور کیا چاہیے ہمیں مگر کیا کروں ایک بار منہ سے نکل گیا تھا کہ خاندان میں نہیں کرنی اب پچھتا رہی ہوں۔"

"اماں پچھتانے سے کچھ نہیں ہو گا۔ بس اب بھیا سے بات کر کے بسم اللہ کریں ان شاء اللہ پھپھو انکار نہیں کریں گی۔" وہ یقین سے بولی۔

"کیا باتیں ہو رہی ہیں کہیں آپ دونوں سر جوڑے بیٹھیں مجھے نقصان پہنچانے کا منصوبہ تو نہیں بنا رہیں۔" عدیل اسی وقت اندر داخل ہوا۔

"بھیا۔ ہم چاہتے ہیں کہ اب تمہاری شادی کر-

دیں۔" اس نے بنا تمہید بات کا آغاز کیا۔

"میری شادی"

"کیوں کرلی ہے کیا؟"

"کیا کہہ رہی ہو۔ پاگل ہوئی ہو' کیا وہاں شادی کرنے گیا تھا میں' خیر یہ بتاؤ مجھے کس کھونٹے سے باندھنے کا ارادہ ہے۔"

"پھپھو کی فریحہ۔"

"فریحہ۔" وہ جیسے تصور میں اس کا چہرہ تراشنے لگا۔ "کیا خیال ہے دے دیں رشتہ۔" وہ اماں کی طرف رخ موڑتی ہوئی بولی۔

"آں۔ مجھے کیا پتا' جو تمہارا دل چاہے کرو۔ ویسے بھی رہنا تو اسے تم لوگوں کے ساتھ ہی ہے۔" وہ صاف دامن بچا گیا۔

"کیوں۔ آپ کیا شادی کے بعد مریخ پر جا نکلیں گے؟" وہ مصنوعی ناراضی سے بولی۔ ان کا اقرار سمجھ آگیا تھا۔

"اے کیا کہہ رہی ہو زوئی' شکر کرو بچے میں شرم باقی ہے' یہاں کے طور اطوار یاد ہیں۔ اب دیکھو جاکر۔ شاید سالن جل رہا ہے۔" اماں نے کچن سے آتی جلنے کی بو سونگھی تو وہ بھی اماں کی قوت شامہ کو داد دیتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

"کیا ہوا اماں پریشان ہیں؟" اماں کی خاموشی سے پریشان ہو کر عدیل بولا عموماً" اماں کم ہی خاموش پائی جاتی تھیں۔

"پریشانی تو اب پل پل کا سنگھار ہوئی۔ جب بھی زوئی پر نظر پڑتی ہے دل جلتا ہے غلطی میں نے کی تھی اور جرمانہ وہ بھر رہی ہے۔"

"اماں چھوڑیں جو ہو گیا سو ہو گیا۔ اسے گھسیٹنے سے کچھ حاصل نہیں۔ آج میں جئیں۔ ان شاءاللہ زونیہ کے ساتھ بھی اچھا ہو ہی جائے گا۔"

"مجھے نہیں لگتا' دل کڑھتا ہے کیسے کیسے رشتے رہ گئے میری پھول سی بچی کے لیے ہائے۔"

"اماں اماں ریلیکس' کیا کوئی مناسب رشتہ نہیں گزرا نظر سے۔ جس پر ہم کچھ سوچ سکیں۔"

"ہاں ایک آیا تھا۔ کنوارا تو خیر اب کوئی آنے سے رہا نہیں شادی شدہ ہی تھا۔" اماں اسے احمد حسن کے پروپوزل کے بارے میں بتانے لگیں جو بہنی کے اسکول میں پڑھاتا تھا۔

"ٹھیک ہے۔ آپ ایڈریس دے دیجیے گا میں خود ہی مل لوں گا۔"

"ہائیں یہ کس سے ملنے کا ذکر ہو رہا ہے معاف کرنا بھیا۔ فریحہ کی طرف ہم تمہیں نہیں لے جا سکتے۔"

"نہیں زوئی کل ہم تم تو اشہد کی طرف جائیں گے کیا سوچتا ہو گا کہ آگیا ہوں اور اس سے نہیں ملا۔"

"اشہد کی طرف' مگر بھیا کل تو مجھے اسکول جانا ہے۔" اس نے عذر تراشا۔ شادی کے بعد وہ اشہد سے ایک بار ملی تھی۔

"تو چھٹی کرنے کو کس نے کہا ہے میں تمہیں اسکول سے پک کروں گا وہیں سے دونوں جائیں گے ٹھیک ہے۔"

"جیسی تمہاری مرضی بھیا۔" اس نے سر خم کر دیا۔ "لیکن اماں آپ ضرور پھپھو سے بات کر لیجیے گا۔ اب دیر نہیں کرنی چاہیے ہمیں۔"

"تم کتنی ہی جلدی مچالو بہنا مگر یاد رکھو۔ پہلے اس گھر سے تمہیں ہی رخصت ہونا ہے۔" عدیل نے مسکراتے ہوئے نیا موضوع چھیڑا۔ "کیا' میں۔" اس کے سر پر کوئی بوجھ آن گرا کتنی مشکل سے وہ بھائی کی ذات میں گم ہوئی تھی۔ "مگر بھیا' تمہیں نہیں پتا میری شادی تو ہو چکی ہے۔" ہائے کیسا قاتل جملہ تھا۔ عدیل اور اماں کا دل کٹ کر رہ گیا۔

"جانتا ہوں میں سب۔ اس لیے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں اور پھر تمہیں مجھ پر یقین نہیں کیا۔ پریشان مت ہونا۔ میں سب دیکھ بھال کر کروں گا ان شاءاللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"یقین۔ تم پر تو بہت یقین ہے بھیا۔ پر اپنی قسمت پر ہی نہیں کیا کیا جائے۔"

"قسمت ہمیشہ بری ہی نہیں ہوتی خوش قسمت بھی اسی ارض پر پائے جاتے ہیں پھر میں تمہارا بھلا ہی چاہتا

ہوں' تمہاری خوشی ہی میرا سکون ہے۔" عدیل نے بڑا بھائی بن کر اس کے سر پر ہاتھ پھیرا تو جانے کب کے جمع شدہ آنسو آنکھوں میں جاگ اٹھے۔

♥ ♡ ♡ ♥

احمد حسن سے ملاقات بس ٹھیک ہی رہی تھی وہ کچھ جان چکا تھا اس کے بارے میں مگر بہت کچھ جاننا باقی تھا لیکن عدیل نے زونیہ سے اس کا ذکر نہیں کیا تھا بس وہ سارے راستے اشہد کے بارے میں ہی پوچھتا رہا۔

گیٹ اشہد نے ہی کھولا تھا اور انہیں دیکھ کر بس آنکھیں پھاڑے مبہوت ہو کر دیکھتا رہ گیا۔

"ارے عدیل تم۔ کہیں میں خواب تو نہیں دیکھ رہا۔"

"کیوں تم خواب میں ایسی چیزیں دیکھتے ہو۔" زونیہ عدیل کی طرف اشارہ کر کے شرارت سے بولی۔ عدیل اور اشہد نے خوشگوار حیرت سے اسے دیکھا۔

"آؤ اندر' سچ بتاؤں۔ ابھی میں تمہارے بارے میں ہی سوچ رہا تھا۔"

"میرا تو صرف بہانہ ہو گا سوچ تو تم کسی اور کے بارے میں رہے ہو گے۔ ویسے بھابھی سے اجازت مل گئی کیا۔" عدیل گھر کا جائزہ لیتے ہوئے بولا۔

"زرین گھر پر نہیں ہے اس کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے اماں اسے اس کے پیرنٹس کی طرف لے گئی ہیں خیر تم بیٹھو میں چائے کا انتظام کرتا ہوں۔" وہ اٹھنے لگا۔

"کیوں کیا تم نے چائے کا ہوٹل کھول لیا ہے یا ہمارے گھر میں چائے کا کال پڑ گیا ہے۔" عدیل بولا۔

"ہم کچھ بھی کہو' مگر یہ ہماری روایت ہے کہ جتنا ہو سکے ہم مہمان کی تواضع ضرور کرتے ہیں۔"

"لیکن ہم تم سے ملنے آئے ہیں ابھی بیٹھو۔ پھر چائے بھی پی لیں گے۔" عدیل نے ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے برابر بٹھا لیا۔

"پھپھو کب تک آئیں گی۔" اسے اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھ کر زونیہ بولی۔

"وہ تو رات سے پہلے نہیں آئیں گی۔ بس زرین کے سلسلے میں مصروف ہیں۔"

"تم اور زرین' تم لوگ کیوں نہیں آتے ہماری طرف پرانے راستے بھول گئے ہو کیا۔"

"پرانے راستے بھی کبھی بھولتے ہیں۔ ہاں البتہ ہم خود ان سے نظر چرانے پر مجبور ضرور ہو جاتے ہیں۔"

"کیوں کیا اس علاقے میں تمہارا کوئی قرض خواہ رہتا ہے جو نظر چرانی پڑتی ہے۔" عدیل مزے سے بولا۔

"ہم تو اہل دل ہیں جناب۔ جو قرض لیں نہ دیں دونوں ہی صورتوں میں بے کل رہتے ہیں میرا خیال ہے میں چائے بنا لوں اب۔" وہ اٹھنے لگا۔

"اشہد۔ تم کبھی اپنے قول میں سچے بھی ہو سکتے ہو۔ مجھ پر کچھ تو یقین ہونا چاہیے۔ کیوں بھیا۔ دوستوں کو ایک دوسرے پر مان تو ہونا چاہیے۔" وہ اٹھ کھڑی ہوئی۔

"ہاں بہنا ٹھیک کہہ رہی ہو مگر یہ اسٹوپڈ نہیں سمجھے گا تم جاؤ چائے بناؤ۔ میں اسے سدھارتا ہوں۔" عدیل نے اسے کچن کا راستہ دکھایا اور رخ اشہد کی طرف کیا "جانتے ہیں میاں کہ تم ایک سلیقہ مند شوہر بن چکے ہو مگر سب کو بتانا ضروری ہے کیا۔"

"خیریت تو ہے تمہیں ان باتوں کا بڑا علم ہے۔" اب کے وہ شرارت سے بولا۔

"ارے کیا بک رہے ہو۔ جسے دیکھو ایک ہی جگہ پر چوٹ کیے جا رہا ہے مشکوک ہو گیا ہے میرا کریکٹر تو۔ اچھا اب چھوڑو یہ بتاؤ بھابھی کے ساتھ کیسی گزر رہی ہے۔"

"بظاہر بہت اچھی' اپنا تو مجھے نہیں پتا ہاں البتہ لوگ کہتے ہیں کہ میں بہت خوش ہوں (ہونہہ انہیں کیا پتا) لیکن لوگوں کو آج جو کچھ بھی نظر آرہا ہے اس کامیابی میں زیادہ تر ہاتھ زرین کا ہی ہے میں تو ڈھونڈوں بھی تو خود کو یہاں نہیں ملتا۔ کہیں اور پایا جاتا ہوں' بہت کوششوں سے اس کے ساتھ سفر شروع کرتا ہوں مگر جب دیکھتا ہوں تو اس کے ساتھ نہیں ہوتا اور اپنی یہی حرکت مجھے پشیمان کر دیتی ہے وہ اتنی اچھی ہے

کہ اس نے کبھی مجھ سے شکوہ نہیں کیا مگر میں نے اسے کیا دیا ہے ہر بار کوشش کرتا ہوں اور ہر بار ناکام رہتا ہوں اور جانتے ہو اماں کیا کہتی ہیں اماں کہتی ہیں وقتی بے کلی ہے بس ٹھیک ہو جائے گا اولاد ہو جائے گی تو اپنا وجود بھی بھول جائے گا کسی کا خیال تو دور کی بات۔"

"تو تم یہاں بیٹھے اپنی اولاد کے ہونے کا انتظار کر رہے ہو اور تنہائی کے آخری لمحوں سے دکھ کشید کر رہے ہو۔" عدیل مسکراتا ہوا بولا۔

"یہ دکھ تو شاید ساری عمر ہی میرے ساتھ رہے پشیمانی بن کر کہ میں نے کسی بھی منصب پر ذمہ داری نہیں دکھائی یا اپنے فرائض ٹھیک سے ادا نہیں کر پایا۔"

"تمہیں پشیمانی ہے نا کوشش کر رہے ہو نا یہی کافی ہے' یہ دونوں باتیں جہاں آجائیں گناہ گناہ نہیں رہتا۔ ایسی صورت میں کہ تم نے کبھی جان بوجھ کر اسے دکھ دیا بھی نہیں میرا خیال ہے سارے واہمے بھول جاؤ اور خوشی سے جیو سب اچھا ہو سکتا ہے۔"

"تھینک یو عدیل۔ مگر اب ایک نئی پریشانی ہے۔ مجھے زرین کی فکر ہو رہی ہے اس کا کیس بہت پیچیدہ ہے ڈاکٹرز جانے کیا کچھ کہتے ہیں۔"

"ارے سب ٹھیک ہو جائے گا جو جو کہہ رہا ہے کہتا رہے تم اپنے عمل پر نظر رکھو۔ تم کیا کر سکتے ہو۔"

"بھیا باتیں ہو رہی ہیں کون کیا کہہ رہا ہے۔" زوئی ٹی ٹرالی سمیت اندر داخل ہوتی ہوئی بولی۔

"یہ تمہارا بھائی ہے کہہ رہا ہے سب کو اپنی فکر ہے کوئی اس کی شادی کا ذکر تو کرتا ہی نہیں۔" اشہد چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے بولا تو وہ عدیل کو دیکھنے لگی۔

"نہیں زوئی یہ مذاق کر رہا ہے جھوٹ بول رہا ہے کیا میں ایسا ہو سکتا ہوں تم اس کی باتوں میں مت آنا۔" عدیل پریشانی سے بولا تو جیسے وہ سب سمجھ گئی۔

"بے فکر رہو۔ تمہاری بہن پہلے بھی کبھی میری باتوں میں نہیں آئی۔" وہ سر جھٹکتے ہوئے بولا۔

"بھیا کوئی فائدہ نہیں ہوا تمہارے یہاں بیٹھنے کا۔ یہ تو بالکل ہمارا دوست اشہد نہیں رہا۔ وہ جس پر ہمیں مان تھا یہ تو کوئی اور ہے۔"

"آئی ایم سوری ہنی۔ میرا ذہن کہیں اور چلا گیا تھا۔ سوری' میں اب بھی تمہارا دوست ہوں اور اب دیکھنا یہ مان نہیں ٹوٹے گا۔"

"اچھی بات ہے۔" وہ چائے کا کپ ٹرالی میں رکھنے لگی۔

"اور تھینک یو یار عدیل تمہارا بھی بہت شکریہ تم نے ہنی کو زندگی کی طرف لا کر مجھ پر احسان کیا ہے اب میں اپنی زندگی میں مطمئن جی پاؤں گا۔" وہ عدیل کی طرف متوجہ ہوا۔

"اور تمہیں کچھ اور اطمینان بھی حاصل ہونے والا ہے ہم نے زوئی کی شادی کا فیصلہ کر لیا ہے۔" عدیل نے سرپرائز دیا اور پھر وہ احمد حسین کے بارے میں بتانے لگا۔

♥ ♡ ♡ ♥

وہ بہت خوش تھی۔ اشہد سے پھر دوستی کا رشتہ جڑ چکا تھا اور اماں نے بھی پھپھو کی پسندیدگی کے بارے میں کہہ دیا تھا پھپھو عدیل اور فریحہ کے رشتے پر خوش تھیں۔

وہ انہیں خوشیوں کے' خیالوں میں تھی جب اماں کی پکار نیند سے بیدار کر گئی۔

"زوئی اٹھو' تمہاری بڑی پھپھو کا فون آیا تھا' زرین کی حالت بہت خراب ہے وہ ہاسپٹل میں ہے میں جا رہی ہوں تم چاہو تو عدیل کے ساتھ آجانا مگر دیکھو اسے یہ خبر آرام سے سنانا۔" اماں اسے ہدایت دیتی ہوئی چلی گئیں اور وہ اپنے قدموں سے جان نکلتی محسوس کرتی رہی اور اس سے پہلے کہ وہ خود عدیل کو کچھ بتاتی اس کے اٹھتے ہی فون آگیا کہ زرین ایک بچے کو جنم دے کر اس دنیا سے جا چکی ہے۔ کیسی قیامت تھی جو بڑے آرام سے سر پر ٹوٹ پڑی تھی تو گویا اشہد بھی تنہا ہو گیا اسی کی طرح۔

اور صرف اشہد کی کیا ہر کوئی ہی اسے تو تنہا اور ٹوٹا بکھرا لگ رہا تھا۔ اپنے آپ سے غافل خود پھپھو کی حالت ایسی ہو گئی تھی کہ انہیں اپنے پوتے کا ہوش نہیں تھا۔ وہ رو رہا تھا اور ثمن آپی اسے چپ کرانے میں لگی تھیں وہ ایک سے دوسرے ہاتھ میں جا رہا تھا مگر کوئی اس کی اصل پناہ گاہ نہ تھی اس نے آگے بڑھ کر اسے گود میں لے لیا اور پھر بس جیسے اسے پناہ مل گئی اور خود زونیہ کو مصروفیت۔ اپنے دکھوں سے نجات۔ وہ مکمل طور پر اس کے رحم و کرم پر تھا۔ پھپھو اور اشہد بھی یہ سب دیکھ کر مطمئن تھے۔ اس کا نام اس نے ارمغان یعنی تحفہ رکھا تھا اور وہ تحفہ ہی تو تھا اس کے لیے۔ کیا کچھ نہیں ہوا تھا اس کے حصول کے لیے اس کی زندگی میں۔ سو بس یہ دولت اب اس نے سمیٹ لی تھی اور وہ بھی تو اس کی ذات کا عادی ہوا جا رہا تھا۔ وہ روتا تو کوئی نہ کوئی اسے خود بخود اس تک پہنچا دیتا جیسے وہی اس کا اصل مقام ہو۔

اشہد اور پھپھو بھی تو بہت خوش تھے کہ اس نے یہ احسان کیا تھا ان پر ورنہ ان میں کہاں دم تھا یہ ذمہ داریاں اٹھانے کا۔

♥ ♡ ♡ ♥

زندگی پھر سے اپنی ڈگر پر چلنے لگی تھی۔ زرین کے انتقال کو دو ماہ کا عرصہ بڑی خاموشی سے گزر گیا تھا۔ ارمغان کی ساری ذمہ داریاں اب بھی اس کے سر تھیں۔

آج بھی بڑے کمرے میں چھوٹی بڑی پھپھو اماں اور عدیل موجود تھے مگر اتنے سارے لوگوں کی موجودگی میں بھی جیسے سناٹے کا راج تھا۔ ایسے میں ارمغان کی خوبصورت قلقاریاں ہی جیسے شہنائیاں تھیں ایک کونے میں بیٹھی زونیہ اسے گود میں لیے گدگدا رہی تھی اور خود بھی ہنسے جا رہی تھی اور کسی نے تو جانے دیکھا ہو یا نہیں مگر پھپھو اور اشہد ضرور اس کی طرف متوجہ تھے۔ آج بھی اس کے بال چہرے کے گرد بکھرے پڑے تھے اور وقتاً فوقتاً ارمغان انہیں مٹھی میں جکڑنے لگتا تھا اور اس وقت بھی یہی ہو رہا تھا اور پھر یہ کیا۔ اشہد نے چونک کر اسے دیکھا۔ اسے انگلی سے وارننگ کرتے ہوئے وہ اپنے ہمیشہ کے بکھرے

بال سمیٹ رہی تھی۔

"یہ تم بال کیوں نہیں باندھتیں۔" کبھی اس نے پوچھا تھا۔

"کس کے لیے باندھوں۔"

"منت مان رکھی ہے کیا۔ جب تک کوئی دل میں گھر نہیں کرلے گا تب تک یہ سنگھار نہیں کروگی اور جب وہ چاہے گا تب ہی یہ بکھری لٹیں سمیٹوگی۔"

"ہاں چلو یہی سمجھ لو۔"

"تو اب تم سنبھالو اپنی ذمہ داری۔" اسے اپنی طرف متوجہ دیکھ کر اس نے ریمغان کو اس کی طرف بڑھایا۔ لیکن وہ اشہد سے اتنا زیادہ مانوس نہیں تھا جب ہی رونے لگا۔

"لاؤ مجھے دے دو اس کا اصل جھولا میری باہیں ہی ہیں۔" اسے لے کر وہ جھلانے لگی حتیٰ کہ وہ سو گیا۔

♥ ♡ ♡ ♥
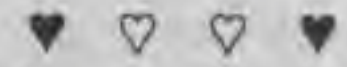
"بھابھی "آپا" میں جانتی ہوں عدیل اور فریحہ کی منگنی زرین کی وجہ سے رک گئی۔ مگر اب میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے کام نبٹالیں۔ بلاوجہ جانے والوں کا نام گھسیٹنا ٹھیک نہیں آپ لوگ کوئی اچھا دن دیکھ کر منگنی کرلیں۔ سب تو زندگی کے ساتھ ہے۔ اب جانے والے لوٹ تو نہیں سکتے۔" چھوٹی پھپھو دونوں کو مخاطب کرکے بولیں جواباً" پھپھو نے اماں کو اور اماں نے عدیل کو دیکھا۔

"آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں پھپھو جانے والے نہیں لوٹ سکتے اور آپ میری منگنی کے لیے فکر مند نہ ہوں۔ میں ویسے بھی پہلے ہنی کے فرض سے سبکدوش ہونا چاہتا ہوں پھر اپنے بارے میں سوچوں گا اور اب ویسے بھی ہنی کے نصیب میں ہمارے گھر کا دانا پانی نہیں رہا۔ احمد حسین کے بارے میں میں نے معلوم کرلیا ہے اور اب مطمئن ہوں ان شاء اللہ جلد ہی سادگی سے نکاح کردیں گے۔" وہ بولا تو چھوٹی پھپھو روتے اماں کو دیکھ کر رہ گئیں۔

"کیا بھابھی۔ اب بھی میرا بیٹا غیروں سے گیا گزرا ہے غیر اس سے اچھے ہیں جو آپ ایک بار پھر اپنی بیٹی غیروں میں دینے چلی ہیں۔" پھپھو جیسے ضبط کھو بیٹھی تھیں وہ سب آنکھیں پھاڑے انہیں دیکھتے رہ گئے۔

"آپ کے آگے ایک بار پھر جھولی پھیلا رہی ہوں بھابھی اس امید کے ساتھ کہ آپ انکار نہیں کریں گی۔ میں جانتی ہوں کہ میں غلط تھی اب میں اس سوال کا حق بھی نہیں رکھتی۔ جب میرے ہاتھ میں تھا تب میں نے اسے نہیں اٹھایا۔ خاک سمجھا غلطی کی۔ مگر بڑے تو چھوٹوں کی غلطیاں معاف کرتے ہی ہیں نا دیکھیں ایک بار پھر مجھے اپنا گھر مکمل کرنا ہے اور یہ تکمیل ہنی کے علاوہ شاید کوئی نہ کرسکے۔ پلیز بھابھی۔" پھپھو نے ان کے ہاتھوں پر ہاتھ رکھ دیے۔ اماں نے بھیگی پلکوں سے دیکھتے ہوئے سر ہلادیا۔

"مجھے منظور ہے شاید زونیہ کا اصل مقام یہی ہو۔"

"اور نہیں تو کیا بھابھی مجھے تو ایسا لگتا ہے زونی کی اصل منزل اشہد ہی ہے کچھ جوڑے اللہ خود بناتا ہے اور زمانہ انہیں بدل نہیں سکتا۔ منزل تک پہنچنے کے لیے کتنی ہی راہوں سے گزرنا پڑے۔ اصل منزل جو ہوتی ہے وہ مل کر رہتی ہے۔ اس فیصلے کو کوئی نہیں بدل سکتا۔" بڑی پھپھو بولیں۔

♥ ♡ ♡ ♥
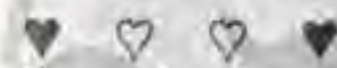
وہ ریمغان کو سلاتی ہوئی جانے کن سوچوں میں محو تھی چونکی تو تب جب احساس ہوا کہ کسی کی نگاہوں میں قید ہے۔ اس کے دیکھنے پر نگاہوں کا زاویہ بدلا اور ہاتھ بڑھا کر سائیڈ ٹیبل سے سگریٹ کا پیکٹ اٹھالیا۔

"اشہد۔" اس کے منہ سے بے آواز نکلا۔ وہ بس اسے دیکھنے لگی وہ سگریٹ سلگا کر دھواں ہوا کے سپرد کر گیا کسی گہری سوچ میں گم۔

"یہ۔ میں جانتی ہوں اشہد کہ تم بہت پریشان ہو مگر یہ کون سا طریقہ ہے خود کو ریلیکس کرنے کا مجھے ایسا دوست نہیں چاہیے جو کسی بھی گھڑی ٹوٹ پھوٹ جائے مجھے مضبوط اشہد چاہیے۔ جس پر مجھے مان تھا مجھے پرانا اشہد چاہیے۔ جو چٹان کی طرح مضبوط ہو۔ شجر سایہ دار ہو میرے لیے کہ وقت ضرورت وہ مجھے

زمانے کی جھلساتی شعاعوں سے محفوظ رکھے۔ دیوار ہو میرے لیے کہ جس کی اوٹ میں میں خود کو زمانے کی رسوائیوں سے محفوظ محسوس کروں۔ کبھی میں بھی تھک گئی ہوں اشہد کبھی مجھے بھی تمہارے ساتھ کی ضرورت پڑسکتی ہے اشہد۔" وہ سگریٹ اس کے ہاتھ سے لے کر ایش ٹرے میں مسلتے ہوئے بولی۔ اشہد اسے خاموشی سے سنتا رہا ایسا ہی محبت کا اور اک وہ پہلے بھی دے چکی تھی، لیکن آج وہ جانتا تھا کہ وہ ایک دوست کی حیثیت سے مجھ سے محوِ کلام ہے۔

"تم دھوکا کیے دے رہی ہو ہنی۔ مجھے یا اپنے آپ کو کب تک یونہی اپنی محبت پر دوستی کا ریپر چڑھاتی رہو گی کہہ کیوں نہیں دیتیں کہ تمہیں بھی مجھ سے محبت ہے کہہ دو ہنی۔ اب تو میرے دل کو قرار دے دو۔ اچھا چلو میرے لیے نہیں تو کم از کم میرے بیٹے کے لیے ہی سہی۔ شاید اسے مجھ سے زیادہ تمہاری ضرورت ہے۔ وقت بار بار ہمارے پاس آکر پلٹ رہا ہے ہنی۔ دیکھو یہ وقت نہ نکل جائے میں پہلے ہی بہت تھک چکا ہوں اب تو مجھے اپنے اعتراف کی روشنی دے دو ہنی۔ بولو ہنی۔ جواب دو۔"

"ہاں کرتی ہوں محبت۔ شاید اس وقت سے جب کسی محبت پر اعتبار نہیں تھا۔ سو تمہیں آزمانے سے پہلے ہی راستہ بدل لیا اور اس کے بعد شاید میری سزا ہی تھی کہ نظر آنے والی منزل مجھے پھر سے راستہ پر لے آئی مگر اب میں چپ رہ کر کوئی نقصان نہیں چاہتی۔ اب مجھے اقرار ہے۔ اعتبار ہے تمہاری محبت پر کہ شاید یہی ایک اعتراف مجھے منزل دے دے۔ سکون دے دے اور سکون ہی تو چاہیے ہمیں اور تمہیں۔ ہے نا اشہد ہے نا۔" دکھی لہجے میں کہتے ہوئے وہ ریمغان کی طرف رخ موڑ گئی۔ بیتے وقت کا ملال نمکین پانی کی صورت میں آنکھ سے برسنے لگا۔ زندگی واقعی اپنی منزل تک پہنچا کر رہتی ہے اس سے پہلے انسان خواہ کتنے ہی راستوں سے گزرے اپنی اصل منزل تک پہنچ ہی جاتا ہے۔ خواہ وہ منزل پہلے اس کے لیے محض راستہ ہی ہو۔

"نہیں ہنی۔ بس اب کوئی آنسو کوئی دکھ نہیں ملال نہیں۔ اب بس زندگی سے خوشیاں کشید کرنی ہیں۔ اب ان آنکھوں میں صرف مسکراہٹ کی روشنی ہو گی" آنسوؤں کے چراغ نہیں کہ اب تو ان خوشیوں پر ہمارا حق بھی بنتا ہے۔" وہ پل کو رک کر ٹائم ڈیٹر کی طرف متوجہ ہوا۔ گھڑی رات کے بارہ بجے کا میوزک دے رہی تھی۔ ایک نئی صبح کا آغاز ہوچکا تھا اور یہ صبح ہمیشہ ہی اس کے لیے یادگار رہی تھی۔

"زندگی کے ایک نئے سال کا آغاز مبارک ہو ہنی۔ خدا کرے کہ یہ سال اور اس کے بعد آنے والا ہر ایک سال کا ہر پل گزری ہوئی تمام محرومیوں تمام غلطیوں کی تلافی کردے۔ تمہیں زندگی میں ہر خوشی ملے ہر کامیابی آنے والی زندگی کا ہر لمحہ تمہارے لیے خوشی بن کر اترے۔ ہیپی برتھ ڈے ہنی۔ سالگرہ مبارک ہو۔" وہ اس کی نم آنکھیں دیکھ کر بولا تو وہ چونک گئی۔ اس کی سالگرہ۔ ایک بار پھر یہ وقت کہاں سے کہاں لے آتا ہے کبھی خوشیوں کے سنگ تو کبھی غموں کے ہمراہ اور انسان نادان لاعلمی میں ہی اپنے فیصلوں پر کبھی فخر کرتا ہے تو کبھی یہی فیصلہ ملال اور دکھ کا در کھول دیتا ہے اور یہی ملال تو پھپھو کو بھی اپنے حصار میں لیے ہوئے تھا۔ انہوں نے بھی تو اپنے فرض سے جد افیصلہ کیا تھا۔ محض زمانے کی خاطر۔ اپنے تمام احساسات فراموش کرکے زمانے کے ساتھ قدم ملایا تھا۔ وہ چاہتیں تو ایک نئی ابتدا کرسکتی تھیں مگر زمانے کا خوف کاش کہ وہ فیصلہ کرتے وقت زمانے کے بجائے اپنے گھر کے بارے میں" اشہد اور زونیہ کے بارے میں سوچتیں تو شاید منزل ملنے میں اتنا وقت نہیں لگتا پھر شاید اشہد کو زونیہ تک پہنچنے کے لیے ریمغان کا سہارا نہ لینا پڑتا۔ مگر کاش!

☆ ☆

آخری وصیت

میمونہ صدف

"بڑے ہی نیک بندے تھے احمد میاں' ایسے لوگ تو صدیوں بعد پیدا ہوتے ہیں۔ صوم وصلوٰۃ کے پابند' صدقہ خیرات کرنے والے' دردمند دل کے مالک ہر خوبی تھی مرحوم میں۔ ہائے۔ بس آئی ہوئی تھی ورنہ عمر تو اتنی نہ تھی۔ مجھ سے یہی کوئی آٹھ دس برس ہی بڑے ہوں گے۔"

خالدہ خاتون تسبیح ہاتھ میں لیے' نادیدہ آنسو دوپٹے سے پونچھتے ہوئے بولیں۔ اردگرد بچھی چاندنیوں پر ہل ہل کر سیپارے اور گٹھلیاں پڑھتی خواتین اور لڑکیاں پچھلے آدھے گھنٹے سے احمد صاحب کی شان میں رطب اللسان خالدہ خاتون کو بڑے انہماک سے سن رہی تھیں گویا انہیں ہی سننے آئی ہوں۔

"بس آپا موت کا وقت مقرر تھا ورنہ بھلے چنگے تھے۔ ابھی پرسوں صبح ہی نعمان کے ابا کو بازار میں ملے تھے۔ حجامت بنوانے آئے ہوئے تھے۔ کیا پتا تھا کہ اگلے روز ہی ایسا دل کا دورہ پڑے گا کہ دوسرے جہاں چل بسیں گے۔" احمد صاحب کی خالہ زاد رابعہ گلوگیر لہجے میں کہتی دوپٹے میں منہ دیے رونے لگیں۔

"صبر کرو رابعہ اللہ کی یہی مرضی تھی۔" برابر بیٹھی حمیدہ نے انہیں دلاسا دیا تھا۔

"ہائے باجی صبر نہیں آنا نا۔ بندہ دنیا سوں ٹر جاندا' پچھے جھڑے رہ جاندے نے' او روندے ہی رہ جاندے نے (بندہ دنیا سے چلا جاتا ہے' پیچھے جو رہ جاتے ہیں وہ روتے ہی رہ جاتے ہیں)" رابعہ اس طرح دوپٹے میں منہ دیے آہ وزاری کر رہی تھیں۔ آج احمد صاحب کو مرے تیسرا دن تھا اور تمام رشتے دار قل میں شریک ہونے کے لیے آئے ہوئے تھے۔

"بس بچے بے چارے یتیم ہو گئے۔" خالدہ خاتون کے ہاتھ جتنی تیزی سے تسبیح کے دانے رول رہے تھے' اتنی ہی تیزی سے ان کی زبان بھی چل رہی تھی۔ تمام خواتین پھر سے سیپارے اور گٹھلیاں پڑھنے لگی تھیں۔

"دادو جی ساٹھ سال کی عمر میں اب تو دادا احمد کو چل بسنا ہی تھا۔" پاس بیٹھی رابیل نے لقمہ دیا تو خالدہ خاتون نے قہربار نگاہوں سے اسے گھورا۔ وہ زبان دانتوں میں دباتی پھر سے سیپارہ پڑھنے میں لگ گئی۔

"ویسے احمد میاں کی وصیت کا کیا بنا ہے؟" خالدہ خاتون نے رابعہ کے کان میں اِدھر اُدھر دیکھتے' بڑے رازدارانہ انداز میں سرگوشی کی تھی۔

"فوزیہ کہہ رہی تھی کہ حمدہ کے آنے کا انتظار ہے بس جوں ہی وہ آتی ہے وصیت پڑھ کر سنا دی جائے گی۔" رابعہ بی بی نے اپنے دوپٹے سے آنکھیں پونچھتے' دوپٹے کے اسی حصے سے ناک پونچھی تھی۔ خالدہ خاتون نے حمدہ کے تذکرے پر یوں منہ بنایا گویا کارمنا کی کڑوی کسیلی گولی چبا ڈالی ہو۔

"لو بھلا حمدہ کب آنے کی ہے؟ پانچ سال سے کنواری باہر گوروں کے دیس میں نجانے کیا منہ کالا کرتی پھر رہی ہے۔"

"وہ کیا کہتے ہیں؟" رابعہ نے اپنے ذہن پر زور ڈالا "ہاں فیشن ڈیزائنر بن رہی تھی نا۔"

"بھاڑ میں جائے موئی۔ ایسا فیشن جس نے دادا کی جان ہی لے ڈالی ہو پیچھے سے۔" خالدہ خاتون نے نخوت سے سر جھٹکتے تیزی سے تسبیح کے دانے رولے۔

"آج رات تک پہنچ جانے ہے۔" رابعہ اب کھجور کی گٹھلیاں ہاتھ میں بھر کر تیز تیز منہ میں کچھ پڑھنے لگیں۔ ایک کے بعد ایک گٹھلی چاندنیوں پر لگے جابجا ڈھیروں میں سے ایک ڈھیر پر گرتی چلی گئی۔

کھانے کے چند گھنٹے بعد ہی احمد ہاؤس' لوگوں سے خالی ہو گیا تھا۔ محض قریبی رشتے دار۔ بچے تھے جن میں احمد صاحب کی اولاد بھی شامل تھی۔

رات کے سات بجے کے قریب گھر میں شوروغوغا مچا تھا۔ احمد صاحب کی اکلوتی اور لاڈلی پوتی حمدہ' جو پانچ سال سے امریکہ میں مقیم تھی' اپنے شوہر ریان کے ساتھ لوٹی تھی۔ اس شادی کی کسی کو بھی کانوں کان خبر نہ ہوئی تھی حتیٰ کہ اکبر احمد اور عالیہ بھی بے خبر تھے۔ جواں بیٹی کے اس قدم نے تو گویا دونوں کو ریت کی دیوار کی مانند ڈھا دیا تھا۔ جس پوتی کا دادا نے برسوں انتظار

کیا تھا، وہ لوٹی بھی تو کیسے موقع پر؟ کس سرپرائز کے ساتھ؟ صدمے پر صدمہ تھا جس نے بہت سوں کو غم سے بے حال کر دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

احمد اقبال مرحوم ایک ملٹی نیشنل کمپنی کے ایم ڈی کی حیثیت سے تعینات رہے تھے۔ اپنی پوری زندگی محنت سے کام کر کے انہوں نے لاکھوں کی نہیں کروڑوں کی جائیداد بنا رکھی تھی۔ ان کی پانچ اولادیں تھیں جن میں دو بیٹے اور تین بیٹیاں شامل تھیں۔

بڑے بیٹے اصغر احمد بے اولاد تھے، شادی کے دس برس بعد بھی جب ان کی اولاد نہ ہو سکی تو انہوں نے اپنی اہلیہ فوزیہ کے بھانجے کو گود لے لیا جو اس وقت محض پانچ ماہ کا تھا۔ احمد اقبال نے "احسان" کو ہمیشہ اپنے باقی نواسی، نواسوں جتنا ہی پیار کیا تھا۔ اصغر احمد سے چھوٹی سنبل تھیں جو لاہور میں اپنی دو بیٹیوں، ربیعہ اور فریحہ اور دو بیٹوں، عثمان اور ریحان کے ساتھ مقیم تھیں۔ ان کے میاں کا پچھلے سال ہی روڈ ایکسیڈنٹ میں انتقال ہوا تھا۔ سنبل کے معاشی حالات شروع سے ہی تنگ رہے تھے۔ شوہر ایک پرائیوٹ کالج میں لیکچرار تھے محدود آمدنی میں بچوں کی پرورش اور زندگی کی جملہ ضروریات پوری کرنا آسان نہ تھا۔ شوہر کی وفات کے بعد تمام جمع جتھا بھی تیزی سے ہاتھ سے نکلتا جا رہا تھا کہ اولاد تو کسی کام کی نہیں تھی۔ زندگی پہلے بھی قدرے تنگ تھی اور دن بہ دن مزید تنگ ہوتی جا رہی تھی۔ پہلے تو احمد اقبال کسی حد تک مالی مدد کر دیتے تھے اب تو وہ آسرا بھی ختم ہو گیا تھا۔ سنبل سے چھوٹی ثناء ہیں کلفٹن کے علاقے میں ہی اپنے بھرے پرے سسرال میں اپنے دو بیٹوں، اسجد اور اید اور شوہر کے ہمراہ خوشحال اور آسودہ زندگی گزار رہی تھیں۔ دولت کی ریل پیل تھی اور اطمینان قلب کی دولت سے بھی بہرہ ور تھیں۔ ان کے بعد اکبر احمد تھے جن کی اکلوتی اولاد، حمرہ، احمد اقبال کی آنکھوں کی ٹھنڈک تھی۔

سب سے چھوٹی بیٹی رقیہ اسلام آباد میں رہائش پذیر تھیں جن کا اکلوتا بیٹا سکندر تھا۔

مرحوم احمد اقبال صاحب حیثیت ہونے کے باوجود پوری زندگی سادگی سے گزارنے کے بعد ترکے میں تین بنگلے، چار پلاٹ اور لاکھوں کا بینک بیلنس چھوڑ گئے تھے جو اب ان کے وارثوں میں تقسیم ہونے کا وقت آن پہنچا تھا۔

☼ ☼ ☼

اگلی صبح ناشتے کی میز پر بیٹھے تمام نفوس کے چہرے ستے ہوئے تھے۔ پورے گھر پر ہی عجیب سی خاموشی اور سوگواریت چھائی ہوئی تھی۔ عالیہ بیگم تو سامنے چائے کا کپ رکھے آنسو بہا رہی تھیں مگر تین دن میت پر رونے دھونے کے بعد کسی میں اتنا دم خم نہ تھا کہ انہیں حوصلہ یا تسلی دیتا۔ اکبر احمد اپنی جگہ بت بنے بیٹھے تھے۔ ان کے سامنے میز پر دھرا پراٹھا، آملیٹ اور چائے کب کے ٹھنڈے ہو کر اپنا مزا کھو چکے تھے۔ باپ کے جانے کے صدمے سے یہ صدمہ کڑا تھا جو جواں بیٹی نے دیا تھا۔ حمرہ کو احمد صاحب نے بچپن سے ہی بے جا لاڈ پیار دے کر کسی حد تک خود سر بنا دیا تھا۔ ہمیشہ ہی اپنی من مانی کرنے والی حمرہ اکبر نے شادی جیسے اہم معاملے میں ماں باپ کو مطلع کرنا بھی گوارا نہ کیا تھا۔

رقیہ، ثناء اور سنبل خاموشی سے ناشتا کر رہی تھیں۔ ان کے بچے دوسرے روز ہی جنازے کے بعد واپس چلے گئے تھے کہ اس مصروف زندگی میں اتنا وقت ہی کہاں تھا کہ بوڑھے نانا کی وفات پر مزید رکا جاتا تاہم وہ تینوں وہیں مقیم تھیں جب تک ابا کی وصیت سامنے نہ آتی۔ انہیں اسی وصیت نے اس گھر سے باندھ رکھا تھا ورنہ قل کے بعد وہ بھی چلی ہی جاتیں۔

"بھائی آپ نے ناشتا نہیں کیا؟" فوزیہ کچن سے گرما گرم پراٹھے رکابی میں لیے ہاٹ پاٹ میں رکھتے ہوئے بولیں۔

"بھوک ہی نہیں ہے۔" اکبر احمد کے اندر بہت سے آنسو گرے تھے۔

"ہائے ہائے اکبر میاں ناشتا کرو۔ مرنے والوں کے ساتھ مرا تھوڑی جاتا ہے۔" خالدہ خاتون ناشتے کے ساتھ پورا انصاف کرتے ہوئے بولیں۔ وہ اپنی پوتیوں رابیل اور سندس کے ساتھ وہیں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھیں۔ تمام رشتے دار جا چکے تھے ایک وہی ڈیرے جمائے رکھنے کے ارادے سے ٹھہر گئی تھیں۔

"بس پھپھو مرنے والے تو چلے گئے مگر جواں اولاد نے جیتے جی ہی قبر میں اتار ڈالا ہے۔" سنبل کی آواز فرط جذبات سے رندھ گئی تھی۔

"ٹھیک کہہ رہی ہے تو بچی۔ آج کل کی اولاد کا تو خون ہی سفید ہو چکا ہے۔ دادا تھے کہ پوتی کی شکل دیکھنے کو ترس گئے اور داغ مفارقت دے گئے اور والدین کو وہ خود آ کر زندہ در گور کر چکی ہے۔ اف کیا زمانہ آ گیا ہے۔ ایسی ناخلف اولاد اللہ کسی کو بھی نہ دے۔" خالدہ خاتون تاسف سے دونوں ہاتھ ملتے ہوئے بین کرنے والے انداز میں رونے لگیں۔ ان کا غم ہی غلط ہونے کو نہ آ رہا تھا۔ پہلے روز سے وقتاً "فوقتاً" ہاتھ ملتے سینے پر دو ہتڑ رسید کرتے، بین پر بین کیے چلے جا رہی تھیں۔ اکبر احمد سے وہاں بیٹھنا مشکل ہو گیا گہری سانس خارج کرتے، خاموشی سے بغیر ناشتا کیے ہی اپنے کمرے میں چل دیے۔

☼ ☼ ☼

شام میں تمام افراد خانہ لاؤنج میں موجود تھے۔ احمد صاحب کی وصیت، جس کے گواہ اصغر احمد اور فوزیہ تھیں، سنائی جانے والی تھی۔ حمرہ ٹانگ پر ٹانگ دھرے بڑی بے نیازی سے صوفے پر براجمان اپنے ولایتی شوہر کے کان میں کھسر پھسر کر رہی تھی۔ انداز سے کہیں نہ جھلکتا تھا کہ دادا کی وفات پر رتی بھر دکھ ہوا ہو۔ وہ محض وراثت کی تقسیم کے لیے ہی پاکستان آئی تھی اور اپنا حصہ وصول کر کے واپس جانے کا ارادہ رکھتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہی اصغر احمد اپنے کمرے سے ہاتھ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا اور لکڑی کا ایک ڈبا لیے سست روی سے چلتے سب کے درمیان آئے۔ سب کے انداز میں بے قراری تھی۔ سب ہی یہ جاننا چاہتے تھے کہ کس کو کتنی زمین ملی، کتنے بنگلے، کتنے پیسے۔ کون بینک میں موجود روپے کا مالک ہو گا؟ کون سا پلاٹ کس کو دیا جانے والا ہے؟ کون سا بنگلہ کس کے نام کیا گیا ہے؟ چند لمحوں بعد یہ راز سب کے سامنے آنا تھا۔ سب مضطرب و بے چینی سے پہلو بہ پہلو بدل رہے تھے۔

"آپ سب کو معلوم ہے کہ ابا جی مرتے وقت میرے اور فوزیہ کے سامنے وصیت کر گئے تھے۔ ہسپتال میں اس وقت ہم دونوں ہی ان کے پاس تھے لہٰذا ہم نے ان کی وصیت سادہ کاغذ پر لکھ لی تھی۔ چونکہ زندگی انہیں وقت نہ دے پائی کہ باضابطہ طور پر وصیت لکھوا پاتے۔ ان کی وصیت میں پڑھ کر سنانے والا ہوں۔" تہ شدہ کاغذ کھول کر انہوں نے سب کے سامنے لہرایا تھا۔ سب کے دل کی دھڑکنیں ہی تیز ہو گئی تھیں۔

"ابا جی کی وصیت کے مطابق ان کے کلفٹن والے بنگلے کی ملکیت ثنا کو جاتی ہے۔" اصغر احمد نے کہتے ہوئے ثنا کی جانب دیکھا جس کے چہرے پر خوشی کی رمق دکھ رہی تھی۔

"لاہور والا بنگلہ اور ملتان والی حویلی اکبر بھائی کے نام ہے۔ بینک میں موجود تیس لاکھ سنبل اور رقیہ میں برابر تقسیم ہوں گے اور باقی ماندہ چار پلاٹ میں سے تین میرے اور ایک احسان کے نام ہے۔" سب لوگوں کو گویا سانپ سونگھ گیا تھا۔

اتنی غیر مساوی تقسیم..... اتنی جانبداری کسی کو بھی ہضم نہ ہوئی تھی۔ کوئی بھی احمد صاحب کی اس وصیت سے خوش نہ تھا۔ سب میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں اور ہلکی ہلکی سرگوشیاں یکدم شور میں بدل گئیں۔

"ایسا نہیں ہو سکتا۔ ہم اس وصیت کو نہیں مانتے۔" اکبر احمد کو اب بیٹی کے صدمے سے زیادہ وصیت کا قلق تھا۔

"دادا ایسی وصیت نہیں کر سکتے۔ ہمارا تو کوئی حصہ

نہیں ہے میرے سے۔" حمرہ غصے سے بال جھٹکتی کھڑی ہوئی تھی۔ تمام لوگ ہی سراپا احتجاج بنے اپنی جگہ کھڑے ہو گئے۔

"آپ سب کو اباجی کی وصیت کا پاس کرنا ہی ہو گا۔" اصغر احمد گرجے تھے۔

"کس بنیاد پر؟ ہم کیسے مان لیں کہ یہ وصیت درست ہے؟ کیا ثبوت ہے اس کا؟" حمرہ بدتمیزی سے کہتی آگے بڑھی تھی۔ اصغر احمد کی تیوری میں بل پڑے تھے۔

"یہ فوزیہ اور احسان دو گواہ ہیں اور تیسرا میں خود ہوں۔"

"میں نہیں مانتی اس وصیت کو" وہ غصے سے کہتی اس کاغذ کی جانب لپکی تھی۔

"تمیز میں رہو لڑکی" فوزیہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام کر اسے روکا تھا۔

"جھوٹ ہے سب۔ میں نہیں مانتی اس وصیت کو۔ دادا میرے ساتھ یہ نہیں کر سکتے۔" وہ چیخی تھی۔

"بڑی آئی دادا میرے ساتھ یہ نہیں کر سکتے تھے۔ تو نے جو اپنے ماں باپ کے ساتھ کیا ہے۔" فوزیہ نے غصے سے تنتناتے اس کا ہاتھ جھٹکا تھا۔

"جسٹ شٹ اپ" وہ غصے میں بپھرتی شیرنی کی مانند ان پر حملہ آور ہوئی تھی۔ حملہ غیر متوقع ہونے کے باوجود فوزیہ خود کو ایک جانب کرتی اپنا دفاع کر چکی تھیں۔

"چل دفع ہو جہاں سے آئی ہے۔" فوزیہ نے آگے بڑھ کر دانت پیستے اسے پرے دھکیلا تھا۔ وہ صوفے کے ہتھے سے ٹکرائی تھی۔

"کیا ہنگامہ برپا کیا ہوا ہے تم لوگوں نے۔ خبردار اب جو کوئی کچھ بولا تو۔" اکبر احمد دھاڑے تھے۔

"بھائی جان جو بھی ہے کتنی مرتبہ اباجی اپنی زندگی میں سب کے سامنے تذکرہ کر چکے تھے کہ وہ حمرہ کو بھی اپنی جائیداد میں حصہ دیں گے۔" اب کی بار شنا بولی تھیں۔

"اس بالشت بھر کی چھوکری نے جو اباجی کے ساتھ کیا ہے نا یہ سزا ہے اس کی۔" رقیہ نے قدرے درشتی سے کہتے کینہ توز نگاہوں سے حمرہ کو دیکھا تھا۔ اسے اپنی بہو بنانے کا کتنا ارمان تھا جو پورا نہ ہوا تھا۔ کتنے خواب تھے جن کے ٹوٹنے سے ان کی کرچیاں انہیں زخمی کر گئی تھیں۔ اب انہی زخموں سے نکلنے والا خون اور اٹھنے والا درد ان کے لہجے سے عیاں تھا۔

"سب اپنا اپنا راگ الاپنا بند کرو۔ جو بھی وصیت ابا جی نے کی ہے اسی پر عمل ہو گا۔" اصغر احمد کے ببانگ دہل اعلان کرنے پر سب اپنی جگہ جامد و ساکت رہ گئے تھے۔

☼ ☼ ☼

"تم تو کہہ رہی تھیں کہ تمہارے دادا بہت جائیداد والے ہیں اور تمہارے نام ٹھیک ٹھاک جائیداد کریں گے۔ انہوں نے تو تمہیں پوچھا تک نہیں۔"

حمرہ کا ولایتی میاں شستہ انگریزی بولتے ہوئے استہزائیہ ہنسا تھا۔ حمرہ غصے سے اپنے کمرے میں جابجا بکھرا تمام سامان سمیٹتی اسے سوٹ کیس میں ٹھونس رہی تھی۔ اپنے میاں کا یہ انداز اسے بری طرح سلگا گیا تھا۔

"اصغر تایا جھوٹ بول رہے ہیں۔ میں نہیں مانتی ایسی کسی وصیت کو۔ ہم سب گھاٹے میں رہے ہیں۔ صرف وہی ہیں جنہیں ضرورت سے زیادہ فائدہ ہوا ہے۔" اپنے سلکی بالوں کو جوڑے کی شکل دیتے اس نے اوپر کر کے باندھا تھا۔

"غصہ تھوک دو اور ٹھنڈے دماغ سے سوچو کہ اب کرنا کیا ہے؟" وہ ہمیشہ اس سے انگریزی میں ہی بات کرتا تھا جبکہ حمرہ اس کو اردو میں ہی جواب دیتی تھی۔ وہ اردو سمجھتا تھا مگر بول نہیں سکتا تھا۔

"مجھے کچھ سمجھ نہیں آرہا۔ سر پھٹ رہا ہے۔" سر ہاتھوں میں گراتے وہ وہیں بیڈ پر بیٹھ گئی تھی۔

"ہم کورٹ سے مدد لے سکتے ہیں۔ اس وصیت کو چیلنج کر سکتے ہیں۔ کیا خیال ہے تمہارا اس بارے میں؟ کیا یہاں کا قانون ہمارا ساتھ دے گا؟" وہ وہیں صوفے پر بیٹھا سگار منہ میں دابے بولا تھا۔

"معلوم نہیں۔" حمرہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے اپنے سلکی بالوں کو مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ اس کی دماغ کی چولیں ہل کر رہ گئی تھیں۔ ریان صوفے کی پشت سے سر لگا کر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

☼ ☼ ☼

سنبل تن فن کرتی کمرے میں داخل ہوتے ہی واپسی کے لیے سامان باندھنے لگی تھیں۔ جس مقصد کے لیے وہاں ٹھہری تھیں، پورا ہو گیا تھا اور ہاتھ کچھ بھی نہ آیا تھا ماسوائے پندرہ لاکھ کے۔ بڑی زیادتی کی تھی ابا نے ان کے ساتھ۔ وہ تو بیوہ تھیں، چار بچوں کی ذمہ داری کہاں سے پوری کریں گی؟ بیٹے تھے کہ نکھٹو اور بیٹیاں ایف اے تک تعلیم حاصل کر کے تعلیم کو خیرباد کہہ چکی تھیں۔ آخری امید جو اباجی سے تھی، پوری نہ ہو سکی تھی۔ آنسو بہاتے، منہ ہی منہ میں بڑبڑاتے وہ تمام سامان اپنے سفری بیگ میں بھر رہی تھیں۔ جاتے جاتے کتنا ظلم کر گئے ابا..... ان کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا۔ وہیں بیڈ کی پائنتی پر دل تھامے بیٹھ گئی تھیں۔ خالدہ خاتون اس لمحے اندر داخل ہوئی تھیں۔ سنبل کو اس حال میں دیکھتے ان کا کلیجہ کٹ کر رہ گیا تھا۔

"ہائے میری بچی نہ دل چھوٹا کر۔ مرنے والے کو تکلیف ہو گی۔" انہوں نے اسے اپنے سینے سے لگا لیا تھا۔

"وہ مجھے جو تکلیف دے گئے ہیں پھپھو اس کا کیا۔" آنسو امڈ امڈ کر بہتے چلے جا رہے تھے۔

"انہیں سب خبر تھی کہ میں کن حالوں میں ہوں۔ اتنی زیادتی کر گئے میرے ساتھ۔ ان پندرہ لاکھ کا کیا کروں گی میں؟ آج کل کے دور میں حیثیت ہی کیا ان پیسوں کی؟" وہ خالدہ خاتون کے گلے لگے روئے چلی جا رہی تھیں۔ خالدہ خاتون کا دل بھی دکھ سے بھر گیا تھا۔

"چل بیٹا بخش دے اپنے باپ کو۔ پوری زندگی نیک کام کر کے نجانے آخر میں یہ غلط وصیت کیوں کر گیا ہے؟ ساری نیکیاں ضائع کر گیا ہے۔" اسے خود سے الگ کرتے اس کے متواتر گرتے آنسوؤں کو اپنے دوپٹے سے پونچھا تھا۔

"میں واپس جا رہی ہوں آج ہی بلکہ ابھی اسی وقت مجھے یہ بھیک بھی نہیں چاہیے۔"

"یہ بھیک نہیں ہے تیرا حق ہے اور خبردار جو تو نے اپنا حق چھوڑا تو۔" خالدہ خاتون نے اسے گھرکا تھا۔

"کیسا حق پھپھو؟ کروڑوں کی جائیداد رکھنے والے کا دل اپنی غریب بیٹی کے لیے اتنا تنگ پڑ گیا تھا۔ سب کو تو ڈول بھر بھر کر دے گئے ہیں اور مجھے تو جیسے خیرات دے کر گئے ہیں۔" دل کے آبلے پھر سے پھوٹ پڑے تھے۔ آنسو اندر باہر ہر طرف جل تھل کر گئے تھے۔ خالدہ خاتون سر تاسف سے ہلاتے دکھی دل سے اسے دیکھتی رہ گئی تھیں۔

☼ ☼ ☼

وہ دونوں کھانا کھانے کے بعد باہر لان میں گھاس پر چہل قدمی کر رہی تھیں۔ رات کا کھانا سب نے اپنے اپنے کمروں میں ہی منگوا لیا تھا۔ گھر کے تمام افراد شام سے ہی اپنے اپنے کمروں میں مقیم ہو کر رہ گئے تھے۔

"تمہیں کیا لگتا ہے کہ دادا ابا نے ایسی وصیت کیوں کی؟" رابیل اپنے بالوں کی لٹ انگلی پر لپیٹتے ہوئے، برابر چلتی سندس کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کے لیے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

"معلوم نہیں۔" اس نے لاعلمی کی بنا پر شانے اچکا دیے تھے۔

"پھر بھی؟ دادا کی میت پر کچھ لوگ کہہ رہے تھے کہ دادا اپنی تمام اولادوں سے خفا تھے تبھی تو انکل اصغر کے ساتھ رہتے تھے، اس لیے شاید وہ اپنی زیادہ تر جائیداد انہی کے نام کر گئے ہیں۔" رابیل نے رازدارانہ انداز میں سرگوشی کی تھی۔ سندس نے شاکی نظروں سے بہن کو دیکھا۔

"قسم سے جھوٹ نہیں بول رہی۔ میں نے خود اپنے ان گناہ گار کانوں سے سنا تھا۔" اس نے سر پر ہاتھ رکھتے معصومانہ انداز میں قسم کھا کر اسے یقین دہانی کرانا

چاہی تھی۔ جواباً" سندس نے اسے کھا جانے والی نظروں سے گھورا تھا۔

"کتنی بار منع کیا ہے مت بات بے بات قسم کھایا کرو۔"

"تم یقین جو نہیں کرتیں میرا۔" اس نے برا سا منہ بنایا تھا۔

"میں تمہارے قسم کھانے پر بھی یقین نہیں کروں گی۔"

"کل میرے خیال سے سب لوگ چلے جائیں گے۔ پتا نہیں دادی کا یہاں کب تک رکنے کا ارادہ ہے۔" اس نے شال اتار کر جھٹکتے پھر سے کندھے پر اوڑھ لی تھی۔ نومبر کی سرد رات میں اس سے لان میں ٹھیک ٹھاک ٹھنڈ تھی۔ سندس ہنوز خاموش تھی۔

"سنبل پھپھو بہت رو رہی تھیں۔ بے چاری بہت امید لگا کر آئی ہوں گی چلو کچھ تو آنسو پونچھیں گے ان کے حالات بھی تو ٹھیک نہیں ہیں۔" رابیل کو ہمدردی کا بخار چڑھا تھا۔

"حمدہ بھی کتنی دور سے آئی ہے بدلے میں خالی ہاتھ جائے گی۔ ایک ٹکا بھی نہیں ہاتھ آیا ---- بے چاری کے۔ اب تو وہ ایک دن یہاں نہیں رکنے والی۔ اپنے شوہر کے سامنے کتنی سبکی محسوس ہوئی ہو گی اسے۔" اس نے افسوس سے سر ہلاتے بہن کی جانب دیکھا جو غیر معمولی طور پر خاموش تھی۔

"تمہیں کیا سانپ سونگھ گیا ہے؟ کچھ بولو گی نہیں۔"

اسے سندس کی خاموشی زچ کر رہی تھی۔

"کیا بولوں؟" اس کا لہجہ سپاٹ تھا۔

"کیا مطلب کیا بولوں؟ بندہ کسی بات کا جواب دے دیتا ہے۔" رابیل تپ گئی تھی۔

"جیسا تم کہہ رہی ہو ویسا کچھ نہیں ہونے والا اور دوسروں کے معاملات میں کن سوئیاں لینا چھوڑ دو۔" اس نے بہن کو ہلکی سی سرزنش کی جس کا اس پر چنداں اثر نہ ہوا تھا۔

"تم کیسے کہہ سکتی ہو کہ میں جو کہہ رہی ہوں وہ نہیں ہو گا؟" اس کے تفتیشی انداز پر سندس مبہم سا مسکرائی تھی۔

"بس۔۔۔۔ دیکھ لینا۔"

"کیا مطلب؟" اس نے سوالیہ ابرو اٹھاتے ہوئے سندس کی جانب دیکھا۔

"کل کچھ ہونے والا ہے رابیل۔" اس کے انداز میں دبا دبا سا جوش تھا جو رابیل کو واقعتاً" چونکا گیا تھا۔

"کیا ہونے والا ہے؟ بتاؤ مجھے۔" اس نے بے چینی سے مڑتے بہن کی طرح دیکھا تھا۔

"معلوم نہیں بس ہونے والا ہے۔ جو ہو گا سب کے سامنے ہو گا۔"

"تم جانتی ہو نا کہ کیا ہونے والا ہے، ہے نا؟" رابیل کے شاکی نظروں سے دیکھنے پر وہ اپنی ہنسی دبا گئی تھی۔

"ابھی بہت سی کڑیاں ملنا باقی ہیں۔ وہ کل مل جائیں گی تو سب سامنے آجائے گا ان شاء اللہ۔ بس صبر کرو کل تک کے لیے" اس کا ٹھوس انداز رابیل کو بے چین کر گیا تھا مگر وہ جانتی تھی کہ صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ سو اب وہ کل کی منتظر تھی۔

☼ ☼ ☼

سب لوگ ہی لاؤنج میں موجود تھے۔ سندس نے سب کو احمد صاحب کے دیرینہ دوست سلمان باجوہ کی آمد سے مطلع کیا تھا۔ تھوڑی دیر میں وہ وہاں پہنچنے ہی والے تھے۔ وہ کس سلسلے میں تشریف لا رہے تھے اس بارے میں کسی کو کوئی خبر نہ تھی سوائے سندس کے تمام لوگ عالم بے خبری میں اپنی اپنی جگہ بیٹھے وصیت کی بابت ہی بحث کر رہے تھے۔ سندس وہیں کونے میں ایک کرسی سنبھالے بیٹھی دبی دبی مسکراہٹ سے تمام لوگوں کو دیکھ رہی تھی۔

"میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" اس کے با آواز بلند کہنے پر لاؤنج میں مکمل خاموشی ہو گئی تھی۔ سب حیران پریشان سے اس دھان پان سی لڑکی کو دیکھ رہے تھے جو سر پر دوپٹہ جمائے، بڑے اعتماد سے سب کے درمیان کھڑی تھی۔

"میں کچھ کہنا چاہتی ہوں۔ کیا میں کہہ سکتی ہوں؟"

اس نے سب کی جانب باری باری دیکھتے اجازت طلب کی۔ سب نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

"یہ وصیت غلط ہے۔ اس کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے۔" اس کے ان الفاظ پر تمام نفوس دم بخود رہ گئے تھے۔ رابیل سانس روکے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ کیا کرنے جا رہی تھی آخر؟

"اس وصیت کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے اس لیے آپ سب کسی قسم کی بحث میں مت پڑیں۔" وہ حتمی انداز میں بولی تو اصغر احمد کے چہرے کے تاثرات کی سختی میں کسی قدر اضافہ ہوا تھا۔

"کیا بکواس ہے یہ سب؟" انہوں نے کھا جانے والی نظروں سے سندس کو گھورا۔

"میں ٹھیک کہہ رہی ہوں انکل۔ اسلام میں وارثوں کے بارے میں کوئی وصیت نہیں ہے۔ اس لحاظ سے اس وصیت کا اطلاق نہیں ہوتا کسی پر بھی۔" ان کا بس نہیں چل رہا تھا کہ اس لڑکی کو اٹھا کر باہر پھینک دیں۔

"تم کیا یہاں اپنے عالمہ کے کورس کا رعب جھاڑنے اٹھ کھڑی ہوئی ہو۔ اب ہمیں سکھاؤ گی کیا ٹھیک ہے اور کیا غلط؟ وصیت کرنے والا جو بھی وصیت کرتا ہے اس کا ماننا ضروری ہوتا ہے۔" فوزیہ ہاتھ نچاتے چمک کر بولیں۔

"درست کہا آپ نے آنٹی۔ ہوتا ہے ضرور ہوتا ہے مگر وارثوں کے متعلق وصیت ہے ہی نہیں کیونکہ ۔"

"بس کرو اپنا یہ نیا اسلام" اس کی بات درشتی سے کاٹتے احسان کلام پاک لے کر آگے بڑھا تھا۔ ہر ایک اپنی جگہ مجسمہ بنا سارا تماشا دیکھ رہا تھا۔

"اس سے پہلے تم کچھ کہو میں سب کے سامنے تمہیں غلط ثابت کرتا ہوں۔ کون کہتا ہے کہ وارثوں کے متعلق وصیت نہیں ہے؟ میرے ہاتھ میں کتاب اللہ ہے۔ سورۃ بقرہ آیت نمبر 180 میں صاف صاف لکھا ہے کہ 'جب تم میں کوئی مرنے والا ہو اور مال چھوڑ جانے والا ہو تو ماں باپ ناتے والوں کے لیے دستور کے موافق وصیت کرنا تم پر فرض ہے، پرہیز گاروں کو ایسا کرنا ضروری ہے۔ اب بتاؤ تم کس بنیاد پر کہتی ہو کہ وارثوں کے متعلق وصیت نہیں ہوتی۔" اس نے آخری جملہ چبا چبا کر ادا کیا تھا مگر سندس کے چہرے پر موجود پر سکون مسکراہٹ میں کسی قدر اضافہ ہوا تھا۔ لاؤنج میں موجود تمام نفوس اس نئی بحث کے چھڑ جانے پر مزید الجھن کا شکار ہو چلے تھے۔

"آپ نے بجا فرمایا ہے احسان بھائی۔ اب اگر آپ کلام اللہ کو بیچ میں لے ہی آئے ہیں تو میں بھی اب کلام اللہ اور حدیث کو ہی دلیل کے طور پر پیش کر کے اپنے دلائل سب پر واضح کروں گی۔" اس نے آگے بڑھ کر کلام پاک تھام کر سینے سے لگا لیا تھا۔

"جو آیت آپ نے پیش کی وہ اسلام کے ابتدائی دور کی ہے۔ جس میں مالی معاملات کی درستگی کے لیے وصیت کرنے کا حکم دیا گیا ہے کہ یہ بڑی نیکیوں میں سے ہی نیکی کی ایک قسم ہے جس سے وارثوں کے درمیان اختلاف کی اس صورت کو ختم کیا جا سکتا تھا مگر وارثوں کے درمیان اختلاف کی صورت ختم نہیں ہوئی۔ جیسا کہ اس گھر میں دیکھنے پہ آ رہا ہے۔" سب وارثوں نے ایک دوسرے سے نظریں چرائی تھیں۔

"یہ حکم سورۃ النساء کی آیت وراثت کے نزول کے بعد منسوخ ہو گیا تھا۔ آیت وراثت میں اللہ تبارک تعالیٰ نے تمام وارثوں کے حصے خود مقرر کر دیے۔ مرد کو عورت کا دہرا حصہ دلایا اور ماں باپ کو ہر ایک کو چھٹا حصہ اور جورو کو آٹھواں یا چوتھا حصہ، خاوند کو آدھا یا چوتھا جو حالات کے مطابق ہوتا ہے۔ اب آیت وراثت کے بعد جن کا وراثت میں حصہ اللہ نے مختص کر دیا ہے ان کے بارے میں وصیت کرنا جائز نہیں ہے۔" اس نے لمحہ بھر کو ٹھہر کر گہری سانس خارج کی۔ احسان اسے کٹیلی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا جبکہ فوزیہ اور اصغر کے چہرے غصے کی تمازت سے سرخ پڑ گئے تھے جبکہ لاؤنج میں موجود تمام نفوس ٹکر ٹکر اس بیس سالہ لڑکی کو دیکھ رہے تھے۔

"حجتہ الوداع کے موقعہ پہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ

بے شک اللہ نے ہر حق والے کو اس کا حق دے دیا ہے اب کسی وارث کو کوئی وصیت نہیں کی جائے گی۔" یہ اور بات ہے کہ اللہ کا اپنے بندوں پر احسان ہے کہ اس نے مال کے ایک تہائی حصے کے بارے میں وصیت کرنے کی چھوٹ دی ہے کہ اس ایک تہائی مال کو اپنی مرضی سے وقف کر سکتا ہے مگر وارثوں میں نہیں' ان کے علاوہ۔" وہ ٹھہر ٹھہر کر بڑے نرم لہجے میں بولتی گئی۔

"تمہارا کہنے کا مطلب ہے کہ ہم ابا جی کی وصیت کو پھاڑ کر پھینک دیں اور تمام جائیداد شرعی طریقے سے تقسیم کرلیں؟" اصغر احمد کا لہجہ نفرت و چبھن سے بھرپور تھا۔

"پہلی بات کہ اس وصیت کی شرعی حیثیت نہیں ہے اور اگر بالفرض اس میں وارثوں کے سوا کسی اور کے بارے میں وصیت ہوتی بھی تو تب بھی یہ وصیت جھوٹ ہے۔" بڑے آرام سے کہتے اس نے ایک زہر خند مسکراہٹ سے اصغر احمد کی جانب دیکھا تھا۔

"کیا مطلب ہے اس بکواس کا؟" اصغر احمد کے ساتھ ساتھ فوزیہ اور احسان بھی چونکے تھے۔

"مطلب یہ کہ احسان بھائی نے جب کلام اللہ کا حوالہ دیا ہے تو کلام اللہ آپ جیسوں کے بارے میں کیا کہتا ہے وہ بھی سن لیں' پھر جو شخص وصیت سنے پیچھے اس کو بدل ڈالے' تو اس کا گناہ انہی پر ہو گا' جو بدل ڈالیں' بے شک اللہ سنتا اور جانتا ہے۔" اللہ نے دیکھا ہے جو آپ نے کیا ہے انکل اور اس نے سنا ہے جو وصیت دادا ابا نے کی تھی۔" اس کے الفاظ نے سب کو دہلا دیا تھا۔ سب کی آنکھوں میں واضح سوال تھا کہ کیا وہ سچ تھا جو ابھی اس لڑکی نے کہا تھا۔ اصغر احمد کے ماتھے پر پڑے بلوں میں اضافہ ہوا تھا۔

"بتائیں انکل جی جو سچ ہے وہ خود بتائیں۔" اس نے قرآن واپس اپنی جگہ پر رکھ دیا تھا۔

"دو ٹکے کی لڑکی' بکواس بند کرو۔ تم ہم پر الزام لگا رہی ہو کہ ہم نے اپنے باپ کی جھوٹی وصیت بنا ڈالی ہے۔" وہ زہر خند ہوئے تھے۔

"میں نے ایسا کچھ نہیں کہا۔ صرف اتنا کہا ہے کہ سچائی سب کے سامنے لے آئیں ورنہ یہ کام اللہ خود اپنے طور پر کر دے گا۔" اس نے رسانیت سے کہتے ہوئے سینے پر ہاتھ باندھ لیے تھے۔

"اور کیا سچ ہے؟ یہی کاغذ کا ٹکڑا سچ ہے۔" انہوں نے کاغذ کا وہ ٹکڑا' جو وصیت کے طور پر سب کے سامنے پیش کیا تھا' سب کی آنکھوں کے سامنے لہراتے میز پر پٹخا تھا۔

"چلیں ٹھیک ہے مان لیتے ہیں۔ آپ کے جھوٹ کے دراصل پاؤں نہیں ہیں' اس لیے وہ کھڑا نہیں رہ پا رہا ہے مگر سچ اپنے پیروں پر خود چلتا ہوا آرہا ہے۔" سامنے دیکھتے اس کے لبوں پر فاتحانہ مسکراہٹ ابھری تھی۔ سب کی نگاہیں اس کی نگاہوں کے تعاقب میں دروازے کی جانب بڑھی تھیں جہاں سلمان باجوہ اپنے لیگل ایڈوائزر سمیت دروازے کی چوکھٹ پر حیران و پریشان کھڑے تھے۔

"یہ سب کیا ہے آخر؟ کس وصیت کی بات ہو رہی ہے؟" وہ اچنبھے سے استفسار کرتے آگے بڑھے تھے۔ اصغر احمد اور احسان ذرا دیر کو بوکھلائے تھے جبکہ سندس دونوں ہاتھوں کی انگلیاں آپس میں پیوست کیے گھٹنے پر دھرے' اپنی نشست پر پرسکون سی بیٹھ گئی تھی۔ سب لوگ ہی اپنی جگہ جم سے گئے تھے مگر رابیل کے لیے گویا ساری کڑیاں مل گئی تھیں۔ اب وہ جان گئی تھی کسی حد تک کہ کیا ہونے جا رہا ہے۔

"انکل' یہ سب ابا جی کی وصیت کا مان نہیں رکھ رہے۔ شاید اسی لیے آپ کو بلایا گیا ہے۔" فوزیہ فوراً سے سلمان باجوہ کی جانب لپکی تھی۔

"احمد کی وصیت؟ وہ تو میرے پاس ہے۔ تم لوگوں کے پاس کہاں سے آگئی؟" سلمان باجوہ کے انکشاف پر ہر ایک کو اپنی اپنی جگہ جیسے کرنٹ لگا تھا سوائے سندس کے۔ وہ تینوں بھی گنگ کھڑے تھے۔

"بیٹا سندس تم نے ان لوگوں کو بتایا نہیں کہ میں وصیت کے سلسلے میں ہی آرہا ہوں؟" انہوں نے اس سے استفسار کیا تو اس نے سر نفی میں ہلا دیا۔ سب سکتے کے عالم میں رہ گئے تھے۔ کل رات کو کھانے کے وقت

کوئی بھی اپنے کمرے سے باہر نہ آیا تھا سوائے اس کے اور رابیل کے جنہوں نے اکٹھے باہر ڈائننگ ٹیبل پر ہی کھانا کھایا تھا۔ کھانے کے بعد رابیل کافی بنانے کچن میں گئی تھی جبکہ وہ وہیں ڈائننگ ٹیبل پر ہی بیٹھی تھی جب گیلری میں رکھا فون بجا تھا۔ وہ کشمکش و پیچ میں مبتلا کتنی دیر بیٹھی رہی کہ اٹھائے یا نہیں مگر جب گھر کا کوئی فرد بھی کمرے سے باہر نہ آیا اور فون ہنوز بجتا رہا تو اسے ہی آگے بڑھ کر اٹھانا پڑا۔

"اسلام علیکم! میں سلمان بول رہا ہوں۔" دوسری طرف کوئی بڑی عمر کا مرد تھا۔ شاید احمد دادا کا جاننے والا تھا۔

"وعلیکم السلام آپ کو کس سے بات کرنا ہے؟" اپنی یادداشت پر زور دینے پہ بھی اسے خاندان میں کوئی بھی شخص اس نام کا یاد نہ آیا تھا۔

"بیٹا میں احمد کا پرانا دوست ہوں۔ آپ کون بات کر رہی ہیں؟"

"جی میں دادا ابا کی رشتے کی بہن خالدہ کی پوتی ہوں ــــ سندس۔" انداز بے حد مؤدب تھا۔

"اچھا اچھا۔ آپ کسی بڑے سے میری بات کرا دیں۔"

"وہ انکل ــــ وہ" وہ ہکلائی۔ اب کیسے بتاتی کہ اس وقت کیسی کشیدہ صورت حال تھی اس گھر میں۔

"انکل اس وقت تو کوئی بھی بات کرنے کی حالت میں نہیں ہے۔" اس نے اپنے تئیں بڑے طریقے سے بات سنبھالی تھی۔

"اچھا بیٹا میں دراصل اپنے بیٹے کے ساتھ بزنس کے سلسلے میں دوبئی گیا تھا جس روز احمد کا انتقال ہوا۔ کل واپس آیا ہوں تو میری مسز نے بتایا۔ میں کل آنا چاہتا ہوں۔ ایک تو بچوں سے افسوس بھی کرنا ہے اور دوسرے احمد کی وصیت بھی سب کے سامنے لانے کا وقت آگیا ہے۔" ان کے الفاظ سنتے ہی اس کے کان کھڑے ہو گئے اور کسی گڑبڑ کے ہونے کا سائرن بجا تھا۔

"وصیت؟" وہ بمشکل اتنا ہی کہہ پائی تھی۔

"ہاں احمد کی وصیت جو وہ قریباً" ایک سال پہلے میرے لیگل ایڈوائزر کے پاس لکھوا کر گیا تھا۔ اب وقت ہے کہ میں اس بوجھ سے' جو میری ناتواں کندھوں پر ہے' چھٹکارا حاصل کروں اور امانت حقداروں تک صحیح طریقے سے پہنچا سکوں۔" وہ ساکت رہ گئی تھی۔

"انکل کیا میں مختصراً" دادا ابا کی وصیت کے بارے میں جان سکتی ہوں؟" اور پھر جوں جوں سلمان باجوہ اسے تفصیل بتاتے گئے اس کے ہاتھ پیر سن ہوتے گئے۔ اتنا بڑا دھوکا دیا جا رہا تھا۔ اسے کیا کرنا تھا اب؟ جب سے فون آیا تھا' تب سے رات گئے وہ اپنے دماغ میں تمام پلان ترتیب دیتی رہی تھی۔ جو بھی تھا اسے ایک موقع دینا تھا اصغر احمد کو کہ وہ تمام سچائی از خود سب کے سامنے لائیں بصورت دیگر سلمان باجوہ کے وہاں آنے پر قلعی تو کھل جانا تھی۔

"مبشر صاحب آجائیں۔" سلمان باجوہ نے مڑ کر پیچھے کھڑے کالے کوٹ میں ملبوس ہاتھ میں بریف کیس تھامے مبشر حسین کو مخاطب کیا تھا۔ وہ بریف کیس تھامے جوں جوں آگے بڑھتے گئے توں توں اصغر احمد کا رنگ لٹھے کی مانند سفید پڑتا گیا۔ مبشر حسین نے بریف کیس میز پر دھرتے ہوئے اس میں سے ایک گلابی رنگ کی فائل نکال کر کھولی تھی۔

"یہ احمد صاحب کی آخری وصیت ہے جو انہوں نے ایک سال قبل تب لکھوائی تھی جب انہیں پہلا دل کا دورہ پڑا تھا۔ یہ وصیت کی کاپیز ہیں جو آپ سب ہی دیکھ سکتے ہیں۔" انہوں نے ایک ایک کاپی سب کو تھما دی تھی۔ سب حیرت سے کاغذات ہاتھ میں تھامے ورق گردانی کر رہے تھے۔

"میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ تایا جی جھوٹ بول رہے ہیں مگر کوئی بھی سننے کو تیار نہیں تھا دیکھا اب؟" حمدہ تمسخرانہ مسکرائی تھی۔

"اس وصیت کے مطابق جائیداد کا تہائی حصہ انہوں نے پانچ برابر حصوں میں تقسیم کرنے کا کہا تھا جس میں سے ایک حصہ احمد کی چچا زاد بہن کے بیٹے

رحیم کا ہے جو مزدور ہے اور دوسرا حصہ ان کی پھوپھی زاد بہن صاحبہ کا ہے جو اپاہج ہیں۔ ایک ایک حصہ سنبل کی بچیوں کے نام ہے اور پانچواں حصہ ان کی اکلوتی پوتی حمرہ کے نام ہے۔" سلمان باجوہ احمد اقبال کی آخری وصیت ہاتھ میں تھامے بولتے چلے جارہے تھے اور تمام افراد ساکت و صامت کھڑے تھے۔

"باقی کی جائیداد؟" سنبل فوراً پوچھ بیٹھی تھیں۔

"باقی جائیداد تو شریعت کے مطابق ہی وارثوں میں تقسیم ہوگی۔" مبشر حسین نے وضاحت دی تو سب نے تاسف سے اصغر احمد اور ان کے ساتھ دھواں دھواں چہرہ لیے فوزیہ اور احسان کی جانب دیکھا تھا جو مارے خفت کے زمین میں دھنس چکے تھے۔ ساری بچھائی گئی بساط پلٹ چکی تھی۔

"یہ تو اباجی نے زیادتی کی ہے۔ وارث ہم ہیں تو صاحبہ بیگم اور رحیم کا بھلا کیا حق بنتا تھا ابا کی جائیداد میں سنبل کی بچیوں کے نام تو حصہ کر گئے تو ہمارے بچے کیا سوتیلے تھے؟ اور اس حمرہ کو تو عاق کردینا چاہیے تھا۔" ثنا کے ماتھے کی تیوری میں اضافہ ہوا تھا۔ سنبل بہن کے اس زہر خند لہجے پر تڑپ اٹھی تھیں۔ مگر ثنا کو بھلا کیا پروا تھی۔ آخر کو معاملہ جائیداد کا تھا۔

"بیٹا کسی کے ساتھ کوئی ظلم نہیں کیا احمد نے سنبل اس کی بیوہ اور غریب بیٹی ہے تم لوگوں جیسی خوشحال نہیں ہے اس لیے اس کی بچیوں کے بہتر مستقبل کے لیے اس نے کچھ حصہ انہیں دیا ہے۔ رحیم اور صاحبہ دونوں اس کے غریب رشتے داروں میں سے ہیں۔ اور ان کی دگرگوں حالت کے پیش نظر اس نے یہ فیصلہ کیا تھا۔ اپنی زندگی میں بھی گاہے گاہے وہ ان کی مدد کرتا تھا اور اپنی موت کے بعد بھی ان کا بھلا کر گیا ہے۔ رہی بات حمرہ کی تو عاق کرنے کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ حمرہ اس کی اکلوتی پوتی ہے۔ جس سے اسے بے پایاں محبت تھی مگر حمرہ کی بابت وہ ایک اور وصیت بھی کر گیا ہے کہ حمرہ کا حصہ اسے تب ملے گا جب وہ رقیہ کے بیٹے سے شادی کرے گی اور اگر حمرہ سکندر سے شادی نہیں کرتی تو حمرہ کو اس کا نصف حصہ ملے گا اور نصف حصہ کسی بھی رفاحی ادارے کے نام کر دیا جائے گا۔" سلمان صاحب کے ان الفاظ پر حمرہ اور ریان اپنی جگہ بت بن گئے تھے۔

"مگر یہ کیسے ممکن ہے حمرہ شادی کرچکی ہے۔" بھانت بھانت کی آوازیں لاؤنج میں ابھری تھیں۔

"ہائے میرے اباجی کی وصیت کا اب کیا بنے گا؟ یہ لڑکی تو نجانے کس مرد کا دم چھلا ساتھ لگائے چلی آئی ہے۔" رقیہ سر پیٹتی رہ گئیں۔ اکبر احمد اور عالیہ کے دماغ بھی بھک سے اڑ گئے تھے۔ یہ سب کیا ہو رہا تھا؟

"میں اب یہ شادی نہیں کرسکتی۔" حمرہ مضمحل آواز میں بولی تھی۔

"اس ولایتی چمڑی سے طلاق لے اور رقیہ کے بیٹے سے شادی کرے۔ یہ مرنے والے کی وصیت ہے۔" سنبل پھنکاری تھیں۔

"مگر یہ ظلم ہے میں اس وصیت پر نہیں عمل کر سکتی آپ چاہیں تو نصف حصہ کسی بھی رفاحی ادارے کو دے دیں مجھے اعتراض نہیں ہے۔" حمرہ کے فیصلے پر سنبل اسے کچھ سخت سنانے لگی تھیں کہ سندس یکدم بول پڑی۔

"حمرہ پر اس وصیت پر عمل کرنے کی پابندی نہیں ہے۔" اس نے بظاہر گھر میں سب کو مخاطب کیا تھا۔

"تم خاموش رہو لڑکی۔ بیچ میں مت بولو—؟ کیوں اطلاق نہیں ہوتا حمرہ پر اباجی کی وصیت کا؟ ہاں ہمارے اباجی کی جو بھی وصیت ہے اس پر عمل ہوگا۔ اس لڑکی نے بہت اپنی من مانی کرلی باہر رہ کر۔ اب وہی ہوگا جیسا اباجی چاہتے تھے۔ اسے رقیہ کے بیٹے سے شادی کرنا ہی ہوگی۔ حمرہ تم سیدھی طرح اس لمبوترے سے خلع لو اور سکندر سے شادی کرو۔" ثنا نے پہلے ہاتھ اٹھا کر سندس کو تنبیہ کی پھر حمرہ سے مخاطب ہوتے کرخت لہجے میں بولی تھیں۔

"ارے واہ میں کیوں اپنے کنوارے بچے کی شادی اس طلاق یافتہ لڑکی سے کراؤں؟ میرے بچے میں کیا کمی ہے بھلا۔ میں تو ایسی دلہن لاؤں گی اپنے بچے کی کہ دنیا دیکھے گی۔" رفیہ نے صاف ہری جھنڈی دکھا دی تھی۔

"یہ ابا کی وصیت ہے رقیہ۔" ثنا نے جیسے اسے جتایا تھا۔

"بھاڑ میں گئی وصیت۔ میں نہیں بنانے والی اب اس کو اپنی بہو۔" انہوں نے نخوت سے سر جھٹکا تھا۔

"لو نہ حمرہ راضی نہ رقیہ۔ اب؟" ثنا نے جیسے ہاتھ ملتے افسوس کیا تھا۔ "میں کچھ کہہ سکتی ہوں؟" سندس نے اجازت چاہی تھی۔ سلمان صاحب نے اثبات میں سرہلایا۔

"اللہ ہمیں اس بارے میں رعایت دیتا ہے کہ اگر مرنے والا اس قسم کی وصیت کر جائے جس سے کسی کی حق تلفی ہو غلط کام ہو یا کسی پر ظلم ہو تو اس کی وصیت پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے۔ اس لیے سلمان انکل آپ تمام وارثوں میں یہ معاملہ احسن طریقے سے حل کر کے صلح کروا دیں۔ اس میں کوئی گناہ نہیں۔" سلمان باجوہ متذبذب کیفیت کا شکار تھے۔

"فکر مت کریں انکل یہ اللہ کا کرم ہے بندوں پر اور جس کو یہ ڈر ہو موصی سے طرفداری یا گناہ کا، پھر وہ اصلاح کرا دے ان کے درمیان تو اس پر کچھ گناہ نہ ہوگا بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" سلمان باجوہ نے سادگی سے اثبات میں سرہلا دیا۔

"ٹھیک ہے اگر رفاحی ادارے کو حمرہ مختص کرنا چاہتی ہے تو معاملہ حل ہے۔ شادی وہ پہلے ہی کرچکی ہے لہٰذا اس معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔" حمرہ کے چہرے کے تاثرات ضرور بدلے تھے مگر اس نے اثبات میں سرہلاتے اس فیصلے کو قبول کرلیا تھا۔ وہاں موجود کسی وارث کو اب کوئی گلہ نہ تھا۔ اصغر احمد، فوزیہ اور احسان اتنی ذلت و تحقیر پر وہاں سے خاموشی سے نکل گئے تھے۔ اللہ کے بنائے قانون پر سب ہی متفق تھے۔ سلمان باجوہ شش و پنج میں مبتلا ستائشی نظروں سے سندس کو دیکھ رہے تھے۔ سندس کے لبوں پر نرم سی مسکراہٹ ابھی تھی ان کی نگاہوں کی تحریر پڑھ کر اور وہ ہولے سے بولی تھی۔

"تو اس پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔۔۔۔ تو اس پر کچھ گناہ نہ ہوگا۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔" سلمان صاحب کے کندھوں سے گویا منوں بوجھ سرک گیا تھا۔

☼ ☼

سالگرہ نمبر

مصباح نوشین

خاک ہو جائیں گے

مکمل ناول

اس نے بے حد تھکی تھکی نگاہ وال کلاک پر ڈالی۔ رات کے ڈھائی بج رہے تھے۔ بیٹھے بیٹھے اس کی کمر تختہ ہو چکی تھی۔ انتظار کی سولی پہ لٹکتے بغیر کسی خوش گمانی کی ڈور کے بھی وہ خوش امیدی کی پتنگ کو خواہشات کے آسمان پر اڑائے جا رہی تھی۔

بھاری زیورات اور جوڑے میں اس کا نازک سراپا اب دکھنے لگا تھا۔ اس نے ایسا بناؤ سنگھار کبھی کیا بھی تو نہیں تھا اور جس کے لیے کیا تھا وہ پچھلے تین گھنٹے سے اسے کمرے میں بٹھا کر غائب تھا۔ ایک تو چار گھنٹے کی لمبی مسافت' اوپر سے بھاری زیورات و کپڑے' سب نے مل کر اسے تھکانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ بے اختیار اس نے اپنے دکھتے سر کو تھاما اور کمرے پہ ایک طائرانہ نگاہ ڈالی۔ کمرے میں کسی بھی قسم کی اضافی آرائش نہیں تھی۔ فرنیچر بھی وہی تھا جو آج سے پہلے اس کمرے میں موجود رہتا تھا۔ مطلب اس کے اتنے ارمانوں سے خریدے گئے بیڈ روم سیٹ کو اس کمرے میں سیٹ نہیں کیا گیا تھا۔ بس دیواروں پہ چند ایک جگہ پہ گلاب کی ادھ کھلی کلیاں چسپاں تھیں بیڈ کے عین اوپر دیوار پہ سرخ گلاب کی پتیوں سے ان دونوں کا نام لکھا تھا۔ اپنے اور اپنے ہم سفر کے نام پہ نظر پڑتے ہی مسکراہٹ نے اس کے لبوں کا احاطہ کیا تھا۔ دل میں رقصاں محبت نے دیوانگی کی انگڑائی لے کے اس کے چہرے کو گلال بخشا تھا۔ اسی پل دروازہ کھلا تھا اور وہ اندر آیا تھا۔۔۔ زرلہ کے مسکراتے لب ایک دم سے آپس میں پیوست ہوئے تھے۔ اس کا سر جھک گیا تھا اور ہتھیلیاں پانی سے بھیگ گئی تھیں۔ کمرے میں رقصاں معنی خیز خاموشی کا رشتہ اور اس کے سامنے پوری شان سے کھڑی اس کی مجسم محبت۔۔۔ زرلہ نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھا کر دیکھا۔ وہ بیڈ کی پائنتی کی جانب کھڑا خون آشام نظروں سے اسے گھور رہا تھا۔

"اٹھو میرے بستر سے۔۔۔ مجھے نیند آ رہی ہے؟" انتہائی خاور نے ضبط سے کہا تھا۔ صاحب بہادر کا غصہ ابھی ٹھنڈا نہیں ہوا' اتنا تو وہ پل میں جان گئی تھی۔ مگر اتنے

آرام سے وہ بھی اس کی ماننے والی نہیں۔ اس نے خود سے وعدہ کر رکھا تھا۔ آخر وہ اس کی بیوی تھی۔ چاہے جبراً ہی سہی مگر وہ اسے عزت سے سیکڑوں لوگوں میں تمام شرعی و قانونی شرائط پوری کر کے بیاہ کے لایا تھا۔

"آج سے اس کمرے کی آدھی حق دار میں بھی ہوں۔ اس لیے میں بھی نہیں اٹھ رہی۔" اس نے اس کے چہرے کی ناگواریت کو نظر انداز کرتے آرام سے اس کا اطمینان غارت کرتے ہوئے کہا تھا۔ اور کن انکھیوں سے اس کے تیور دیکھتی آرام سے پاؤں پسار کر بیٹھ گئی تھی۔

"میں تمہارا زر خرید غلام نہیں ہوں کہ تمہارے رعب میں آجاؤں گا اور نہ ہی مجھ سے کسی بھی قسم کی رعایت کی توقع کبھی رکھنا؟" وہ ایک جھٹکے سے اس کے نزدیک پہنچا تھا اور بازو سے پکڑ کر بیڈ سے اٹھا کر اپنے سامنے کھڑا کیا تھا۔ اس کی مضبوط انگلیاں زرلہ کے موی بازوؤں میں پیوست اسے اذیت کی بھٹی میں جھونکنے لگی تھیں۔ مگر اس درد کو کسی امرت کی مانند پی گئی تھی۔ اس نے مخمور نگاہوں سے شاہ خاور کے حسین چہرے کو دیکھتے بڑے جذب سے کہا تھا۔

"یہ رعب نہیں محبت ہے شاہ جی! اور محبت میں رعب نہیں مان ہوتا ہے۔" شاہ خاور نے ایک جھٹکے سے اسے اپنی گرفت سے آزاد کیا اور رخ پھیر گیا۔ وہ اپنے لڑکھڑاتے وجود کو بمشکل گرنے سے بچا کر اس کے پیچھے چلی آئی تھی۔ اس کے آہستہ آہستہ چلنے سے اس کے وجود پہ سجے بھاری زیورات گنگنانے لگے تھے۔ کلائیوں میں بھری چوڑیاں رقص کرنے لگی تھیں۔ پیروں کی پائل جلترنگ سی بکھیرنے لگی تھی۔

"تم مجھے اس چال میں نہیں الجھا سکتیں؟" اپنی شیروانی کے بٹن بے دردی سے کھولتے وہ کسی سانپ کی مانند پھنکارا تھا۔ زرلہ دھیرے دھیرے اس کے قریب آئی تھی۔

"غصہ تھوک دیں نا شاہ جی! آئیں ایک نئی زندگی کا آغاز کرتے ہیں۔۔۔ پرانی باتیں بھول جائیں؟" وہ اپنی تمام تر حشر سامانیوں سمیت شعلہ جوالہ بنی اس کے سامنے آن کھڑی ہوئی تھی۔ اگر شاہ خاور نفرت کی پٹی اتار کر ایک لمحے کو بھی دیکھ لیتا تو یقیناً "ہوش کھو بیٹھتا۔" مگر وہ تو انا کی جنگ جیتنے کو بے تاب تمام ہتھیاروں سے لیس تھا۔ ایسے میں اسے اپنے رشتے کی نزاکت، ماحول کی معنی خیز خاموشی اور پرفسوں رات کیا خاک محسوس ہوتی۔

"اچھا چھوڑیں! یہ باتیں کرنے کو تو ساری عمر پڑی ہے، لائیں دیں مجھے میرا رونمائی گفٹ۔ دکھائیں تو کیا لائے ہیں؟" وہ ایک دم بات بدلتے نئے خوش گوار موڈ میں ایسے بولی تھی۔ گویا کچھ دیر پہلے ان کے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔ شاہ خاور کو اس کی ڈھٹائی مزید تاؤ دلا گئی۔

"میری زندگی اور اس سے وابستہ تمام خوشیاں تو نگل چکی ہو، اب اور کیا چاہیے تمہیں کیا میری جان۔۔۔ تو سن لو شاہ خاور مر چکا اسی روز جس روز وہ تم سے شادی کرنے پہ مجبور ہوا اور اب تمہارے سامنے ایک جیتا جاگتا انسان نہیں، بلکہ جذبات و احساسات سے عاری ایک زندہ لاش کھڑی ہے۔" زری کا چہرہ ایک لمحے میں فق ہوا تھا۔ اتنے صفا چٹ انکار کی اسے توقع تک نہیں تھی۔ مگر پھر بھی وہ ہمت کر کے بولی تھی۔

"کہا نا چھوڑیں یہ ساری باتیں، اس معاملے کو پھر کسی وقت پہ اٹھا رکھیں۔۔۔ ابھی تو میرا مسئلہ حل کریں، صبح میں سب کو کیا دکھاؤں گی جب وہ مجھ سے پوچھیں گی کہ آپ نے مجھے کیا دیا؟" وہ ایک نئے مسئلے پہ الجھتی شاہ خاور کو مزید تاؤ دلا رہی تھی۔

"بھاڑ میں جاؤ تم اور تمہارے رشتہ دار۔۔۔ کہہ دینا ان سب سے کہ شاہ خاور نے تم جیسی لڑکی کی جذباتیت پر اپنا آپ قربان کر دیا ہے اب اور کیا چاہیے ہوگا بھلا تمہیں؟" زرلہ سہم کر ایک دم دور ہٹی تھی۔ اس کا ذہن ابھی تک لفظ تم جیسی پہ اٹکا تھا۔ شاہ خاور کا مطلب کیا تھا اس بات سے، وہ کیسی لڑکی تھی، کس جیسی تھی۔

"زیادہ چلانے کی یا غصہ دکھانے کی ضرورت نہیں

ہے شاہ جی! آپ گفٹ لانا بھول گئے۔ کوئی بات نہیں۔ میں اس دن کا انتظار کروں گی جس روز آپ خود میرے لیے کوئی تحفہ لائیں گے اور ایسا ضرور ہوگا شاہ جی! زرلہ نے آپ سے دیوانگی کی حد تک محبت کی ہے اسے آپ وقتی جذباتیت کا نام دے کر میری محبت کی توہین مت کریں۔ یہ میری التجا ہے آپ سے۔" اتنا کہہ کر وہ تو خاموش ہو رہی۔ شاہ خاور بھی باقی ماندہ جنگ کسی اور وقت پہ موقوف کیے چینج کرنے واش روم میں گھس گیا تھا۔ زرلہ وہیں بیڈ کے پائنتی کے آخری کنارے ٹک گئی تھی۔

انکار سی لذت، اقرار میں کہاں ہے
بڑھتا ہے شوق غالب، ان کی نہیں نہیں سے

زرلہ کو حسب موقع ایک شعر یاد آیا۔ اس کے ہونٹوں پہ ایک معدوم سی مسکراہٹ ابھری۔ دو آنسو بڑی خاموشی سے پلکوں کی باڑ توڑ کر گالوں پہ بہہ نکلے تھے۔ شاید انہیں بھی زرلہ عباسی کی بے قدری نے اپنا آشیانہ چھوڑنے پہ مجبور کر دیا تھا۔ زندگی اب سہل نہیں گزرنے والی تھی۔ زرلہ کو اندازہ ہو گیا تھا۔

شاہ خاور فریش ہو کر واش روم سے باہر نکلا تو سفید سادہ سی شلوار قمیص میں ملبوس تھا۔ زرلہ اسے دیکھتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر اپنا زیور اتارنے لگی۔ شاہ خاور بڑے اطمینان سے اے سی کی کولنگ کم کی اور صوفے پہ آ کے ڈھیر ہو گیا۔ اس نے بیڈ زرلہ کے لیے خالی کر دیا تھا۔

"چلو! اس نے میرے وجود کو تسلیم بھلے نہ کیا ہو مگر میری موجودگی کو تو کر لیا نا فی الحال یہی بہت ہے؟" چہرے کی کلینزنگ کرتے زرلہ کے ہاتھ لمحہ بھر کو رکے۔ اور اس نے اپنے آپ کو تسلی دی تھی۔

☼ ☼ ☼

صبح وہ جیسے ہی سو کر اٹھی تو شاہ خاور کو صوفے سے غائب پایا۔ نہ جانے وہ کب اٹھ کر باہر چلا گیا تھا۔ زرلہ نے ٹھنڈی سانس بھرتے اپنے کھلے بالوں کو کیچر میں جکڑا اور اٹھ کر واش روم میں فریش ہونے چل دی

تھی۔ آدھے گھنٹے کے ٹھنڈے شاور سے فریش ہونے کے بعد جب باہر آئی تو نظریں بے اختیار وال کلاک کی جانب اٹھ گئیں جو صبح کے دس بجا رہی تھیں۔ شاہ خاور سحر خیز تھا۔ مگر اسے حیرت تھی کہ رات کو اتنی دیر سے سونے کے باوجود بھی وہ اتنی جلدی بے دار کیسے ہو گیا۔ حالانکہ شادی کی تھکا دینے والی رسومات ’ہلا گلا‘ لمبا سفر اور پھر اپنی نئی نویلی دلہن کے ساتھ ہونے والی جنگ ذہنی طور پر یہ سب کچھ ہی تھکا دینے والا تھا۔

وہ اس وقت سادہ سے کاٹن کے شلوار سوٹ میں ملبوس۔ اپنے لمبے بالوں کو تولیے سے رگڑ کر آئینے کے سامنے آن کھڑی ہوئی۔ گزشتہ رات پورے سیاق و سباق سمیت اس کے ذہن کے پردے پہ نمودار ہو چکی تھی۔ بھلے خود کو اس نے شاہ خاور کے سامنے بہت مضبوط ظاہر کیا تھا۔ مگر اس کا یہ مطلب تو نہیں تھا کہ وہ واقعی مضبوط تھی۔ اس کی غلطی اتنی بڑی تو نہیں تھی کہ وہ ایسے رویے کی حق دار ٹھہرتی۔ زیادتی تو اس کے ساتھ بھی ہوئی تھی ’چاہے انجانے میں ہی سہی۔ آخر اسے بھی تو اپنی خواہشوں کو پورا کرنے کا حق تھا۔ اپنے خوابوں کی تکمیل کے لیے۔ اپنی من چاہی زندگی گزارنے کے لیے۔ اپنا من پسند ہم سفر پانے کے لیے؟ دو آنسو چپکے سے اس کے گالوں پہ رستہ بناتے نیچے گرے تھے۔ زرلہ نے انہیں اپنے ہاتھوں کی پشت سے پونچھا۔

وہ بے جان ہاتھوں سے بے دھیانی کی کیفیت میں اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ جب دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ اس نے جلدی جلدی اپنا چہرہ صاف کیا اور دوپٹا اوڑھ کے دروازے کے قریب چلی آئی تھی۔

”لیں۔۔۔ کم ان۔۔۔“ اس نے ہولے سے کہا تھا اگلے ہی لمحے ہنستی مسکراتی پھول باجی اس کے سامنے تھیں۔ زرلہ نے انہیں دیکھتے ہی فوراً ”سلام کیا تھا۔

”وعلیکم السلام! جیتی رہو۔“ وہ پیار سے اس کے سر پر ہاتھ رکھتے ہوئے شرارت سے بولیں زرلہ جھینپ کر مسکرا دی تھی۔

”اچھا ہوا فریش ہو گئیں۔۔۔ یہ کہاں ہے تمہارا؟“ انہوں نے ارد گرد نظریں دوڑاتے شوخی سے اپنے لاڈلے اور چھوٹے بھائی شاہ خاور کی بابت دریافت کیا تھا۔

”پتا نہیں۔۔۔ میں تو سو رہی تھی وہ شاید بہت جلدی اٹھ گئے؟“ زرلہ نہ جانے کیوں شرمندہ سی ہو گئی۔

”ہاں! وہ بہت جلدی اٹھ جاتا ہے تمہیں اس لیے نہیں جگایا ہو گا کہ تمہاری نیند پوری ہو جائے۔۔۔ آخر کو تھک بھی تو بہت گئی ہو۔۔۔ دیکھ لو ابھی شادی کے بعد سے ہی تمہاری کتنی پروا کرنے لگا ہے حالانکہ پہلے تو۔۔۔ خیر تمہیں ایک گر کی بات بتاؤں۔“ وہ رازدارانہ لہجے میں کہتی اس کے قریب ہوئیں۔

”جی!“ زرلہ نے مروت نبھائی۔

”مرد توجہ کا متقاضی ہوتا ہے اسے ضد ’انا یا خود داری سے نہیں بلکہ صرف محبت کی چھری سے ہی کند کیا جا سکتا ہے اور شاہ خاور تو اس معاملے میں بہت مشکل پسند بندہ ہے۔ اس کے سامنے کوشش کرنا کہ کبھی محبت کے علاوہ انا کو بیچ میں مت لانا ورنہ بہت نقصان اٹھاؤ گی اسے اپنی منوانے اور اپنی مرضی زبردستی دوسروں پر تھوپنے والے لوگ ہرگز ہرگز پسند نہیں کجا اس کی شریک سفر انہی خامیوں کی حامل ہو۔۔۔ لیکن مجھے یقین ہے زری کہ تم ایسا کچھ نہیں کرو گی تم بہت پیاری اور اچھی لڑکی ہو اپنی محبت سے شاہ خاور کی ضد سے نباہ آسانی سے کرو گی۔“ وہ اسے گلے سے لگاتے ایکدم افسردہ سی ہو گئیں زری کے حلق میں آنسوؤں نے پھندا کس دیا وہ رونا چاہتی تھی مگر اس کے لب باہم پیوست کسی زنگ آلود قفل کی مانند ہوئے تھے۔

”میں اپنی پوری کوشش کروں گی پھول باجی! کہ آپ سب کو شکایت کا موقع نہ دوں اور شاہ جی کو تو بالکل بھی نہیں۔۔۔؟“ کچھ دیر بعد اپنی لمحاتی کیفیت پر قابو پانے کے بعد وہ بمشکل تمام انہیں تسلی دے پائی تھی۔

”ان شاء اللہ! سدا سکھی رہو سدا سہاگن رہو“

انہوں نے اسے بڑے دل سے دعا دی تھی۔

”میں تمہارے کپڑے نکال دیتی ہوں جلدی سے تیار ہو جاؤ پھر میں ناشتا لگواتی ہوں تم دونوں کا۔“ وہ وارڈ روب میں سے اس کے لیے کپڑوں کا انتخاب کرتے ہوئے اسے ہدایات بھی دے رہی تھیں۔

”ایسا کرو یہ ریڈ فراک پہن لو۔۔۔ شاہ کو یہ کلر بے حد پسند ہے تمہیں اس کلر میں دیکھے گا تو اسے اچھا لگے گا۔“ تھوڑی ہی دیر بعد وہ اس کا سلور کام سے مزین انارکلی ریڈ فراک نکالتے ہوئے اسے بتا رہی تھیں۔

زرلہ کو بھی وہ بے حد پسند آیا یہ اس کی سسرال کی جانب سے تھا اس کی ساری شاپنگ پھول باجی اور قندیل نے کی تھی۔ اس میں کوئی شک نہیں تھا کہ ان دونوں بہنوں کی پسند بہت نفیس اور اعلا تھی تھوڑی ہی دیر میں وہ تیار ہو کر کسی اپسرا کی مانند دکھائی دے رہی تھی۔ پھول باجی نے اس کا میک اپ بہت سوفٹ اور لائٹ سا کیا تھا جو اس کے معصوم سے چہرے پر بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔ انہوں نے اسے سارا زیور پھر پہنا دیا تھا۔

”پھول باجی! زیور رہنے دیں میرا دم گھٹ رہا ہے؟“

”ارے۔۔۔ یہی تو دو چار دن ہیں تمہارے پاس پھر تو ساری زندگی بچوں میں گھر کے ایسا موقع ہی نہیں ملے گا اور میں نہیں چاہتی کہ میری طرح تمہاری زندگی میں بھی یہ حسرت باقی رہے جیسے مجھے اب یہ کسک رہتی ہے کہ کاش میں جیولری کی اتنی شوقین اپنا تمام زیور بروقت استعمال کر لیتی تو آج یہ حسرت باقی نہ ہوتی۔

”تو آپ پہنا کریں نا۔۔۔“ اسے ان کی بات پر حیرت ہوئی تھی جبھی کہے بغیر نہ رہ سکی تھی۔

”خاک پہنوں۔۔۔ کبھی منعم چھیڑ رہا ہوتا ہے تو کبھی نوفل۔۔۔ تھوڑی ہی دیر بعد مجھے اکھاڑے میں کسی پچھاڑے ہوئے کبڈی پہلوان کا روپ دے دیتے ہیں میرے یہ دونوں شیطان۔۔۔“ وہ ہنستے ہوئے اپنا مذاق اڑاتے ہوئے بولیں۔

”شاہ نے کیا تحفہ دیا تمہیں؟“ زرلہ جس سوال سے بچنا چاہ رہی تھی پھول باجی نے وہی سوال اس سے پوچھ لیا تھا۔ زرلہ کو سمجھ نہیں آئی وہ انہیں کیا جواب دے۔۔۔ وہ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی جبھی انہوں نے اپنا سوال دہرایا تھا۔

”وہ دراصل۔۔۔ میں نے مانگا ہی نہیں؟“ انتہائی بوگس جواز دیتے اسے گزشتہ رات شاہ خاور کا دیا جواب یاد آیا تھا۔۔۔ کیا وہ جواب وہ پھول باجی کو دے پاتی۔۔۔

”یہ کیا بات ہوئی۔۔۔ یہ بھی کوئی مانگنے والی بات تھی زری۔۔۔ شاہ کو خود احساس ہونا چاہیے کہ یہ تحفہ کسی بھی لڑکی کے لیے کتنا اہم ہوتا ہے۔۔۔ اور اس کے نہ ملنے کی کسک کیسے ساری عمر تڑپاتی ہے اک مسلسل کمی کا احساس دلاتی رہتی ہے؟“

”میں بات کرتی ہوں شاہ سے۔۔۔ یہ کیا بچپنا ہے اس کا ’حد ہے لاپروائی کی؟“ وہ اچانک سخت کبیدہ خاطر نظر آنے لگی تھیں ’زرلہ کی جان پر بن آئی اگر وہ سچ مچ شاہ خاور سے اس کا تذکرہ کر دیتیں تو۔۔۔ کوئی بعید نہیں تھا شاہ خاور سے کہ کہیں وہ پھول باجی کو بھی وہی جواب نہ دے دے جو رات اس کو دیا تھا۔ اس کی کیا عزت رہ جاتی بھلا۔۔۔

”نن۔۔۔ نہیں پلیز آپ شاہ جی سے کوئی بات مت کیجیے گا پلیز۔۔۔ وہ لا دیں گے خود ہی جلدی میں شاید بھول گئے۔“ زرلہ نے بمشکل تمام انہیں شاہ خاور سے باز پرس کرنے سے روکا تھا۔۔۔ شکر کے وہ مان گئی تھیں۔

”زری۔۔۔ یوں اپنا حق اتنی آسانی سے نہیں چھوڑتے۔۔۔؟“ اچانک انہوں نے جانے کس احساس کے تحت اس سے کہا تھا وہ سمجھ نہیں پائی تھی۔

☼ ☼ ☼

ولیمہ کے بعد مکلاوے کی رسم کے مطابق اپنے میکے آئی تھی مگر شاہ خاور حسب توقع ساتھ نہیں آیا تھا۔ حالانکہ سب نے کتنا اصرار کیا تھا کہ یہ ان کی خاندانی روایت ہے کہ مکلاوے کی رسم کے لیے دلہا دلہن کے ساتھ جائے مگر سب جاننے کے باوجود بھی

اس نے سب کو قطعیت سے انکار کردیا تھا۔ جانے سے پہلے وہ اس سے اجازت لینے کمرے میں آئی تھی شاہ خاور فون پہ کسی دوست سے محو گفتگو تھا۔ وہ جھجکتے ہوئے اس کے پاس آئی تھی اس کی موجودگی کا احساس پاتے ہی شاہ خاور نے بے حد سرد سپاٹ سوالیہ نگاہوں سے گھورا تھا۔۔۔ زرلہ نے اس کی موجودہ کیفیت و تاثرات کو دیکھتے بمشکل خود کو کہنے پہ مجبور کیا۔

"وہ۔ وہ امی لوگ مجھے لینے کے لیے آئے ہیں آپ تو جانہیں رہے۔ اگر آپ کی اجازت ہو تو میں چلی جاؤں۔۔۔؟" وہ منمناتے ہوئے اس کی خاموشی سے خائف اپنے آنے کا مدعا بیان کررہی تھی اسے رونا آنے لگا کل تک جو اس کا بہترین دوست تھا آج وہ جیون ساتھی کے روپ میں اتنا ہی اجنبی و سفاک بنا بیٹھا تھا۔

"میرے روکنے پر رک جاؤگی؟" شاہ خاور نے اچانک موبائل آف کرکے ایک سائیڈ پر رکھتے اس سے پوچھا تھا۔

"جی۔۔۔جی۔۔۔؟" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا تو شاہ خاور کا استہزائیہ قہقہہ ہوا میں گونجا تھا۔

"اچھا! طنز کی گہری کاٹ۔" اتنی فرماں بردار پہلے تو نہیں تھیں اب کیسے ہوگئیں۔۔۔"

"آپ کی ہر بات میرے لیے حکم کا درجہ رکھتی ہے اس لیے؟" اس نے آہستگی سے کہا۔

"مطلب تم نہیں جاؤگی؟" شاہ خاور کا انداز جانچتا ہوا تھا۔

"اگر آپ اجازت نہ دیں تو نہیں جاؤں گی؟" زرلہ کا انداز اٹل اور مضبوط تھا۔

"مگر مجھے تو تمہیں روکنے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔ میں کیوں بھلا تمہیں روکوں گا جاؤ۔۔۔ جتنے دن چاہے رہو۔۔۔؟" وہ ایکدم سے اسے دو کوڑی کا کرکے رخ پھیرتے ہوئے بولا گویا وہ مزید بات کرنے کے موڈ میں نہیں تھا وہ جاسکتی تھی زرلہ کے پندار کو بڑی زور کی ٹھیس پہنچی تھی۔۔۔ کتنی بے عزتی و اہانت ہوئی تھی اس کی مگر وہ کمال ضبط کا مظاہرہ کرتی برداشت کرگئی وہ جانتی اور سمجھتی تھی کہ ابھی شاہ خاور بہت غصے میں ہے۔۔۔ اور غصے میں وہ اپنی سدھ بدھ کھو بیٹھتا ہے اسے پاچکی ہے یہ احساس ہی کافی تھا۔

وہ اپنی محبت اور عزت واحترام سے شاہ خاور کو واپس اپنے اسی روپ میں لوٹنے پر مجبور کردے گی جیسا وہ ہمیشہ سے تھا جیسا وہ فطری طور پر ہے۔۔۔ وہ یو جھل دل لیے وہاں سے اکیلی ہی چلی آئی تھی۔

☼ ☼ ☼

چاشت کا وقت تھا زرلہ اپنی مرغیوں اور کبوتروں کو دانا ڈال رہی تھی جیسے آج سے پہلے ہمیشہ ڈالا کرتی تھی اسے آئے یہاں دوسرا دن تھا اس کی سسرال سے فردا" فردا" سب کی کالز آئی تھیں ماسوائے اس دشمن جاں کے، جس کی وجہ سے وہ اس خاندان میں شامل ہوئی تھی۔ شاہ خاور کے والدین حیات نہیں تھے وہ چار بہن بھائی تھے سب سے بڑی پھول باجی پھر شاہ خاور اس کے بعد شاہ خرم اور سب سے چھوٹی قندیل تھی شاہ خاور کی پرورش اور کفالت ان کی دادی سلطانہ بیگم نے ان کے چچا شاہ جمال کے ساتھ بہت اچھے اور کھلے دل سے کی تھی شاہ جمال کے بھی چار بچے تھے سب سے بڑا ارسلان دوسرے نمبر پر سلمان تیسرے نمبر پر کومل اور پھر سبحان تھے اور وہ چاروں اپنے والدین کے ہمراہ پچھلے پانچ سال سے امریکہ شفٹ ہوگئے تھے دادو کبھی لاہور ان لوگوں کے پاس یا کبھی علاج معالجے کی غرض سے امریکا چلی جاتیں۔ زرلہ سے وہ بہت پیار کرتیں' نہیں اپنے شوہر کی بھانجی (زرلہ کی والدہ) سے بھی بہت پیار تھا بلکہ یہ سلطانہ بیگم ہی تھیں جو اب تک اس رشتے کو نبھائے چلی آرہی تھیں اور اب اس رشتے کو اٹوٹ بندھن میں باندھ کے ہمیشہ کے لیے دو لوگ قریب آگئے تھے دو خاندان ہمیشہ کے لیے ایک ہوگئے تھے۔

"زری! بس کرو بیٹا اب آجاؤ ادھر' ناشتا کرلو۔" اماں نے اسے مرغیوں اور کبوتروں کے نرغے میں گھرا دیکھا تو اسے پکارے بنا رہ نہیں پائیں وہ جو اپنے ہی خیالوں میں غلطاں تھی ایک دم چونک اٹھی۔

"جی۔۔۔ جی اماں ابھی آئی۔۔۔" بے دلی سے باجرے کا کٹورا منڈیر پر دھر کے وہ کچن میں چلی آئی تھی۔ اماں نے ناقدانہ نگاہوں سے اس کا سادہ روپ دیکھا کہیں سے نہیں لگ رہا تھا کہ وہ چار دن کی بیاہتا ہے۔

"زری! یہ کیا حالت بنا رکھی ہے تو نے۔۔۔" انہوں نے پراٹھا اور آملیٹ اچار کے ساتھ اس کے سامنے رکھتے اس سے پوچھا تھا۔

"کیا ہوا میری حالت کو اماں۔۔۔؟"

"کہیں سے نہیں لگ رہا تمہیں دیکھ کر کہ تم نوبیاہتا ہو؟" انہوں نے خائف سے لہجے میں جتایا زرلہ کو ہنسی آگئی۔

"تو کیا ضروری ہے کہ میں نظر بھی آوں نوبیاہتا۔۔۔ سب کو معلوم ہے سب ہی شادی میں شریک ہوئے تھے۔۔۔؟" اس نے ماں کے چہرے پہ پھیلی پریشانی کو دیکھتے مذاق اڑایا۔

"بچپنا چھوڑو زری؟ پہلے کی بات اور تھی اب تم شادی شدہ ہو اور یہ بہت ضروری ہے کہ تم خود پہ توجہ دو۔۔۔ لوگ ایک ایک بات نوٹ کرتے ہیں اور پھر لوگوں کی زبان بھی تو نہیں پکڑی جاسکتی نا؟" انہوں نے اسے سمجھایا۔

"اوکے۔۔۔ بتائیں ایسا مجھے کیا کرنا چاہیے کہ لوگ باتیں نہ بنائیں؟" وہ ناشتا چھوڑ کر سنجیدگی سے بولی تھی۔

"تم خوش تو ہو زری؟" انہوں نے اس کی بات کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے سوال کیا۔

"یہ کیسا سوال ہے؟" وہ جھنجلائی تھی۔

"میں نے جو پوچھا ہے اس کا جواب دو۔۔۔ تم خوش تو ہو خاور کے ساتھ؟"

"کمال! پلیز کوئی وہم دل میں مت پالیں۔ میں بہت خوش ہوں اپنی زندگی میں۔۔۔ شاہ خاور نے ان دو دنوں میں میرا اتنا خیال رکھا ہے کہ میں خود پر رشک کرنے لگی ہوں۔۔۔ کوئی اتنا خوش نصیب بھی ہوسکتا ہے۔۔۔ جتنی میں ہوں۔۔۔ شاہ کو حاصل کرکے میں بہت خوش ہوں بے حد خوش۔" وہ جذب کے عالم میں کہتی اپنی ماں کو محبت کی داسی معلوم ہوتی تھی بے اختیار انہوں نے ہمیشہ اس کی خوشیاں سلامت رہنے کی دعا کی تھی۔

"ہمیشہ خوش رہو اللہ کرے شاہ خاور ہمیشہ تمہاری قدر کرے۔"

"آمین۔۔۔" ماں کے گلے سے لگی زرلہ نے دھیرے سے آمین کہا تھا اس کی آنکھوں سے دو قطرے ٹوٹ کر گرے تھے۔ اس نے شاہ خاور کو حاصل ضرور کرلیا تھا مگر اسے پا نہیں سکی تھی۔

☼ ☼ ☼

وہ آج عفت باجی کے گھر جارہی تھی۔۔۔ رانیہ نے اس کے لیے مکلاوے کے دن پہنی جانے والی ریڈ انار کلی فراک ہی نکالی تھی۔

"اتنا بھاری لباس مت نکالو یار۔۔۔ کوئی ہلکے کام کا سوٹ نکالو۔ مجھ سے تو یہ پہنی ہی نہیں جاتی؟"

"آپ اس فراک میں اتنی خوبصورت نظر آتی ہیں بجو۔۔۔ جیسے پرستان سے کوئی پری راستہ بھول کے ادھر آنکلی ہو۔۔۔" رانیہ نے اسے پیار بھری نظروں سے دیکھتے کہا تھا۔ زرلہ ایکدم ہنس دی تھی۔

"اتنی مبالغہ آرائی بھی اچھی نہیں ہوتی چھوٹی۔۔۔" اس نے پیار سے ڈپٹا۔

"قسم لے لیں بجو! یہ مبالغہ آرائی نہیں بلکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے اور پتا ہے۔ جس روز ہم آپ کو لینے کے لیے گئے تھے نا شاہ بھائی آپ کو چپکے چپکے دیکھ رہے تھے۔۔۔" رانیہ نے مزے لے کر بتایا زرلہ کو ایک خوشگوار حیرت ہوئی تھی۔

"کیا واقعی۔۔۔ کب۔۔۔ مجھے تو پتا نہیں چلا؟" اب کی بار وہ جوش سے چلائی تھی۔

"بس۔۔۔ دیکھ لیں تاڑنے والے قیامت کی نگاہ رکھتے ہیں۔" رانیہ نے فرضی کالر جھاڑا تھا۔

"کمال ہے شاہ جی نے مجھے دیکھا اور مجھے احساس ہی نہیں ہوپایا۔۔۔" وہ خود کلامی کے سے انداز میں کہتی

بڑی خوشگوار حیرت میں گھری باتھ روم کی طرف چینج کرنے کے لیے بڑھی تھی۔ تیار ہو کر اس نے خود کو ناقدانہ نگاہوں سے آئینے میں بغور دیکھا تو مبہوت ہو کر رہ گئی رانیہ واقعی سچ کہہ رہی تھی ریڈ انار کلی فراک میں وہ واقعی کوئی اپسرا دکھائی دیتی تھی۔ روپہلی جوانی کا بانکپن اس کی ہوش ربا اداؤں کے تال میل سے اس کے معصوم چہرے کو جلا بخشتا تھا۔ چاندی جیسی رنگت کانچ سی آنکھیں نازک لب اور صراحی دار [illegible] سی تنی گردن۔۔۔ سرو قد متناسب مگر قیامت خیز سراپا۔۔۔ وہ بلاشبہ ایک چلتی پھرتی قیامت تھی زرلہ کو اس دن خود پر اور بھی پیار آیا یہ احساس ہی مشام جاں کو معطر کر رہا تھا کہ چاہے چند ثانیے ہی سہی شاہ خاور کی نگاہ التفات اس پر ٹھہری تو تھی۔۔۔ وہ مغرور نہ ہوتی تو کیا کرتی۔۔۔ عفت باجی کے گھر بہت اچھا وقت گزرا تھا۔۔۔ کھانا بے حد لذیذ بنا تھا۔ شادی کے بعد سے ہی جہاں یہ احساس کہ وہ پرائی ہو گئی وہیں ہر رشتہ دار اسے پہلے سے بڑھ کر عزت و احترام دے رہا تھا خاندان بھر کی لڑکیاں اس کے نصیب پر رشک کرتیں اپنی قسمت سے شاکی ٹھنڈی آہیں بھرتی نظر آتیں۔ اسے اب احساس ہوا تھا کہ وہ محبتوں کے معاملے میں کتنی خوش نصیب تھی۔

رات گئے امی جان، رانیہ اور وہ گھر لوٹے تو صحن میں بچھی چارپائیوں پہ اسے وہ دشمن جان بیٹھا نظر آیا تھا۔۔۔ زرلہ ایک لمحے کو ڈیوڑھی کے نیم تاریک گوشے میں ساکت کھڑی رہ گئی تھی۔۔۔ کاش آج وہ کچھ اور بھی مانگ لیتی تو اسے مل جاتا۔۔۔ مگر اسے اب چاہیے بھی کیا تھا بھلا۔۔۔ وہ صحن میں بچھی چارپائیوں میں سے ایک پہ بیٹھا ابو جی سے محو گفتگو تھا۔۔۔ شاید وہ ابھی ابھی وہاں پہنچا تھا۔۔۔ امی جان نے فوراً" آگے بڑھ کے اس کے ماتھے کو بوسہ دیتے اسے ڈھیروں دعاؤں سے نوازا تھا رانیہ الگ خوشی سے چہک رہی تھی۔۔۔ فوراً" کمپیوٹر سے چپکے باسط کو بلانے بھاگی۔ وہ دھیرے دھیرے چلتی اس کے قریب آئی اور آہستہ سے سلام کر کے پلکیں جھکا گئی ـــــ اس سمے اسے اتنی شرم آئی کہ پلکیں اٹھنے سے انکاری ہو گئیں شاید پاس بیٹھے ابو جی کا احترام آڑے آیا تھا۔ شاہ خاور نے ایک سرسری نگاہ اس پہ ڈالی۔

"وعلیکم السلام۔۔۔ کیسی ہو۔۔۔" اس نے پوچھا تھا اور اس کا جواب سننے سے پہلے ہی رخ موڑ کر ابو جی سے دوبارہ گفتگو میں مگن ہو گیا زرلہ کے ارمانوں پہ اوس سی گری کچھ دیر پہلے والی خوشی و سرشاری اب اس کے رویے میں مفقود تھی وہ بے دلی سے اٹھ کر اپنے کمرے میں چینج کرنے کی غرض سے آئی کمرے میں پہنچ کر اس نے ایک ایک چیز تقریباً" نوچ کر اتاری تھی۔

"رانیہ کو کوئی غلط فہمی ہوئی تھی شاید۔۔۔ وہ تو میری طرف دیکھنا بھی پسند نہیں کرتے؟" اس نے جیسے تھک ہار کر حقیقت کو تسلیم کیا۔ جانے کتنی دیر بعد وہ کمرے سے باہر نکلی تو شاہ خاور خالی کھانے کی ٹرے رانیہ کو واپس پکڑا رہا تھا۔۔۔ وہ چپ چاپ اس کی نظروں سے اوجھل امی جان کے پیچھے آ کے بیٹھ گئی تھی۔

"بستر لگا دیے ہیں امی جان؟" باسط نے چھت پہ کھڑے ہو کر چلا کر کہا تھا۔

"پنکھا سیٹ کیا؟" امی جان کو اک نئی فکر نے آن گھیرا۔

"سب سیٹ ہے شاہ بھائی آجائیں اوپر۔۔۔ بہت اچھی ہوا چل رہی ہے۔" باسط نے اسے اوپر بلایا تو وہ ہولے سے مسکرایا زرلہ نے چوری سے دیکھا اس کے ہنسنے سے اس کے ٹھوڑی کا تل بھی مسکرانے لگتا تھا۔ پھر وہ فریش ہونے کے بعد اوپر چھت پر چلا گیا تھا۔ کچھ دیر باسط اور رانیہ اس کے پاس بیٹھے رہے، وہ بے حد خوشگوار موڈ میں انہیں دلچسپ قصے سناتا رہا تھا ان دونوں نے امی جان کی آواز پہ نیچے آنے میں ہی عافیت جانی تھی۔

"جاؤ۔۔۔ یہ اوپر شاہ خاور کے لیے لے جاؤ۔" اماں نے ٹرے اس کو پکڑائی۔

"دودھ سوڈا بنایا ہے میں نے۔۔۔ گرمی بہت ہے پھر اتنا سفر کر کے آیا ہے تھک گیا ہو گا۔۔۔ اس سے نیند اچھی آئے گی، جاؤ تم اب اس کے پاس جاؤ" اماں نے اس کی سوالیہ نظروں کے جواب میں وضاحت کرتے اسے جانے کا عندیہ دیا تھا۔ وہ بھاری قدم اٹھاتی اس کے پاس اوپر چلی آئی تھی۔۔۔ آہٹ پر ذرا کی ذرا شاہ خاور کی نظریں موبائل اسکرین سے ہٹی تھیں پھر وہ دوبارہ سے اپنے کام میں محو ہو گیا تھا۔

"یہ۔۔۔ یہ دودھ اماں نے بھجوایا تھا آپ کے لیے؟" اس نے اس کے گریز کو دیکھتے اختصار سے کام لیا۔

"کیوں؟" وہ موبائل تکیے کے نیچے رکھ کے اس کی طرف منہ کر کے کروٹ کے بل لیٹتے ہوئے بولا تھا۔

"گرمی کی وجہ سے۔۔۔ اس سے نیند اچھی آئے گی۔" زرلہ کو وضاحت دینا بے حد دشوار لگا۔

"مگر مجھے تو گرمی نہیں لگ رہی۔۔۔" شاہ خاور کا انداز تمسخرانہ تھا یا پھر زرلہ کو ایسا لگا۔

"آپ کو پسند بھی تو ہے دودھ سوڈا۔" زرلہ نے کہا۔

"تمہیں میری پسند کا خیال۔۔۔ اب آیا ہے زری۔۔۔؟" زرلہ سر جھکا کر رہ گئی۔

"میں نے کوئی گناہ نہیں کیا۔" اس نے اپنا دفاع کرنا چاہا۔

"تم نے گناہ سے بڑھ کر کیا ہے۔" وہ بھی فوراً" بولا تھا۔

"آپ بھول کیوں نہیں جاتے وہ سب۔۔۔ میں نے آپ سے کتنی مرتبہ معافی بھی تو مانگی ہے۔۔۔؟" زرلہ ضبط کی شدت سے چلائی۔

"میں نہیں کر سکتا معاف زری۔۔۔ میرا وجود آگ کی لپٹوں کی زد میں ہے میری روح تمہاری وجہ سے کانٹوں پہ گھسٹ رہی ہے۔۔۔ اتنی آسانی سے تو تمہیں معافی ہرگز نہیں ملے گی۔۔۔ اس کا ہرجانہ تو تمہیں بھرنا ہی ہو گا۔" شاہ خاور کی زبان کسی سانپ کی مانند زہر اگل رہی تھی زرلہ نے تھک کر ٹھنڈی سانس بھری۔

"آپ کو جو کرنا ہے کیجیے مگر میری محبت اور جنون میں آپ کوئی کمی نہیں پائیں گے۔۔۔ یاد رکھیے گا۔"

"دیکھتے ہیں۔۔۔ کون صبر کی کس حد تک جاتا ہے۔" شاہ خاور نے تمسخر سے کہا تھا۔۔۔ زرلہ نے بحث کو سمیٹا اور دودھ کا گلاس بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔

"دودھ پی لیں۔۔۔"

"مگر مجھے نہیں پینا۔۔۔" وہ بضد تھا۔

"امی جان نے یہ آپ کے لیے بھجوایا ہے۔"

"تو کہہ دو ان سے کہ ہم دودھ نہیں پیتے۔۔۔" چبھتے ہوئے انداز میں اس نے زرلہ کی بے بسی کا مذاق اڑایا تھا۔ زرلہ کی آنکھوں کے گوشے اس کے انکار سے نم ہوئے تو وہ رخ پھیر گئی مبادا شاہ کی نظر پڑے تو اسے طنز کا اور موقع میسر آئے۔۔۔ وہ آرام سے ٹرے دو چارپائیوں کے درمیان رکھی میز کے اوپر رکھتے ہوئے خود دوسری چارپائی پر سر کے نیچے بازو رکھ کر لیٹ گئی اور گہری چپ کی چادر اوڑھ لی۔۔۔ شاہ خاور فون پر انگریزی میں مصروف گفتگو تھا۔ اس کا خیال ہو گا کہ شاید زرلہ کو گاؤں میں رہنے کی وجہ سے انگریزی سمجھ نہیں آتی ہو گی مگر یہ اس کی بھول تھی وہ ایک ایک حرف بخوبی سن اور سمجھ رہی تھی۔ مخاطب شاید کوئی لڑکی تھی۔

"ہونہہ۔۔۔ صاحب بہادر کے پاس سب کے لیے ٹائم ہے ماسوائے میرے۔۔۔" اس نے جل کے سوچا "دیکھتی ہوں کب تک اگنور کرتے ہیں مجھے۔۔۔؟" اس نے کروٹ بدل لی۔

"آپ یہاں کیوں آئے ہیں؟" اس نے خود سے عہد کیا تھا کہ اب اس سے کوئی بات نہیں کرے گی مگر پھر رہ نہیں سکی۔

"پھول آپی کو اچانک واپس جانا پڑ گیا تھا۔۔۔ دادو کی طبیعت خراب تھی۔ شاہ جمال چچا اور ان کی فیملی کراچی گئی ہوئی ہے اس لیے تمہیں لانے کے لیے اور کوئی نہیں تھا مجبوراً" مجھے آنا پڑا۔" اگلے ہی لمحے پوری تفصیل سناتے اس نے اس کو خوش فہمی سے بڑی بے رحمی سے نکالا تھا وہ جی جان سے سلگ اٹھی۔

"گھر میں شاہ خرم بھی تو تھا۔۔۔ اسی کو بھیج دیتے۔۔۔" اس نے جل کے کہا تھا۔

"اس کے ایگزام اسٹارٹ ہوگئے ہیں وہ نہیں آسکتا تھا"

"تو پھر نویدہ اور اس کے ہزبینڈ کو بھیج دیتے" اس نے گھر میں کام کرنے والی نوکرانی اور اس کے شوہر کا نام لیا تھا۔ شاہ خاور دل ہی دل میں اس کے تپ اٹھنے پہ محظوظ ہوا۔

"میں نے تو یہی آئیڈیا دیا تھا دادو کو۔ مگر وہ نہیں مانیں ان کا اصرار تھا کہ میں خود تمہیں لینے جاؤں ورنہ خاندان میں ہماری ناک کٹ جائے گی۔"

"ہونہہ۔۔۔ آئے بڑے ناک والے" وہ منہ ہی منہ میں بڑبڑائی۔

"کیا کہا؟"

"کچھ نہیں۔۔۔ اپنے نصیب کو رو رہی ہوں"

"وہ تو اب تمہیں ساری عمر رونے ہیں مسز شاہ خاور۔۔۔ ابھی سے ہار مان گئیں" شاہ خاور کا انداز بے حد تلخ اور کسی قدر استہزائیہ تھا۔ زرلہ کان لپیٹ کر سوتی بن گئی مبادا جنگ نہ چھڑ جائے۔ دوسرے روز وہ علی الصبح جانے کے لیے تیار کھڑا تھا۔

زرلہ کی جان پہ بن آئی۔۔۔ وہ ابھی کچھ دن یہاں رہنا چاہتی تھی اس لیے بغیر صورت حال سمجھے اس کے پاس رعب جمانے چلی آئی۔

"میں آپ کے ساتھ نہیں جارہی" اس کا انداز دوٹوک تھا۔ شاہ خاور نے بے حد غور سے آئینے میں برش کرتے ہوئے اس کے عکس کو دیکھا پھر برش ٹیبل پر رکھ کر اس کی جانب سنجیدگی سے مڑا۔

"اوکے۔۔۔ مت جاؤ کوئی تمہیں فورس نہیں کرے گا اور شاہ خاور تو بالکل نہیں"

"ہا۔۔۔" زرلہ کا منہ کھل گیا وہ تو یہاں اپنی اہمیت جتانے آئی تھی مگر یہاں تو اسے پرواہ ہی نہیں تھی۔

"ہاں۔۔۔ ہاں ٹھیک ہے دادو سے میں خود بات کرلوں گی آپ پہ کوئی حرف نہیں آئے گا" اپنے تئیں اس نے بات ختم کی۔

"مرد پہ کوئی انگلی نہیں اٹھاتا زری۔۔۔" اس نے بے حد ٹھہرے لہجے میں اسے جتایا تھا۔ زرلہ اپنی جگہ سن سی ہوگئی تھی۔

"ایسا نہیں ہوسکتا دادو آپ کو ضرور ڈانٹیں گی۔۔۔" اس نے ڈھٹائی کا مظاہرہ کرتے بات بدلی۔

"شاہ خاور کی ذات اتنی ارزاں نہیں کہ اسے ہر کھلونا بنایا جائے۔۔۔؟" اس نے کھا جانے والی نظروں سے گھورتے ایک ایک لفظ چبا چبا کر ادا کیا تھا۔

"مجھ سے کبھی مت ٹکرانا زری۔۔۔ ورنہ راکھ کا ڈھیر بنا دوں گا" وارننگ دینے والے انداز میں اس نے اپنی انگلی اٹھا کر کہا۔ زرلہ کو ایک لمحے کے لیے اس سے خوف سا محسوس ہوا۔ انا کی جنگ میں اپنی خودی کی بقا اور اپنا وقار واپس پانے کو انسان کچھ بھی کرسکتا ہے اور اگر جذبہ انتقام کی آگ سلگ رہی ہو تو اسے بھڑکتے دیر کہاں لگتی ہے۔

"جاؤ۔۔۔ اور تیار ہوجاؤ۔۔۔" اس نے اسے حکم دیا تو اور زرلہ کسی بے دام کنیز کی مانند تعمیل کے لیے وہاں سے بھاگی تھی۔

"تمہاری زور زبردستی ہر بار نہیں چلنے والی زرلہ بیگم! تم اپنا کھیل کھیل چکیں اب میری باری ہے اور اس کھیل میں شہ مات تمہیں میرے ہاتھوں ہی ملے گی" اس نے تنفر سے سوچا تھا۔

☼ ☼ ☼

گاڑی میں بے حد خاموشی تھی۔۔۔ لگ ہی نہیں رہا تھا کہ جیتے جاگتے امنگوں سے بھرپور دو لوگ اس میں محو سفر ہیں، صبح کی تکرار کے بعد سے اب ان دونوں کے درمیان بات چیت مکمل طور پر بند تھی زرلہ ہی اسے مخاطب کیا کرتی شاہ خاور تو اس کی کسی بات کا جواب ہی دے دے یہی غنیمت تھا۔ دوپہر ہونے کو تھی۔ وہ لوگ اب موٹروے پر تقریباً" آدھا سفر طے کرچکے تھے زرلہ صبح اچانک تیاری اور رونے دھونے کی مصروفیت میں ناشتہ کر ہی نہیں پائی۔۔۔ اور اب تقریباً" آدھا دن گزرنے کے بعد اسے زوروں کی بھوک لگ رہی تھی۔ سہ پہر ہونے کو آئی دن شام میں ڈھلنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔

پرندے واپس اپنے اپنے آشیانوں کی جانب پلٹنے کی تیاری پکڑ رہے تھے۔۔۔ مگر وہ تو اس سے یوں بے گانہ بنا ڈرائیو کیا ابھی ہو۔۔۔ زرلہ نے جلتے کڑھتے اپنی توجہ ونڈ اسکرین کے پار بھاگتے دوڑتے مناظر پر مرکوز کرنا چاہی دور تک سنسان لمبی سڑک پہ چلتی اکا دکا گاڑیاں۔۔۔ اطراف میں کہیں درختوں کے جھنڈ تو کہیں صحرا کی ویرانی و بیابانی نظر آئی۔۔۔ اس کام سے اکتا نے کے بعد اس نے فرنٹ سیٹ کو ذرا سا ڈھیلا کیا اور سونے کی کوشش میں آنکھیں موند لیں مگر بے سود۔۔۔ خالی پیٹ نیند بھلا کہاں سے آتی۔۔۔ اچانک اس نے کچھ سوچ کے اسٹیئرنگ پہ ہاتھ دھر کر گاڑی روکنے کی کوشش کی تھی۔

"یہ کیا بے ہودہ حرکت ہے؟" زرلہ سمجھ نہیں پائی اسے غصہ ہاتھ رکھنے پر آیا تھا یا اسٹیئرنگ پکڑنے پر ہر حال جو بھی سمجھا تھا اسی نے بولنے میں پہل تو کی۔۔۔ زرلہ اسی انتظار میں تھی۔

"گاڑی روکیں پلیز۔۔۔" وہ بھی فوراً" مطلب کی بات پہ آگئی تھی۔

"وہ کس لیے؟" اب کی بار وہ واضح طور پر جھنجلایا تھا۔

"مجھے بھوک لگی ہے۔۔۔" وہ پیٹ پہ ہاتھ رکھ کر چلائی۔

"تو۔۔۔ اس کے لیے گاڑی کو کیوں روکوں؟"

"مجھے کھانا کھانا ہے اس لیے" وہ اس کی عقل پہ ماتم کرتے چلائی تھی۔

"بلی دادوے۔۔۔ تمہیں یہاں کون سا ریسٹورنٹ نظر آرہا ہے؟" شاہ خاور بھی اس کے انداز میں کہتے چلایا تھا۔

"جب ریسٹورنٹ آرہے تھے تب کیوں نہیں روکی گاڑی۔۔۔ اگر میں بھوک سے مرجاتی تو۔۔۔"

"شکرانے کے نفل پڑھتا میں۔۔۔ ساتھ دو دیگیں بریانی کی تمہارے جان چھوٹنے پہ۔۔۔" اس نے سبھی آرام سے گل افشانی کی۔

"ہیں۔۔۔" زرلہ کا منہ دوبارہ کھول گیا۔ "آپ اتنے سنگدل کیسے ہوسکتے ہیں شاہ جی۔۔۔؟" زرلہ دکھ کی زیادتی سے گنگ ہوگئی۔

"تم نے مجھے جانا ہی کب تھا زری۔۔۔ اگر جان لیتیں تو یقیناً" اتنا بڑا قدم نہ اٹھاتیں۔۔۔" شاہ خاور نے بے حد سرد لہجے میں کہتے اسے ایک مرتبہ پھر سن کردیا تھا۔ پھر اس کے بعد وہ بول ہی نہیں پائی جانے کتنے ہی ریسٹورنٹس آئے مگر اس نے گاڑی روکنے کے لیے نہیں کہا تھا اس کی بھوک پیاس شاہ خاور کے ایک ہی جملے نے ختم کردی تھی۔

☼ ☼ ☼

گھر میں سب نے اس کا پرجوش استقبال کیا تھا وہ نہال سی ہوگئی۔

پھول باجی نے فون کرکے ڈھیروں ساری دعائیں اور پہلی فرصت میں اپنے ہاں آنے کی دعوت دی تھی۔۔۔ شاہ جمال چچا اور ان کے بچے بھی واپس کراچی سے آچکے تھے۔ لڑکے تو سارا سارا دن باہر رہتے کومل البتہ زیادہ تر قندیل کے ہمراہ گھر میں ہی پائی جاتی۔۔۔ زرلہ سے اگرچہ اس کی دوستی نہیں تھی مگر شادی سے پہلے گپ شپ خاصی اچھی تھی۔

☼ ☼ ☼

شادی کو تقریباً" پندرہ بیس دن ہوگئے تھے۔۔۔ شاہ خاور کی جاب اسلام آباد میں تھی۔۔۔ وہیں پہ اسے کمپنی کی جانب سا ایک چھوٹا سا فلیٹ ملا ہوا تھا جسے شاہ خاور نے اپنی آرٹسٹک نیچر کی وجہ سے خوب ڈیکوریٹ کر رکھا تھا۔ شاہ جمال چچا اور ان کی فیملی کے جانے کے دن چونکہ قریب آرہے تھے اس لیے دادو کی خواہش کے عین مطابق گھر کی پہلی بہو اور بچہ پارٹی کی بھابھی زرلہ سے میٹھا پکوایا گیا تھا۔۔۔ زرلہ نے سب گھر والوں کے لیے کھیر بنائی جو بے حد لذیذ بنی تھی۔۔۔ سب جمع تھے ماسوائے پھول باجی کے ان کے بیٹے منعم کے ٹرم اسٹارٹ ہوگئے تھے اسی مجبوری کے باعث وہ اپنا دل مسوس کے رہ گئیں۔۔۔ ثنا آنٹی نے اس موقع پہ زرلہ کو سونے کے کنگن بطور تحفہ دیے تھے اس مان اور محبت

کے ساتھ کہ وہ "نہیں" اپنی سگی ساس ہی سمجھے۔

"میرا دل چاہ رہا ہے میں آپ کو اپنے ساتھ امریکا لے جاؤں بھابھی۔ اتنی زبردست کھیر میں نے پہلے کبھی نہیں کھائی ہے۔" یہ سبحان تھا جو میٹھے کا بے حد شوقین تھا زرلہ صرف مسکرا ہی سکی تھی۔

"زری بیٹا۔" اچانک دادو نے اسے مخاطب کیا تھا۔

"جی دادو جان!" وہ فوراً" مودبانہ انداز میں کہتے ان کی جانب متوجہ ہوئی تھی۔

"بیٹا شاہ کو کھیر دے آؤ۔ اسے بھی بہت پسند ہے۔" انہوں نے اسے اچانک سب سے مشکل کام سونپا تھا۔

"اور۔ اپنے ہاتھوں سے کھلایئے گا بھابھی۔ کاش ہمارے نصیب بھی کھل جائیں شاہ خاور بھائی کی طرح۔ اف آج ہماری بھی خدمتیں کرنے والا کوئی ہوتا۔" شاہ خرم سلمان کے ساتھ مصنوعی ٹھنڈی آہیں بھر کے خود کو بے حد مظلوم تصور کر رہے تھے۔

"حوصلہ رکھو نوجوانو۔ ایک دن سب کی باری آجائے گی۔" شاہ جمال چچا نے تسلی دی تھی جس پہ ان تینوں کا مشترکہ ٹھنڈا سانس نکلا تھا۔

"ہک ہا۔ دلی ہنوز دور است۔" شاہ خرم نے ٹکڑا لگایا تھا۔

"چپ کرو شیطانوں۔" دادو نے سب کو گھرکا تو فوراً" سووئب بن بیٹھے۔

دوسری طرف زرلہ کھیر لے کر کمرے میں آئی تو شاہ خاور کمرے میں نہیں تھا واش روم سے پانی گرنے کی آواز آرہی تھی شاید وہ اندر ہی تھا۔ زرلہ نے ٹرے کمرے میں رکھی بیڈ روم چیئرز کی تپائی پر رکھ دی اور خود اٹھ کر بیڈ کی چادر کی نادیدہ شکنیں درست کرنے لگی۔ شاہ خاور ابھی ابھی سو کر اٹھا تھا۔ وہ تو سارا دن نیچے گھر والوں کے ساتھ مصروف رہی تھی۔ اوپر آنے کا موقع ہی نہیں مل پایا تھا اسے۔ اس نے اٹھ کر خود کو ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے میں دیکھا تو پسینے سے بھیگی چند لٹیں چہرے کے اطراف میں چپکی نظر آئیں۔ وہ

میک اپ بہت کم کرتی تھی ابھی بھی صرف لپ لگا رکھی تھی رنگت اس کی ویسے ہی دودھیا تھی۔ اس نے ٹشو اٹھا کر چہرے پہ آیا پسینہ صاف کیا اسی اثنا میں شاہ خاور تولیہ لپیٹے باہر آیا تھا۔ زرلہ ایک دم ٹھٹک کر شرمندہ سی ہو کے نظریں جھکا گئی۔ شاہ خاور نے اس کا الجھا روپ دیکھا تو جلدی سے وارڈ روب میں منہ دے کر کھڑا ہو گیا۔ زرلہ کو سمجھ نہ آئی وہ کھڑی رہے یا چلی جائے۔ بالآخر حیا کو ایک طرف کر کے شاہ خاور کے پیچھے چلی آئی تاکہ وہ کپڑے نکال کر دے سکے۔

"لائیں مجھے دیں شاہ جی۔ میں نکال دیتی ہوں۔" اس نے کپڑے اس کے ہاتھ سے لینے چاہے مگر شاہ خاور نے سختی سے اس کا ہاتھ جھٹک دیا تھا۔

"کوئی ضرورت نہیں۔ میں اپنا کام خود کر سکتا ہوں" اس نے رکھائی سے کہا۔

"میں آپ کی بیوی ہوں شاہ جی۔ آپ کے کام کرنے کی ذمہ داری اب میرے سر ہے۔" اس نے آہستگی سے کہا تھا۔

"جانتا ہوں۔ اس تلخ حقیقت کو کہ تم میری بیوی ہو۔ بار بار مجھے جتلانے کی کوشش مت کیا کرو زری۔ ورنہ میں کچھ کر بیٹھوں گا۔" وہ ایک دم سے غصہ ہوا تھا۔ زرلہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔

"شاہ جی۔" زرلہ کے لبوں سے ٹوٹ ٹوٹ کر ادا ہوا۔

"جاؤ زری۔ میرے ہوتے ہوئے اس کمرے میں مت آیا کرو۔ انڈر اسٹینڈ۔" وہ ایک دم چلایا تو وہ الٹے پاؤں واپس بھاگی تھی۔

"اور سنو۔" اس کے پکارنے پہ وہ پلٹے بغیر رکی تھی۔

"یہ ٹرے بھی لے جاؤ۔ تمہارے ہاتھ کی کھیر کھانے سے بہتر ہے میں تھوڑا سا زہر کھا کے ہمیشہ کے لیے پرسکون ہو جاؤں۔" زرلہ نے ٹرے اٹھا کر شکوہ کناں نگاہوں سے اسے دیکھتے واپسی میں ہی عافیت جانی تھی۔

☆ ☆ ☆

شاہ جمال چچا اور ان کی فیملی کے جانے کے دوسرے ہی دن شاہ خاور کی بھی چھٹیاں ختم ہو گئیں اور وہ بھی واپس چلا گیا تھا۔ دادو نے بہت سمجھایا کہ اپنی بیوی کو بھی اپنے ساتھ لے جاؤ مگر وہ نہ مانا۔ کہنے لگا کہ آپ کو مجھ سے زیادہ اس کی ضرورت ہے۔ یہ آپ کا خیال رکھے گی۔

"اور تیرا خیال کون رکھے گا۔" دادو نے اس سے جواب سے پوچھا تھا۔

"میں اپنا خیال خود رکھ سکتا ہوں" اس نے رکھائی سے کہتے زرلہ کو جتاتی نظروں سے دیکھتے دادو کو جواباً" کہا تھا۔ وہ خائف سی اٹھ گئی۔

"جیسا خیال بیوی رکھتی ہے کوئی بھی نہیں رکھ پاتا۔ اور تم تو ہو ہی بہت لاپروا۔ بس میں نے کہہ دیا زری تمہارے ساتھ ہی جائے گی۔" دادو نے ایک نیا حکم دیا تھا۔

"دادو پلیز۔ ضد چھوڑیں۔ وہ یہیں ٹھیک ہے۔"

"میری سمجھ میں نہیں آتا شاہ۔ تم نے اپنی مرضی و رضا سے اسے اپنایا ہے پھر تمہارا سلوک اس کے ساتھ اس قدر ترش و تلخ کیوں ہے۔؟" جہاندیدہ خاتون تھیں ایک لمحے میں بھانپ گئی تھیں کہ معاملہ کیا ہے۔

"فار گاڈ سیک دادو۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ اور نہ ہی میں نے اس کے ساتھ کوئی ظلم روا رکھا ہوا ہے۔ بس آپ جانتی تو ہیں میری فطرت کو۔ میں آزاد رہنا پسند کرتا ہوں۔" اس نے اپنا دفاع کیا۔

"تو وہ کون سا تمہاری آزادی سلب کر رہی ہے۔ کم از کم اسے اس کا حق تو دو۔" دادو نے سنجیدگی سے اسے ٹوکا تھا۔

"اگلے ماہ میں اور قندیل امریکا جا رہے ہیں۔ اس لیے بہتر ہے اگلی بار تم آؤ تو اسے ساتھ لے کر جانا۔ ورنہ مجھ سے برا کوئی نہیں ہو گا۔" انہوں نے حکم سناتے ہوئے بات ختم کی۔

☆ ☆ ☆

نارنجی زرد شام اطراف میں پھیلی تھی۔

ہواؤں میں حبس اگرچہ پہلے سے کم تھا مگر پھر بھی موسم کی تپش محسوس کی جاسکتی تھی۔ زرلہ آسٹریلین توتوں کو باجرہ ڈال کر ان کے مٹکوں کو دھو کر ان میں پانی ڈالنے میں مگن تھی۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد وہ پورچ میں بنی مرکزی دروازے کی طرف جاتی تین سیڑھیوں میں سے سب سے اوپر والی پہ بیٹھ گئی۔ لامتناہی سوچوں کا ایک طویل سلسلہ تھا جو شروع ہو چکا تھا۔ دادو اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں شاہ خرم بھی اپنے کمرے میں تھا۔ قندیل ابھی یونیورسٹی سے ہی نہیں لوٹی تھی۔ اور اس پہ ستم یہ تھا کہ اسے دوپہر کو نیند آتی نہیں تھی ورنہ وہ بھی باقیوں کی طرح شام گئے تک سوتی۔

"ہیلو بھابھی!" اسے وہاں بیٹھے جانے کتنی ہی دیر گزری تھی کہ شاہ خرم اس کے قریب آکر بیٹھ گیا تھا۔ شاہ خرم بہت نٹ کھٹ سا لڑکا تھا زرلہ کا ہی ہم عمر تھا اور دونوں میں دوستی بھی خوب تھی۔

"ہائے۔" اس نے بھی بے دلی سے جواباً" کہا تھا۔

"یقیناً" بھیا کو یاد کر رہی ہوں گی ہے نا؟" اس نے زرلہ کے چہرے کو کھوجتے شرارت سے کہا تھا۔

"نہیں ایسی کوئی بات نہیں۔ بلکہ میں تو ان پرندوں کے ساتھ بہت انجوائے کر رہی ہوں۔" زرلہ نے جیسے بات بنائی۔

"خیر اب چرند پرند سے بندہ کتنی دیر تک دل بہلائے یہ بے چارے بے زبان۔ انسانوں کا نعم البدل تو نہیں ہو سکتے۔ ایسا کریں بھیا سے بات کر لیں۔ فریش ہو جائیں گے۔" شاہ خرم نے کہتے جیب سے موبائل نکالا۔ زرلہ جانتی تھی وہ کبھی اس سے بات نہیں کرے گا۔ اسے گئے آج آٹھواں روز تھا زرلہ نے دو ایک بار اس کی خیریت دریافت کرنے کو فون کیا تو۔

"زندہ ہوں ابھی جس دن مر گیا تمہیں اطلاع مل جائے گی۔" کہہ کر کھٹاک سے فون کاٹ دیا تھا اس دن کے بعد سے زرلہ کی ہمت ہی نہیں پڑی تھی کہ وہ

دوبارہ شاہ خاور سے بات کرپاتی۔۔۔ اور اب اگر شاہ خرم کے سامنے اس نے زرلہ سے بات کرنے سے انکار کردیا تو اس کی کتنی بکی ہوگی دن کے اجالے کو رات کے اندھیرے میں ڈھلنے تک وہ جتنے اپنے خوش گوار ازدواجی زندگی کے بھرم رکھتی ہے وہ ایک ہی پل میں مسمار ہو کر ریزہ ریزہ ہوجائیں گے اور یہ بات اس کی انا پر تازیانہ تھی کہ کوئی اس کو ہمدردی کی نظر سے دیکھے بھی اسی لیے اس نے فوراً" شاہ خرم کو ٹوکا تھا۔

"رہنے دو خرم۔۔۔ میری ابھی تھوڑی دیر پہلے ان سے بات ہوئی ہے۔۔۔ اچھا تم مجھے سعدیہ کا بتاؤ۔۔۔ بات ہوئی تمہاری اس سے کہ نہیں؟" زرلہ نے کمال ہوشیاری سے اس کا اپنی طرف سے دھیان ہٹادیا تھا۔۔۔ سعدیہ کا ٹاپک اس کا من پسند ٹاپک تھا جس پہ گھنٹوں وہ بلا تکان بات کرسکتا تھا۔

☼ ☼ ☼

فون کی پہلی بیل پہ ہی زرلہ نے کال ریسیو کرلی تھی۔ دوسری طرف رانیہ تھی۔

"آج پتا چلا خون سفید ہوگئے بجو!" دوسری طرف رانیہ شکوہ کررہی تھی۔ زرلہ کو اس کی بات کا مفہوم سمجھتے ہی ہنسی آگئی۔

"خون سفید نہیں ہوئے چندا! بس زندگی جب ہمیں ذمہ دار بناتی ہے تو مصروفیات کا ایک طویل دور شروع ہوجاتا ہے۔ بعض دفعہ تو انسان اپنی شناخت تک بھول جاتا ہے کہ وہ کون ہے۔" زرلہ نے ٹھنڈی آہ ہوا کے سپرد کی۔

"واہ بجو۔۔۔ آپ تو بڑا فلسفہ بولنے لگیں۔۔۔ خاور بھائی نے یونیورسٹی میں ایڈمیشن تو نہیں کرادیا آپ کا؟" وہ بھی رانیہ تھی۔ مجال تھی کہ ذرا بھی مجبوری سمجھتی۔

"بس گھر میں ہی بزی رہنے لگی ہوں۔" اس نے وضاحت دی۔

"کیوں۔۔۔ آپ کیوں گھر کا کام کرنے لگی ہیں۔ نوکر سارے نکال دیے کیا۔ انہوں نے آپ کے جاتے ہی۔"

"اوہ۔۔۔ ہو نہیں بھئی۔۔۔ سب نوکر موجود ہیں میں بس دیکھ بھال کرتی ہوں۔۔۔ اصل میں نیا نیا ماحول ہے خود کو ایڈجسٹ کرنے کی کوشش میں ہوں۔ تم سناؤ امی جان اور ابو جان کیسے ہیں، تم سب کی بہت یاد آتی ہے۔"

"رہنے دیں بجو۔۔۔ اب اتنا بھی مکھن نہ لگائیں۔ ہماری یاد آئی ہوتی تو چکر لگالیتیں۔ مگر آپ تو یوں جان چھڑا کر بھاگی ہیں گویا کبھی ادھر کا رخ ہی نہیں کریں گی۔" رانیہ نے شکوہ کیا۔ وہ تو آج جیسے بھری بیٹھی تھی۔

"تمہارا شکوہ سر آنکھوں پہ۔۔۔ مگر کیا کروں چھوٹی ابھی شاہ جی چھٹی پہ آئے نہیں ہیں اور دادو کی طبیعت بھی تھوڑی خراب رہنے لگی ہے۔ ایسے میں میرا فرض بنتا ہے گھر کی بڑی بہو ہونے کے ناتے کہ میں سب کا خیال رکھوں۔" اس نے رانیہ کا شکوہ دور کرنے کی غرض سے وضاحت دی۔ مگر وہ بھلا کہاں آسانی سے ماننے والی تھی۔

"آپ کے شاہ جی۔۔۔ چھٹی پہ آئیں تو کیا ہم آپ کے آنے کی امید رکھیں؟" رانیہ نے جیسے چبا چبا کے الفاظ ادا کیے تھے۔۔۔ زرلہ کی ہنسی چھوٹ گئی۔ اس کا غصہ ٹھنڈا کرکے اور دو چار باتیں کرکے فون رکھ دیا۔

☼ ☼ ☼

آج صبح سے ہی بادل گھر گھر کے آرہے تھے۔ ہوا چلنے کے باعث فضا میں عجیب سی تازگی اور تراوٹ محسوس ہورہی تھی۔ شاید بارش کا امکان بھی تھا۔ زرلہ نے موسم کے پیش نظر چکن پکوڑے بنائے تھے۔ ساتھ پودینے اور املی کی چٹنی۔۔۔ دادو ابھی نماز پڑھ کے فارغ ہوئی تھیں۔ قندیل پاس ہی نویدہ سے سر کی مالش کروا رہی تھی۔ شاہ خرم حسب سابق اپنے معمولات میں گم تھا۔

"لیجیے جناب گرما گرم پکوڑے۔" دادو کے سامنے تخت پر ٹرے رکھتے ہوئے زرلہ نے چہکتے ہوئے بتایا تھا۔

"جیو بھابھی! آج کتنا دل چاہ رہا تھا۔" قندیل فوراً" پکوڑوں کو [illegible] جکڑتی قریب آبیٹھی۔

"اتنی محنت مت کیا کرو بیٹا۔۔۔ دیکھو گرمی نے ہلکان کردیا ہے۔" دادو پیار سے اپنے دوپٹے سے اس کے چہرے کا پسینہ صاف کرتے ہوئے بولی تھیں۔

"کہاں محنت کرتی ہوں دادو۔ سارا دن تو بولائی بولائی سی پھرتی ہوں۔ میں تو تنگ آگئی ہوں۔ اتنا بھی نہ کروں تو مفلوج ہوکے پاگل ہوجاؤں؟" وہ انہیں پلیٹ میں پکوڑے اور پودینے کی چٹنی ڈال کردیتے ہوئے بولی تھی۔

"اب کی بار شاہ آیا تو میں اسے تمہیں ساتھ لے جانے کو کہوں گی۔ وہاں اپنا گھر سنبھالنا۔۔۔" وہ محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے کہہ رہی تھیں۔

"جب شاہ جی آئیں گے تب دیکھا جائے گا ابھی آپ یہ بتائیں کہ پکوڑے کیسے بنے ہیں؟" اس دشمن جاں کا ذکر آتے ہی اس کا دل بوجھل سا ہوگیا۔ جب ہی بات کا رخ بدلتے ہوئے اس نے پوچھا تھا۔ قندیل اور نویدہ البتہ بہت رغبت سے کھا رہی تھیں۔

"تم بھی تو لو۔" دادو نے اسے یوں ہی بیٹھے دیکھا تو کہے بغیر نہ رہ پائی تھیں۔

"میں لے لوں گی دادو! ابھی موڈ نہیں ہورہا۔" اس نے آہستگی سے منع کیا تھا۔ تھوڑا سا مسالا میں فریج میں رکھ آئی تھی۔ "خرم آئے تو اسے بنا دینا نویدہ۔" اس نے دادو کے کچھ کہنے سے پہلے ہی نویدہ کو ہدایت کی تھی۔

"کتنے مزے کے پکوڑے صرف ہمارے لیے ہی بنائے ہیں۔ بھابھی خود کیوں نہیں کھا رہیں۔ اللہ بھابھی کتنا ذائقہ ہے آپ کے ہاتھ میں۔ کاش میرے ہاتھ میں بھی ہوتا" قندیل کے لہجے میں حسرت تھی۔

"قندیل بی بی! ذائقہ محنت اور لگن سے کھانا بنانے سے آتا ہے۔ بغیر کچن میں گھسے ذائقہ تو آنے سے رہا" نویدہ نے بنا لگی لپٹی رکھے بغیر قندیل پہ چوٹ کی تو وہ کھا جانے والی نظروں سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔ دادو نے نویدہ کا ساتھ دیا۔

"سچ ہی تو کہہ رہی ہے نویدہ! تم تو کچن میں جانا کبیرہ گناہ سمجھتی ہو۔ تمہیں چاہیے کہ کم از کم تھوڑا بہت تو بنانا سیکھ ہی لو سسرال میں کیا کروگی جاکر۔"

"مجھے کیا ضرورت ہے کچھ سیکھنے کی دادو۔۔۔ ارسلان کو سب کچھ آتا تو ہے۔" قندیل نے شرارت سے زرلہ کی طرف دیکھتے آنکھ دبائی تھی۔ وہ بچپن سے ہی ارسلان سے انگیجڈ تھی۔ زرلہ اٹھ کر گلاس ونڈو کے قریب آگئی۔

"لگتا ہے آندھی آئے گی۔۔۔ کالے کالے بادل دھوئیں کی مانند اٹھ رہے ہیں۔" زرلہ نے پردے ہٹا کر آسمان کی طرف دیکھتے قیاس آرائی کی۔

"چلو اچھا ہے۔۔۔ بارش ہوجائے گی تو فضا میں رچا حبس بھی کچھ کم ہوجائے گا۔ ورنہ تو گرمی سے سانس ہی اکھڑا رہتا ہے ہمہ وقت۔" دادو فوراً" جوش سے بولی تھیں۔

دیکھتے ہی دیکھتے پورا آسمان بادلوں سے اٹ گیا تھا۔ فضا میں گرد نے اپنا ڈیرہ جمالیا تھا۔ ہر طرف دھول ہی دھول تھی۔ ان کا لان بہت وسیع تھا جس کا آخری کونا گھر کے پچھواڑے میں ختم ہوتا تھا۔ جہاں ڈھیر سارے جامن اور آم کے پیڑ تھے۔ انگور، انار حتیٰ کہ کیلے کے بھی درخت لگے تھے۔ درختوں پر خوب بور آتا، خوب خوب پھل لگتا اور دادو ٹوکریاں بھر بھر کر تمام کالونی کے گھروں میں بھجواتیں۔ زرلہ کا شام کا سارا وقت باغ میں گزرنے لگا تھا۔ وہ خوب دل کھول کے کچے آم کھاتی اور رسائل و جرائد پڑھتی۔ گلاس ڈور پر بارش کے موٹے موٹے قطرے گر رہے تھے۔ چھاجوں چھاج مینہ برسنے لگا تھا۔ جولائی کا وسط تھا۔ یعنی ساون کی بارش۔۔۔ زرلہ کا جی چاہا بارش میں نہانے کو۔ فوراً" دادو کے نزدیک آئی۔

"دادو۔۔۔ میں باہر چلی جاؤں۔۔۔ لان کے پچھلے حصے میں۔" وہ اٹکی مبادا دادو برا نہ مان جائیں۔

"جاؤ۔۔۔ بلکہ قندیل کو بھی لے جاؤ۔ یہ تو آدم بے زار لڑکی ہے۔ لڑکیوں والی شوخی و شرارت سے

نابلد۔۔۔ اسے کیا معلوم ساون کی بارش میں بھیگنا کیسا لطف انگیز احساس ہوتا ہے۔"

"مجھے تو رہنے دیجیے دادو! میں ٹیرس سے بارش دیکھ لوں گی۔ آپ کو پتا تو ہے مجھے ڈسٹ الرجی ہے۔ ذرا باہر گئی تو شام تک چھینک چھینک کے برا حال ہو جائے گا۔" قندیل منمناتے ہوئے اپنی صفائی پیش کر رہی تھی۔ زرلہ دادی 'پوتی کی بحث کو وہیں چھوڑ کر باہر نکل آئی تھی۔ پچھلے لان میں ڈھیر سارے کچے آم اور جامنیں گری ہوئی تھیں۔ کیریاں دیکھ کے زرلہ کے منہ میں پانی بھر آیا۔ بارش کے باعث لان کی خوب صورتی قابل دید ہو گئی تھی۔ زرلہ کا روم روم مہک اٹھا۔ وہ لان میں چہل قدمی کرنے لگی۔ اسے وہاں بیٹھے دو گھنٹے سے زائد ہو گئے تھے بارش تھی کہ رکنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ شام اپنے سائے بتدریج پھیلا چکی تھی۔ جب ہی نویدہ نے اسے دادو کا پیغام پہنچایا وہ اسے بلا رہی تھیں۔

"میرے کمرے سے کپڑے لے آؤ۔ میں باہر والے واش روم میں نہا کر آتی ہوں اور ساتھ ٹوکریاں بھی لیتی آنا۔۔۔ یہ تازہ تازہ آم اٹھالو۔ کسی کو دینے کے کام آئیں گے۔" اس نے ہدایت دی تھی۔

"بارش کے بعد اٹھالوں گی یاد سے۔۔۔ ابھی بہت بارش ہے۔" نویدہ نے آلکسی دکھائی 'ناچار زرلہ کو اندر جانا پڑا۔ پچھواڑے کے برآمدے میں ایک کونے میں بنے باتھ روم میں ضرورت کی ہر چیز موجود تھی۔ وہ جلدی جلدی شاور لے کر باہر نکلی گیلے کپڑے اس نے وہیں رکھ دیے بعد میں نویدہ اٹھالے گی۔ وہ گیلے بالوں کو جھٹکتی دادو کے کمرے میں بلا سوچے سمجھے داخل ہوئی تھی۔ نویدہ نے اسے شلوار قمیص پکڑائی تھی مگر دوپٹہ نہیں دیا تھا۔ اس نے سوچا اگر لاؤنج میں گئی تو شاہ خرم یا کوئی اور ہو اسی لیے دادو کے کمرے میں آگئی تاکہ ان کا کوئی دوپٹہ اٹھالے۔ مگر کاش وہ وہاں نہ آتی سامنے ہی شاہ خاور بھی بھیگے کپڑوں میں ملبوس دادو کے دوپٹے سے گیلے بال اور چہرہ صاف کرتا نظر آیا۔ ایک لمحے کو ساری دنیا ساکت ہو گئی زرلہ ارد گرد سے بے گانہ دیوانہ وار اس کے چہرے کا طواف کر رہی تھی۔ اسے پروا نہیں تھی کہ اس کا دوپٹہ سے بے نیاز وجود اپنے اسرار کھول رہا ہے۔ تب ہی شاہ خاور کی نظر ساکت کھڑی زرلہ پر پڑی تھی۔ شاہ خاور کو وہ پہلے سے زیادہ نکھری نکھری اور خوب صورت نظر آئی۔ اس بات کا اعتراف اس نے کھلے دل و دماغ سے اسے دیکھتے ہی کیا تھا۔

"السلام علیکم۔" اس نے سلام میں پہل کی۔

زرلہ ٹرانس کی کیفیت میں آگے بڑھی اور دھیرے سے وعلیکم السلام کہہ کے رخ پھیر گئی۔

"کیسا لگا ہمارا سرپرائز۔" دادو نے زرلہ کے چہرے پر پھیلے حیرت و استعجاب کو دیکھا تو کہے بغیر رہ نہ سکیں۔ زرلہ کو ساری بات سمجھ میں آگئی۔ صاحب بہادر دادو کے بلاوے پہ پہنچے تھے۔ زرلہ کے چہرے کو پھیکی سی مسکراہٹ نے چھوا جو فوراً" ہی معدوم ہو گئی۔

دادو نے شاہ خاور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

"جاؤ بیٹا! تم بھی کپڑے چینج کر لو۔۔۔ نہیں تو الرجی ہو جائے گی۔" پھر اس سے مخاطب ہوئیں۔

"زری بیٹا' شاہ کے کپڑے نکال دو۔ میں نے نویدہ سے کہہ دیا ہے۔ شاہ کے لیے چائے کے ساتھ ہی پکوڑے تل لے۔"

"جی دادو۔" کہتی وہ فوراً" کچن میں پہنچی تھی۔ پھر نویدہ کو ہلکی آنچ پہ پکوڑے تلنے کا کہہ کے وہ اپنے کمرے کی طرف آئی تھی۔ وارڈ روب کی طرف آئی۔ دوپٹہ نکال کے اوڑھا اور ابھی مڑ بھی نہ پائی تھی کہ اپنے پیچھے شاہ خاور کو کھڑے پایا۔۔۔ زرلہ کی سانس حلق میں اٹک گئی۔ وہ الماری کے پٹ سے ٹیک لگائے دم سادھے شاہ خاور کی بدلتی کیفیت کی غماز روشن آنکھوں میں جھانک رہی تھی۔ شاہ خاور نے غور سے اس کی لرزتی پلکوں کو دیکھا اس کے گیلے بال کندھوں پہ پڑے تھے وہ سادگی میں بھی قیامت ڈھا رہی تھی۔ شاہ خاور نے ایک ٹرانس میں اپنی انگلیوں سے زرلہ کے چہرے کو چھوا۔ زرلہ کو جیسے جھٹکا سا لگا بجلی کا کوندا سا لپکا تھا۔ اسے لگا اگر وہ کچھ دیر وہاں شاہ خاور کے سامنے کھڑی رہی تو اس کی آنکھوں کی بجلی اس کے بدن کو جلا کر راکھ کر دے گی۔ وہ ساری عمر اپنی شناخت ڈھونڈ نہیں پائے گی بیک۔ بین دلی محبت تو اسے نہیں چاہیے تھی۔ اسے اپنا آپ کسی بہکاوے کی رو میں نہیں سونپنا تھا بلکہ مکمل عزت و آبرو دل کی آمادگی سے سپرد کرنا تھا اپنی نسوانیت' اپنے پندار کو ٹھیس پہنچا کر وہ اپنی نظروں میں تاعمر سرخرو نہ ہو پاتی۔ بجلی کی کوند پھر لپکی زرلہ ہوش میں آئی۔ نامحسوس طریقے سے شاہ خاور کے پہلو سے نکل کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کھڑی ہوئی۔ شاہ خاور نے لمحوں میں اس کے گریز کو پالیا تھا۔

"زرلہ کا وجود اتنا تو ارزاں نہیں شاہ جی کہ کسی بھول کی نذر کر دے؟" آئینے میں نظر آتے شاہ خاور کے عکس کو دیکھتے زرلہ نے چپکے سے سوچا تھا۔ محبت میں پہلی شرط عزت دینے کی ہوتی ہے عزت ہی نہ ہو تو محبت بھی ارزاں ہو جاتی ہے۔

☼ ☼ ☼

وہ کچن میں بریانی کی تیاری میں مگن تھی۔ جبھی شاہ خاور کچن میں آیا تھا۔

"ایک گلاس ملک شیک بنا دو' گرمی لگ رہی ہے۔" وہ فوراً" پلٹی شاہ خاور اپنی تمام تر وجاہتوں سمیت دروازے میں کسی تصویر کی مانند ایستادہ تھا۔

"بس بریانی کو دم دینے لگی ہوں فالسہ کا شربت بنا رہی ہوں ملک شیک بعد میں پی لیجیے گا نہیں تو ایسی ڈی ہو جائے گی۔" زرلہ نے فوراً" مستعدی سے اپنے مشورے سے نوازا تھا۔

"تو تھینکس میں تم سے مشورہ نہیں مانگ رہا۔" بھلے وہ کہہ ٹھیک رہی ہو مگر شاہ خاور اپنی بات کی نفی کرے بھلا ایسا ممکن تھا۔

"میں تو صرف ایک بات کر رہی تھی۔ کھانا بالکل تیار ہے ایسے میں ملک شیک اور بریانی کا بھلا کیا کمبی نیشن بنتا ہے۔"

"زری۔۔۔" شاہ خاور کے لہجے میں سختی تھی۔

"تم مجھ پر اپنا ہر فیصلہ نہیں تھوپ سکتیں۔" اسے آگ کے دہکتے الاؤ میں پھینک کر چند لمحوں میں دو کوڑی کا کر کے وہ وہاں سے چلا گیا تھا۔ ایسا کیا قصور تھا بھلا اس کا جو وہ عمر بھر کے لیے معتوب ٹھہرا دی گئی تھی۔ اس نے کچھ دیر جلنے کڑھنے کے بعد فریج سے آم نکال کر چھیلا اور ملک شیک بنا کر باہر لے آئی۔

نویدہ نے بریانی دم پہ لگا کر ٹیبل سیٹ کر دی۔ لاؤنج میں دادو کے ساتھ محو گفتگو شاہ خاور کو گلاس پکڑایا اور پلٹ آئی۔

مگر شام کو ہوا وہی جس بات کا زرلہ کو ڈر تھا مگر شاہ خاور اپنی ضد میں مان کے نہیں دے رہا تھا اس کی طبیعت حد درجہ خراب تھی۔ معدے میں شدید درد اور ساتھ وومیٹنگ بھی جاری تھی۔ زرلہ کے تو ہاتھ پاؤں پھول گئے۔

"میں نے تو کہا تھا شاہ جی۔۔۔ مگر آپ مانیں بھی تب نا۔" وہ فکر مندی سے اس کے ماتھے پہ تکلیف کی شدت سے آیا پسینہ صاف کرتے ہوئے کہہ رہی تھی شاہ خاور البتہ خاموش رہا۔

"ایسا کرتی ہوں قہوہ بنا کر لے آتی ہوں۔" وہ جلدی سے بنانے کو بھاگی۔ مگر شاہ خاور نے ٹوک دیا۔

"مجھے نہیں پینا کوئی قہوہ شہوہ۔۔۔ تم اپنی حکمت اپنے پاس ہی رکھو۔" وہ درد کی شدت کے باوجود غرایا۔

"قہوہ تو آپ کو پینا پڑے گا شاہ جی۔۔۔ چاہے جتنا مرضی غصہ کریں۔" وہ جلدی سے کہتی نیچے کچن میں چلی آئی تھی۔

ایک کپ پانی میں ایک موٹی الائچی چھوٹا ٹکڑا دار چینی' تھوڑا سا پودینہ اور چٹکی بھر سونف کو خوب جوش دیا۔ پھر ہلکی سی چینی اس کے کسیلے پن کے خاتمے کو ڈالی اور پانچ منٹ کے اندر اندر بنا کر لے آئی۔ کمرے میں پہنچی تو شاہ خاور پیٹ پہ ہاتھ رکھے لاغر سا واش روم سے نکلتا دکھائی دیا۔ زرلہ کو بے اختیار ہنسی آگئی۔ اس نے ہنسی دباتے خاموشی سے کپ پکڑا دیا۔ مقام حیرت کہ شاہ خاور نے کپ تھام بھی لیا اور چسکی بھی لے ڈالی۔

"اتنا برا بھی ٹیسٹ نہیں ہے۔" گھونٹ بھرتے ہی

اس نے کہا تھا۔

"اس سے جلد ہی افاقہ بھی ہو گا۔" زرلہ نے کرسی سنبھالی اور اپنے لمبے بال چٹیا میں گوندھنے لگی۔ اس کے دونوں بازو گردن کے پیچھے چٹیا گوندھ رہے تھے۔ اس کا وجود کسی دو آتشہ ناگن کی طرح لگ رہا تھا جو اپنا خوب صورت پھن پھیلا کر شاہ خاور کے اردگرد اپنے وجود کو کس کر ساری عمر کے لیے اسے اپنا اسیر کرنے کی کوشش میں تھی۔ سنہری آنکھوں کی چمک ایسے تھی جیسے کشتی کے ڈولتے بادبان۔۔۔ شاہ خاور کی نظریں سادگی سے چٹیا گوندھتی زرلہ کی طرف متوجہ ہو کر ساکت ہونے لگیں۔۔۔ وہ زرلہ کا اسیر ہو رہا تھا یا اپنی خواہشات کے ہاتھوں مجبور۔۔۔ اب کی بار تو زرلہ اس کے لیے کوئی امتحان بنی ہوئی تھی۔ شاہ خاور نے نظریں جھکالیں دل ہمک رہا تھا اس کانچ کی گڑیا کو چھونے کو۔ مگر دماغ اس کی غلطی کو معاف کرنے پر رضامند نہ تھا۔

عجیب موڑ تھا ایک دوسرے کو اتنا جاننے اور سمجھنے کے باوجود بھی دونوں ہی غلطی کر بیٹھے تھے اور دونوں ہی تلافی سے گریزاں تھے اپنی اپنی انا کی بقا کی جنگ جیتنے کو اپنا آج تباہ کر رہے تھے اور اپنے کل سے انجان بن رہے تھے کتنا مضبوط' کتنا پائیدار رشتہ تھا ان دونوں کا۔ مگر۔۔۔ دونوں ہی اس رشتے کو اپنی اپنی ضد کا گرہن لگا چکے تھے۔

شاہ خاور نے ٹھنڈی سانس ہوا کے سپرد کی اور کپ ایک سائیڈ پہ رکھ دیا تھا۔ واش روم سے فریش ہونے کے بعد زرلہ کمرے میں آئی تو تکیہ اٹھا کر صوفے پہ جا لیٹی کیونکہ آج سے پہلے وہ بیڈ پہ سوتی تھی آج شاہ خاور بیمار تھا۔ اس لیے وہ صوفے پہ آکر لیٹ گئی۔

"وہاں مت سو۔۔۔ اتنا بڑا بیڈ ہے تمہارے لیے جگہ بن ہی جائے گی۔" شاہ خاور نے آہستگی سے کہا تھا۔ زرلہ کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ لیٹے سے اٹھ بیٹھی۔ یہ۔۔۔ شاہ خاور کہہ رہا تھا۔ مگر پھر ٹھٹک کر رک گئی۔ "میں نے اس کی اتنی خدمت کی تو بدلے میں یہ فیور دے رہے ہیں۔۔۔ ہونہہ اپنے پاس رکھیں اپنا یہ احساس۔۔۔" زرلہ نے تنفر سے سوچتے خائف سی نگاہ شاہ خاور پہ ڈالی جو منتظر نگاہوں سے اس کی آمد کا منتظر تھا۔

"میں ادھر ہی ٹھیک ہوں شاہ جی۔۔۔ اپنی اوقات اب پہچاننے لگی ہوں۔۔۔" دھیرے سے کہہ کے رخ موڑ گئی۔۔۔ شاہ خاور نے سر جھٹکا اور لیٹ گیا نہ تو نہ سمجھ سکی وہ کون سا مرا جا رہا تھا۔ اس کے لیے۔۔۔ مگر اسے نیند نہیں آئی اس لیے تھوڑی دیر بعد پھر اٹھ بیٹھا۔

"کل اپنی پیکنگ کر لینا ہم اسلام آباد جا رہے ہیں شام کو نکلنا ہے۔۔۔" اتنا کہہ کے وہ پرسکون سا ہو گیا۔ بے چینی ختم ہو گئی گویا اس فیصلے کا بار لادے پھر رہے تھے اپنے نازک کاندھوں پہ۔۔۔ زرلہ چپ چاپ ان سنی کیے لیٹی رہی گویا اسے کوئی فرق ہی نہ پڑا ہو مگر یہ تو اس کے دل ہی جانتا تھا نا جو بلیوں اچھلتے ہوا میں رقص کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

دوسرے روز اس نے خاموشی سے پیکنگ کی اور سب سے مل ملا کے شاہ خاور کے ساتھ گاڑی میں آ بیٹھی۔۔۔ سارا راستہ خاموشی سے کٹا تھا مگر اب کی بار اس نے زرلہ کو بھوکا نہیں رہنے دیا تھا۔ جب وہ لوگ بھیرہ پہنچے تو رات کے آٹھ بج رہے تھے شاہ خاور نے خاموشی سے گاڑی موٹر وے ٹریک پہ بنے بھیرہ ریسٹورنٹ پر پارک کی اور اسے لیے اندر ریسٹورنٹ میں چلا آیا۔

"کیا لو گی؟" ویٹران کے قریب آرڈر بک کرنے آیا تو اس نے پوچھا تھا۔

"کچھ نہیں۔۔۔ میں گھر سے کھانا کھا کر آئی تھی آپ اپنے لیے منگوا لیجیے۔۔۔" پچھلی مرتبہ کے پیش نظر اس نے اپنا اس دفعہ بندوبست کر لیا تھا سو اب آرام سے بیٹھی تھی۔ شاہ خاور کو اپنا پچھلا رویہ یاد آیا تو ندامت سی ہوئی۔

"پھر بھی کچھ تو لے لو۔۔۔ ابھی کافی سفر باقی ہے۔"

اس نے مینو کارڈ پر نگاہیں دوڑاتے سرسری لہجہ اپنایا کچھ اس طرح کہ وہ کھانا بھی کھالے اور اس کی فکر مندی بھی ظاہر نہ ہو۔

"ہونہہ۔۔۔ اپنے پچھلے رویے کی تلافی کر رہے ہیں شاید۔" زرلہ نے جل کڑھ کے سوچا۔ ادھر شاہ خاور سوچ رہا تھا۔

"خوامخواہ بھاؤ دینے لگی ہے تھوڑی لفٹ کیا دے دی۔ مزاج ہی آسمان پر پہنچ گئے ہیں۔"

زرلہ نے سوچا ابھی دو گھنٹے مزید سفر کرنا ہے اور پھر رات کو وہاں کھانے کو کچھ نہ ہوا تو۔۔۔ وہ تو بھوک کی اتنی کچی تھی۔۔۔ اسی لیے باول ناخواستہ اپنے لیے ایک برگر اور ساتھ کوک آرڈر کر دی تھی۔

ادھر شاہ خاور دل ہی دل میں ہنس دیا سوچتے وقت اس کے چہرے کے تاثرات اس قدر مضحکہ خیز تھے کہ حد نہیں پھر بھی وہ چپ رہا۔۔۔ خاموشی سے اپنے لیے چکن تکہ اور کافی آرڈر کر کے انتظار کرتے پورے ہال پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے لگا پھر اس کی نظر ایک جگہ رک سی گئی یا شاید زرلہ کو لگی اس نے شاہ خاور کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا کونے والی ٹیبل پہ بیٹھی خوبصورت سی لڑکی اپنے سامنے بیٹھی کسی لڑکی سے بات کرتے ہوئے ہنس ہنس کر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی زرلہ کی سمجھ میں ساری بات آگئی شاہ خاور کو پسند نہ تھا لڑکیوں کا یوں سرعام کھلم کھلا قہقہے لگانا بلاوجہ سارا ہال ان کی طرف متوجہ ہو رہا تھا۔ اسی اثنا میں ویٹر کھانا سرو کر کے جا چکا تھا۔

"کھانا تو کھالیں شاہ جی۔۔۔ وہ کہیں بھاگی نہیں جا رہیں۔" زرلہ کو اچھا نہیں لگا تھا شاہ خاور کا ان لڑکیوں کو یوں ٹکٹکی باندھ کے دیکھنا جبھی لہجے میں ہلکی سی چبھن اور طنز کی کاٹ تھی۔۔۔ شاہ خاور چونکا اور کھانا کھانے لگا۔ چکن تکہ' تندوری چکن اور نہجی شاہ خاور کی مرغوب ڈشز تھیں ہوٹلنگ کے دوران تو پہلی ترجیح ہی ان کی بنی ہوتی تھی۔۔۔ زرلہ کو بھوک تو تھی نہیں مگر ممکنہ حالات کے پیش نظر حفاظتی اقدام کر رہی تھی سو سلطانہ برگر کھا رہی تھی۔

"کیا بات ہے تم کھا کیوں نہیں رہیں؟" شاہ خاور نے فکر مندی سے پوچھا زرلہ تو بے ہوش ہوتے ہوتے بچی۔ بدلے بدلے سے میرے سرکار نظر آتے ہیں کے مصداق شاہ خاور کے تو انداز ہی نرالے تھے اس دفعہ پہلے زبردستی کھانا منگوایا اور اب زبردستی نا صرف کھانے پر مجبور کر رہا تھا بلکہ فکر مند بھی تھا۔

آج کیوں کوئی شکوہ یا شکایت نہیں مجھ سے
تیرے پاس تو لفظوں کی جاگیر ہوا کرتی تھی

زرلہ کو بر محل شعر سوجھا تو کہے بغیر رہ نہیں سکی تھی۔ اس سے پہلے کہ شاہ خاور کوئی جلا کٹا سا جواب دیتا اس کا موبائل بج اٹھا زرلہ اپنی پلیٹ پر جھک گئی جیسے اس سے زیادہ اہم کام اس روئے زمیں پر اس کے لیے ہو ہی نہیں۔

شاہ خاور نے فون کان سے لگایا دوسری طرف رانیہ تھی حسب عادت شکوے شکایات کرتے ہوئے۔ شاہ خاور بہت پیار سے اس کے شکوے سنتے ہوئے اسے کسی چھوٹی بچی کی طرح سے پچکارتے ہوئے منا رہا تھا۔ زرلہ نے بر کر کھانا چھوڑ کر غور سے اس لمحے شاہ خاور کا پرانا روپ دیکھا جو شادی سے پہلے ان دونوں کے لیے مختص ہوا کرتا تھا۔

"ارے بھئی۔ دونوں آئیں گے چھوٹی۔ ڈھیر سارے دن تمہارے پاس رہیں گے اور واپسی پر تمہیں ساتھ لائیں گے۔ پھر تو خوش ہو گی نا؟" زرلہ مسکرا دی "یقیناً" رانیہ ان دونوں کے دوبارہ چکر نہ لگانے پر خفا ہو کر شکوہ کر رہی تھی۔

"تمہاری بجو بھی بالکل ٹھیک ہیں۔ ہاں ہم بس پہنچنے ہی والے ہیں لو اپنی بجو سے بات کرو۔" اس نے جلدی سے فون اسے پکڑایا اور خود اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کرتے ہوئے باہر نکل گیا زرلہ بھی فون پر رانیہ سے بات کرتی اس کے پیچھے نکلی تھی۔ شاہ خاور پارکنگ میں کھڑا اس کا انتظار کر رہا تھا۔

☼ ☼ ☼

رات کو گیارہ بجے وہ لوگ اپنے گھر پہنچے تھے۔

فلیٹ میں داخل ہوتے ہی زرلہ کی جمالیاتی حس اش اش کر اٹھی۔ پورا گھر آئینے کی طرح چمکدار اور بے حد آرٹسٹک انداز سے ڈیکوریٹ کیا ہوا تھا۔ شاہ خاور آتے ہی اپنے بیڈ روم میں گھس گیا تھا وہ وہیں لاؤنج میں پڑے ایک صوفے پہ ٹک گئی۔ اسے بیٹھے پندرہ سے بیس منٹ ہی ہوئے تھے کہ شاہ خاور نائٹ سوٹ میں ملبوس گیلے بالوں کو تولیے سے رگڑتا ہوا باہر آیا تھا۔

"سامنے والے کمرے میں چلی جاؤ فریش ہو جاؤ میں تب تک چائے بناتا ہوں۔"

"مجھے نیند آ رہی ہے' میں چائے نہیں پیوں گی۔" زرلہ نے کسل مندی سے اٹھتے کہا تھا

"میں تمہارے لیے نہیں اپنے لیے بنا رہا ہوں۔ دوسرے بیڈ روم کا باتھ روم خراب ہے اس لیے تمہیں کہا ہے کہ میرے چائے بنانے تک تم جا کر فریش ہو لو۔" زرلہ کو اس کے اتنے صفاچٹ جواب سے سبکی سی محسوس ہوئی۔

وہ اندر کمرے کی جانب بڑھ گئی۔

فریش ہونے کے بعد وہ وہیں کمرے میں پڑے صوفے پہ نیم دراز ہو گئی تھی اے سی کی ہلکی ہلکی کولنگ اور ٹھنڈے پانی سے لیے گئے شاور نے اسے فریش کر دیا تھا۔ اسے بیٹھے بیٹھے نیند آنے لگی تھی پتا ہی نہیں چلا وہ کب نیند کی آغوش میں چلی گئی۔

وہ بے خبر دیر تک سوتی رہی۔ جب اس کی آنکھ کھلی تو دن کے دس بج رہے تھے وہ ہڑبڑا کر اٹھی۔ خود کو نئی جگہ پر دیکھا تو یاد آیا کہ وہ تو اسلام آباد میں تھی۔ شاہ خاور کے ہمراہ اس کے گھر۔ اس نے پورے گھر کو چھان مارا شاہ خاور کہیں موجود نہیں تھا شاید وہ آفس چلا گیا۔ اسے خود پہ غصہ آیا اسے صبح ناشتا بنا کر آفس بھیجنا چاہیے تھا۔

وہ فریش ہو کر کچن میں آئی تو ضرورت کی ہر چیز کچن میں موجود تھی سوائے آٹے کے۔ اس نے سارے کیبنٹ چھان مارے پر اسے روٹی پکانے کے لیے کہیں سے بھی آٹا نہیں ملا۔ ناچار اسے سوکھے توس کو چائے کے ساتھ حلق سے اتارنا پڑا۔ ناشتے کے بعد کچھ دیر ٹی وی دیکھا پھر اٹھ کر صفائی میں جت گئی ابھی وہ اس کام سے فارغ ہوئی ہی تھی کہ ڈور بیل بجی۔ اس نے کی ہول میں دیکھا تو کوئی خاتون تھیں اس نے جھجکتے ہوئے دروازہ کھولا۔ سامنے موجود خاتون نے جھٹ ماتھے پر ہاتھ لے جا کر اسے سلام جھاڑا۔

"سلام باجی۔ آپ خاور صاحب کی ووہٹی ہو۔" اس نے فوراً" اسے دیکھتے ہی اندازے لگانے شروع کیے۔

"جی۔ مگر آپ کون۔" زرلہ کو اس کے حلیے سے اس کی حیثیت کا تعین کرنے میں تامل ہوا لہجہ اور چہرے مہرے سے وہ خاص نہیں لگتی تھی۔ مگر اچھے کپڑوں میں ملبوس تھی۔

"میرا نام خیراں ہے جی۔ یہاں کی صفائی کرنے آئی ہوں۔" زرلہ نے اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

"تو پھر میرا اندازہ صحیح نکلا نا جی آپ خاور صاحب کی ووہٹی ہی ہیں نا؟" وہ فوراً" لاؤنج میں کارپٹ پر پھسکڑا مار کے بیٹھتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"ہاں میں ان کی ووہٹی ہی ہوں۔" زرلہ نے ہنستے ہوئے اسے بتایا تھا۔

"ہاو! یہ خاور صاحب نے ویاہ کب کیا۔ بتایا تک نہیں بندہ مبارک باد ہی دے دیتا ہے۔" اس نے حیرت دکھ کی آمیزش لیے لہجہ میں ناراضی سے کہا۔

"بس سب کچھ اتنا جلدی میں ہوا کہ موقع ہی نہیں مل سکا کسی کو بتانے کا" زرلہ نے اس کی خفگی بھانپتے بات بنائی شاید وہ شاہ خاور کی پرانی ملازمہ تھی۔ اسی لیے اتنا حق جتا رہی تھی۔

"پھر بھی باجی۔ بندہ منہ تو میٹھا کروا ہی دیتا ہے۔" خیراں ابھی تک ناراض تھی۔

"تو اب کروا دیں گے منہ میٹھا۔ ابھی کون سا اتنی دیر ہوئی ہے۔" زرلہ نے اس کے دکھ کو کم کرنے کی کوشش کی۔

"اچھا باجی میں ذرا صفائی کر لوں پھر صاحب جی آتے ہیں تو ان سے دو دو ہاتھ کرتی ہوں۔" وہ فوراً" اٹھتے ہوئے بولی تھی۔

"رہنے دو۔ صفائی میں نے کر دی ہے ہاں بس سامنے والے بیڈ روم کا باتھ روم اچھی طرح سے دھو دو۔"

"اچھا باجی جی ابھی کر دیتی ہوں" فوراً" مستعدی سے اٹھ گئی۔

"اچھا سنو۔" خیراں کے پلٹنے پر وہ فوراً" بولی تھی۔ "تم کب سے یہاں کام کر رہی ہو۔؟"

"سال سے زیادہ ہو گیا جی۔ جب سے خاور صاحب یہاں آئے ہیں وہ اپنے جانی بابو نہیں ہیں جی۔ وہی جو سامنے والے فلیٹ میں رہتے ہیں ایمان سے باجی اتنے نیک دل اور ہمدرد ہیں کہ حد نہیں ہاتھ کے بھی اتنے کھلے کہ بن مانگے ہی بچوں کے کپڑوں کے لیے پیسے وغیرہ دے دیتے ہیں اکیلے رہتے ہیں انہیں کے کہنے پر میں یہاں کام پہ لگی تھی۔" خیراں نے حسب عادت بڑا مفصل جواب دیا تھا۔

"تو پھر تمہیں کیسے پتا چلا کہ میں ان کی بیوی ہوں؟" زرلہ کو جو سوال پریشان کر رہا تھا اس نے وہی پوچھ بھی لیا۔

"سال سے اوپر ہو گیا ہے جی یہاں آتے ہوئے۔ کبھی کسی غیر لڑکی کو یہاں دیکھا نہیں اب اس قدر گھریلو حلیے میں دیکھا تو خیراں جان گئی کہ ہو نہ ہو خاور صاحب جی نے ویاہ کر ہی لیا ہے ورنہ وہ ایسے کسی کو گھر نہیں آنے دیتے۔" خیراں کے جواب نے زرلہ کو انجانی خوشی سی دی تھی وہ بلاشبہ شاہ خاور کی بیوی بن کر ہی سوچ رہی تھی اس وقت۔!

دوپہر کا وقت ہو چلا تھا۔ زرلہ کو اب بھوک ستانے لگی تھی مگر فریج میں ناشتے کا سامان موجود تھا باقی کھانے کا پکانے کو کچھ بھی نہیں تھا۔ پیسے تو اس کے پاس موجود تھے مگر وہ یہاں کے راستوں سے واقف تھی نہ ہی کسی ریسٹورنٹ کی ہوم ڈیلیوری سروس سے آشنا تھی کشن گود میں دبائے چپکی بیٹھی رہی۔ خیراں نے آرام سے دل جمعی کے ساتھ باتھ روم دھویا اور ساتھ ہی شاہ خاور کے صبح سے اتارے کپڑے بھی دھو دیئے۔

تمام کام ختم کر کے خیراں جانے ہی والی تھی کہ شاہ خاور آگیا شام کے ساڑھے چھ ہو رہے تھے۔۔۔ خیراں نے ہی ڈور بیل پر دروازہ کھولا تھا۔ جھٹ ماتھے پہ ہاتھ لے جا کر سلام جھاڑا اور شاہ خاور کے ہاتھوں میں موجود ڈھیر سارے شاپنگ بیگز لے کر لاؤنج کی سینٹر ٹیبل پر رکھنے لگی۔ شاہ خاور نے مشترکہ سلام کیا تھا۔ زرلہ نے آہستگی سے جواب دیا اور اٹھ کر کچن میں چلی آئی۔ فریج سے پانی کی ٹھنڈی بوتل نکال کر باہر لے آئی۔

خاور نے خاموشی سے پانی کا گلاس اس کے ہاتھ سے تھام کر لبوں سے لگایا اور خیراں کی نظروں میں شکوہ دیکھ کر ہنس دیا۔ جانتا تھا کہ پچھلے ایک سال سے اسے شادی کے لیے رضامند کرنے والی ہستی وہ ہی تھی وہ اکثر شام کو پانچ بجے آفس سے لوٹ آیا کرتا تھا خیراں بھی اسی وقت آیا کرتی۔۔۔ وہ پینتالیس پچاس کے لگ بھگ عمر کی عورت تھی جو اپنے بچوں کے پیٹ کے لیے جگہ جگہ کام کرنے پر مجبور تھی۔

"چائے پئیں گے شاہ جی!" پانی کا خالی گلاس شاہ خاور کے ہاتھ سے تھامتے زرلہ نے اس سے پوچھا تھا۔

"نہیں ابھی موڈ نہیں ہے۔۔۔ میں کھانا پیک کروا کے لایا ہوں تم گرم کر کے کھالو۔۔۔ تم نے دن میں بھی کچھ نہیں کھایا ہو گا۔۔۔ باقی گھر کا سودا سلف ہے۔۔۔ دیکھ لو جو چیز تمہیں چاہیے ہو بتا دینا۔۔۔ وہ بھی لا دوں گا۔۔۔"

"آپ نہیں کھائیں گے؟" زرلہ نے باقی سنی بات کو جیسے نظر انداز کر دیا۔

"تھوڑا لیٹ کھاؤں گا ابھی موڈ نہیں ہے دوپہر کو آفس میں لنچ کر لیا تھا۔۔۔" زرلہ کو ساری بات سمجھ میں آگئی وہ جان بوجھ کر ایسا کر رہا تھا اصل بات تو یہ تھی وہ زرلہ کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھانا ہی نہیں چاہتا تھا۔ زرلہ کی بھوک ایک دم سے مر گئی دل پہ بوجھ سا دھر گیا۔۔۔ آنکھیں نمکین پانی سے بوجھل ہونے لگیں۔ اس کے دل چاہا وہ اپنی بے قدری پر دھاڑیں مار مار کر ان در و دیوار سے لپٹ کر رو دے ایک دفعہ میں ہی سارے دکھ بہا دے۔۔۔ شاہ خاور کی نگاہ زرلہ کے مسحور کن وجود کی طرف لحظہ بھر کو متوجہ ہوئی زرلہ کی پلکیں جھک گئیں مبادا آنکھیں سربستہ راز ہی نہ اگل دیں۔۔۔ وہ آہستگی سے رخ موڑ کر کچن میں چلی آئی پیچھے خیراں شاہ خاور سے الجھ رہی تھی۔

"آپ نے اچھا نہیں کیا خاور صاحب۔۔۔" شاہ خاور زور سے ہنس دیا۔

"آپ نے تو خبر تک نہ ہونے دی" شاہ خاور کی ہنسی پر خیراں نے مزید پھیلتے ہوئے شکوہ کیا۔

"خبر تو مجھے بھی نہیں ہو پائی" شاہ خاور نے ہولے سے بڑبڑاتے خود کلامی کے سے انداز میں کہا تھا۔ خیراں جھٹ بولی۔

"کیا کہا صاحب جی؟" معاً وہ چونکا

"کچھ نہیں تم یہ پیسے رکھ لو۔۔۔ مٹھائی خرید لینا بچوں کے لیے۔۔۔" اس نے والٹ سے پانچ سو کا نوٹ نکال کر اسے تھماتے جیسے بات ختم کی تھی۔

زرلہ نے گھر کا تمام راشن شاپرز سے نکال کر کیبنٹ میں اسٹور کیا اور پیک شدہ کھانا فریج میں رکھ دیا۔۔۔ جانے خود اذیتی کا یہ کون سا انداز تھا ایسی جگہ پہ جہاں مقابل کو پروا تک نہیں تھی۔۔۔ وہ اس کام سے فارغ ہوئی تو خیراں جا چکی تھی اور شاہ خاور اپنے کمرے میں تھا۔۔۔ وہ بے مصرف کچھ دیر کچن کے دروازے میں کھڑی رہی پھر تھک ہار کر ساتھ والے بیڈ روم میں چلی گئی جو اس نے آج سیٹ کیا تھا۔ اس نے غیر ارادی طور پر باہر سڑک پر کھلنے والی کھڑکی کھول دی تازہ ہوا کا جھونکا اس کے جسم سے ٹکرایا تھا اور اس کا روم روم شانت ہو گیا کچن میں بہت گرمی و حبس تھا۔

جبکہ یہ ایک رہائشی علاقہ تھا جو بلیو ایریے کے نزدیک پڑتا تھا۔ اطراف میں خوب صورت کوٹھیاں بنی تھیں صاف ستھری سڑکیں، سبزہ ہریالی برقی قمقمے اور تاحد نگاہ پھیلی خاموشی اسلام آباد کے جوبن کو واضح کر رہی تھی۔ سامنے سڑک کے پار بائیں ہاتھ پہ پارک بنا تھا۔ بچے پارک میں مختلف کھیل کھیلتے نظر آرہے تھے۔ تھوڑی تھوڑی دیر میں لوگوں کے گروپ پارک میں چہل قدمی کرتے نظر آنے لگے تھے۔ زرلہ کا جی چاہا وہ بھی اس بھیڑ کا حصہ بن جائے ان ہی لوگوں کی طرح سے ہنسے بولے۔ زندگی کی تمام خوشیاں حاصل کرے۔ ان سے رنگ کشید کرے اور خوب ہلا گلا کرے شور شرابا کرے بلند آواز میں قہقہے لگائے کہ اس کے اندر بپا شور مدھم پڑ جائے۔ اس کے من کو شانتی مل جائے وہ پر سکون ہو جائے۔

شام کی سحر انگیزی اب ہلکے ہلکے اندھیرے کی چادر میں ڈوبنے لگی تھی۔ زرلہ نے ٹھنڈی آہ بھری۔

"آج بھی سورج ڈوب گیا آج بھی تم نہیں آئے" کے مصداق شاہ خاور آج بھی اس کی جانب نہیں لوٹا تھا۔

وہ بے دلی سے کھڑکی بند کر کے پلٹ آئی۔۔۔ مسلسل کھڑے رہنے سے اس کی ٹانگیں شل ہو چکی تھیں قدم من من بھر وزنی محسوس ہو رہے تھے۔ معاً دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی شاہ خاور اندر آیا تھا۔

"تم نے کھانا کھایا تھا؟" وہ اس سے پوچھ رہا تھا ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر اور شرٹ میں ملبوس بکھرے بالوں سمیت وہ کتنا جاذب نظر دکھ رہا تھا زرلہ سے نظریں ہٹانا مشکل ہو گیا۔

"بھوک نہیں تھی" اس نے آہستگی سے کہہ کر بیڈ شیٹ کی نادیدہ شکنیں صاف کیں۔

"کھانا گرم کرو۔۔۔ مجھے بھوک لگ رہی ہے" یہ کہہ کر وہ واپس چلا گیا تھا۔

زرلہ کے اندر چھن سے کچھ ٹوٹا۔۔۔ اس نے پوچھا تک نہیں تھا کہ اسے بھوک کیوں نہیں تھی جبکہ وہ صبح سے بھوکی تھی۔۔۔ وہ جانتا تھا گھر میں کچھ بھی نہیں ہے سوائے بریڈ اور جیم کے۔۔۔ اور شاہ خاور اچھی طرح سے جانتا تھا کہ زرلہ کو بریڈ سخت ناپسند ہے۔

زرلہ نے کچن میں جا کر آہستگی سے مائیکرو ویو میں کھانا گرم کر کے ٹیبل پر سیٹ کر دیا تھا۔ وہ حسب توقع چکن بروسٹ، فرائیڈ رائس اور میٹھے میں فرنی لایا تھا۔ شاہ خاور کچن میں موجود ڈائننگ ٹیبل پہ آبیٹھا تھا۔

"کھانا کھالو زری۔۔۔" اس نے پلیٹ اپنے آگے سرکاتے اس سے کہا تھا۔ وہ بدستور کھڑی رہی شاہ خاور نے ٹھنڈی سانس ہوا کے سپرد کی اور چمچ پلیٹ میں رکھ دیا کچھ دیر وہ اس کے جانب دیکھتا رہا پھر اس سے کہا۔

"ہمارے رشتے میں ایسی کوئی گنجائش نہیں نکلتی زری! جہاں روٹھنے منانے کا سلسلہ ہو۔۔۔ ایسی کسی بھی بات سے مجھے کوئی فرق نہیں پڑنے والا۔۔۔ تم جانتی ہو۔۔۔"

"آپ کو فرق پڑنا چاہیے شاہ جی! پڑنا چاہیے آپ کو فرق۔۔۔" زرلہ جو کافی دیر سے اپنے آنسو پینے کی کوشش میں ہلکان تھی ایک دم پھٹ پڑی تھی۔

"محبت کی ہے میں نے آپ سے۔۔۔ ایسا کوئی گناہ نہیں کیا کہ آپ مجھے میرے ہر حق سے دستبردار کر دیں۔"

"میں خود کو اس سے زیادہ مجبور نہیں کر سکتا زری" وہ بے حد ٹھنڈے لہجے میں اس سے کہہ رہا تھا۔

"تو پھر نہ کرتے مجھ سے شادی۔۔۔" وہ خالی خالی نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے بڑبڑائی تھی۔

"میرا وجود اگر اتنا ہی قابل نفرت تھا تو۔۔۔"

"بالکل نہ کرتا اگر تم مجھے اس حد تک مجبور نہ کر دیتیں میں ابھی تک یہ سوچ سوچ کر حیران ہوتا ہوں زری۔۔۔ تم آخر اتنا گر کیسے سکتی ہو؟" وہ اس کی طرف سرد نگاہوں سے دیکھتے خائف سے لہجے میں کہہ رہا تھا۔۔۔ زرلہ کا وجود کسی نوکیلے بھالے سے کٹنے لگا۔۔۔

"میں اپنی کسی بھی حرکت سے شرمندہ نہیں ہوں شاہ جی! میں نے ایسا کچھ غلط نہیں کیا۔۔۔ جس پر آپ مجھے طعنے دیں۔" یہ کہہ کر وہ وہاں رکی نہیں تھی بلکہ بھاگتی ہوئی اپنے کمرے میں آگئی تھی بقیہ رات اس نے بیڈ پر اوندھے منہ گرے سسکتے گزاری تھی۔

☼ ☼ ☼

اگست کا شروع تھا راتیں اوس میں بھیگی جب کہ دن ویسے ہی اداس اور حبس زدہ سے تھے۔۔۔ زندگی میں تحریک نام کو نہیں ملتی تھی۔۔۔ ہر طرف ویرانی و خاموشی نے اپنے ڈیرے جمائے ہوئے تھے۔۔۔ وہ خود کو زندہ ہونے کا احساس دلاتے اس پارک میں آجایا کرتی

تھی۔

اکثر شام جب شاہ خاور گھر لوٹتا اس کی کوشش ہوتی وہ اس سے سامنا کم سے کم کرے تاکہ دونوں میں تکرار نہ ہو اور زرلہ اس کے سرد اور اجنبی رویے پہ جلے کڑھے نہیں۔ وہ شام کی چائے بنا کر اسے اس کے کمرے میں ہی دے آتی اور خود اسے بنا کر سڑک پار بنے پارک میں چلی آتی۔ مغرب تک کا سارا وقت وہ وہاں موجود چھوٹے چھوٹے بچوں کے ساتھ گزارتی آج بھی وہ ابھی بنچ پہ آکے بیٹھی ہی تھی کہ ایک بچہ دوڑتا ہوا اس کے پاس آیا تھا۔

"ہیلو بے بی۔" اس نے جھک کر اس کے گال پہ بوسہ دیتے ہوئے کہا تھا اور ہاتھ میں پکڑی چاکلیٹ اسے تھمادی جواباً" وہ تھینک یو آنٹی کہتا وہاں سے بھاگ گیا تھا۔

اس نے سامنے چہل قدمی کرتی دو لڑکیوں پر نگاہیں جمادیں جو دونوں ایک دوسرے کے ہاتھوں میں ہاتھ دیے بے فکری سے آئس کریم کون ہاتھ میں پکڑے بے تحاشا ہنس رہی تھیں۔ زرلہ کو رانیہ یاد آئی ان دونوں بہنوں میں کتنا پیار تھا وہ دونوں بھی تو یونہی بات بے بات ہنسا کرتی تھیں۔ اور باسط ان سے چھوٹا ہونے کے باوجود بھی کتنا جھگڑا کرتا تھا۔ انہیں باآواز بلند بولنے اور بات بے بات دانت نکالنے پر ڈانٹ دیتا۔ ابوجی سے ان کی شکایت لگانے کی دھمکی دے ڈالتا۔ اس کے خوبصورت چہرے کو اداسی نے اپنی لپیٹ میں لے لیا اور آنکھیں یاسیت کے رنگوں سے بھر گئیں۔

☼ ☼ ☼

"ایک بات کی مجھے کبھی سمجھ نہیں آئی۔" اس کے بنچ پہ اس کے پاس کوئی آکر بیٹھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ زرلہ نے نووارد کو دیکھا اور ہلکا سا تبسم لبوں پر ٹھہر سا گیا۔

"حسن اور سوگ ہمیشہ ایک جگہ اکٹھے کیوں نظر آتے ہیں؟" زرلہ کے چہرے پر سوال دیکھ کر اس نے اپنا جملہ مکمل کیا تھا پھر اپنے ہاتھ میں پکڑے دو آئس کریم کے کپوں میں سے ایک اس کی جانب بڑھا دیا جسے زرلہ نے فوراً" خوش دلی سے تھام بھی لیا تھا۔

"شاید ان دونوں میں بہت گہرا رشتہ ہے اس لیے۔" آئس کریم کے کپ میں بے دھیانی سے چمچ پھیرتے اس نے آہستگی سے جواب دیا تھا۔

"ہوں۔ اچھا جواب ہے۔" اس نے چمچہ بھر کے آئس کریم منہ میں ڈالتے ہوئے اس کے جواب پہ سر دھنتے ہوئے کہا تھا۔

"لیکن یہ ہوتا کیوں ہے ساتھ ساتھ۔ کسی اٹوٹ بندھن کی مانند۔ مجھے تو سوگ ہمیشہ حسن کا بیری لگا ہے۔"

"حسن کا بیری نہیں ہے یہ۔ بلکہ یہ کہنا زیادہ مناسب ہے کہ اس کی شناخت ہے یہ اگر یہ حسن کے ساتھ نہ ہو تو حسن کی انفرادیت ہی ختم ہوجائے۔" زرلہ نے اپنے تئیں اسے مطمئن کرنے کی ناکام کوشش کی تھی۔

"مجھے آپ کی رائے سے زبردست قسم کا اختلاف ہے مادام! مگر میں مجبور ہوں کہ کسی حسین لڑکی سے ناراضی مول نہیں لے سکتا۔ سو بس اتنا کہنا چاہوں گا کہ اپنے اندر کا درد چھپانے کے لیے جو توجیہ آپ نے پیش کی ہے اس سے اختلاف ہونے کے باوجود میں اس کی دل سے قدر کرتا ہوں۔" زرلہ ایکدم ہنس دی تھی اس کی بارش کے گرتے قطروں کی مانند ہنسی کی پھوار جلترنگ سا فضا میں چھیڑ گئی تھی۔

جانی نے بہت غور سے اس لمحے اس کی گہرے پانیوں میں ڈوبی جھیل سی آنکھوں میں ٹھہری اداسی کو دیکھا۔ جانے یہ آنکھیں اس قدر اداس کیوں رہا کرتی ہیں۔ جانے ان کی اداسی کا سبب کیا تھا۔ جانی کا دل چاہتا وہ ان گہرے پانیوں سے لبالب بھری آنکھوں میں ڈوب جائے اور اس اداسی کا سبب تلاشے۔ جس نے اس کی شخصیت کے سارے حسن کو گہنا کر رکھ دیا تھا۔ وہ اس سے چند روز پہلے اس پارک میں ملا تھا۔ وہ اسے اس بنچ پہ بیٹھی دکھائی دی تھی خاموش' اداس اور ویران آنکھوں والی یہ لڑکی اپنی تمام تر سادگی و معصومیت سے اسے اپنا اسیر کرگئی تھی۔ اسے اس میں ایک عجیب سی کشش محسوس ہوتی تھی وہ بنا ڈور کے اس کی جانب کھنچتا چلا آیا تھا۔ شاید اس لیے کہ وہ ایک نامور لکھاری تھا اور لوگوں کی زندگیوں اور آنکھوں کو پڑھنا اس کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ خود بڑا مست الست سا بندہ تھا۔ درویشانہ حلیے میں رہنے والا بکھرے بالوں ڈھیلی ڈھالی شرٹس میں ملبوس آنکھوں پر نظر کا چشمہ لگائے وہ پہلی نظر میں کسی طور بھی قابل توجہ نظر نہیں آتا تھا زرلہ بھی اس سے متاثر نہیں ہوئی تھی تاہم وہ اسے بے حد بے ضرر سا محسوس ہوا تھا۔ مگر ایسا صرف دیکھنے کی حد تک تھا اس سے بات کرنے کے بعد اس کی رائے بدل گئی تھی۔

"اچھا چلتی ہوں آئس کریم کھلانے کا شکریہ!" اچانک اسے احساس ہوا کہ بہت دیر ہوچکی ہے لہٰذا اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

☼ ☼ ☼

رات وہ بہت دنوں بعد اس کے کمرے میں آیا تھا۔ اس روز حبس معمول سے زیادہ تھا زرلہ کو بار بار پسینہ پونچھنا پڑ رہا تھا تین بار تو نہا چکی تھی مگر گرمی تھی کہ ختم ہونے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ کافی دنوں سے اسلام آباد میں بارش نہیں ہوئی تھی ورنہ یوں غضب کی گرمی نہ پڑ رہی ہوتی۔ شاہ خاور اپنے کمرے میں تھا اس کے کمرے سے ہلکے ہلکے میوزک کی آواز سنائی دے رہی تھی شاید وہ کوئی فلم دیکھ رہا تھا اپنے لیپ ٹاپ پہ۔ اس کی عادت تھی وہ آفس کے بعد کا سارا وقت اپنے کمرے میں گزارتا تھا۔

اس روز کی تکرار کے بعد زرلہ اس کا سامنا کم سے کم کرنے لگی تھی بالکل خاموشی سے وہ اس کے آفس جانے سے پہلے اس کا ناشتا ٹیبل پہ سیٹ کرجاتی اور شام کو اس کے لوٹنے پہ شام کی چائے اور رات کا کھانا اس کے کمرے میں پہنچا آتی اس کے کپڑے بھی اس کی غیر موجودگی میں دھو کر پریس کرکے ہینگ کردیتی۔ شاہ خاور اس کے کمرے میں کبھی نہیں آیا۔ سوائے دو ایک بار کے جب وہ رانیہ اور دادو کا پیغام اسے پہنچانے آیا۔ زرلہ نے اپنا عکس آئینے میں دیکھا وہ نہانے کے باوجود سر جھاڑ منہ پہاڑ لگ رہی تھی گرمی نے اس کی بری حالت کردی تھی بے ساختہ اس کی ہنسی نکل گئی۔ اپنے گاؤں میں شدید گرمی کے عالم میں بھی اس کی "یہی" حالت ہوا کرتی تھی تب رانیہ اور وہ خواہش کرتیں کہ کاش وہ اپنی گرمیاں کسی ہل اسٹیشن یا اسلام آباد گزار سکیں اور اب وہ اسلام آباد میں تھی اپنے دن رات بند گھر میں گزار رہی تھی۔

اسے گاؤں کے کھلے صحن میں سوا نیزے کے سورج میں چلنا پھرنا نہیں پڑتا تھا اسے آگ جلا کر سالن اور تندور میں بالن ڈال کر روٹیاں نہیں پکانی پڑتیں مگر پھر بھی وہ خوش نہیں تھی۔ وہ خوش کیوں نہیں تھی یہی سب تو اس کی خواہش تھی۔

اسلام آباد جیسے شہر میں زندگی گلیمر ازم' آزادی شاہ خاور سے شادی کرتے وقت اس نے صرف انہی چیزوں کی خواہش کی تھی۔ مگر وہ بھول گئی تھی کہ ان چیزوں کی عملی زندگی میں وقعت بہت کم عرصے کے لیے ہوتی ہے۔ اگر ہم سفر کا پیار' ساتھ اور توجہ نہ ملے تو پھر یہی آسائشیں زندگی کا ناسور بن جایا کرتی ہیں۔ زرلہ کا تن من ایک ان دیکھے الاؤ میں جھلس رہا تھا۔ وہ خوش نہیں تھی ہو بھی نہیں سکتی تھی اسے شاہ خاور کا پیار چاہیے تھا اسے شاہ خاور چاہیے تھا۔ اس کا اعتماد' توجہ اور محبت چاہیے تھی۔ اسے ان مادی چیزوں سے پہلے بھی شغف تھا نہ اب۔ اگر اس نے ان بے جان چیزوں یا آسائشات کی تمنا کی تھی تو صرف وقتی طور پہ۔ جو شومئی قسمت شاہ خاور کا بیک گراؤنڈ تھیں۔

شاہ خاور اس کے کمرے میں آیا۔ تو لمحہ بھر کو بھونچکا رہ گیا۔ وہ ایئر کنڈیشنڈ کمرے سے نکلا تھا جبکہ زرلہ کے کمرے میں اے سی نہیں تھا اسی لیے وہاں حبس و گھٹن کو محسوس کرتے ہی لمحہ بھر میں پسینے میں نہا گیا اسے شدت سے زرلہ کا احساس ہوا وہ بھی تو اسی گھر میں رہتی تھی مگر اسے احساس تک نہیں تھا وہ جو بات کہنے آیا تھا بھول گیا۔ زرلہ منتظر ہی رہی شاید

اب وہ بولے' کچھ کہے ... مگر وہ کچھ نہیں بولا صرف کمرے میں اِدھر سے اُدھر مارچ پاسٹ کرتا رہا۔ پھر آگے بڑھ کر کچھ دیر بعد کھڑکی کھول دی تھی۔ باہر ہوا نہیں چل رہی تھی۔ اس نے گہرا سانس فضا کے سپرد کیا۔

"تم یہاں اتنی گرمی میں کیسے رہ لیتی ہو؟" اس کے عجیب و غریب سوال پہ زرلہ کا جی چاہا تمسخرانہ قہقہہ فضا کے سپرد کرے۔

"مجھے گرمی نہیں لگتی۔" اس نے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

"اس کمرے میں اشد ضرورت ہے اے سی کی" اس نے خود کلامی کے سے انداز میں کہا زرلہ سن کے بھی انجان بنی رہی۔

"اینی وے... اگر فارغ ہو تو میرے کمرے میں آؤ مجھے تم سے کچھ ڈسکس کرنا ہے۔ مجھ سے تو یہاں کھڑا بھی نہیں ہوا جا رہا۔" وہ ماتھے پہ آیا پسینہ صاف کرتا اسے حکم دیتا وہاں سے پلٹ گیا زرلہ عجیب بے حس انداز میں کچھ دیر بیٹھی رہی پھر اٹھ کر اس کے کمرے کی طرف چل دی تھی۔

"دادو کا فون آیا تھا... امریکا جا رہی ہیں چند دنوں میں ساتھ پھول باجی بھی جانے کو کہہ رہی ہیں اس لیے چاہتی ہیں کہ وہ سب لوگ تو آ نہیں سکتے ہم لوگ چلے جائیں... ان سے مل بھی لیں گے واپسی پہ تمہارے گاؤں بھی ہوتے آئیں گے... رانیہ اور پھپھو کے کئی فون آ چکے ہیں..." زرلہ کا دل بلیوں اچھلنے لگا مگر بظاہر بے تاثر چہرہ لیے بیٹھی رہی۔

"لیکن اس سے پہلے میں چاہتا ہوں گھر میں ایک چھوٹی سی پارٹی رکھ لوں... سب دوست اور آفس کولیگز اصرار کرتے ہیں..."

"وہ جانتے ہیں کہ آپ؟" زرلہ نے چونکتے ہوئے اس سے پوچھا تھا۔

"ہاں... جن کو نہیں بھی پتا ان کو اس دعوت نامے سے پتا چل جائے گا۔ میں اب اس رشتے کو کوئی موڑ دینا چاہتا ہوں... تم سوچ لو ابھی ویک اینڈ آنے میں کچھ دن باقی ہیں ڈیسائیڈ کر لو کہ کس دن دعوت رکھ لیں پھر ہفتے کو بائی ایر لاہور چلے جائیں گے" وہ اس سے بہت دوستانہ انداز میں اصلاح مشورہ کر رہا تھا تو کیا وہ لوٹ آیا تھا؟ زرلہ کے دل کو امید سی بندھی اس کا انداز حوصلہ افزا اور دوستانہ سا تھا۔

"آپ کے فرینڈز کو کیا پسند ہے اگر روایتی کھانے تو وہ تو میں گھر میں بنا لوں گی مگر چائنیز یا اٹالین کھانے مجھے نہیں بنانے آتے..." اس نے اٹھتے ہوئے کہا تھا۔

کچھ دیسی فوڈ ہو گا' کچھ ہوٹل سے بھی آرڈر کر لیں گے ساتھ باربی کیو کا مینو بھی ترتیب دے لیں گے... نیچے والے گارڈن میں ارینج ہو جائے گا اور ہاں... صبح میں آفس سے گاڑی بھجوا دوں گا یہاں مرکز کی مارکیٹ جاؤ گی تو وہاں کافی اچھے اور بڑے سیلونز ہیں اپنا حلیہ بھی درست کر لینا شاہ خاور کی وائف کو ویسے ہی نظر آنا چاہیے جیسا وہ چاہتا ہے۔" اور زرلہ کو لگا وہ اپنے قدموں پہ مزید کھڑی نہیں رہ پائے گی یہ... یہ سب شاہ خاور کہہ رہا تھا... جو اس کی شکل دیکھنے سے انکاری تھا۔ اس کا دل رقص کرنے کو مچلنے لگا تھا اس کا جی چاہا وہ گھر سے نکل کر کھلے آسمان تلے جائے اور بھنگڑا ڈالے تو کیا وہ لوٹ آیا تھا؟ وہ آہستہ سے ہنسنے لگی کہ اس نے پکار لیا۔

"سنو!" وہ رکی پھر پلٹی... "یہیں سو جاؤ ادھر بہت گرمی ہے..." زرلہ ہولے سے مسکرا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

"مجھے گرمی نہیں لگتی شاہ جی۔" اس نے اس کے تصور سے مسکراتے ہوئے سرگوشی کی تھی۔ دوسرے روز شاہ خاور نے نیا اے سی اس کے کمرے میں فٹ کروا دیا تھا۔

☆ ☆ ☆
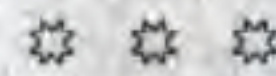
ابھی وہ کل کی گزری "شاندار دعوت" کا پھیلاوا ہی سمیٹ رہی تھی کہ دروازے پہ دستک ہوئی... دن کے بارہ بج رہے تھے اس نے خیراں کو برتن دھو کر خشک کرنے کی ہدایت کی اور خود دروازہ کھولنے چل دی

تھی۔ اس نے دروازہ کھولا تو مارے حیرت کے گم سم ہو گئی سامنے ہی پھول باجی' دادو قندیل اور شاہ خرم کھڑے تھے۔

"سرپرائز!" سب نے یک زبان ہو کر اسے پتھر کا بت بنے دیکھتے کہا تھا۔

"دادو..." وہ ہوش میں آتے ہی سب سے پہلے دادو سے لپٹی تھی۔

"آپ سب یوں اچانک... آنے سے پہلے بتا تو دیتے کم از کم۔" وہ انہیں لیے اندر آ گئی... پھر منعم اور پونم کو گود میں بٹھا کر چٹاچٹ چومنے لگی۔ وہ کتنی اداس تھی ان سب سے ملنے کے لیے' اس نے فوراً سب کو کولڈ ڈرنکس سرو کیں اور شاہ خاور کو کال کی۔

شاہ خاور اس وقت ایک اہم میٹنگ اٹینڈ کر کے نکل رہا تھا گھر کے لینڈ لائن نمبر سے فون دیکھا تو گھبرا گیا زرلہ نے اسے کبھی کال نہیں کی تھی۔

"السلام علیکم شاہ جی!" اس کے ہیلو کے جواب میں زرلہ نے خوشی سے کھنکتے ہوئے لہجے میں سلام کیا تھا شاہ خاور کو وہ غیر معمولی طور پر خوش محسوس ہوئی۔

"دادو آئی ہیں ساتھ پھول باجی' خرم اور قندیل بھی ہیں ہم سے ملنے کے لیے... آپ جلدی سے آ جائیں بس..." وہ اسے خوشی سے چہکتے ہوئے جلد آنے کا کہہ رہی تھی۔

"کیا... کس وقت؟" شاہ خاور کو حیرت ہوئی تھی۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے آپ بس جلدی سے آ جائیں..." اس نے اتنا کہہ کے فون بند کر دیا تھا اگلے آدھے گھنٹے میں شاہ خاور ان سب کے روبرو بیٹھا تھا۔ دادو تو ان دونوں کو خوش دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں پھول باجی الگ صدقے واری ہو رہی تھیں۔ قندیل اور شاہ خرم کی نوک جھوک بھی ساتھ ساتھ جاری تھی جبھی اچانک پھول باجی نے زرلہ سے پوچھ لیا تھا۔

"ہاں بھئی زری... کچھ ہے بھی یا نہیں؟" انہوں نے بظاہر آہستگی و رازداری سے پوچھا تھا۔ بات زرلہ کے سر سے گزر گئی جھٹ کہنے لگی۔

"سب کچھ تیار ہے پھول باجی... میں بس ابھی تھوڑی دیر میں ٹیبل لگا دیتی ہوں۔" پھول باجی نے اپنا ماتھا پیٹ لیا تھا جبکہ باقی سب کا شاہ خاور سمیت قہقہہ بلند ہوا تھا زرلہ کو سمجھ نہیں آئی کہ وہ سب ہنس کیوں رہے ہیں۔

"تم کتنی بھولی ہو زری میں کھانے کی نہیں خوشخبری کی بات کر رہی ہوں... کب سنا رہے ہو ہمیں تم لوگ یہ خوشخبری؟" پھول باجی نے وضاحت سے پوچھا تھا۔ بات سمجھ میں آنے کے بعد زرلہ سر جھکا گئی وہ بھلا اس سوال کا جواب کیا دے؟ اس کی تو اپنی نیا بغیر بادبان کے ڈول رہی تھی کجا نئے مہمان کی آمد کے متعلق سوچنا یا ایسے ویسے ارادے پہ عملدر آمد کرنا...

"بھئی فی الحال ہم نے اس بارے میں کچھ نہیں سوچا ہم ابھی اپنی لائف انجوائے کر رہے ہیں یہ بعد کا مسئلہ ہے سوچیں گے اس کے متعلق بھی کیوں زری؟" کسی مسیحا کی مانند اس سمے شاہ خاور نے اس کی مدد کی تھی زرلہ نے چونک کر سر اٹھاتے اسے دیکھا تھا جو تائیدی انداز میں اس سے پوچھ رہا تھا زرلہ کو لحظہ بھر کے لیے اس کی آنکھوں میں دیپ جلتے نظر آئے... روشن سنہرے دیپ جو اس کی دلکشی کو مزید نکھار بخش رہے تھے۔

"ارے یہ کیا بات ہوئی... بچے تو رونق ہوتے ہیں گھر کی... زندگی کی خوبصورتی بڑھاتے ہیں..." دادو فوراً شاہ خاور کی بات سے خائف ہوئیں۔

"اوہ ہو دادو... یہ آج کل کے نوجوان ہیں اپنی مرضی سے جینا پسند کرتے ہیں اور بچے انہیں جھنجھٹ محسوس ہوتے ہیں اور ویسے بھی ابھی کون سا ان کی عمر نکلی جا رہی ہے کر لیں گے بچے بھی پیدا... ابھی بہتر ہے کہ ایک دوسرے کو وقت دیں نہیں تو شیراز کی طرح شاہ خاور بھی زرلہ سے شکوہ کرے گا وقت نہ دینے کا..." پھول باجی نے اپنے شوہر کا ذکر کرتے دادو سے ان دونوں کی گلو خلاصی کرائی تھی زرلہ کھانے کی ٹیبل لگانے اٹھ گئی۔ جو شاہ خاور ہوٹل سے لایا تھا زرلہ نے تو کہا بھی تھا کہ وہ گھر میں بنا لیتی ہے مگر کل کی دعوت نے اسے بے حد تھکا ڈالا ہو گا اس

احساس کے تحت اس نے اسے روک دیا تھا اور کھانا خود جا کر لے آیا تھا۔

کھانے کے بعد کافی کا دور چلا۔ شاہ خاور نے شام کو گھومنے پھرنے کا پروگرام بنا لیا مگر سب نے ہی منع کردیا۔ انہیں رات تین بجے کی فلائٹ سے واپس لاہور جانا تھا۔ زرلہ نے سنا تو منہ لٹکا کر رہ گئی بھلا اتنی جلدی جانے کی کیا تک بنتی تھی۔

"ہم پرسوں کی فلائٹ سے امریکا جا رہے ہیں۔۔۔ کل کا دن تو آرام کرتے گزرے گا تبھی جا کے پرسوں سفر کر پاؤں گی ورنہ بیمار پڑ جاؤں گی تمہیں پتا تو ہے میری حالت کا۔۔۔" دادو اسے پیار سے چمکارتے ہوئے سمجھا رہی تھیں۔

"سدا خوش رہو سدا سہاگن رہو۔۔۔" انہوں نے زرلہ کو پیار سے گلے لگایا تو زرلہ کی آنکھیں نم سی ہو گئیں۔

"ارے پگلی روتی کیوں ہو؟" انہوں نے مسکرا کر اس کے سر پہ ہلکی سی چپت لگائی۔

"بس بھئی بہت ہو گیا جذباتی سین۔۔۔ اور بھابھی آپ کو پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے، میں ہوں نا ابھی آپ کے پاس" شاہ خرم نے اسے اطلاع دی تھی تو کچھ ڈھارس سی بندھی اس وحشت ناک تنہائی میں کسی کی تو دوسراہٹ اسے میسر آنی تھی۔ پھر شام کا سارا وقت انہوں نے سامنے والے پارک میں چہل قدمی کرتے گزارا اپنے مخصوص بنچ تک پہنچتے اس نے جانی کو اپنا منتظر پایا تھا۔

جانی اس کے ساتھ مہمان دیکھ کر اٹھ کر چلا گیا تھا دادو اور شاہ خاور گھر پہ ہی تھے پونم اور منعم جھولے جھول رہے تھے وہ سب چہل قدمی کرتے ساتھ ساتھ آئس کریم بھی کھا رہے تھے مغرب کی اذان کے بعد جب وہ لوگ گھر آئے تو دادو آرام کر رہی تھیں اور شاہ خاور اپنے لیے چائے بنا رہا تھا زرلہ کو اپنی حماقت کا احساس ہوا وہ روز شام کو چائے پیتا تھا اور زرلہ اسے بنا کر دیتی تھی آج وہ جانے کیسے بھول گئی وہ فوراً اس کی جانب لپکی۔

"لائیے میں بنا دیتی ہوں۔۔۔" اس نے اسے پیچھے ہٹانا چاہا۔

"رہنے دو بھئی بن گئی ہے بس" اس نے اس کا ہاتھ نرمی سے ہٹایا تھا۔ شاہ خاور نے اس کے چہرے پہ ندامت دیکھی تو بے اختیار مسکرا دیا اسے اس لڑکی پہ حد درجہ پیار آیا تھا پھر اس کی ندامت کو کم کرنے کی غرض سے کہنے لگا۔

"ایسا کرو تم میرے کمرے میں شفٹ ہو جاؤ اور دادو کے لیے اپنا کمرہ خالی کر دو باقی سب لاؤنج میں بستر لگا کر سو جائیں گے۔۔۔"

"کوئی بات نہیں شاہ جی! میں بھی انہی کے ساتھ ایڈجسٹ کر لوں گی۔۔۔ ویسے بھی رات کو تین بجے تو ان کی فلائٹ ہے یہاں سے انہیں جلدی نکلنا ہو گا ایئرپورٹ کے لیے شاید ایک دو بجے۔۔۔ تو پھر سونا کیسا باتیں کریں گے پھر جانے کب ملاقات ہو ان سے" وہ شاہ خاور کے ہاتھ سے ساس پین لے کر کپ میں چائے ڈالنے لگی تھی۔

"بہت سمجھدار ہو گئی ہو۔۔۔" شاہ خاور نے گہری نظروں سے اسے دیکھتے کہا تھا۔

"شروع سے ہوں مگر آپ کو ہی شک رہتا ہے میری سمجھداری پر" دوبدو کہتے اس نے شاہ خاور کو لاجواب کیا تھا۔

☼ ☼ ☼

ٹی وی لاؤنج میں وہ اور شاہ خرم بیٹھے تھے۔ شاہ خرم اس دفعہ زرلہ کو بہت خوش اور مطمئن دکھائی دے رہا تھا۔ اچانک کچھ یاد آنے پہ خرم نے اپنی کلائی زرلہ کے سامنے کی تھی۔

"یہ دیکھیں بھابھی! یہ سعدیہ نے مجھے گفٹ کی ہے۔" اس نے ٹائمکس کی گھڑی زرلہ کے سامنے کر کے اسے دکھاتے ہوئے کہا تھا زرلہ کو خوشگوار سی حیرت ہوئی۔

"ارے واقعی! کیسے ہوئی یہ کایا پلٹ؟" وہ سخت متعجب تھی۔

"بس لگن اگر سچی ہو تو منزل خود بخود پاس آنے لگتی ہے" اس نے گنگنا کر کہا تھا۔

"پھر بھی کچھ پتا تو چلے؟" زرلہ بضد ہوئی وہ کھل کے مسکرا دیا۔

"جہاں زیب کو تو جانتی ہیں نا۔۔۔" زرلہ کے چہرے پہ تذبذب دیکھ کے وہ پھر بولا تھا۔

"آپ کے کزن کی بات کر رہا ہوں وہ میرا کلاس فیلو ہے اِنفیکٹ سعدیہ کا بہت اچھا دوست بھی۔۔۔ سعدیہ کی پڑھائی میں بہت ہیلپ کرتا ہے جب میں اس سے ملا تو فوراً پہچان گیا پھر ہم دونوں کی ملی بھگت سے سعدیہ رام ہوئی اصل میں بھابھی سعدیہ کا تعلق ایک بروکن فیملی سے ہے وہ اپنی مما کی ڈسٹرب لائف کو دیکھ کر مردوں سے بہت زیادہ متنفر تھی۔۔۔ مگر جہاں زیب جیسے اچھے اور مخلص دوست کی بدولت یہ سب ممکن ہوا ہے وہ اب مجھ پر اعتبار کرنے لگی ہے اور مجھے یقین ہے ایک دن پیار بھی کرنے لگے گی۔"

"ان شاء اللہ" زرلہ نے اس کی محبت دیوانگی کو دیکھتے زیرِ لب کہا تھا۔

"جہاں زیب کیسا ہے؟" اچانک زرلہ کو اس کا خیال آیا۔

"وہ۔۔۔ آپ اسے دیکھیں گی تو حیران رہ جائیں گی" شاہ خرم جیسے کسی بات کا مزا لیتے ہوئے ہنسا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"مطلب جب آپ اسے دیکھیں گی تو خود ہی جان جائیں گی بلکہ آپ تو اسے پہچان ہی نہیں پائیں گی ویسے ایک بات کہوں بھابھی۔۔۔ وہ رانیہ کو خوش بہت رکھے گا۔" اچانک اس نے کہا تھا زرلہ جانتی تھی جہاں زیب رانیہ میں بچپن سے انٹرسٹڈ ہے مگر رانیہ اس سے اتنی ہی خار کھاتی تھی وجہ۔۔۔ وجہ شاید اس کی سادہ طبیعت یا پڑھاکو ہو کر خود پہ توجہ نہ دینا تھا اور رانیہ جیسی نستعلیق لڑکی اس کے جیسے سادہ لوح بندے کو ذہنی طور پر قبول کر سکتی تھی بھلا؟

"خرم! میں نہیں چاہتی کہ رانیہ یا جہاں زیب کسی ایک کے ساتھ بھی زیادتی ہو اگر وہ بخوشی جہاں زیب کو اپنانے پر راضی ہوئی تو ہمیں کوئی اعتراض نہیں ہو گا معترض رہی تو شاید میں کبھی بھی جہاں زیب کا ساتھ نہ دے پاؤں۔۔۔ کیونکہ زبردستی کے بندھن نبھانا بہت مشکل ہوتا ہے پاؤں آبلہ پائی کے سفر پہ گامزن جبکہ روح کانٹوں پر گھسیٹنی پڑتی ہے۔۔۔ اور یہ سب بہت تکلیف دہ ہوتا ہے۔۔۔ شاید تم نہ سمجھو مگر وہ لوگ ضرور سمجھتے ہوں گے جو اس درد سے گزر رہے ہیں" اچانک اس نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہتے بات ختم کی تھی اپنے کمرے کے دروازے میں کھڑے شاہ خاور نے اس کے لہجے میں چھپے درد کی چبھن اپنے دل پہ محسوس کی تھی۔

☼ ☼ ☼

شاہ خاور اپنے بیڈ روم میں تھا جب ڈور بیل ہوئی تھی شاہ خرم مارکیٹ گیا ہوا تھا۔ زرلہ جو کچن میں شام کی چائے کی تیاری کر رہی تھی چونک کر پلٹی۔۔۔ ڈور بیل مسلسل ہو رہی تھی شاہ خاور بیڈ روم سے نہیں نکلا ناچار اسے ہی دروازہ کھولنا پڑا سامنے۔۔۔ کسی حسین لڑکی کو ایستادہ پایا۔

"السلام علیکم! مجھے خاور سے ملنا ہے یہ انہی کا گھر ہے نا؟" وہ لڑکی بے حد شائستگی سے پوچھ رہی تھی۔

"جی۔۔۔ یہ انہی کا گھر ہے آپ پلیز اندر آئیے۔" وہ شکریہ کہتی اندر بڑھ آئی۔

صوفے پہ بیٹھتے ہوئے اس نے زرلہ کا تفصیلی جائزہ لیتے اس کی بابت دریافت کیا تھا۔

"جی میں ان کی وائف ہوں۔" اس نے جواب دیا عبیرہ ایکدم بیٹھے سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی اسے لگا ساتوں آسمان ایک ساتھ اس کے سر پہ آن گرے ہوں۔۔۔ اس کی ذات کے پرخچے اڑ گئے ہوں اس کے اعتماد کی کرچیاں ہو گئی ہوں۔۔۔

"کیا کہا تم نے؟" وہ فوراً "آپ سے تم پہ" آتے ہوئے بولی تھی۔

"میں ان کی وائف ہوں" زرلہ نے سادگی سے

دہرا دیا تھا مگر اسے اس لڑکی کی کیفیت سمجھ نہیں آرہی تھی۔

"ایسا نہیں ہو سکتا" وہ ہولے سے بڑبڑائی تھی۔

"کیوں نہیں ہو سکتا آپ کون ہیں اور یہ سب کیوں پوچھ رہی ہیں؟" اب کی بار زرلہ واضح طور پہ جھنجلاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"میں... میں شاہ خاور کی منگیتر ہوں" اب کی بار ساتوں آسمان زرلہ کے سر پہ گرے تھے وہ ہوا میں معلق ہو گئی تھی گہرے پاتال میں دھنستی چلی جا رہی تھی اس کا سانس بند ہونے لگا تھا۔ اس کی روح تڑپنے لگی تھی وہ گھائل ہو رہی تھی لہولہو ہو رہی تھی... ابھی سے شاہ خاور چلا آیا آنکھوں میں تحیر کے سارے رنگ لیے عبیرہ وحشت کے عالم میں چلتی اس کے قریب آئی۔

"تم نے شادی کر لی؟" وہ اس کا گریبان پکڑے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھ رہی تھی۔

"عالی پلیز! پہلے میری پوری بات سن لو..." وہ اس کے ہاتھ تھامنے کی کوشش میں سرگرداں تھا زرلہ بت بنی ان دونوں کو ایک دوسرے پہ حق جتاتا دیکھتی رہی تو یہ تھی شاہ خاور کی گریز و نفرت کی وجہ...

"مجھے کچھ نہیں سننا خاور... صرف اتنا بتاؤ کیا یہ لڑکی سچ کہہ رہی ہے؟" وہ دوٹوک انداز میں اس سے پوچھ رہی تھی۔

"عالی پلیز... ٹرائی ٹو انڈر اسٹینڈ یار... حالات ہی ایسے ہو گئے تھے میں مجبور ہو گیا تھا۔" شاہ خاور کی جان پہ بن آئی اس کی سمجھ میں نہیں آیا وہ کیسے اسے اپنی وضاحت دے۔

"مجبوری!" عالی کے لہجے میں استہزا تھا۔

"تم مرد بھی مجبور ہوتے ہو خاور؟" اس کے لہجے میں طنز نمایاں ہونے لگا تھا زرلہ کو اپنا وجود ان دونوں کے درمیان بے حد فضول لگا وہ وہاں سے بھاگ جانا چاہتی تھی مگر اس کے قدم من من بھر کے ہو رہے تھے اسے لگا اس کے قدموں کو کسی ان دیکھی زنجیر نے جکڑ رکھا ہے۔

"عالی۔ یہ شادی میری مرضی سے نہیں ہوئی میں مجبور کر دیا گیا تھا پلیز سمجھنے کی کوشش کرو... تمہارا ایسا رویہ رہا تو میں تمہیں کچھ بھی نہیں سمجھا پاؤں گا۔"

اس سے زیادہ سننے کا حوصلہ زرلہ کے اندر نہیں تھا وہ دیوانہ وار باہر کی طرف بھاگی تھی اس کا رخ پارک کی طرف تھا شاہ خاور نے اس کے جانے کا نوٹس نہیں لیا تھا کجا اسے روکتا... وہ عالی کو لیے صوفے پر آبیٹھا تھا پھر دھیرے سے بولا تھا۔

"اس شادی میں میری ایک فیصد بھی رضامندی نہیں ہے عالی! میرا یقین مانو میں تو تم سے مخلص تھا... مگر زرلہ... اس نے مجھے مجبور کیا تھا مجھے واسطہ دیا تھا اپنانے کا... میں کیا کرتا میں مجبور تھا اگر اسے اپناتا نہیں تو پھر نہ دنیا کا رہتا نہ دین کا... مگر یقین مانو ہمارے درمیان صرف کاغذ کا رشتہ ہے دنیا دکھاوے کو ہم میاں بیوی ہیں جبکہ اس سے تو میں سیدھے منہ بات ہی نہیں کرتا۔" عالی خاموشی سے اسے جانچتے ہوئے دیکھ رہی تھی ساری تفصیل سنانے کے بعد وہ خاموش ہوا تو وہ بولی۔

"ایک کام کرو خاور..." وہ فوراً متوجہ ہوا تھا۔

"اپنی زندگی میں میری ذات کا تعین کر دو..." عالی کے آنسو گر رہے تھے وہ ضبط کی کوشش میں بے حال ہو رہی تھی کاش وہ کچھ ماہ کے لیے لندن نہ جاتی اس کی زندگی میں اتنا بڑا طوفان نہ آیا ہوتا۔ کاش وہ لندن جانے سے پہلے شاہ خاور کے پرپوز کرنے پر منگنی یا نکاح کی رسم کر لیتی تو آج اس کی زندگی میں اتنے سارے کاش تو نہ ہوتے۔

"یہ کیسا سوال ہے عالی! تم میری زندگی ہو... تمہیں میں کیسے فراموش کر سکتا ہوں؟"

"تو پھر ایسا کرو۔ اسے طلاق دے دو۔" اس کے جواب پر عالی نے اس سے کہا تھا شاہ خاور بے بس ہو گیا۔

"مجھے کچھ وقت دو" اس نے تھوڑی دیر بعد اس سے کہا تھا۔

☆ ☆ ☆
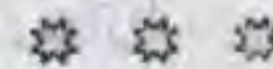
بہت تیز بارش میں دو نفوس پارک کے آخری کونے میں رکھے پتھر کی بینچ پہ بیٹھے تھے دونوں ہی بارش میں بھیگ رہے تھے اور دونوں ہی اس احساس سے انجان تھے۔ جانی نے ان اداس اور ویران آنکھوں میں آج دکھ کی بارش برستے دیکھی تھی... آج ان آنکھوں پہ چھایا جمود ٹوٹ چکا تھا آج زرلہ کی چپ ٹوٹی تھی۔

"شاہ خاور کی زندگی میں میں کہیں نہیں تھی جانی! آج مجھے پتا چلا وہ کیوں آئی واپس؟ اب... اب تو سب کچھ ٹھیک ہونے والا تھا اب تو سب کچھ ٹھیک ہو رہا تھا... اب تو شاہ خاور لوٹنے لگے تھے میری طرف... اب تو شاہ خاور میرا وجود تسلیم کرنے لگے تھے... آہستہ آہستہ ہی سہی مگر وہ مجھ سے محبت بھی کر لیتے مگر وہ عبیرہ..." بے ربط انداز شکستہ لہجے میں الفاظ ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے لبوں سے ادا ہو رہے تھے۔ "کیا میرا قصور اتنا بڑا تھا کیا؟ میری غلطی ایسی ناقابل تلافی تھی... کیا میری غلطی واقعی غلطی تھی جانی..." آہستہ آہستہ اس نے سسکتے ہوئے کہنا شروع کیا تھا۔

یہ ان دنوں کی بات ہے جب میرے لیے چوہدری سارنگ کا رشتہ آیا تھا وہ ہمارے گاؤں کا سب سے بڑا گھرانہ تھا... روپیہ پیسے کی ریل پیل تھی... عزت مرتبہ حیثیت گاؤں بھر میں سب سے الگ... چوہدری سارنگ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے باوجود جاگیرانہ سوچ کا حامل وڈیرا تھا... بہت عیاش... ہمارے خاندان میں ان باتوں کو رتی برابر اہمیت نہیں دی جاتی۔ گناہ ثواب کے چکر سے وہ لوگ آزاد تھے مگر مجھے ایسے شخص سے شادی نہیں کرنی تھی اپنی مرضی سے جینے کی چاہ تو ہر لڑکی میں ہوتی ہے مگر میں بغاوت کرنے کی حد تک اس خواہش کی دلدل میں اتری ہوئی تھی۔ میرے لیے میری خواہش میرے خواب میری خوشی اہمیت رکھتی تھی اپنی خواہشات کے معاملے میں میں خاصی خود غرض واقع ہوئی ہوں... اور میری خواہش میرا خواب صرف شاہ خاور کا حصول تھا... صرف ان کی بن کے رہنا صرف انہی کے نام سے جانا جانا میرا خواب تھا... بچپن سے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھنے تک جس ایک شخص کو میں نے ہمیشہ اپنے ساتھ کھڑے پایا وہ صرف شاہ خاور ہی تھے ایسے میں میں کیسے کسی اور کو اپنا مان لیتی... میرے والدین تقریباً چوہدری سارنگ کو ہاں کہلوا چکے تھے میں دن رات جلے پاؤں کی بلی کی مانند کاٹ رہی تھی بالآخر میں نے شاہ خاور کو بلا لیا...

شاہ خاور میرے بچپن کے دوست تھے میری پہلی و آخری محبت میں اپنا ہر مسئلہ ان سے کہا کرتی تھی جسے وہ چٹکیوں میں حل کر دیا کرتے تھے مجھے یقین تھا میرا یہ مسئلہ بھی وہ چٹکیوں میں حل کر دیں گے پھر راوی چین ہی چین لکھے گا... میں نے شاہ خاور کو کچھ اس انداز میں فون کر کے بلایا کہ وہ اگلے ہی دن ہراساں سے دوڑے چلے آئے تھے... میں نے ان کی منت کی... کہ مجھ سے شادی کر لیں... اپنا دوپٹہ اپنی عزت ان کے قدموں میں رکھ دی کہ مجھے اپنا لیں... مگر شاید وہ سمجھ نہیں پائے انہیں لگا میں چوہدری سارنگ سے شادی نہ کرنے کے لیے جذبات میں ان سے شادی کرنے کا فیصلہ کر رہی ہوں مگر وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ زرلہ عباس کے خون کے ہر قطرے میں وہ زندگی بن کے دوڑتے تھے مگر شاہ خاور نہیں مانے ان کے نزدیک یہ سب پاگل پن تھا اس کے سوا کچھ بھی نہیں انہوں نے بے دردی سے مجھے رد کر دیا۔

"شاہ جی! میں آپ کے بغیر مر جاؤں گی۔" میں نے روتے ہوئے فریاد کی۔

"اچھا ہے مر جاؤ... کم سے کم ایسی ذلت بھری زندگی جینے سے تو یہی بہتر ہے ہمارے لیے... کیا سوچیں گے تمہارے والدین... کہ میں نے ان کا اعتبار توڑ دیا۔" وہ غصے سے مجھ پہ دھاڑے تھے۔

"وہ کچھ بھی برا نہیں سوچیں گے شاہ جی... بلکہ ان کے لیے تو آپ کا رشتہ باعث فخر و غنیمت ہو گا۔" میں نے ان کی الجھن کو دور کرنے کی کوشش کی تھی گھر بھر میں کوئی نہیں جانتا تھا کہ شاہ خاور چھٹیوں کے علاوہ کام کے دنوں میں یوں اچانک بغیر بتائے کیوں آئے تھے... یا ہم دونوں میں کیا مذاکرات چل رہے ہیں ان کے

نزدیک ہم اچھے دوست تھے اور پہلے کی طرح کئی کئی گھنٹے بیٹھ کر گپیں ہانکا کرتے تھے میں جتنی دیر ان کے پاس بیٹھی رہی ان کے قدموں سے لپٹ کر روتی رہی ان کے ساتھ کی فریاد کرتی رہی۔ اک جنون سا مجھ پر سوار تھا ان کو پانے کا۔۔۔ تھک ہار کر وہ مجھ سے بولے تھے۔

"دیکھو زری! اگر میں تم سے شادی کر بھی لیتا ہوں تو کیا فائدہ میں تمہیں ویسی محبت ویسے ہی نہیں پاؤں گا جیسی تم توقع مجھ سے کر رہی ہو' ہو سکتا ہے کہ میں چوہدری سارنگ سے بھی برا شوہر ثابت ہوں اور وہ ویسا ہی اچھا شوہر جیسی تم مجھ سے توقع کر رہی ہو۔۔۔" انہوں نے مجھے پیار اور نرمی سے سمجھانا چاہا تھا مگر میں تو عشق کی آگ میں جل رہی تھی ان کے جملے کی خاک سمجھ آتی۔

"میرے پاس تجربہ کرنے کا وقت نہیں ہے شاہ جی۔۔۔ مجھے اپنی زندگی اپنی مرضی سے جینی ہے آپ کے ساتھ۔۔۔ میں اسے کسی "شاید" کے بھینٹ نہیں چڑھا سکتی۔" میں "تقریباً" روتے ہوئے چلائی تھی۔

"زری میں تم سے شادی نہیں کر سکتا۔۔۔" وہ جیسے تھک ہار کر بولے تھے۔

"آپ کو اللہ کا واسطہ شاہ جی۔۔۔ رسولؐ کا واسطہ مجھے اپنا لیں۔" میں ان کے قدموں میں گری فریاد کر رہی تھی۔

"زری۔۔۔" انہوں نے مجھے اٹھاتے ہوئے میرے چہرے پر تھپڑ مارا تھا مگر مجھے درد نہیں ہوا۔۔۔ میں تو خبطی تھی دیوانی تھی مجھے بھلا تکلیف کا احساس کیونکر ہو پاتا۔

"جاؤ یہاں سے۔" انہوں نے تنفر سے مجھ سے منہ پھیرتے ہوئے مجھے وہاں سے جانے کے لیے کہا تھا۔۔۔ مگر میں نے اس بات پہ اکتفا نہیں کیا بلکہ جب مجھے پتا چلا کہ وہ بغیر کوئی فیصلہ کیے جا رہے ہیں تو میں وحشت و سراسیمگی کے عالم میں شیلف پہ رکھے قرآن پاک کو اٹھا کر دیوانہ وار ان کی جانب بھاگی تھی۔۔۔ میں نے بغیر سوچے سمجھے وہ قرآن پاک ان کی جھولی میں ڈال دیا تھا۔۔۔ میں نے انہیں باندھ کر مجبور کر دیا تھا۔ وہ ششدر سے رہ گئے تھے۔

"زری۔۔۔ یہ۔۔۔ یہ کیا کیا تم نے؟" وہ دکھ و حیرت کی شدت کے باعث بول ہی نہیں پائے تھے۔

"آپ کو اس دو جہان کے سردار کا واسطہ مجھے اپنا لیں۔۔۔ بس اپنا نام دے دیں باقی میں آپ سے کبھی کچھ نہیں مانگوں گی۔۔۔" وہ کچھ دیر مجھے دیکھتے رہے پھر انہوں نے قرآن پاک کو چوم کر آنکھوں سے لگاتے ہوئے کہا تھا۔

"میں قرآن پاک کو گواہ بنا کر کہتا ہوں زری۔۔۔ کہ تم سے شادی کروں گا۔۔۔ مگر تمہیں خوش رکھ پاؤں گا اس بات کی کوئی قسم نہیں ہے میرے پاس۔۔۔ اب جاؤ تم۔۔۔" انہوں نے مجھے قرآن پاک واپس لوٹاتے ہوئے کسی ہارے ہوئے جواری کی مانند کہا تھا۔ میں اپنی منزل پالینے کے بعد سے بے حد خوش تھی مجھے اندازہ تک نہیں تھا کہ میں کتنی بڑی غلطی کر چکی ہوں اور اس کا کتنا بڑا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ میں تو بس خوش تھی بے حد و حساب خوش۔۔۔ اپنی خواہشات کے حصول میں کھو کر میں یہ بھول گئی تھی کہ شاہ جی کی اپنی بھی کوئی مرضی کوئی منشا ہو گی وہ بھی کسی کو پسند کرتے ہوں گے انہیں بھی کسی سے محبت ہو گی۔۔۔ مجھے لگتا تھا ایک دفعہ اگر شاہ جی مجھے اپنا لیں گے تو سب ٹھیک ہو جائے گا وہ میری محبت و جنون کو دیکھیں گے تو مجھے معاف کر کے دل سے اپنا بنا لیں گے۔۔۔ وہ میری طرف لوٹ آئیں گے میں تھوڑا صبر سے کام لوں گی انہیں حق جتا کر ان سے پیار سے مناؤں گی۔ مگر انجانے میں میں شاہ جی کی ضد کے ساتھ کھیل گئی تھی۔ مجھے ذرا بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ ضد کے اتنے پکے ہو سکتے ہیں کہ جو ٹھان لیں اس پہ ٹوٹ جانے کے باوجود بھی قائم رہتے ہیں۔۔۔ پھول باجی کہتی تھیں زری۔۔۔ مجھے صرف تم سے امید ہے کہ تم شاہ خاور کی ضد سے نباہ کر سکتی ہو۔ تم کر لو گی۔۔۔ مجھے بھی یہی لگتا تھا اور میں نے ان کی ضد سے نباہ کیا بھی کبھی خاموشی سے سہہ کر کبھی حق جتا کر کبھی مان سے میں نے ان کی ہر کڑوی کسیلی بات کو برداشت کیا میں نے ان کے غصے کو پیا ہاں میں نے کبھی بھی اپنا آپ ان کے جذبات کے بہتے دھارے کے سپرد نہیں کیا۔۔۔ چاہے اسے میری غلطی کہیں یا خودداری۔۔۔ مگر مجھے اپنی نسوانیت کی عزت کو قائم رکھتے ہوئے مکمل ہوش و حواس سے دل کی خوشی کے ساتھ اپنا آپ سونپنا تھا۔ میں تو بس ان کی محبت بن کے رہنا چاہتی تھی۔ اور اب تو سب ٹھیک ہو گیا تھا۔۔۔ وہ آہستہ آہستہ میری طرف لوٹ رہے تھے مجھے لگتا تھا جیسے مجھ سے محبت بھی کرنے لگے ہیں۔۔۔ مگر پھر وہ۔۔۔ کیوں چلی آئی۔ اب کبھی شاہ جی میری طرف نہیں لوٹ سکتے۔۔۔ وہ اپنی ضد کے پکے ہیں وہ عالی کو اپنا لیں گے۔۔۔ میں کتنی حرماں نصیب ہوں نا جانی؟" وہ اس سے روتے ہوئے پوچھ رہی تھی "میں کتنی بدنصیب ہوں نا؟"

"کیا واقعی میں نے غلط کیا تھا جانی؟" گھر والے راستے پہ اس کے ساتھ چلتے اس نے اس سے پھر پوچھا تھا بلڈنگ کے سامنے آ کے اس کے قدم رک گئے تھے۔

"تمہیں اندر نہیں جانا؟" اس نے جانی کی سوالیہ نگاہوں کے جواب میں اپنے رکنے کا سبب بتایا۔

"زری وہ "تمہارا" گھر ہے۔" جانی نے لفظ "تمہارے" پر خاص زور دیتے ہوئے اسے اس کی اہمیت بتائی تھی۔

"گھر گھر والے سے ہوتا ہے جانی جب گھر والا ہی نہ اپنائے تو پھر اینٹ گارے سے بنے مکان پہ اجارہ داری کیا قائم کرنی۔" اس نے بے دردی سے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بھاری لہجے میں کہا۔ جانی نے رک کر اسے دیکھتے ٹھنڈی سانس خارج کی۔

"تو پھر کہاں جاؤ گی؟" اس نے جیسے تھک کر پوچھا تھا۔

"پتا نہیں۔۔۔ مگر اتنا طے ہے اب شاہ جی کی زندگی سے بہت دور چلی جاؤں گی کبھی نہ واپس لوٹنے کے لیے۔" اس نے جیسے فیصلہ کن انداز میں اسے بتایا تھا۔ "شاید اس طرح میں اپنی غلطی کا کفارہ ادا کر سکوں؟"

"یعنی تم پرانی غلطی سدھارنے کے لیے ایک اور غلطی کرو گی۔" جانی نے جیسے حیران ہوتے ہوئے اس کی عقل پہ ماتم کیا تھا۔

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آتی زری! تم اپنا حق اتنی آسانی سے چھوڑ کیسے سکتی ہو؟" بارش پھر شروع ہو چکی تھی اچانک ہونے والی تیز بوچھاڑ نے ان دونوں کو پھر سے گیلا کر دیا تھا۔ طویل سڑک سنسان تھی پول لیمپ کی زرد روشنی میں بارش کے زرد قطرے تارکول کی سڑک پہ گرتے عجیب سوگوار سا منظر پیش کر رہے تھے۔۔۔ زرلہ سنی ان سنی کیے تارکول کی گیلی سیاہ سڑک پر چلتی رہی۔۔۔ بھیگتی رہی۔

"کس حق کی بات کر رہے ہو زبردستی حاصل کیے جانے والے کو حق نہیں بلکہ دھونس کہا جاتا ہے اور پھر ایک نہ ایک دن تو ایسا ہونا ہی تھا اور پھر یہ ضروری بھی تو نہیں کہ میری ہر خوشی کی تکمیل کے لیے شاہ جی قربانی دیں۔" اس نے جیسے اذیت کم کرنے کی خاطر ہنسنے کی کوشش کی مگر وہ کم ہونے کے بجائے مزید بڑھ گئی۔

"گھر جاؤ جانی! تمہیں بھوک لگی ہو گی۔" اچانک اسے اس کا خیال آیا تھا۔

"تم؟" اس نے رک کر اسے دیکھا تھا۔

"میں۔۔۔ میں کہیں بھی رات گزار لوں گی۔" اس نے جیسے اسے تسلی کرائی تھی۔

"تم جانتی ہو۔۔۔ تم ایک اور غلطی کر رہی ہو ایک ناقابل تلافی غلطی۔۔۔" جانی نے اس کے سامنے رکتے ہوئے بے حد ٹھہرے لہجے میں اسے جتایا تھا زرلہ کے چہرے پہ استہزا ابھر گیا۔

"میری تو ساری زندگی غلطیوں سے عبارت ہے ایک اور سہی" ابھی شاید وہ اور کچھ کہتا مگر اسی اثناء میں شاہ خرم زرلہ کو ڈھونڈتا چلا آیا جانی کی نظریں زری کی طرف "تقریباً" دوڑ کر آتے شاہ خرم کی طرف مرکوز ہو گئیں۔

"کہاں تھیں تم زری۔۔۔؟" شاہ خرم حد درجہ سراسیمہ سا اس سے باز پرس کر رہا تھا وہ اس قدر حواس باختہ تھا کہ آج اس کو بھابھی کے بجائے اس کا

نام لے کر مخاطب کر رہا تھا۔ "تمہیں کچھ اندازہ بھی ہے کہ کتنا پریشان ہو گیا تھا میں تمہارے لیے۔" وہ اسے کندھے سے پکڑ کر جھنجھوڑتے ہوئے بولا تھا۔ اس کی اس قدر فکر مندی پر زرلہ کی آنکھیں بھیگ گئیں... اس کے دیور کو اس کی فکر تھی لیکن اس کے شریک سفر کو معلوم تک نہیں تھا کہ وہ اس وقت کہاں ہے اسے احساس تک نہیں تھا۔

"تم میرے لیے پریشان مت ہو خرم! میں اب تم سب کی پریشانیاں ختم کر دوں گی، میں صبح ہوتے ہی یہاں سے جا رہی ہوں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔" اس نے جیسے اپنے تئیں اس کی مشکل کو حل کرتے کہا تھا۔

"بھابھی... یہ کیا پاگل پن ہے۔" وہ واضح طور پر جھنجلایا۔

"تو کیا کروں خرم! شاہ جی کے دکھوں کا مداوا کرنے کے لیے اپنی ذات کی قربانی کے سوا کچھ بھی نہیں ہے میرے پاس... میں نے پہلے ہی انہیں بہت دکھ دیئے ہیں مگر اب مزید نہیں... میں ان سے طلاق مانگ لوں گی۔" اس نے بے دردی سے اپنے گالوں کو رگڑا اور گلابی آنکھوں کو ہاتھ کی پشت سے رگڑا۔

"بھابھی پلیز... آپ تو کم سے کم عقل مندی کا ثبوت دیں... آپ کیوں طلاق مانگ رہی ہیں اگر ایسا کوئی تنازعہ ہے آپ کے درمیان تو اسے مل بیٹھ کے بھی سلجھایا جا سکتا ہے مگر ایسے..." شاہ خرم نے تقریباً" جھنجلاتے ہوئے چیخ کر کہا تھا۔

"جب تمہارے بھائی کو ہی میرے ساتھ نہیں رہنا تو میں ان پر اتنا بوجھ کیوں ڈالوں ویسے بھی تعلقات جب بوجھ محسوس ہونے لگیں تو ان کو توڑ دینا ہی بہتر ہوتا ہے... تم مجھے میرے گھر چھوڑ آؤ خرم... پلیز۔" وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے گھر لے آیا تھا۔ شاہ خاور حسب معمول اپنے کمرے میں بند تھا شاہ خرم نے اسے کافی سمجھایا مگر زرلہ کی ایک ہی ضد تھی جو کہ شاہ خرم کے منانے کے باوجود بھی نہیں ٹوٹی تھی۔

"مجھے کچھ وقت چاہیے خرم... اپنے اور ان کے رشتے کی الجھی گرہیں سلجھانے کے لیے... یہاں رہی تو پاگل ہو جاؤں گی میری برداشت جواب دے گئی ہے پلیز مجھے گھر لے چلو۔" سارا قصہ الف سے یے تک سنانے کے بعد شاہ خرم کی اس نے جیسے منت کی تھی اور پھر وہ چلی آئی دوسرے دن شاہ خاور کے آفس جانے کے بعد اس نے چپکے سے اپنی پیکنگ کی اور شاہ خرم کے ساتھ اپنے گاؤں چلی آئی شاہ خرم ایک دن رہا پھر واپس چلا گیا اس نے شاہ خاور کو زرلہ کا دیا پیغام من و عن دہرایا تھا کہ وہ اب مزید اس رشتے میں الجھنا نہیں چاہتی اس کا جو بھی فیصلہ ہو گا وہ زرلہ کو قبول ہو گا وہ اپنی مرضی و منشا سے فیصلہ کر سکتا ہے... شاہ خاور کا وجود کئی لمحوں تک سناٹوں کی زد میں رہا تھا وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ زرلہ اس قدر انتہا پسند بھی ہو سکتی ہے... وہ خاموش ہو رہا شاہ خرم نے اپنے تئیں اسے ہر ہر پہلو سے سمجھایا تھا مگر وہ جواباً" کچھ نہیں بولا تھا... وہ عبیرہ سے روز ملنے لگا تھا آفس کے بعد وہ سارا وقت اکٹھے گزارتے تھے... عبیرہ اس سے دنیا جہان کی باتیں کرتی اسے اس کی باتیں اچھی بھی لگتیں مگر پھر بھی کہیں نہ کہیں اسے کسی نہ کسی کی کمی کا احساس ضرور کچوکے لگاتا رہتا۔

"تم بہت ڈل کلرز نہیں پہننے لگی ہو؟" ایک شام کیفے ٹیریا میں کافی پیتے اس نے اس سے کہا تھا وہ بے حد حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے ہنسی تھی۔

"فار گاڈ سیک خاور! میں تو شروع ہی سے ایسے کلرز پہنتی ہوں اور تمہیں پسند بھی تھے اب کیا چینج آیا ہے مجھ میں؟" وہ کولڈ کافی کا بڑا سا سپ لیتے ہوئے بولی تھی۔ اس کے تراشیدہ بالوں کو دیکھتے شاہ خاور کو زرلہ کے سیاہ لمبے بال یاد آئے تھے جو شادی کے بعد مکمل توجہ نہ ملنے کے باعث بے ترتیب سے انداز میں بڑھنے کے باوجود بھی اچھے لگتے تھے۔

"اچھا... تم فریش کلرز پہنا کرو عالی اس طرح تم کھلی کھلی نظر آؤ گی۔" شاہ خاور نے کھوئے کھوئے سے انداز میں اسے مشورہ دیا تھا نگاہوں کے سامنے کسی اور کا سراپا گھوم رہا تھا عالی نے چونکتے ہوئے اسے

دیکھا تھا وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھا وہ اس کے بارے میں نہیں سوچ رہا تھا۔

"تم کہنا کیا چاہتے ہو خاور؟" اس نے دو ٹوک انداز میں اس سے پوچھ لیا تھا اب کی بار خاور چونکا تھا۔

"کیا مطلب؟" اس کے چہرے پہ سوال تھا اور آنکھوں میں الجھن۔

"تم مجھے کس کے جیسا دیکھنا چاہتے ہو خاور... میں اپنی شناخت کسی اور کی خاطر بدل نہیں سکتی، میں جیسی ہوں اپنی ذات میں منفرد ہوں...“ اس نے بہت کچھ سمجھتے ہوئے جیسے اسے جتلایا تھا مگر شاہ خاور سمجھ نہیں سکا پھر اس کے بعد ان دونوں میں کوئی بات نہیں ہوئی تھی بلکہ خلاف معمول وہ دونوں جلدی اپنے گھر کو روانہ ہو گئے... حالانکہ صبح ویک اینڈ تھا اور ہر ویک اینڈ پہ زرلہ ناشتے میں خاص اہتمام کیا کرتی تھی حلوہ پوری، چنے، بیسنی روٹی یا آلوؤں والے پراٹھے وہ بغیر کہے شاہ خاور کی پسند جانتی تھی بعض دفعہ تو ایسا بھی ہوتا کہ شاہ خاور کا جو بھی کھانے کا موڈ ہوتا کھانا لگنے پہ اسے اپنے سامنے موجود پاتا... مگر اس بات کا اعتراف اس نے کبھی بھی نہیں کیا تھا اس کی انا اسے اس بات کی اجازت دینے کو ہرگز تیار نہیں تھی۔ وہ کچن میں آیا تو خرم چائے دم پہ رکھ رہا تھا اسے دیکھ کے مسکرایا۔

"گڈ مارننگ بھیا۔" وہ جیسے گنگنایا اور اس کے سامنے سینکے ہوئے توس مکھن اور جام کے جار سجانے لگا۔

"گڈ مارننگ..." وہ کرسی دھکیل کر بیٹھتے ہوئے بے دلی سے مسکرایا تھا۔ اسے یہاں سے گئے آج آٹھ دن ہو گئے تھے مگر شاہ خاور کو وہ کچن میں بظاہر لاتعلق مگر خاموشی کی زبان میں گفتگو کرتی ہر طرف چلتی پھرتی نظر آئی۔

"یار... آج تو اس کا موڈ نہیں بن رہا تھا۔" اس نے شاہ خرم کے مکھن لگے توس کو بے دلی سے پرے کرتے ہوئے کہا تھا خرم مسکرا یا جانتا جو تھا مگر پھر بھی انجان رہا۔

"تو پھر کیا کھانے کا موڈ ہے؟"

"آلو کے پراٹھے۔" شاہ خاور نے فوراً" جواب دیا تھا۔

"تو اس میں ایسی کون سی پریشانی والی بات ہے ابھی عبیرہ کو فون کرتے ہیں کہ آ کے ہمیں آلو کے پراٹھے بنا کر کھلائیں..."

"عالی کو یہ سب کہاں بنانا آتا ہے... یہ تو زرلہ کے کرنے کے کام تھے وہ ہی ماہر تھی ان میں۔" اس نے بے دھیانی میں سچ بولا تھا۔

"ہاں تو بھائی ٹھیک ہے نا... آپ کو کیا ضرورت ہے عالی سے یہ کام کروانے کی... وہ بھلا ایسے کام کرے بھی کیوں اس کا معیار ہی نہیں یہ سب۔" اس نے لاتعلقی سے کہتے چائے بنائی۔ خاور پھر بھی الجھا رہا بولا کچھ نہیں پھر دادو کے فون کرنے پہ جب انہیں معلوم ہوا کہ زرلہ گھر چھوڑ کر جا چکی ہے تو انہیں شدید صدمہ پہنچا انہوں نے شاہ خاور کے خوب لتے لیے وہ جھنجلا گیا ہر بندہ اسے ہی کیوں مورد الزام ٹھہرا رہا تھا۔

"دادو... وہ خود گھر چھوڑ کر گئی ہے، میں نے اسے نہیں نکالا۔" وہ چلایا۔

"عورت کبھی اپنا گھر خود نہیں چھوڑتی شاہ... جب تک اسے مجبور نہ کیا جائے..."

"مگر دادو میں نے اسے مجبور نہیں کیا۔" وہ جھنجلایا۔

"تم عبیرہ کے ساتھ کمیٹڈ تھے... اب بھی ہو... تو ایسی صورت میں کیا جواز تھا اس کا تمہارے گھر رہنے کا؟" دادو نے بھرپور وکالت کی تھی۔

"وہ سب تو ٹھیک ہے دادو... مگر میں نے کون سا ابھی کوئی فیصلہ کیا ہے..."

"اس کا مطلب ہے تم کوئی فیصلہ کر کے اسے گھر سے نکالتے زندگی سے نکالتے تو ہی تمہارا قصور تھا ورنہ نہیں۔" دادو نے یہ کہہ کر غصے سے فون بند کر دیا تھا جس کے بعد پھول باجی کا فون آیا تھا وہ عالی کو برا بھلا کہتے ہوئے شاہ خاور کو سخت سست سنا رہی تھیں۔

"اسے جا کر لے آؤ شاہ! ورنہ میں تم سے قطع تعلق کر لوں گی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے۔" انہوں نے اپنی مشہور

زمانہ کار گرد ھمکی دی تھی۔

"ایک تو مجھے اس بات کی سمجھ نہیں آتی آپا آپ سب لوگ اپنے بھائی کو چھوڑ کر "اس کی" کیوں حمایت کر رہے ہیں؟" وہ خوب جھنجلایا ہوا تھا۔

"تم ذرا اپنا احتساب کرو شاہ! پھر دیکھنا تمہارا دل بھی اس کی حمایت کرے گا بس اپنی ضد اور انا ایک سائیڈ پہ رکھ کر اس کی بے لوث محبت و خدمت پہ نظر کرنا تمہیں جواب آپ ہی آپ مل جائے گا۔" پھول باجی نے شاہ خاور کو نرمی سے سمجھایا تھا شاہ خاور الجھ کر رہ گیا۔

"دیکھو شاہ! غلطی ہر انسان سے ہوتی ہے۔۔۔ اور پھر جذبات تو ہر انسان کے ایک سے نہیں ہوتے نا۔۔۔ وہ نادان تھی اسے صحیح غلط کی پہچان نہیں تھی اس کے نزدیک صرف اپنی محبت کا حصول اہم تھا۔۔۔ اور پھر اس نے تو صرف ایک غلطی کی تم نے تو کئی کیں۔۔۔ کیا اس کی زبان پہ کبھی شکایت بھی آئی۔ یہ ہے اس کی محبت اور تم اتنی پیاری اور معصوم لڑکی کا دل توڑ رہے ہو۔" انہوں نے آہستہ آہستہ شاہ خاور کے دل کے بند کواڑ کھولنے چاہے تھے۔

"مگر آپا۔۔۔" شاہ خاور نے کہنا چاہا مگر پھول باجی نے ٹوک دیا۔

"کیا اگر مگر شاہ! مان لو کہ تمہیں بھی زری سے اتنی ہی محبت ہے جتنی کہ اسے تم سے اور عالی۔۔۔ تو اسے تم سے محبت ہے نہ تمہیں اس سے۔۔۔ تم دونوں صرف ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور تم دونوں کو لگتا تھا کہ ایک دوسرے کو سمجھتے جانتے ہوئے ایک اچھی زندگی گزار سکتے ہو اور یقیناً تم لوگ گزارتے بھی مگر پھر بھی اس رشتے میں محبت کے عنصر کو ہمیشہ مفقود پاتے اس تڑپ اس جذبے کی لگن کو جو زری اور تمہارے رشتے میں ہے۔"

"ایسا کچھ نہیں آپا! زری صرف اپنی منواتی ہے ہمیشہ۔۔۔ مجھ سے بہتر اسے بھلا اور کون سمجھے گا دکھ صرف اس بات کا ہے آپا کہ اس نے میری ایک نہیں سنی۔۔۔ اس نے مجھ پہ اپنا فیصلہ "مسلط" کیا۔۔۔ منوایا نہیں۔۔۔ اس نے مجھے باندھ دیا محصور کر دیا اپنی قسم کے واسطے سے۔۔۔ اور میں ایک مرد ہو کر ایک کمزور عورت کے آگے سرنگوں ہو گیا یہ بات میرے اندر آگ بھڑکاتی ہے مجھے رات رات بھر چین نہیں لینے دیتی۔ مگر پھر بھی میں نے اسے معاف کر دینا چاہا تھا۔ لیکن اس نے ایک اور غلطی کی۔۔۔ گھر چھوڑنے کی غلطی۔۔۔ اور اس کی معافی میں کم از کم اسے ہرگز نہیں دے سکتا۔۔۔ آپ جانتی ہیں نا کہ میں۔۔۔" دفعتاً پھول باجی نے ٹوکا تھا۔

"وہ تمہیں کسی اور کے لیے تڑپتا دیکھ نہیں پائی ہو گی شاہ! بہرحال میں اس سے بات کروں گی وہ تم سے اپنی ہر کوتاہی کی معافی مانگ لے گی۔۔۔ تم بس اسے واپس لے آؤ نہیں تو وہ جیتے جی مر جائے گی۔"

"تو مر جائے میرے اصولوں سے انحراف کر کے چلنے والوں کے لیے یہی سزا ہے۔" اس نے بے حد برہمی سے کہتے فون کاٹ دیا پھول باجی نے گہری سانس فضا کے سپرد کی تھی۔

☆ ☆ ☆

"تم نے غلطی کی زری۔" پھول باجی نے اسے احساس دلانے کی کوشش کی۔

"میں نے تو صرف مداوا کیا۔" جواباً وہ ہولے سے کھوئے کھوئے لہجے میں بڑبڑائی تھی سات سمندر پار بیٹھی پھول باجی کو اس کی آواز میں ایک داسی کا سا درد محسوس ہوا شعلوں پہ رقص کرتی پجارن کا درد۔

"بھلا کوئی اپنا گھر بھی چھوڑتا ہے زری؟" انہوں نے سوال کیا زرلہ بے دردی سے مسکرائی کچھ یوں کہ اذیت دوچند محسوس ہونے لگی۔

"نہیں پھول باجی! اپنا گھر تو کوئی نہیں چھوڑتا مگر میرا گھر تو نہیں تھا وہ تو شاہ خاور کا گھر تھا جسے عالی اور شاہ خاور کی مشترکہ پسند سے سجایا سنوارا گیا تھا۔ میں تو بس وہاں چند دن کے لیے مہمان تھی پھر بھلا میں کیسے عمر بھر کے لیے بسیرا کر لیتی؟" اس نے آنکھوں میں آئی نمی کو بے دردی سے رگڑا "میں شاہ جی کی زندگی میں کہیں نہیں تھی پھول باجی۔۔۔ میں ان پر زبردستی مسلط کیا جانے والا بوجھ تھی وہ خوش نہیں تھے میرے ساتھ عالی کو دیکھ کر ان کی آنکھوں میں ابھرنے والی چمک میں نے دیکھی ہے۔۔۔ عالی بہت اچھی ہے وہ دونوں ایک دوسرے کو خوش رکھ سکتے ہیں اور مجھ سے تو یہ "اتنا" سا کام بھی نہیں ہوا۔" اس نے جیسے اپنا مذاق اڑایا۔

"پھر بھی زری! تمہیں یوں اپنا حق چھوڑ کے نہیں آنا چاہیے تھا۔۔۔ وہ تمہارا گھر تھا اور تم شاہ خاور کی بیوی ہو چاہے یہ رشتہ اس نے مجبوری سے استوار کیا ہو مگر شرعی و قانونی طور پر تم اس گھر کی مالکن ہو۔۔۔ اور تمہیں اپنا گھر ایک دوسری عورت کے لیے نہیں چھوڑنا چاہیے تھا۔۔۔ شاہ کو بھی اس بات کا غصہ ہے کہ تم اسے بتائے بغیر کیوں چلی آئیں۔۔۔ اسے من مانی کرنے والوں سے جتنی چڑ ہے تم اتنا ہی اس کی ضد کو ہوا دیتی ہو۔۔۔ اب کیا کرو گی اگر اس نے تمہیں چھوڑ دیا اور عالی کو اپنا لیا تو۔۔۔؟"

"نہیں۔۔۔" زری پل صراط پہ کھڑی ہو گئی۔۔۔ (واقعی میں وہ کیا کرے گی شاہ خاور کے بغیر) "میں ہمیشہ شاہ جی کے خوش رہنے کی دعا کروں گی۔" اس نے کرب سے خود کو کہتے سنا تھا۔

اس کی آواز آہستہ آہستہ آنسوؤں میں ڈوب رہی تھی اس کا دل ویران اور خالی ہوتا جا رہا تھا۔

"تم مر جاؤ گی اس کے بغیر" کوئی اس کے اندر کہہ رہا تھا مگر اس کا ذہن گہری تاریکیوں میں ڈوب رہا تھا بہت آہستہ آہستہ۔۔۔" اس کی آنکھ کھلی تو اسے سمجھ نہیں آئی کہ وہ کہاں ہے۔ اس کا ذہن کام نہیں کر پا رہا تھا۔ اور آنکھیں تکلیف سے پھر بند ہو گئیں۔ اسے عجیب سا سکون محسوس ہوا بند پلکوں کے پیچھے اس نے سوچنے کی کوشش کی۔۔۔ اسے یاد آیا پھول باجی کا فون آیا تھا وہ ان سے بات کرتے کرتے بے ہوش ہوئی تھی۔ کیوں ہوئی تھی درد سے بوجھل ہوتا دماغ عذر تراش نہیں پایا تھا۔ ڈاکٹر آ کر اسے چیک کرنے لگا۔ اس نے بے اختیار اٹھنے کی کوشش کی۔ مگر بے سود۔۔۔ وہ کئی قسم کی تاروں میں الجھی ہوئی تھی۔ "یہ اب خطرے سے باہر ہیں۔"

اس نے ڈاکٹر کو کہتے سنا تھا "آپ ان سے باری باری مل سکتے ہیں لیکن زیادہ گفتگو سے پرہیز کریں ان کے لیے زیادہ بولنا اور سوچنا فائدہ مند نہیں ہے۔" ڈاکٹر نے پیشہ ورانہ انداز میں انہیں ہدایات کرتے ہوئے کہا اور باہر چلا گیا تھا۔

"زری پتر۔۔۔ میری دھی رانی۔۔۔ کیسی ہے تو؟" اس کی ماں اس پر جھکی روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

"ٹھیک ہوں اماں؟" وہ بدقت تمام بول پائی۔

"جلدی سے ٹھیک ہو جا' تو یوں بیمار پڑی اچھی نہیں لگ رہی' جانتی ہے پورا دن بے ہوش رہی ہے تو۔ اتنے پریشان تھے ہم' ہماری تو جان ہی نکال دی۔" وہ پیار سے اس کے بال سہلاتے ہوئے ساتھ ساتھ اسے بتا رہی تھیں۔

"مجھے کیا ہوا تھا اماں؟" زرلہ نے چکراتے سر کو تھامتے سوال کیا تھا۔

"میں تو باہر تھی' تیری نند کا فون آیا تھا' رانیہ بتا رہی تھی کہ تو اپنے کمرے میں فون پہ بات کر رہی تھی' لیکن جب کچھ دیر بعد رانیہ اندر گئی تو تو بے ہوش زمین پہ گری ہوئی تھی ہاتھ میں موبائل بھی ایسے ہی پکڑا ہوا تھا اور اب ڈاکٹر کہہ رہا ہے کہ تو نے کوئی گہرا صدمہ لیا ہے کہ یہ حالت ہو گئی تمہاری؟" اور زرلہ کو سب یاد آ گیا تھا۔ پھر سے تکلیف' اذیت کی دہکتی بھٹی میں جلتے اس نے کرب سے آنکھیں موند لیں۔ دو آنسو اس کے بالوں کی گھنی آبشار کا حصہ بن گئے ابھی تو پھول باجی نے صرف ایک بات کی تھی' صرف ایک سوال۔۔۔ مگر وہ ہی اس کے لیے سوہان روح ثابت ہوا تھا کہ شاہ خاور کا اس کو چھوڑ کر کسی اور کو اپنی زندگی میں شامل کر دینے کا فیصلہ۔۔۔ وہ کیسے جی پائے گی شاہ خاور کے بغیر۔

اگلے چند دن وہ ہسپتال رہی تھی۔ صحت یاب ہونے کے بعد اسے گھر لایا گیا تھا۔ رانیہ نے اس کی بیماری کی خبر شاہ خاور اور شاہ خرم کو دی تھی شاہ خاور پھر بھی نہیں آیا تھا۔ دنیا دکھاوے کو ہی سہی گیا تھا وہ اس کی خیریت معلوم کر کے اسی دن واپس چلا جاتا۔ اس کا بھرم تو رہ جاتا اور یہ پہلا موقع تھا جب اس کے

والدین کھٹکے تھے' وہ کیوں نہیں آیا تھا؟ ایسی کیا بات ہوئی تھی؟ زرلہ کا نروس بریک ڈاؤن کیوں ہوا تھا؟ سارے سوالات ایک ساتھ ان کے ذہنوں میں نوکیلے بھالوں کی مانند چبھ رہے تھے۔ ہاں شاہ خرم آیا تھا ساتھ جانی بھی تھا۔

تاہم جب وہ صحت یاب ہو کر گھر آئی اماں تو پوچھے بغیر رہ نہیں سکیں۔ زرلہ بھی جانتی تھی کہ اب بتائے بنا کوئی چارہ نہیں۔ چند دن بعد ساری حقیقت روز روشن کی طرح سے سب پر آشکار ہو ہی جانی تھی۔ سو اس نے تمام قصہ کہہ سنایا تھا۔ اس کی ماں کا مامتا بھرا دل سناٹوں کی زد میں تھا۔ ان کا دل ایک ایسی ناؤ کی مانند ہچکولے کھا رہا تھا جیسے سمندری طوفان میں بغیر بادبان کے کشتی ڈولتی ہے۔

"زری! یہ تو نے کیا ظلم کیا اپنے ساتھ؟ اگر تجھے چوہدری سارنگ کا رشتہ پسند نہیں تھا تو مجھے کہا ہوتا۔ میں کبھی تیرا رشتہ ادھر نہ ہونے دیتی۔" ان کے لہجے میں درد تھا۔ زرلہ کا سر جھک گیا۔

"بات چوہدری سارنگ کے رشتے کی نہیں تھی اماں۔۔۔ شاہ جی کے ساتھ کی تھی۔۔۔ مجھے تو ان کا ساتھ مطلوب تھا۔" اس نے ہولے سے سر اٹھا کر کہا تھا۔

"اور اب۔۔۔ اب جو خمیازہ بھگت رہی ہے اس کا کیا؟" انہوں نے تڑپ کر سوال کیا تھا۔

"بس۔۔۔ یہ سب تو میرے نصیب میں تھا" اس نے دھیرے سے اعتراف کرتے اپنے ہاتھوں کی ریکھاؤں میں جھانکا تھا۔

"میں بات کروں گی شاہ خاور سے" انہوں نے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

"نہیں اماں۔۔۔ ایسا مت کرنا مجھے بھیک نہیں چاہیے۔" اس نے اماں کی بات کاٹ کر التجا کی تھی۔ اماں بے بس نظر آنے لگیں۔

"تیرے ابو جی سے کیا کہوں؟" کچھ دیر بعد اسے اپنے سینے سے لگائے انہوں نے اپنے آنسو صاف کرتے اس سے پوچھا تھا۔

"انہیں کچھ نہ بتانا اماں۔۔۔ میرا بھرم قائم رہنے دو" وہ تڑپ اٹھی۔ "لیکن کب تک؟" اماں نے استفسار کیا۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

"جب تک۔۔۔ جب تک شاہ جی کوئی فیصلہ نہیں سنا دیتے۔۔۔ پلیز اماں" وہ ان کے سینے میں منہ چھپا کر رو دی تھی۔

☼ ☼ ☼

شام کے دھندلکے بتدریج پھیل رہے تھے۔ وہ چھت پہ جاتی گرمیوں کی اداس شام کا منظر بنی بیٹھی تھی۔ اخیر ستمبر کے دن تھے۔ فضا نامحسوس طریقے سے خوش گوار ہوتی جا رہی تھی۔ تب ہی رانیہ ٹرے اٹھائے اوپر آئی تھی۔ اس نے گلاس بھر کے زرلہ کے آگے کیا تھا۔ زرلہ کا منہ بن گیا۔ اس کا فی الوقت کچھ کھانے کو من نہیں تھا۔

"یہ کیا ہے؟"

"کچی لسی" رانیہ پرجوش سی بولی تھی۔

"مگر مجھے نہیں پینی" زرلہ نے صاف انکار کیا۔

"لیکن کیوں۔۔۔ آپ کو تو یہ اتنی پسند تھی۔" وہ دکھ کی زیادتی سے "تقریباً" چلائی۔ اسے اپنی محنت ضائع ہو جانے پر افسوس ہوا۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا" اس نے بے دلی سے گلاس پرے کیا۔

"مگر میرا تو چاہ رہا ہے۔ پلیز بجو میرا ساتھ دینے کو ہی پی لیں" اس نے جیسے زرلہ کی منت کی تھی۔ زرلہ کو ناچار ماننے ہی بنی۔

"بجو۔۔۔ آپ کا وہ دوست نہیں تھا۔ جو اس دن خرم کے ساتھ آیا تھا۔" اچانک رانیہ نے یاد آ جانے پہ اس سے پوچھا تھا۔

"ہاں۔۔۔ کیا ہوا اسے؟" زرلہ نے غور سے اس کی بات سنتے پوچھا تھا۔

"نہیں ہوا تو کچھ نہیں، بس ویسے ہی پوچھ رہی تھی۔" اس نے جیسے بات بنائی۔ "ویسے اچھا لڑکا تھا۔" وہ گڑبڑائی۔ مگر زرلہ نے نوٹس نہیں کیا۔ حالانکہ کوئی اور وقت ہوتا تو وہ اس کا خوب ریکارڈ لگاتی۔

"ہاں وہ اچھا لڑکا ہے" اس نے بھی گویا دھیرے سے اعتراف کیا تھا۔ "تاہم بھی اچھا ہے جانی۔۔۔ ایک سا" وہ پرجوش ہوئی۔ زرلہ نے اس سے اس کی نگاہوں میں قندیلوں کو روشن ہوتے دیکھا تھا۔ جوانی بھرپور عکس تھا۔ وہ کتنا نکھر گئی تھی۔ زرلہ نے چپکے سے سوچا۔

"اس کا بھی اصل نام جہاں زیب ہے۔ مگر پیار سے سب جانی کہتے ہیں" زرلہ نے جیسے اسے کچھ یاد دلایا۔ رانیہ کا منہ بن گیا۔

"نام ایک ہونے سے ضروری تو نہیں کہ پرسنالٹی بھی ایک ہو۔ جانی کے چہرے سے تو نظر ہٹتی ہی نہیں، جبکہ جہاں زیب کے چہرے پہ پڑتی ہی نہیں۔ ہاہاہا۔۔۔" اس نے جیسے مذاق اڑانے کی کوشش کی تھی۔ جب ہی کوئی چپکے سے اوپر آیا تھا اور اس نے آتے ہی زرلہ کو سلام کیا تھا۔ رانیہ گڑبڑا کر پیچھے ہٹی تھی اور گویا ساکت رہ گئی تھی۔ اس کے سامنے بالوں کو جیل، آنکھوں پہ کالا سن گلاسز لگائے صحت مند اور بھرپور جسامت کا مالک شخص کھڑا تھا جس کا وہ ابھی کچھ دیر پہلے مذاق اڑا رہی تھی اور یقیناً" وہ اپنے بارے میں رانیہ کی رائے جان بھی چکا تھا۔ رانیہ اس کے اچانک سامنے آ جانے پہ شرمندہ سی ہو گئی تھی۔ وہ عین اس کے مقابل آن کھڑا ہوا تھا۔ زرلہ نے غور کیا۔ شاہ خرم صحیح کہتا تھا۔ وہ واقعی میں بہت بدل گیا تھا۔ بے حد ڈیشنگ اور ہینڈسم کہ نگاہ ہٹنی مشکل تھی۔

"غور سے میری طرف دیکھو رانیہ اور بتاؤ مجھے کہاں بجو پر نظر ڈالنے کو دل نہیں چاہتا تمہارا۔" وہ بے حد ٹھہرے اور سرد لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔ اس کے لہجے کی ٹھنڈک رانیہ کو اپنی ریڑھ کی ہڈی میں سنسناتی محسوس ہوئی تھی۔ اس سے کوئی جواب نہیں بن پڑا۔

"تم۔۔۔ نہیں ایسا تو کچھ نہیں۔۔۔ میں تو صرف مذاق۔" وہ اٹکی۔ اس کی آنکھوں میں ناقابل یقین سی کیفیت کے وہ اپنی بات مکمل ہی نہیں کر پائی تھی۔

"کیا میرے اور تمہارے درمیان کوئی مذاق کا رشتہ ہے رانیہ؟" اس نے جیسے رانیہ کو اب نئی مشکل میں ڈال دیا تھا۔

"جہاں زیب میں تو صرف ایک بات کر رہی تھی" وہ ہکلائی۔

"بس۔۔۔ بس کرو رانیہ۔ اپنی نفرت کو چھپانے کے لیے کتنا ڈھونگ کرو گی۔۔۔ تم مذاق کرتی نہیں بلکہ میرا مذاق اڑاتی ہو۔ کبھی تم نے سوچا کہ اگر میں تمہارا مذاق اڑاؤں تو تمہیں کیسا لگے گا؟ کبھی میں نے تمہاری شخصیت کی خامیوں کو ہائی لائٹ کیا۔ جیسا تم ہر آئے گئے کے سامنے میری پرسنالٹی سے متعلق کرتی ہو۔ تمہیں میں پسند نہیں، نہ سہی، تم مجھ سے کہو۔ تشہیر کیوں کرتی پھرتی ہو سارے زمانے میں؟ میں تمہیں پسند کرتا ہوں، تم سے شادی کرنا چاہتا تھا، تو یہ صرف میرے دل کی آرزو تھی۔ میں نے تم پہ مسلط تو نہیں کی۔۔۔ پھر تم کیوں مجھے ڈی گریڈ کر رہی ہو۔ سارے زمانے میں کیوں بتاتی پھر رہی ہو۔ تم کیا مجھ سے شادی سے انکار کرو گی۔ رانیہ آج میں تمہیں ٹھکرا رہا ہوں۔ ہمیشہ تم مجھے اپنا معیار نہیں سمجھتی تھیں۔ آج میں ایسا کہتا ہوں کہ یونیورسٹی کے گولڈ میڈلسٹ کے لیے تم جیسی پینڈو لڑکی اس کے معیار پہ اترنے کے قابل ہی نہیں ہے۔" اتنا کہہ کے وہ وہاں سے پلٹ گیا تھا۔ زرلہ نے بے اختیار اسے روکا تھا، جبکہ رانیہ تو گم سم سی اپنی جگہ پہ منجمد کھڑی تھی۔

"آئی ایم سوری بجو۔۔۔ میں پھر آؤں گا!" اس نے معذرت کی تھی اور پلٹ گیا تھا۔ زرلہ نے دیکھا رانیہ بے آواز آنسوؤں سے رو رہی تھی، کیا آئینہ دکھا کے گیا تھا وہ اور ٹھکرانے کی تکلیف کیا ہوتی ہے یہ اسے اس لمحے احساس ہوا تھا۔

"وہ۔۔۔ وہ چلا گیا بجو میری سنے بغیر، میں تو صرف مذاق کرتی تھی بجو۔۔۔ اسے سچ کیوں لگا۔" پیچھے کھڑی رانیہ روتے ہوئے زرلہ کے گلے لگی کہہ رہی تھی۔ زرلہ پہ اک نیا انکشاف ہوا تھا۔

☼ ☼ ☼

وہ آنکھیں موندے لیٹی تھی۔ جب اماں اندر اس

کے نزدیک آئی تھیں وہ شاید کہیں جانے کو تیار کھڑی تھیں۔ "چوہدرائن فاطمہ عمرہ کر کے آئی ہے۔ اس کی مبارک باد دینے حویلی جا رہی تھی۔ سوچا تم سے بھی پوچھ لوں۔ جب سے آئی ہو گھر میں ہی بند ہو۔ تم بھی چلو۔"

"مگر اماں۔۔۔ میرا کہیں جانے کو دل نہیں چاہتا۔" اس نے آلکسی سے کہتے کروٹ بدلی۔

"ایسے تو پھر میرا دل بھی نہیں چاہے گا زری! اٹھ جاؤ تیار ہو جاؤ شاباش۔۔۔ مہواہ بھی ہر دفعہ تمہارا بہت پوچھتی ہے۔ اسی بہانے اس سے بھی مل لینا۔" ناچار اسے اٹھ کر جانا پڑا۔ حویلی میں پرتپاک انداز میں اس کا خیر مقدم کیا گیا تھا۔

مہواہ تو جیسے بچھی چلی جا رہی تھی، فاطمہ آنٹی الگ خوش ہو رہی تھیں۔ وہ مہواہ کے کمرے میں بیٹھی تھی مہواہ باہر کچن تک ذرا کام سے گئی تھی تبھی وہاں اتفاق سے چوہدری سارنگ چلا آیا تھا، زرلہ نے ذرا کی ذرا نظریں اٹھائیں مردانہ وجاہت کا اعلا شاہکار لگ رہا تھا وہ اس لمحے آنکھوں میں شناسائی کی چمک لیے سفید شلوار سوٹ میں پشاوری چپل پہنے اپنی بارعب شخصیت کے باعث پورے ماحول پہ چھایا محسوس ہو رہا تھا۔

"کیسی ہو زری؟" پاس آنے پر اس نے بڑی لگاوٹ سے پوچھا تھا زرلہ کو مروت نبھانی پڑی۔

"جی بہت بہتر" چوہدری سارنگ عجیب سے انداز سے ہنسا تھا۔

"اچھا!" اس کے لہجے میں استہزا تھا "لگتا تو نہیں کہ ٹھیک ہو" وہ خاموش رہی اس بات کا جواب بھلا وہ کیا دیتی۔

"چوہدری سارنگ کو ٹھکرا کر تم نے بڑی غلطی کی۔۔۔ جن کاموں کی وجہ سے تو نے چوہدری سارنگ کے رشتے کو ٹھکرایا وہی کام تیرا وہ شہری بابو بھی کرتا پھرتا ہے سنا ہے آج کل کسی لڑکی کے چکروں میں ہے کافی امیر گھر کی ہے اس لیے تو تجھے نکالنے کے درپے ہے۔۔۔" زرلہ کے وجود میں آندھیاں چلنے لگیں تو گیا

سارا زمانہ جانتا تھا در وحد سے سوا ہونے لگا تو وہ اٹھ چل دی کہ چوہدری سارنگ نے روک لیا۔

"مت رول اپنی یہ ہیرے جیسی جوانی اس کے پیچھے۔۔۔ میری مان تو فیصلہ لے لے رانی بنا کر رکھوں گا رانی۔۔۔ چوہدری سارنگ نے بڑی چاہ کی ہے تیری۔ قسم سے ساری عمر تیری چاکری کرتے گزار دے گا۔ سب دھندے چھوڑ دوں گا۔ بھلے قسم لے لے۔ اب تو جا۔۔۔ مگر میری آفر پہ سوچنا ضرور۔" اس نے اسے جانے کا راستہ دیتے ہوئے کہا تھا وہ سرعت سے وہاں سے بھاگی تھی۔۔۔ پھر اس کے بعد وہ وہاں نہیں رکی تھی اچانک طبیعت کی خرابی کا بہانہ بنا کر اٹھ آئی تھی گھر آ کر بھی اس کی ویسی ہی حالت رہی تھی۔ دن بے کیف سے گزرتے رہے گرمیاں رخصت ہو گئیں سردیاں چلی آئیں اپنے دامن میں ڈھیروں اداسیاں اور ویرانیاں بھر کے۔

شاہ خاور نے تاحال رابطہ نہیں کیا تھا اسے یہاں آئے تین مہینے سے اوپر ہو گئے تھے البتہ پھول باجی اور اس کی باقی سسرال والے تواتر سے فون پر رابطہ قائم رکھے ہوئے تھے۔ شاہ خرم دو ایک بار آ کے مل بھی گیا تھا۔ پھول باجی کا ہمیشہ کی طرح سے ایک ہی تقاضا تھا واپس لوٹ جاؤ اپنے گھر وہ تمہارا "گھر" ہے اور زری پھیکی سی ہنسی ہنس دیتی۔

پھر بہت ڈھیر سارے بے کیف دنوں کے بعد ایک روز اس کی ماں اس کے پاس آئی تھی وہ چھت پہ دھوپ میں بیٹھی کینو کھا رہی تھی۔۔۔ نگاہیں آسمان کی وسعتوں میں جانے اپنے نصیب کے کن دشوار گزار نشیب و فراز کے الجھے سرے تلاش کر رہی تھیں۔

"میری مان تو فیصلہ کر لے۔۔۔ ایک ایسے بندے کی خاطر زندگی بھر کا جوگ لینے کا کیا فائدہ، جس نے مڑ کر دیکھا ہی نہیں تیری طرف؟"

"اماں۔۔۔؟" وہ حیرت زدہ تھی۔

"اپنی من مانی کر کے تو نے دیکھ لی ہے۔ کیا ملا ہے تجھے ہاں۔۔۔ سوائے درد کے، ماں ہوں تیری۔۔۔ کلیجہ پھٹتا ہے میرا تجھے اس حالت میں دیکھ کے۔۔۔ تیرا باپ الگ

۔۔۔ نہ کر اپنی زندگی کے ساتھ کھلواڑ۔۔۔ [illegible] کو برباد۔" وہ تقریباً "رو ہی تو دیں۔۔۔ زری [illegible] سر دے کے رو دی۔ کتنی حرماں نصیب [illegible] تھی نہ اپنے سے متعلق لوگوں کو [illegible] تھیں۔

"[illegible] ہے زہر لا دے مجھے اماں۔۔۔ میں مر جاؤں تو [illegible] پریشانیاں آپ ہی آپ دور ہو جائیں گی۔۔۔ مگر [illegible] کیا کروں شاہ جی کے علاوہ میرا دل نہیں مانتا کسی اور [illegible] کے لیے؟"

"[illegible] کیا دیا تجھے شاہ خاور نے زری۔۔۔ اسے تو احساس [illegible] نہیں تیرا کہ تو زندہ بھی ہے یا نہیں۔۔۔ میں نے [illegible] کر لیا ہے میں اب تجھے رلنے نہیں دوں گی میں [illegible] کرتی ہوں جہاں زیب سے کسی اچھے وکیل سے [illegible] کرے، ہم تو بھر پائے ایسی رشتہ داری سے۔۔۔" [illegible] نے غصے سے اٹھتے ہوئے اسے ٹوکا تھا۔

"اماں پلیز۔۔۔ نہ کرنا یہ ظلم مجھ پر مجھ سے شاہ جی کا [illegible] چھیننا خدا کے لیے" وہ تڑپ تڑپ کے رو دی [illegible] جبکہ اماں جا چکی تھیں۔

☼ ☼ ☼

یہ کمرہ اس کا تھا جہاں ٹیرس کی طرف کھلنے والی کھڑکی میں وہ عموماً کھڑی دکھائی دیتی تھی۔۔۔ کمرہ ویسے ہی سلیقے و صفائی سے سجا تھا تین ماہ سے کسی نے اس کمرے میں جھانکا تک نہیں تھا مگر پھر بھی زرلہ کے وجود کی خوشبو سارے کمرے میں اس کی موجودگی کا پتا دے رہی تھی۔ وہ دھیرے سے بیڈ پہ آ بیٹھا سائیڈ ٹیبل پہ اس کا فوٹو فریم دھرا تھا وہ ان دونوں کی شادی کے دن کا فوٹو تھی۔۔۔ وہ بے حد حسین لگ رہی تھی۔ بالکل کسی اپسرا کی مانند۔۔۔ مگر اس نے تو اسے اس دن غور سے دیکھا ہی نہ تھا صرف نفرت و بے گانگی تھی جس نے اسے کہیں کا نہیں چھوڑا تھا۔ جانے وہ اتنا جذباتی اور ہٹ دھرم کیوں تھا اس نے فوٹو اٹھا کر گود میں رکھ لیا اور اس کے چہرے پہ انگلیاں پھیریں یوں جیسے اس کے وجود کو محسوس کر رہا ہو۔

"کیوں چھوڑا تم نے "اپنا گھر" زرلالے؟" وہ اسے پیار سے کبھی کبھی زرلالے کہا کرتے تھے۔

"ہم تو اچھے دوست تھے ہمیشہ میں تمہیں منایا کرتا تھا ہمیشہ تم روٹھا کرتی تھیں اب کی بار میں روٹھا تو تم منا ہی نہ سکیں؟" اس نے جیسے اس کی تصویر سے شکوہ کیا۔

"اس نے تو ہمیشہ تمہیں منانے کی کوشش کی مگر تم خود ہی بہت اتنے سنگدل ہو گئے تھے پھر وہ کیا کرتی؟" کوئی اس کے اندر چلا کر بولا تھا زرلہ کی حمایت کر رہا تھا شاہ خاور چونکا تو کیا وہ اس میں بھی سما گئی تھی ہاں عالی نے تو پہلے دن اسے کہہ دیا تھا۔

"تم تم نہیں رہے خاور۔۔۔ تم بدل گئے ہو۔۔۔ مان لو کہ تمہارا وجود تمہارا دل و روح زرلہ کے پاس گروی رکھے جا چکے ہیں۔۔۔ وہ تمہاری رگ رگ میں سما گئی ہے تم اس سے محبت کرنے لگے ہو۔" اور اس نے اسے تردید کرتے جھٹلایا تھا۔

"یہ محبت نہیں انسیت ہے آخر ہم اچھے دوست تھے پھر ایک ساتھ اتنے ماہ اکٹھے رہنے سے بھی تو ہو جاتی ہے اور پھر میں شاید اس کی بیماری کا سن کے ٹینس ہو رہا ہوں؟" وہ اپنے ہی بیان سے متفق نہیں تھا عالی بغور اس کی طرف دیکھتی رہی تھی کھوجتی رہی تھی۔

"مان جاؤ گے خاور۔۔۔ ایک دن مان جاؤ گے مگر صرف اتنا خیال رکھنا کہ واپسی کے تمام راستے بند ہونے سے پہلے اس حقیقت کو تسلیم کر لینا جس سے ابھی تم انکاری ہو۔" اس نے بے حد ٹھہرے لہجے میں جتایا تھا۔۔۔ کچھ دیر کو وہ سن پڑ گیا اور پھر وہ اٹھ کے چلی گئی تھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اور اس نے آج تسلیم کیا تھا کہ وہ بھی زرلہ سے اتنی ہی محبت کرتا ہے جتنی کہ وہ۔۔۔ مگر وہ دیر کر بیٹھا اسے احساس تب ہوا جب زرلہ اس سے اپنا راستہ الگ کرنے کا فیصلہ کر چکی تھی اور پھر وہ کس منہ سے اسے اپنا فیصلہ بدلنے پہ مجبور کرتا اس نے اس کے ساتھ کون سا اچھا سلوک کیا تھا جو وہ ایسی رعایت کی توقع بھی کرتا ان کے پاس آج دوپہر جہاں زیب کا فون

آیا تھا وہ اس سے خلع کی بات کر رہا تھا وہ یہ بات زرلہ کے گھر والوں کی مرضی سے کہہ رہا تھا وہ کچھ دیر کو سن ہو گیا اسے احساس نہیں ہوا کہ وہ کتنی دیر تک کھڑا رہا پھر وہ تھکے تھکے نڈھال قدموں سے زرلہ کے کمرے میں آگیا اور پچھلے کئی گھنٹوں سے اپنا احتساب کر رہا تھا اچانک وہ فوراً" فون کی جانب لپکا ریسیو کال کی لسٹ سے جہاں زیب کا نمبر ڈائل کیا تھا اور صرف ایک بات پوچھی تھی جس کا جواب سن کے وہ نیم مردہ ہو گیا اس نے پوچھا تھا۔

"کیا یہ زرلہ کا فیصلہ ہے کہ وہ خلع چاہتی ہے؟"

سرما کی بارش تھی بے حد ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی جس کے باعث بارش ایک بوچھاڑ کی صورت گر رہی تھی وہ صحن کے بیچ پڑی بان کی چارپائی پہ بے حس و حرکت بیٹھی تھی۔۔۔ موسم سے بے نیاز۔

"زری۔۔۔ اٹھ جاؤ بیمار پڑ جاؤ گی باہر اتنی ٹھنڈ ہے؟" اماں تواتر اسے آوازیں دے رہی تھیں۔

"میرے اندر آبلے پڑے ہیں روح پر پھوڑے نکلے ہیں اماں۔۔۔ مجھ پر ان بارشوں کا کوئی اثر نہیں ہوتا اب میں صرف ایک بارش میں بھیگنے کی عادی ہوں غم کی بارش میں بھیگنے کی۔۔۔" اس کے اندر کی لڑکی روئی تھی مگر اس کا وجود بظاہر بالکل خاموش اور ویران تھا شام میں جہاں زیب آیا تھا اس نے شاہ خاور کو پہنچایا جانے والا پیغام من و عن دہرا کے بتا دیا تھا اور پھر کچھ دیر بعد شاہ خاور کی آنے والی کال سے متعلق بھی۔

"پھر۔۔۔ پھر تم نے کیا کہا؟" اس نے بے تابی سے پوچھا تھا۔

"میں بولا "ہاں" اگر اس کے والدین اتنا بڑا قدم اٹھا رہے ہیں تو یقیناً" اس کی مرضی شامل ہو گی اس میں۔۔۔" اور وہ نیم مردہ سی چارپائی پہ ڈھے گئی اور پھوٹ پھوٹ کے رو دی۔۔۔

نہیں جہاں زیب اس کو شاہ جی کا نام اپنے نام سے الگ نہیں کرنا۔۔۔ اور تب سے اب تک وہ ایک ہی پوزیشن میں بیٹھی تھی اماں متواتر اسے آوازیں دے رہی تھیں رانیہ الگ دو بار آکر اسے جھنجھوڑ کر اٹھا چکی تھی۔

"کیوں خود کو مارنے پہ تلی بیٹھی ہو زری!"

"زری تو کب کی مر چکی اماں۔۔۔ آپ کے سامنے زری کی زندہ لاش بیٹھی ہے اور پھر زندہ لاش پہ بھی کوئی موسم اثر کرتا ہے بھلا۔" وہ اس بار بھی خاموش رہی تھی اسی اثنا میں لائٹ چلی گئی تھی اور اماں کا روئے سخن ان بجلی والوں کی طرف ہو گیا تھا۔ بارش کچھ تھم چکی تھی جب گیٹ پہ کسی گاڑی کا ہارن سنائی دیا تھا کالی رات بادلوں اور بارش کی وجہ سے کچھ اور بھی گہری لگ رہی تھی اور لائٹ بھی نہیں تھی گاڑی کا ہارن بھی مسلسل سنائی دے رہا تھا نجانے کس کونے سے باسط نکل کر گیٹ کھولنے گیا تھا وہ ہنوز پوزیشن میں بے حس و حرکت بیٹھی تھی جب گھر کے صحن میں گاڑی کی ہیڈ لائٹس اس پر پڑی تھیں شاہ خاور نے گاڑی کی ہیڈ لائٹس آن ہی رہنے دیں اور خود گاڑی سے اتر کر زری کی جانب بڑھ گیا باہر نکلتے ہی ہوا کے تیز جھونکے نے اس کا استقبال کیا۔ اس نے بے اختیار ایک جھرجھری سی لی پھر اسے زری کا خیال آیا جو اتنی دیر سے اس ٹھنڈ میں بھیگ رہی تھی وہ اس کے قریب آیا تو زرلہ نے چونک کر سر اٹھایا تھا۔

"شاہ جی۔۔۔" بے آواز لب بس ہولے سے پھڑپھڑائے تھے۔

"میں لوٹ آیا ہوں زری۔۔۔" وہ نیچے اس کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ زرلہ نے ہچکی لی۔

"کہاں تھے آپ شاہ جی۔۔۔ آپ کی زری مر رہی تھی؟" اس نے دوبارہ ہچکی لی اور ڈھیروں آنسو موتیوں کی مانند اس کی گود میں آن گرے برآمدے میں کھڑی اماں اور رانیہ نے یہ منظر نم آنکھوں سے دیکھا تھا۔

"کوئی سوال نہیں زری۔۔۔ اب صرف سزا سناؤ میں تمہارا مجرم ہوں سزا سننے آیا ہوں چاہے تو اپنا لوچاہے لوٹا دو؟ تمہارا گھر تمہارا منتظر ہے زرلہ اور تمہارا شاہ بھی؟" اس نے ہولے سے اعتراف کیا اور زرلہ رو پڑی تھی۔

"نہیں۔۔۔ میں آپ کے قابل نہیں شاہ جی۔۔۔ میں نے آپ کو بڑے دکھ دیے ہیں؟" اس نے درد کی سسکاری کو لبوں میں دبایا۔

"دکھ تو میں نے تمہیں دیے ہیں زری۔۔۔ معافی بھی مجھے مانگنی چاہیے۔۔۔ میں نے تمہیں جتنے دکھ دیے ہیں نا زرلہ! خدا کی قسم اب اتنے ہی سکھ بھی دوں گا۔۔۔" اس نے اسے ہاتھ تھام کے اوپر اٹھایا تھا تبھی اماں قریب آئی تھیں شاہ خاور کے سر پہ پیار دیا وہ شرمندہ سا سر جھکا گیا اس نے ان سے بھی معافی طلب کی۔

"صبح کا بھولا اگر شام کو گھر آجائے تو اسے بھولا نہیں کہتے بیٹا! اور ہمیں خوشی ہے کہ تم شام ہونے سے پہلے ہی لوٹ آئے ہو؟" انہوں نے اس کی شرمندگی کم کی مگر وہ ان لوگوں کا اعلا ظرف دیکھ کے مزید شرمندہ ہو گیا۔

"میں تمہارے لیے کچھ لایا ہوں؟" رات جب وہ اپنے کمرے میں آئے تو اس نے زرلہ سے کہا تھا کوئی سوال ہوا نہ جواب زرلہ۔ پھر بھی مطمئن تھی اسے کسی وضاحت، کسی معافی تلافی کی ضرورت نہیں تھی اسے صرف شاہ خاور کی ضرورت تھی اور وہ لوٹ آیا تھا۔

"یہ کیا ہے؟" اس کے ہاتھ میں ریڈ کیس دیکھ کر وہ حیران تھی۔ اس نے بڑے پیار سے اسے اپنے پاس بٹھا لیا تھا پھر ریڈ کیس میں سے ڈائمنڈ سے مزین بریسلیٹ زرلہ کی دودھیا مومی کلائی میں سجا دیا تھا۔

"یہ تمہارا رونمائی گفٹ" اس نے اس کا ہاتھ تھپکتے ہوئے شرارت سے آنکھ دبا کے کہا تھا۔

"تم نے کہا تھا نا کہ ایک دن میں خود اپنے دل کی رضامندی سے تمہارے لیے تحفہ لاؤں گا لو آج میں اپنے دل کی تمام تر سچائیوں سے اس بات کا اعتراف کر رہا ہوں کہ میں زرلہ عباس کے بغیر نہیں رہ سکتا اس کے بغیر میرا وجود میری زندگی اور میرا گھر سب ادھورے ہیں اور پلیز مجھے کبھی بھی چھوڑ کے جانے کی غلطی مت کرنا۔"

"اور عیبوف۔۔۔" زرلہ کے دل میں کلبلاتے سوال نے بالآخر اس کے لبوں پہ آ کے دم توڑا تھا۔

"وہ اب ہماری زندگی میں کہیں نہیں ہے۔۔۔ پہلے بھی نہیں تھی مگر اس کی اچانک آمد سے میں وقتی طور پر ڈسٹرب ضرور ہوا تھا اور اگر تم سے شادی نہ کرتا تو یقیناً" اسے اپنا لائف پارٹنر منتخب کرتا مگر تمہارے بعد میں نے ایسی کوئی سوچ اپنے دل میں نہیں پائی تھی۔ اس دن بھی وہ بس تھوڑا سا غصے میں تھی لیکن پھر مان جاتی مگر تم نے جلدی دکھائی تم اپنا گھر زبردستی چھوڑ کے چلی آئیں پھر مجھے بھی غصہ آیا تمہارے یوں اچانک چلے آنے پہ۔۔۔ اس لیے تمہاری بیماری کا سن کے بھی نہیں آیا۔ مگر میں مانتا ہوں کہ میں غلطی پہ تھا اور اب اپنی تمام غلطیوں کی تلافی کروں گا تمہیں ہمیشہ خوش رکھ کے۔۔۔" وہ آہستہ آہستہ کہتے اس کے کانوں میں امرت رس گھول رہا تھا بڑی خوبصورت رات تھی باہر برستی بارش کی بوندیں ان دونوں کے ملن پہ رقصاں تھیں اور زرلہ شاہ خاور کے کندھے پر سر رکھے طمانیت سے سو رہی تھی۔ شاہ خاور نے آہستہ سے اسے اپنے سامنے کر کے اس کی روشن پیشانی چوم لی۔
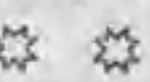
☼ ☼

فوزیہ یاسمین

دستِ کوزہ گر

زوبیہ کو اپنے گھر میں اپنی خالہ شائستہ کی روح نظر آتی ہے۔ مگر وہ اس سے بات نہیں کرتی... مگر زوبیہ ان سے بات کرنے کے لیے بے حس ہے۔ میں اس کی ملاقات رخسار سے ہوتی ہے۔ جو اس کے کالج میں ساتھ پڑھتی ہے اور روحوں سے بات کرنے کا دعوا بھی کرتی ہے... رخسار اسے رات کے دو بجے اپنے گھر کی چھت پر لے جاتی ہے اور اس سے کہتی ہے کہ وہ اس کی خالہ کی روح کو بلائے... اور روح کو بلانے کی کوشش کرتی ہے۔

رگو میلہ، سنبل اور نمل کو یونیورسٹی میں ایڈمیشن مل جاتا ہے... اور ایسی خوشی میں نمل ان دونوں کو پیلس میں لنچ کی دعوت دیتی ہے... اس آفر پر دونوں حیران رہ جاتی ہیں۔ جبکہ دوسری طرف خرم، ذکی سے شرط ہارنے کے بعد اس کی عجیب و غریب شرط کو قبول کرلیتا ہے۔ اور انہیں پیلس میں لنچ کے لیے کہہ دیتا ہے۔

ندسیہ اپنی خالہ سے بات کرنے کے بعد بہت مطمئن ہوتی ہے... رخسار اس کے بے وقوف بن جانے پر خوش ہے... وہ دونوں واپس جانے کے لیے سیڑھیوں کی طرف بڑھتی ہیں کہ اچانک لائٹ چلی جاتی ہے... اور کوئی رخسار کو اندھیرے میں بھی گھورتا ہے... اب آگے پڑھیں۔

۳۴

چونتیسویں قسط

اب کی بار چونکنے کی باری الیان کی تھی وہ کچھ دیر حیرانی سے خرم کو دیکھتا رہا پھر بہت ٹھہر ٹھہر کر بولا۔

"اس کا مطلب ہے نیوز پیپر میں جو کچھ بھی چھپا ہے وہ سب سچ ہے زوبیہ نے شائستہ خالہ کی روح کی وجہ سے اس لڑکے پر حملہ کیا اور اسی لیے اسے ذہنی مریضوں کے اسپتال میں رکھا ہوا ہے۔"

الیان بڑبڑانے کے انداز میں بولتے ہوئے ایک دم پوچھنے لگا۔

"تمہاری گاڑی اسپتال کے سامنے سے ہی اٹھائی گئی ہے نا کیا تم بھی اس سے ملنے گئے تھے۔"

"تم بھی سے تمہارا کیا مطلب ہے کیا تم بھی زوبیہ سے ملنے گئے تھے؟" خرم نے جواب دینے کی بجائے الٹا سوال پوچھا تو الیان سر کو ہلکے ہلکے اثبات میں ہلاتے ہوئے کہنے لگا۔

"ہوں گیا تھا مگر اجازت نہیں ملی پولیس کیس ہے ڈاکٹرز تک نے بات کرنے سے انکار کر دیا۔"

"تو کیا رشتے داروں کو بھی ملنے نہیں دے رہے۔" خرم نے حیرانی سے کہا پھر کچھ مشکوک ہوتے ہوئے بولا۔

"تمہیں یہ ساری معلومات پیپرز سے ملی ہیں جبکہ وہ تمہاری سگی پھوپھی زاد ہے۔" خرم کے سوال پر الیان فوری طور پر کچھ نہ بولا تو خرم مزید کہنے لگا۔

"زوبیہ اور اس کی فیملی تمہاری شادی میں بھی نہیں آئی حالانکہ وہ وہیں ڈائننگ میں بیٹھے ڈنر کر رہے تھے۔"

"میری شادی میں تو کوئی بھی نہیں آیا تھا سوائے میرے والدین کے۔" الیان نے کچھ تلخی سے کہا تو خرم کچھ دیر تو اسے دیکھتا رہا پھر ہاتھ اٹھاتے ہوئے ایسے بولا جیسے ساری باتیں ایک طرف کرتے ہوئے اصل اور اہم بات کرنا چاہتا ہو۔

"تم پہلے یہ بتاؤ کہ شائستہ خالہ کون تھیں اور ان کے ساتھ کیا ہوا تھا؟" الیان دزدیدہ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

"تمہیں کیا پتا ہے ان کے بارے میں۔"

"کچھ بھی نہیں پتا ہے صرف زوبیہ نے تھوڑی بہت باتیں بتائی ہیں لیکن وہ خود کچھ نہیں جانتی تو مجھے کیا بتاتی۔" خرم چڑ کر بولا۔

"وہ تھوڑی بہت باتیں کیا ہیں۔"

"بس یہی کہ وہ اغوا ہو گئی تھیں اور کچھ لڑکوں نے انہیں مار دیا تھا یا شاید انہوں نے خودکشی کرلی تھی تب سے ان کی روح اس گھر میں پھر رہی ہے مگر صرف زوبیہ کو نظر آتی ہے اور کسی کو نہیں۔ لیکن وہ زوبیہ سے بات نہیں کرتیں جو تھوڑی بہت باتیں زوبیہ کو پتا ہیں وہ بھی انہوں نے اسے اسکیچز وغیرہ بنا کر سمجھائی ہیں اسی لیے زوبیہ کو خود یہ یقین نہیں ہے کہ جو وہ سمجھی ہے وہی صحیح ہے یا اس سے سمجھنے میں بھی غلطی ہو رہی ہے۔" خرم بے زاری سے بول رہا تھا جبکہ الیان اس کی بات پوری توجہ سے سن رہا تھا۔ خرم کے خاموش ہونے پر وہ قدرے تاسف سے کہنے لگا۔

"اس سے سمجھنے میں غلطی ہی غلطی ہوئی ہے وہ کچھ بھی صحیح نہیں سمجھی ہے یہ سب کچھ اس گھر کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" الیان سر اٹھا کر اس شاندار کوٹھی کو دیکھنے لگا جس پر کسی محل کا گمان ہوتا تھا۔

"گھر کی وجہ سے؟ ہمیں تو اتنے مہینے ہو گئے یہاں رہتے ہوئے مجھے اور میرے پیرنٹس کو تو کبھی کوئی روح یا سایہ نظر نہیں آیا۔" خرم نے بھی ایک نظر اپنی بے مثال کوٹھی پر ڈالی اور تعجب سے کہنے لگا الیان کوٹھی پر سے نظر ہٹا کر ایسے خرم کو دیکھنے لگا جیسے تذبذب میں ہو کہ خرم کو بتائے یا نہیں پھر گہرا سانس کھینچتے ہوئے اس نے سیٹ کی بیک سے سر ٹکا لیا اور بہت دھیمی آواز میں کہنے لگا اس نے آنکھیں ایسے موند لیں جیسے کچھ دیکھنا نہ چاہتا ہو۔

"آج سے بہت سال پہلے اس گھر میں ہم سب بہت سکون سے رہ رہے تھے مگر اکیس سال پہلے اس گھر میں عجیب عجیب واقعات رونما ہونے لگے جن میں سرفہرست عائشہ پھوپھو جنہیں تم عائشہ اختر کے نام سے جانتے ہو

بیماری تھی پتا نہیں کیوں ان کی طبیعت عجیب سی رہنے لگی تھی۔ شام ہوتے ہی ان پر گھبراہٹ سوار ہو جاتی میری دادی جن کا نام ساجدہ خاتون تھا ان پر مختلف دعائیں دم کرتی رہتیں مگر انہیں کوئی افاقہ نہ ہوتا۔" الیان آنکھیں کھول کر ایسے ونڈ اسکرین کی جانب دیکھنے لگا جیسے وہ سارے منظر اس کی آنکھوں کے سامنے ابھر رہے ہوں۔

☆ ☆ ☆

رات کے ساڑھے گیارہ بج رہے تھے سبھی اپنے اپنے کمروں میں سونے جا چکے تھے البتہ ریاض غفار کچھ فائلز کھولے ان میں مصروف تھے برابر میں ان کی شریک حیات شگفتہ غفار اپنی چھ ماہ کی بچی بریرہ کو سلاتے سلاتے خود بھی غنودگی کے عالم میں اسے گود میں لیے بیٹھی تھیں وہ انتظار کرتے کرتے جھومنے لگی تھیں کہ کب اس کی نیند گہری ہو اور وہ اسے کاٹ میں لٹا کر خود بھی بستر پر دراز ہو سکیں کیونکہ فجر کے بعد سے پھر ان کی بھاگ دوڑ شروع ہو جاتی تھی اپنے پانچ سال کے شریر سے الیان کو اسکول کے لیے جگانا تیار کرنا اور پھر اسکول بھیجنا ایک مشقت طلب کام تھا اسی لیے ان کاموں کی فہرست رات سے ہی ان کے ذہن میں گردش کرنا شروع کر دیتی۔

ابھی وہ بریرہ کی نیند گہری ہو جانے کا اطمینان کرنے کے لیے اسے خود سے الگ کر کے دیکھنے کا سوچ ہی رہی تھیں کہ ایک دلدوز چیخ نے نا صرف انہیں دہلا دیا بلکہ ریاض غفار کے ہاتھ سے بھی پین چھوٹ کر زمین پر گر پڑا۔

"یا اللہ خیر! یہ آواز تو عائشہ کی تھی۔" ریاض غفار ہڑبڑا کر اٹھے تو شگفتہ غفار بھی ننھی سی بریرہ کو لیے بستر سے اتر آئیں چیخ کی آواز پر بریرہ اٹھ گئی تھی اور اب نیند سے ڈر کر اٹھ جانے پر چلا چلا کر رونے لگی تھی جس کے باعث گھر میں ایک دم ہی کہرام مچ گیا تھا۔

کمرے اور کوریڈور کی لائٹیں تیزی سے اندھیرے کو چیرتی آن ہونے لگیں۔

ساجدہ خاتون اپنے کمرے سے اس بری طرح حواس باختہ ہو کر نکلیں کہ دوپٹہ تک اوڑھنے کا ہوش نہ رہا۔

"کیا ہوا... یہ... یہ عائشہ کیوں چلائی ہے کیا ہو گیا میری بچی کو۔" بریرہ کے چیخ چیخ کر رونے کے ساتھ ساتھ اب ساجدہ خاتون بھی ہولتے ہوئے زور زور سے بول رہی تھیں۔ جس کے باعث الیان کے کمرے سے اس کے رونے کی بھی آواز آنے لگی تھی۔

"شگفتہ... شگفتہ الیان اٹھ گیا ہے تم اس کے پاس جاؤ۔ میں... میں چھت پر جا رہا ہوں عائشہ کی آواز چھت پر سے آ رہی ہے۔" ریاض غفار کے کہنے پر ساجدہ خاتون نے دہل کر سینے پر ہاتھ رکھ لیا۔

واقعی ریاض غفار ٹھیک کہہ رہے تھے عائشہ کے رونے کی آواز ابھی بھی چھت سے آ رہی تھی۔

ریاض غفار کے منع کرنے کے باوجود ان کے ساتھ زینے کی طرف بڑھ گئیں البتہ شگفتہ غفار الیان کے کمرے کی طرف دوڑ گئی تھیں۔

ریاض غفار تقریباً دوڑتے ہوئے سیڑھیاں طے کر رہے تھے ساجدہ خاتون ان کی رفتار کا ساتھ تو نہیں دے پا رہی تھیں مگر اپنی عمر اور صحت سے دس گنا زیادہ ہمت کا مظاہرہ کرتے ہوئے وہ بھی تیزی سے ان کے پیچھے آ رہی تھیں۔

چھت پر پہنچ کر چھت کا دروازہ کھلنے تک عائشہ کے رونے کی آواز بند ہو گئی تھی اس لیے چھت کی بتی جلانے کے بعد بھی انہیں فوری طور پر عائشہ کہیں نظر نہ آئی حواس باختہ سے ہو کر ادھر ادھر دیکھتے ہوئے ان کی نظر چھت کے بالکل دوسرے سرے پر اوندھے منہ پڑی عائشہ پر پڑ ہی گئی۔

دونوں تیزی سے دوڑتے ہوئے اس کے قریب آئے ریاض غفار نے شانوں سے پکڑ کر عائشہ کو سیدھا کیا تو

دھک سے رہ گئے۔

وہ تو عائشہ کو زمین پر پڑا دیکھ کر بے ہوش سمجھے تھے مگر وہ تو نہ صرف ہوش میں تھی بلکہ اس کی آنکھیں خوفناک حد تک پھٹی ہوئی تھیں۔

اس کی لمبی سیاہ زلفیں جو اس وقت الجھ کر اس کے شانوں پر بکھری ہوئی تھیں انسے، بہت بھیانک بنا رہی تھیں۔

ساجدہ خاتون کی قریب آنے پر جب عائشہ پر نظر پڑی تو وہ خود بھی ڈر کر چیخ پڑیں۔

رات کی خاموشی اور چھت کا سنسان ماحول اس پر اپنی جوان اور حسین بیٹی کا یہ حلیہ انہیں بری طرح خوفزدہ کر گیا تھا وہ عائشہ کو پکارنا چاہتی تھیں مگر حلق سے آواز ہی نہ نکلی بلکہ وہ بے ساختہ دو قدم پیچھے ہٹ گئیں۔

ریاض غفار نے ساجدہ خاتون کا کترانا محسوس کیا تو عائشہ کو دونوں بازوؤں پر اٹھا کر تیزی سے اٹھ گئے۔

اسے' اس کے کمرے میں لا کر لٹانے تک ساجدہ خاتون ڈرے ڈرے انداز میں اس کے پیچھے آتے ہوئے مسلسل آیت الکرسی پڑھتی رہیں۔

"عائشہ۔ عائشہ" ریاض غفار نے اس کے گالوں پر چپت مارتے ہوئے اسے چونکانا چاہا مگر اس نے پلک تک نہ جھپکائی۔

ریاض غفار پلٹ کر فکرمندی سے ماں کو دیکھنے لگے پھر ان کی طرف سے مایوس ہوتے ہوئے خود ہی فیصلہ کرتے ہوئے بولے۔

"عائشہ کو فوراً" ڈاکٹر کے پاس لے کر جانا چاہیے" انہوں نے کہنے کے ساتھ ہی عائشہ کو ایک بار پھر بازوؤں پر اٹھا لیا اور تیزی سے کمرے سے نکل گئے۔

ساجدہ خاتون کچھ دیر تو اپنی جگہ بے حس و حرکت کھڑی رہیں آخر پھر وہ الیان کے کمرے کی طرف چلی گئیں جہاں اب بریرہ کے ساتھ ساتھ الیان بھی جاگ چکا تھا اس طرح گہری نیند میں سے اٹھنے کے باعث وہ ماں کے کندھے سے چپکا ہوا تھا جبکہ بریرہ ابھی تک حلق پھاڑ کر رو رہی تھی۔

ایک کندھے پر بریرہ کو تھپکتے ہوئے اور دوسرے کندھے پر الیان کو سنبھالتے ہوئے شگفتہ غفار بالکل نڈھال لگ رہی تھیں۔

"شگفتہ' عائشہ چھت پر بے ہوش پڑی تھی ریاض اسے اسپتال لے جا رہا ہے میں اس کے ساتھ جا رہی ہوں تم اکیلی گھبراؤ گی تو نہیں نا؟" ساجدہ خاتون پوچھتے پوچھتے خود بھی شرمندہ ہو گئیں کیونکہ ان کی بات پوری ہونے سے پہلے ہی شگفتہ کے چہرے پر لاچاری کے تاثرات ابھر آئے تھے پھر بھی وہ گہرا سانس کھینچ کر ہمت سے کہنے لگیں۔

"جی' جی اماں جان آپ جائیں۔ ریاض اسے اکیلے کیسے لے کر جائیں گے میں تب تک ان دونوں کو سلانے کی کوشش کرتی ہوں" شگفتہ غفار کے کہنے پر ساجدہ خاتون تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں مبادا شگفتہ کہیں یہ کہہ کر انہیں روک نہ لے کہ۔

"آپ مت جائیں مجھے ڈر لگ رہا ہے" کیونکہ خود انہیں بہت خوف آ رہا تھا یہاں گھر میں رکنے سے بھی اور عائشہ کے ساتھ اسپتال جانے سے بھی۔۔۔

☼ ☼ ☼

شام کی چائے پر وہ سب لان میں اکٹھے بیٹھے خوش گپیوں میں مصروف تھے عائشہ اپنے مزاج کے برعکس کافی کم بول رہی تھی البتہ اس کی طبیعت رات کے مقابلے میں بہت بہتر تھی جب اچانک گھاس میں بیٹھے ڈرائنگ کرتے الیان نے سر اٹھا کر وہی ذکر چھیڑ دیا جس پر بات کرنے سے ڈاکٹر نے سختی سے منع کیا تھا اور منع کرنے کی جو وجہ تھی

"فوراً" ظاہر بھی ہو گئی۔

"کل رات آپ کو کیا ہو گیا تھا پھوپھو" ہلکے پھلکے انداز میں مسکراتی عائشہ کے چہرے پر ایک دم خوف پھیل گیا وہ عجیب سی نظروں سے الیان کو دیکھنے لگی۔

اس موضوع پر بات کرنے سے ہی عائشہ کی طبیعت خراب ہونے لگتی تھی وہ سب کھل کر عائشہ سے اس سلسلے میں بات ہی نہیں کر پاتے۔

"بیٹا پھوپھو کی طبیعت خراب ہو گئی تھی بس" شگفتہ غفار نے الیان کو بہلاتے ہوئے جلدی سے کہا۔

"مگر چوکیدار بابا تو کہہ رہے تھے پھوپھو چھت پر پڑی تھیں رات میں تو چھت پر نہیں جاتے" عائشہ کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک جا رہا تھا جبکہ باقی تینوں لوگ چوکیدار اور گھر کے دیگر ملازمین کے پیٹھ پیچھے کے تبصروں پر دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر رہ گئے۔

شگفتہ غفار' عائشہ کی حالت بگڑتی دیکھ کر تیزی سے اٹھتے ہوئے بولیں۔

"چلیں الیان آپ فوراً" اندر آ جائیں ٹھنڈ بڑھ رہی ہے آپ یہاں بیٹھیں گے تو آپ کی طبیعت خراب ہو جائے گی اور صبح آپ کو اسکول بھی جانا ہے" شگفتہ غفار تو جیسے تیسے اسے وہاں سے ہٹانے میں کامیاب ہو گئیں مگر ساجدہ خاتون کے لیے عائشہ کی توجہ اس موضوع سے ہٹانا خاصا مشکل تھا وہ پھر بھی ناکام سی کوشش کرتے ہوئے ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگیں۔

ان کی حسین و جمیل بیٹی کو اس کی عمر کی لڑکیوں کی طرح نت نئے کپڑوں اور جیولری کا بے پناہ شوق تھا اور انہوں نے کبھی اس کے شوق پر اعتراض بھی نہیں کیا تھا اپنی بیٹی پہن اوڑھ کر انہیں خود بھی اتنی پیاری لگتی کہ وہ چاہتی تھیں وہ ہر وقت ایسے ہی رہا کرے پھر خود عائشہ نے بھی کبھی بے ہودہ فیشن نہیں اپنائے اور نہ ہی زیور اور کپڑوں میں کبھی حد سے تجاوز کیا جو انہیں پابندی لگانی پڑتی لہٰذا اس وقت بھی اس کا دھیان ہٹانے کے لیے وہ اسے کپڑوں کی سیل کے متعلق بتانے لگیں جس کا ذکر شگفتہ نے ہی ان سے کیا تھا ورنہ انہیں خود تو خبر بھی نہیں ہوتی تھی۔

لیکن حیرت انگیز طور پر عائشہ کو اس میں ذرا دلچسپی نہیں ہو رہی تھی بلکہ اس کے چہرے پر بدستور خوف کے سائے پھیلے ہوئے تھے ریاض غفار بڑی گہرائی سے اس کا مشاہدہ کر رہے تھے ان کی بہن خاصی شوخ واقع ہوئی تھی مگر پچھلے کچھ ہفتوں سے اس کی ساری شرارتیں جانے کہاں کھو گئی تھیں۔

سب سے زیادہ پریشانی کی بات یہ تھی کہ ڈاکٹرز کی سمجھ میں اس کی بیماری نہیں آ رہی تھی کل رات جب وہ اسے ایمرجنسی میں لے کر گئے تو ڈاکٹر نے اس کا پورا چیک اپ کر کے یہی کہا کہ وہ بالکل ٹھیک ہے۔

اس لیے ریاض غفار کو اب سوائے عائشہ سے بات کرنے کے اور اس مسئلے کا کوئی حل نظر نہیں آ رہا تھا لیکن جب بھی وہ بات کرنا شروع کرتے عائشہ کی حالت غیر ہونے لگتی پھر آخر اس مسئلے کو حل کیسے کیا جائے وہ تو کسی ماہر نفسیات کو بھی نہیں جانتے تھے جس کے بارے میں پتا تھا وہاں لے جا چکے تھے اور اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوا تھا وہ عائشہ سے کچھ بھی اگلوا نہیں سکا تھا بلکہ عائشہ کے دورے میں شدت آ گئی تو اس نے اس موضوع پر بات کرنے سے ہی منع کر دیا اور عائشہ کو زیادہ سے زیادہ خوش اور مصروف رکھنے کا مشورہ دے دیا۔

لیکن وہ عائشہ کو مصروف رکھنے سے قاصر تھے وہ بی اے کر چکی تھی اور ایم بی اے کرنے کے لیے تیار نہیں تھی گھر کے بھی جو چھوٹے موٹے کام وہ کرتی تھی وہ آج کل اس نے ترک کر دیے تھے اگر کبھی شگفتہ غفار کا ہاتھ بٹانے کے لیے سبزی وغیرہ کاٹنے بیٹھ بھی جاتی تو بھی اس کی طبیعت پر ایسی سستی چھائی تھی کہ شگفتہ اپنے دوسرے کاموں سے فارغ ہو کر آ جاتیں مگر عائشہ سے آدھا کلو سبزی نہ کٹ پاتی مجبوراً" شگفتہ کو اسے اٹھا کر خود ہی کرنا پڑتا۔

ریاض غفار اس صورت حال سے بالکل مطمئن نہیں تھے وہ اسے خوش کیسے رکھتے اس کے ذہن پر تو کون سا انجانا خوف چھایا رہتا تھا وہ بیٹھے بیٹھے ادھر ادھر ایسے دیکھنے لگتی جیسے کسی کو تلاش کر رہی ہو اور اکیلے حد ہی ہو گئی۔

ریاض غفار آفس سے آکر کھڑے ہی ہوئے تھے کہ انہیں کچن میں عائشہ کے آہستہ آواز میں باتیں کرنے کی آواز سنائی دی تو وہ چونک اٹھے۔ پورچ میں گاڑی کھڑی کرتے وقت ہی انہوں نے دیکھ لیا تھا کہ شگفتہ الیان کو اوپر ٹیرس پر سائیکل چلوا رہی ہیں اور ساجدہ غفار پاس ہی بریرہ کو گود میں لیے بیٹھی ہیں۔

پھر عائشہ کچن میں کس سے باتیں کر رہی ہے جبکہ آج کل اس پر خاموشی کا عجیب دورہ پڑا ہوا تھا ایسے میں ملازمہ سے ہم کلام ہونے کے امکان بھی نہ ہونے کے برابر تھے دوسرے عائشہ کی غیر معمولی حرکتیں انہیں غیر ارادی طور پر شکوک میں مبتلا کر گئی تھیں۔

وہ دبے قدموں سے چلتے کچن تک پہنچے تو عائشہ کی پشت ان کی جانب تھی وہ کچن کی کھڑکی میں کھڑی تھی اور آسمان کی طرف دیکھتے ہوئے اشاروں کے بیچ سرگوشیانہ انداز میں کوئی جملہ اس کے منہ سے پھسل جاتا۔

”میں ایسا نہیں کر سکتی“ وہ گردن کو زور زور سے نفی میں ہلاتے ہوئے ساتھ میں ہاتھ کے اشارے سے دبی زبان سے بولی۔

ریاض غفار بغیر آہٹ کیے چلتے اس کے پیچھے آنے لگے ان کی نظریں کھڑکی کے دوسری جانب ٹکی تھیں ان کا خیال تھا برابر والے گھر کی چھت پر کوئی عائشہ سے محو گفتگو ہے مگر چھت پر کوئی نظر نہیں آرہا تھا۔

کہ تبھی اچانک عائشہ ان کی طرف پلٹ گئی ریاض غفار اس پر نظر پڑتے ہی اپنی جگہ جم گئے عائشہ غفار کے چہرے پر تاثرات ایسے تھے کہ ریاض غفار کچھ خوفزدہ سے ہو گئے۔

اس کا چہرہ بالکل سپاٹ تھا اور آنکھیں غیر معمولی حد تک پھیلی ہوئی تھیں اتنے دنوں سے جیسی طبیعت اس کی چل رہی تھی اسے دیکھتے ہوئے ریاض غفار کبھی بھی یہ نہیں سوچ سکتے تھے کہ وہ مذاق کر رہی ہے۔

وہ خطرناک تیور لیے قدرے غصے سے ریاض غفار کو دیکھ رہی تھی۔

”ک.... کیا ہوا عائشہ تم ٹھیک تو ہو نا۔“ ریاض غفار نے اپنی خوبصورت ترین بہن کو گھبرا کر دیکھا جو اس وقت بہت پراسرار اور بھیانک لگ رہی تھی۔

”ک.... کس.... سے باتیں کر رہی تھیں“ ریاض غفار کو وہ کسی ٹرانس کے زیر اثر لگ رہی تھی ان کے سوال پر اس نے ایک نظر کھڑکی کے باہر ایسے دیکھا جیسے وہاں موجود ہستی سے مشورہ کر رہی ہو کہ اس کے بارے میں بتاؤں یا نہیں مگر اس نے شاید بتانے سے منع کر دیا تھا تبھی عائشہ اس پر سے نظریں ہٹا کر ریاض غفار کو سپاٹ نظروں سے دیکھنے لگی۔

”میں نے پوچھا ہے کس سے بات کر رہی تھیں کون ہے وہاں“ ریاض غفار نے اپنا اعتماد بحال کرتے ہوئے سختی سے پوچھا۔

مگر عائشہ کے انداز میں ذرا بھی فرق نہ آیا وہ انہیں پہلے کی طرح گھورتی رہی تبھی اچانک ریاض غفار کے نتھنوں سے ایک تیز سی بو ٹکرائی۔ انہوں نے چونک کر چولہے کی طرف دیکھا جہاں ایک پتیلی بڑی تیز آنچ پر رکھی تھی اور اب اس میں سے چھن چھن کی آواز بھی آرہی تھی ریاض غفار تیزی سے اس کی طرف بڑھے بے دھیانی میں انہوں نے گرم گرم ڈھکنا ہاتھ سے پکڑ کر کھول دیا نتیجتاً انگلیوں پر اتنی شدید جلن ہوئی کہ ہڑبڑا کر ڈھکنا زوردار آواز میں زمین پر جا گرا۔

”شگفتہ، شگفتہ“ وہ ہاتھ کو ہوا میں تیز تیز ہلاتے ہوئے چلائے تو شگفتہ غفار اور ساجدہ خاتون بچوں کو لیے دوڑی

چلی آئیں اس بیچ عائشہ بے نیازی سے چلتی اپنے کمرے میں چلی گئی۔
ریاض غفار بے یقینی سے اسے دیکھتے رہ گئے۔ اس واقعے نے ان سب کو ہی پریشان کردیا تھا شگفتہ غفار نے ڈھائی تین گھنٹوں کی محنت سے نرگسی کوفتے پکائے تھے اور صرف سالن کا پانی خشک کرنے کے لیے عائشہ کو چولہے میں کھڑا کرکے گئی تھیں کہ دو منٹ بعد چولہا بند کردینا لیکن اس نے دس منٹ بعد بھی بند نہیں کیا تو سالن اس بری طرح جلا تھا کہ کھانے کے قابل نہیں رہا تھا۔
اتنی محنت برپانی پھرنے کے ساتھ ساتھ ریاض غفار کی بتائی تفصیل نے ساجدہ خاتون کو تو اچھا خاصا فکرمند کردیا تھا انہیں تو پہلے بھی وسوسے آرہے تھے کہ ان کی بیٹی پر کسی نے جادو کردیا ہے اب تو انہیں ہول ہی اٹھنے لگے۔ نہیں وہ کس سے باتیں کرتی ہے جو صرف اسے ہی نظر آتا ہے۔ عائشہ نہا کر دھوپ میں بال سکھانے آئی تو ساجدہ خاتون نے بھناتے ہوئے اسے ڈانٹ دیا۔
"ہزار بار منع کیا ہے بال کھول کر کھلے آسمان کے نیچے نہیں آتے سمجھ میں نہیں آتا۔"
"کیوں نہیں آتے؟ کیا ہوتا ہے بال کھول کر کھلے آسمان تلے آنے سے" عائشہ ایک دم ہنس پڑی۔
"ضروری نہیں ہے کہ ہر بات کی تفصیل تمہیں بتائی جائے بس جو بات بڑے کہیں اسے مان لینا چاہیے" ساجدہ خاتون کو آگ ہی لگ گئی اس کے سوال پر۔
"کیا کسی جن کا اثر ہوجاتا ہے" عائشہ نے زیرلب مسکراتے ہوئے پوچھا۔
"عائشہ" ساجدہ خاتون نے ڈپٹ کر اسے قہر برساتی نظروں سے دیکھا تو شگفتہ محض ماحول کے تناؤ کو کم کرنے کے لیے بولیں۔
"اثر بھی ہوسکتا ہے نظر بھی لگ سکتی ہے اور تمہارے تو بال ہیں بھی بالکل ساون کی گھٹاؤں جیسے تم تو دھوپ میں بھی بال کھولتی ہو تو رات ہوجاتی ہے اور شام کے وقت بال نہیں کھولتے" اپنی تعریف پر عائشہ کھلکھلا کر ہنس دی شگفتہ غفار کھلے دل سے اسے سراہتے ہوئے بولیں۔
"تمہارے بال کیا تمہاری تو ہنسی، تمہاری آواز، تمہاری آنکھیں، ہونٹ گال سب اتنے خوبصورت ہیں کہ مجھے تو افسوس ہوتا ہے بریرہ تم پر کیوں نہیں گئی"
"خبردار جو میری بھتیجی کو کچھ کہا بہت پیاری ہے وہ اور بریرہ نہیں گئی تو کیا ہوا الیان ہے ناں بالکل میرے جیسا بس وہ لڑکا ہے اس لیے احساس نہیں ہوتا" عائشہ فوراً بولی تو شگفتہ غفار بھی مسکراتے ہوئے کہنے لگیں۔
"ہاں خیر یہ تو ہے میں نے تو ابھی سے سوچ لیا ہے اگر تمہاری کوئی بیٹی ہوئی تو میری بہو تو وہی بنے گی" ان کی بات پر ساجدہ خاتون بھی مسکرانے پر مجبور ہوگئیں۔
"کیا پتا میری بیٹی میرے جیسی نہ ہو تو"
"وہ تمہارے جیسی نہیں ہوگی تم سے بھی زیادہ حسین ہوگی اور اتنی حسین لڑکی کے ساتھ بس الیان ہی جچے گا"
ماحول واقعی خوشگوار ہوگیا تھا آج صبح سے عائشہ کی طبیعت بہتر لگ رہی تھی ایک اس کی بیماری نے پورے گھر پر سوگواری طاری کردی تھی۔
ساجدہ خاتون کا دل بے اختیار اس گھر کی دائمی خوشیوں کی دعائیں مانگنے لگا مگر انہیں نہیں پتا تھا یہ تھوڑی سی دیر کی خوشی ایک بہت بڑے صدمے کو جھیلنے کی ہمت عطا کرنے کے لیے ملی تھی۔
شام کو ان کی ماسی نے عائشہ کی بابت پوچھا تو وہ تیوریوں پر بل ڈال کر قدرے سختی سے بولیں۔
"عائشہ کو کیا ہوا وہ تو بالکل ٹھیک ہے"
"باجی برابر والے اختر صاحب کی ماسی پوچھ رہی تھی تمہاری عائشہ بی بی چھت پر اکیلی کھڑی ہوا سے باتیں کررہی ہوتی ہے اس پر سایہ ہوگیا ہے اس کا علاج کراؤ۔
مجھے تو بڑا ڈر لگا اس کی بات سن کر عائشہ بی بی کی بیماری تو میں بھی دیکھ رہی ہوں مگر وہ ہوا سے باتیں کرتی ہیں یہ تو مجھے بھی نہیں پتا تھا" ساجدہ خاتون دھک رہ گئی تھیں۔
گویا اب نوبت یہاں تک آگئی تھی کہ محلے والے عائشہ کی حالت کے متعلق باتیں کررہے تھے۔
ماسی تو بہت ہی خوفزدہ لگ رہی تھی چہ میگوئیاں کرتے نوکر بھی اب تو کھل کر بات کرنے لگے تھے۔ ساجدہ خاتون کے ہاتھ پاؤں پھولنا شروع ہوگئے تو انہوں نے اسے بری طرح جھڑک دیا۔
"بکواس بند کرو کچھ نہیں ہوا ہے عائشہ کو نہ ہی وہ ہواؤں سے باتیں کرتی ہے اور خبردار جو آئندہ اختر صاحب کی ماسی سے ہمارے گھر کے افراد کے متعلق کوئی بات کی تو کام سے نکال دوں گی"
"باجی مجھ پر کیوں بگڑ رہی ہیں جوان لڑکی پر سایہ ہوجائے تو اس کا علاج کرانا چاہیے لوگوں کی زبان بند تھوڑی ہوگی۔
ایسے علاج ڈاکٹر کے پاس نہیں ہوتے اختر صاحب کی ماسی بتا رہی تھی وہ ایک بزرگ کو جانتی ہے وہ عائشہ بی بی کی اس سائے سے جان چھڑا سکتے ہیں" وہ آنکھیں گھماتے ہوئے رازداری سے بولی تو ساجدہ خاتون جھلا گئیں۔
"دماغ ٹھیک ہے تمہارا کوئی سایہ نہیں ہے میری بچی پر آئندہ اگر یہ ذکر بھی تمہاری زبان پر آیا تو زبان کھینچ لوں گی" ماسی منہ بناتی ان کے پاس سے اٹھ گئی۔
اس کے سامنے تو ساجدہ خاتون نے خود کو کمزور پڑنے نہیں دیا اور اسے بری طرح جھڑک دیا مگر اس کے جاتے ہی ان کا پورا وجود پسینوں میں نہا گیا انہوں نے باقاعدہ عائشہ کی چوکی داری شروع کردی وہ چھپ چھپ کر اس کی حرکتوں کا مشاہدہ کرنے لگیں۔
جیسے جیسے وہ اس پر نظر رکھنے لگی تھیں ویسے ویسے ان کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاتا جارہا تھا۔
وہ نا صرف تنہائی میں کسی سے باتیں کرتی تھی بلکہ سب کی موجودگی میں بھی کسی ایک کونے کو ایسے دیکھتی رہتی جیسے وہاں کوئی بیٹھا ہو اور اسے ہی دیکھ رہا ہو۔
اور سب سے زیادہ تکلیف دہ بات یہ تھی کہ عائشہ گھر کے حصے میں بنے سرونٹ کوارٹر میں چوری چھپے دو تین بار گئی تھی۔
ان کے سارے سرونٹ کوارٹر بھرے ہوئے تھے بس ایک خالی پڑا تھا اور عائشہ رات کے ایک بجے یا شام کے چار پانچ بجے جس وقت گھر میں سب کے سونے کا وقت ہوتا تھا ان اوقات کار میں وہاں جاتی تھی اور آدھا پون گھنٹہ وہیں رہتی تھی۔
ساجدہ خاتون انگاروں پر لوٹ رہی تھیں ان کا دل چاہتا وہ بھی عائشہ کے پیچھے سرونٹ کوارٹر میں گھس جائیں مگر ان کا اندرونی خوف انہیں ایک قدم بھی اٹھانے نہ دیتا۔
بیٹا بہو سے بھی اس بارے میں بات کرنے کا ان کا منہ نہیں پڑتا تھا وہ چاہتی تھیں کسی کے علم میں آئے بغیر ہی یہ سارا معاملہ ختم ہوجائے مگر ایسا ہوتا لگ نہیں رہا تھا۔
وہ راتوں کو دیر تک اپنے کمرے کی کھڑکی میں کھڑی اس سرونٹ کوارٹر کو دیکھتی رہتیں عام طور پر ڈیڑھ بجے کے بعد انہیں عائشہ وہاں جاتی دکھائی دیتی لیکن ایک رات وہ ساڑھے بارہ بجے ہی اس سرونٹ کوارٹر کی طرف بڑھتی نظر آئی تو ساجدہ خاتون بھی آیتہ الکرسی کا ورد کرتی اپنے کمرے سے نکل آئیں۔
گھر سے باہر آتے ہی ٹھنڈ اور خنکی نے ان کے قدم اکھاڑنے چاہے مگر وہ سناٹے اور تاریکی کو نظرانداز کیے دل کڑا کرتی گھر کے پچھلے حصے کی طرف آگئیں۔

سرونٹ کوارٹر کے دروازے کے سامنے پہنچ کر ایک بار پھر ان پر خوف طاری ہونے لگا مگر انہوں نے دعائیں پڑھتے ہوئے دروازے کا ہینڈل گھمایا تو دروازہ اندر سے بند تھا۔

تب انہوں نے پیچھے کی طرف بنی کھڑکی کی جانب قدم بڑھا دیے اتنی خاموشی میں انہیں اپنے قدموں کی آہٹ سے بھی خوف آرہا تھا مگر یہ دو سوال جو پچھلے پانچ دنوں سے ان کا خون خشک کیے ہوئے تھے اس کا جواب انہیں آج چاہیے تھا کہ

وہ اندر کس کے ساتھ ہے اور

کیا کررہی ہے؟

کھڑکی کے قریب پہنچ کر انہوں نے پٹ کو ہلکے سے دھکا دیا تو وہ چر رکی آواز کے ساتھ کھلتا چلا گیا۔

اندر سرونٹ کوارٹر میں بالکل اندھیرا پڑا تھا۔ سرونٹ کوارٹر میں دو ہی تو کمرے تھے ایک یہ جس میں کھڑکی تھی اور دوسرا وہ جس میں دروازہ کھلتا تھا اس کے علاوہ ایک باتھ روم اور ایک کچن تھا جو کے ایک طرف بنے ہوئے تھے۔

ساجدہ خاتون تذبذب کے عالم میں اندر دیکھنے لگیں جہاں انہیں کچھ نظر نہیں آرہا تھا ان کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا انہیں عائشہ کو آواز دینی چاہیے یا الٹے قدموں یہاں سے لوٹ جانا چاہیے۔

تبھی انہیں کسی کے قدموں کی چاپ سنائی دی مگر یہ آہٹ زمین کی بجائے گھاس پر چلنے کی تھی۔

ساجدہ خاتون چونک کر اپنے اطراف دیکھنے لگیں شاید سرونٹ کوارٹر کے دروازے کی طرف کوئی تھا وہ تیزی سے کھڑکی کے سامنے سے ہٹتے ہوئے دروازے کی سمت بڑھ گئیں۔

"کون؟ کون ہے یہاں؟" ساجدہ خاتون نے کڑک دار آواز میں کہنے کی کوشش کی ورنہ حقیقتاً" تو ان کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا جب تک وہ دروازے تک پہنچیں کوئی ان کے پیچھے دوڑتا ہوا آتا محسوس ہوا انہوں نے پلٹ کر دیکھا تو بے اختیار ان کی چیخ نکل گئی۔

ان کے سامنے ایک لمبا چوڑا وجود کھڑا تھا نیم تاریکی میں وہ اس کا چہرہ نہیں دیکھ سکیں انہیں لگ رہا تھا وہ بے ہوش ہو جائیں گی تبھی سامنے کھڑا شخص بڑی مانوس سی آواز میں بولا۔

"بڑی میم صاحب آپ یہاں" مالی کی آواز پر ان کے اوسان کچھ بحال ہوئے تو وہ چہرے پر آئے پسینے کو دوپٹے سے پونچھتے ہوئے بولیں۔

"فہیم یہاں سرونٹ کوارٹر میں کوئی ہے تم ذرا پیچھے والی کھڑکی سے کود کر دیکھو"

"جی میم صاحب" وہ تیزی سے پیچھے کی جانب بڑھ گیا کسی کی موجودگی نے ساجدہ خاتون کے ڈر کو قدرے کم کر دیا تھا چنانچہ وہ ایک بار پھر دروازے کی طرف بڑھ گئیں اور دروازے پر پہنچتے ہی وہ بری طرح چونک اٹھیں۔

دروازہ نا صرف کھلا ہوا تھا بلکہ اندر کی لائٹ بھی جل رہی تھی ساجدہ خاتون دروازہ دھکیلتی فوراً" اندر داخل ہو گئیں اندر جاتے ہی ایک بار پھر ان کا دل دھک سے رہ گیا۔

کمرے میں معمولی سا سامان پڑا ہوا تھا جیسے ایک چارپائی ایک موڑھا وغیرہ۔ وہیں اس خستہ حال موڑھے کے اوپر عائشہ گم سم سی بیٹھی ہوئی تھی۔

"عائشہ..." ساجدہ خاتون سے آگے کچھ بولا ہی نہیں گیا تبھی پچھلی کھڑکی سے مالی کود کر اندر آگیا اور جیسے ہی اس کمرے میں داخل ہوا عائشہ کو سامنے دیکھ کر ہونق بن گیا۔

"عائشہ!" ساجدہ خاتون نے دوبارہ اسے پکارا تو وہ خالی خالی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی۔

"بی بی جی... آپ یہاں کیا کررہی ہو؟" مالی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا آدھی رات کو ساجدہ خاتون اور عائشہ

دونوں یہاں آگئی تھیں اور دونوں کے رویے ظاہر کررہے تھے کہ وہ یہاں ایک دوسرے کی موجودگی سے بے خبر تھیں۔

عائشہ مالی کے سوال پر بھی کچھ نہ بولی بلکہ ساجدہ خاتون کی پشت کی جانب بنے باتھ روم کے دروازے کو عجیب سی نظروں سے دیکھنے لگی۔

ساجدہ خاتون کی ریڑھ کی ہڈی تک میں خوف سرائیت کر گیا جیسے انہیں پتا چل گیا ہو کہ عائشہ کو باتھ روم میں کسی کی موجودگی کا علم ہے۔

انہوں نے ذرا سا مڑ کر کن انکھیوں سے دروازے کی جانب دیکھا جو کے بند تھا۔

"کیا بات کیا ہے؟" مالی پریشانی سے ان دونوں کی خاموشی کو دیکھنے لگا۔

"ک... کوئی بات نہیں ہے" ساجدہ خاتون مالی کی موجودگی میں مزید کوئی تماشا نہیں کرنا چاہتی تھیں تبھی عائشہ کے نزدیک آکر اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اٹھانے لگیں۔

"چلو عائشہ اپنے کمرے میں چلو" عائشہ مشینی انداز میں ان کے ساتھ چل پڑی۔

"فہیم کھڑکی اور دروازے کو اچھی طرح بند کردو" ساجدہ خاتون نے حیران پریشان کھڑے مالی سے کہا اور سرونٹ کوارٹر کے دروازے کی جانب بڑھ گئیں...

☼ ☼ ☼

"کیا بتاؤں... میں خود کچھ سمجھ نہیں پاتی تو آپ سب کو کیا بتاؤں؟ میں آپ لوگوں کو خوفزدہ بھی کرنا نہیں چاہتی تھی اور پھر مجھے ڈر بہت لگتا تھا ہر وقت ایک خوف سوار رہتا ہے آپ لوگوں کو بتاؤں گی تو کہیں وہ آپ سب کو بھی تنگ نہ کرے۔" عائشہ ساجدہ خاتون کے برابر میں لیٹی بڑی دھیمی آواز میں بول رہی تھی۔

ساجدہ خاتون عائشہ کو کمرے میں لانے کے بعد اس سے کوئی بھی بات کیے بغیر چپ چاپ اس کے برابر میں لیٹ گئی تھیں نگران کی طرح رات بھر عائشہ بھی سو نہ سکی صبح کی سپیدی پھیلنے سے پہلے ساجدہ خاتون نے اس سے بات کرنی شروع کی اور بغیر گھمائے پھرائے سیدھا کہہ دیا۔

"کل رات جو بھی ہوا اس کا علم مالی کو ہے یعنی کل صبح ہونے تک سارے ملازموں کو پتا چل جائے گا۔ ریاض اور شگفتہ کو سب کچھ میں خود ہی بتا دوں گی ورنہ ملازموں سے سن کر انہیں بہت برا لگے گا۔ ریاض کا رویہ تمہارے ساتھ کیسا ہوگا اس کا اندازہ تم خود بھی لگا سکتی ہو اس لیے اگر تم چاہتی ہو کہ ریاض تمہارے ساتھ نرمی سے پیش آئے تو اس کے سدباب کے لیے ابھی مجھے بتا دو تم وہاں کیوں گئی تھیں" ساجدہ خاتون کے سوال پر پہلی بار عائشہ کو دورہ نہیں پڑا تھا بلکہ وہ بھیگی پلکوں کے ساتھ بڑے درد سے بول رہی تھی۔

ساجدہ خاتون بستر پر اٹھ بیٹھیں اور بغور اسے دیکھنے لگیں جس بات کا انہیں ڈر تھا عائشہ وہی کہنے والی تھی پھر بھی وہ دل کڑا کر کے پوچھنے لگیں۔

"کیا تمہیں کوئی نظر آتا ہے جو اوروں کو دکھائی نہیں دیتا؟" عائشہ کچھ دیر آنسو بھری آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہی پھر لب بھینچتے ہوئے اس نے سر اثبات میں ہلا دیا۔

"کون ہے وہ؟" ساجدہ خاتون کو خود اپنی آواز اجنبی لگ رہی تھی۔

ان کے سوال پر عائشہ کے چہرے پر بے بسی کے آثار ابھر آئے۔

"پ... پتا نہیں... کون ہے؟"

"ک... کب سے نظر آرہا ہے کیا وہ کسی انسان کی شکل میں ہوتا ہے" ساجدہ خاتون سرگوشیانہ انداز میں پوچھ رہی تھیں کیونکہ عائشہ کی آنکھوں میں خوف بڑھتا جارہا تھا پھر بھی وہ اس موضوع پر بات کررہی تھی ابھی بھی ان کے سوال پر وہ خشک ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے بولی۔

"کبھی کبھی انسان کی شکل میں... اور کبھی کبھی..." عائشہ کی آواز حلق میں گھٹنے لگی خود ساجدہ خاتون کا وجود کانپنے لگا پھر بھی وہ اس کی ہمت بندھانے کے لیے اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھامتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"کیا وہ... ہر وقت تمہارے ساتھ ہوتا ہے؟" عائشہ ایک دم ہی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"رو نہیں بتاؤ مجھے... کیا وہ ہر وقت تمہارے ساتھ ہوتا ہے؟" ساجدہ خاتون نے اس کے بال سہلاتے ہوئے پچکارا تو عائشہ نے سر اثبات میں ہلا دیا البتہ اس کا رونا جاری رہا۔

اب تو ساجدہ خاتون کی حالت کاٹو۔ تو بدن میں لہو نہیں جیسی ہوگئی۔

"ک... کیا وہ یہاں اس کمرے میں بھی ہے؟"

عائشہ کے ایک بار پھر سر اثبات میں ہلانے پر ان کے رونگٹے کھڑے ہوگئے۔

"ک... کہاں؟" انہوں نے بمشکل پوچھا۔

"آپ... آپ کے برابر میں بیٹھا ہے" عائشہ نے روتے ہوئے ساجدہ خاتون کی گود میں منہ چھپا لیا۔

ساجدہ خاتون پر سکتہ طاری ہوگیا ان میں اتنی بھی ہمت نہیں تھی کہ وہ گردن گھما کر اپنے برابر میں دیکھ سکتیں ویسے بھی دیکھنے سے انہیں کون سا کچھ نظر آجانا تھا وہ تو صرف عائشہ کے کہنے پر اتنا ایمان لے آئی تھیں کہ انہیں اپنے برابر میں کسی کی موجودگی کا احساس ہونے لگا۔

☼ ☼ ☼

ساجدہ خاتون کسی مولوی وغیرہ کو نہیں جانتی تھیں نہ ہی وہ اس قسم کی عورت تھیں جو تعویذ گنڈے کرتے ہیں لیکن مجبوری انسان سے بہت کچھ کرا لیتی ہے۔

مالی کی بدولت عائشہ کے رات گئے سرونٹ کوارٹر کی کہانی تو پورے گھر میں نشر ہو ہی گئی تھی لہٰذا وہ مزید اس بات پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرکے اپنی بیٹی کی تکلیف کو بڑھانے کی حماقت کرنے کے لیے ہرگز رضامند نہ ہوئیں۔

ریاض غفار کے استفسار پر انہوں نے انہیں بھی سب سچ بتا دیا وہ پریشان تو ہوئے مگر انہوں نے بھی اسے نفسیاتی بیماری کہا چنانچہ ساجدہ خاتون نے ریاض غفار کو اس معاملے سے دور رکھتے ہوئے اپنی ماسی سے مدد طلب کی۔

"تم نے بتایا تھا برابر والے اختر صاحب کی ماسی نے کسی بزرگ کا ذکر کیا تھا"

"ہاں مگر آپ تو ان باتوں پر یقین نہیں کرتیں اس وقت تو آپ مجھ پر بڑا بگڑی تھیں" ماسی بھی چوٹ کرنے سے باز نہ آئی ساجدہ خاتون سے کوئی جواب نہ بن سکا۔

انہیں خجل ہوتا دیکھ کر ماسی احسان جتانے والے انداز میں کہنے لگی۔

"خیر دیر آئے درست آئے، شکر کریں کہ آپ کو عقل آگئی ورنہ بی بی جی کی تو زندگی رل جاتی میں آج ہی اس سے بات کروں گی" ساجدہ خاتون خود بھی وقت ضائع نہیں کرنا چاہتی تھیں مگر اس وقت انہیں بڑی حیرت ہوئی جب ماسی کے پیر سائیں نے ان کے گھر آکر لڑکی کو دیکھنے کی بات کی۔

ان کا خیال تھا ایسے لوگ بڑے مصروف ہوتے ہیں اور چاہے کسی بھی علاقے میں رہائش پذیر ہوں لوگوں کو اپنے آستانے پر ہی بلاتے ہیں مگر اختر صاحب کی ماسی نے خود ہی جاکر عائشہ کا حال انہیں بتا دیا تو انہوں نے اسی

وقت پریشان ہوکر ان کے گھر آجانے کی خواہش کا اظہار کردیا۔

وہ اس گھر میں بیٹھ کر وظائف پڑھنا چاہتے تھا تاکہ صحیح صورت حال کا اندازہ لگا سکیں۔

ساجدہ خاتون نے ریاض غفار سے ذکر کیے بغیر انہیں آنے کی اجازت دے دی انہوں نے یہی سوچا کہ ماسی نے بتایا تھا وہ ان کاموں کو صرف فی سبیل اللہ کرتے ہیں اور ان کا کوئی معاوضہ نہیں لیتے ایسا شخص فراڈ نہیں ہوسکتا ورنہ دھوکے باز اور جعلی فقیر تو پیسے ہتھیانے کے لیے یہ سب کرتے ہیں اب اگر کوئی شخص پیسے ہی نہیں لے رہا اور اتنی محنت بھی کررہا ہے تو لازمی بات ہے کہ وہ کوئی مخلص شخص ہے جو لوگوں کو دھوکا نہیں دیتا مگر ریاض کو یہ بات سمجھانا ان کے بس کی بات نہیں تھی لہٰذا بہتر یہی تھا کہ ان بزرگ صاحب کو دن کے وقت بلا لیا جائے جب ریاض گھر پر ہی نہ ہو۔

شگفتہ غفار کو جب کسی بزرگ کی آمد اور آمد کا مقصد پتا چلا تو وہ کشمکش میں گھر گئیں۔

خود ان کا بھی یہی خیال تھا کہ عائشہ کا علاج ڈاکٹر کے پاس نہیں مگر اس طرح ماسی کے بتائے پیر فقیر کو گھر کے اندر بلا کر بٹھا لینا اور عائشہ جیسی حسین لڑکی کو اس کے سامنے لانا انہیں کچھ مناسب نہیں لگ رہا تھا مگر انہوں نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

پیر سائیں بالکل ہی روایتی سے حلیے میں تھے بڑا سا کالا چولا گلے میں رنگ برنگی مالائیں لمبے بال اور ہاتھ میں موٹے موٹے لوہے کے کڑے... شگفتہ غفار صرف ناک بھنویں چڑھا کر رہ گئیں البتہ تجسس کے ہاتھوں مجبور وہیں کھڑی رہیں لیکن ماسی کو انہوں نے سختی سے ہدایت کردی تھی کہ الیان اور بریرہ کو پیر سائیں کے سامنے نہیں آنے دیا جائے۔

انہیں عزت سے گھر کے ڈرائنگ روم میں بٹھایا گیا تھا لیکن وہ وقت ضائع کیے بغیر وہیں سینٹرل ٹیبل کے پاس اپنی چادر بچھا کر اور کچھ ضروری سامان نکال کر زمین پر بیٹھ گئے۔

انہوں نے کسی سے کوئی بات کی نہ سوال کیا ساجدہ خاتون نے کمرے میں داخل ہوتے ہی انہیں سلام کرکے بات کرنی چاہی تو انہوں نے بڑے درویشانہ انداز میں ہاتھ اٹھا کر انہیں روک دیا۔

شگفتہ غفار اس بے نیازی پر منہ بنا کر رہ گئیں۔

پیر سائیں کچھ دیر بڑے بڑے دانوں والی موٹی سی تسبیح کے دانے گراتے رہے پھر آنکھیں بند کرکے بیٹھ گئے پانچ منٹ بعد جب انہوں نے آنکھیں کھولیں تو ساجدہ خاتون کو دیکھتے ہوئے کہنے لگے۔

"عائشہ کو بلائیں" ساجدہ خاتون ایسے حیرانی سے پیر سائیں کو دیکھنے لگیں جیسے بغیر بتائے عائشہ کا نام لے لینے پر وہ پیر سائیں کی قابلیت اور بزرگی سے بری طرح متاثر ہوگئی ہوں۔

شگفتہ غفار ان کے تاثرات دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھر کر رہ گئیں انہیں اپنی ساس کی کم عقلی پر شدید تاؤ آیا تھا۔ جب ماسی نے پیر سائیں کو ساری بات بتا ہی دی تھی تو عائشہ کا نام بھی اس نے بتا دیا ہوگا اس میں بھلا ان پیر سائیں کا کیا کمال ہے۔

مگر ایک بار پھر وہ خاموش ہی رہیں اور ساجدہ خاتون نے آواز دے کر عائشہ کو بلا لیا تو عائشہ جو پہلے ہی ڈرائنگ روم کے باہر منتظر کھڑی تھی فوراً اندر داخل ہوگئی۔

"سامنے آکر بیٹھ جاؤ" پیر سائیں نے عائشہ کی طرف دیکھے بغیر آنکھیں موندتے ہوئے کہا تو عائشہ کچھ ہچکچاتی ہوئی ان سے تین فٹ کے فاصلے پر ان کی چادر پر آبیٹھی۔

"دو ماہ سے وہ تمہیں تنگ کررہا ہے اور تم نے کسی کو بتایا تک نہیں" پیر سائیں نے بند آنکھوں کے ساتھ اپنی کڑک دار آواز میں کہا تو عائشہ منہ کھول کر ایسے انہیں دیکھنے لگی جیسے ان کی بات کے سچ ہونے پر اسے شدید حیرانی

ہو رہی ہو۔

"کیوں ذکر نہیں کیا کسی سے کیا اس نے منع کیا ہے یا تمہیں خود ڈر لگتا ہے" پیر سائیں نے پھر اسی لہجے میں پوچھا مگر عائشہ کے خاموش رہنے پر ڈپٹتے ہوئے بولے۔

"بولو جو بھی میں پوچھوں اس کا فوراً جواب دو"

"ج.... جی...." عائشہ گھبرا کر بولی۔

"جی جی کیا بول رہی ہو میں نے پوچھا ہے کسی کو بتایا کیوں نہیں"

"وہ... مجھے ڈر لگتا تھا" عائشہ تھوک نگلتے ہوئے بولی

"تو کیا اب ڈر نکل گیا جو بول پڑیں" وہ جلال بھرے لہجے میں بولے تو عائشہ ہکلاتے ہوئے کہنے لگی۔

"ن.... نہیں... لیکن اب وہ.... گھر کے بچوں کو تنگ کرنے لگا ہے اس لیے مجھے بتانا پڑا" شگفتہ غفار چونک اٹھیں وہ ڈرائنگ روم کے ایک کونے میں کھڑی تھیں بے اختیار وہ کئی قدم آگے چلی آئیں۔

"کیا کرتا ہے وہ بچوں کے ساتھ؟" پیر سائیں نے درشتگی سے پوچھتے ہوئے آنکھیں کھول دیں۔

"وہ... وہ کبھی کبھی... بچوں کے ساتھ کھیلتا ہے" عائشہ کے جواب پر شگفتہ غفار کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔

بریرہ کو اکثر کاٹ میں لٹا کر وہ کام میں مصروف ہو جاتیں تب وہ اکیلی لیٹی چھت کو دیکھتے ہوئے ہنستی رہتی شگفتہ غفار اسے ایک عام بات سمجھ کر مطمئن رہیں مگر آج عائشہ کے انکشاف پر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے گویا ان کی بٹی کو کوئی نظر آ رہا ہوتا ہے اس لیے وہ ہنس رہی ہوتی ہے ان کا تو سانس رکنے لگا۔

"ہوں..." پیر سائیں نے ہنکارا بھرا پھر سوچتے ہوئے بولے۔

"کوئی نقصان پہنچانے کی کوشش نہیں کی اس نے بچوں کو۔" عائشہ نے خاموشی سے سر نفی میں ہلا دیا۔

"اور تمہیں؟" پیر سائیں نے عائشہ کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ پہلو بدل کر رہ گئی۔

ساجدہ خاتون اور شگفتہ غفار ——— ہمہ تن گوش تھیں عائشہ کی خاموشی انہیں بھی ہراساں کر رہی تھی آخر پیر سائیں نے ہی ہنکارا بھرتے ہوئے کہا۔

"ہوں، جس جگہ سے گھر کے تمام افراد پانی پیتے ہیں وہاں سے ایک جگ پانی لا کر مجھے دے دیں" پیر سائیں کی بات پر شگفتہ غفار نے فوراً" فریج سے پانی کی بوتل نکالی اور ایک جگ میں پلٹ کر لا کر انہیں دے دی۔

پیر سائیں تب تک ورد بند کر کے بٹوے میں سے پان نکال کر کھانے لگے تھے۔ جگ آنے پر انہوں نے جگ اپنے اور عائشہ کی بیچ میں رکھ لیا۔

"اس میں ہاتھ ڈال کر باہر نکال لو" عائشہ نے آگے بڑھ کر ان کی ہدایت پر عمل کیا اور ہاتھ پانی کے جگ میں ڈال کر باہر نکال لیا پیر سائیں کے اشارے پر وہ واپس اپنی جگہ پر بیٹھ گئی تو پیر سائیں نے جگ اپنی طرف کھینچ لیا اور اپنا بایاں ہاتھ پانی میں ڈال کر آنکھیں بند کر کے کچھ پڑھنے لگے۔

ساجدہ خاتون اور شگفتہ غفار دھڑکتے دل کے ساتھ سارا منظر دیکھ رہی تھیں کچھ دیر گزرنے پر اچانک پانی کی شکل تبدیل ہونا شروع ہو گئی پیر سائیں نے آنکھیں کھول کر پانی کو بغور دیکھنا شروع کر دیا پھر ایک دم اپنا ہاتھ جگ سے باہر کھینچ لیا۔

ساجدہ خاتون اور شگفتہ غفار بے اختیار کچھ اور آگے بڑھ آئیں تو ان کی آنکھیں ششدر رہ جانے کے باعث پھٹ گئیں۔

جگ میں موجود ٹھنڈا پانی جم کر برف بن گیا تھا۔

"یہ... یہ کیسے...." ساجدہ خاتون کے حواس معطل ہو گئے تھے ان سے بولا بھی نہیں گیا۔

خود پیر سائیں کے چہرے پر اتنی سنجیدگی تھی کہ شگفتہ غفار سے کچھ پوچھا ہی نہیں گیا وہ بس پیر سائیں کو دیکھے گئیں کہ وہ کیا کہتے ہیں جبکہ وہ پانی پر سے نظریں ہٹا کر کچھ پریشانی سے عائشہ کو دیکھنے لگے۔

"بیٹا ہر وقت باوضو رہو نماز کی پابندی کرو اور کثرت سے استغفار اور درود شریف پڑھو اللہ نے چاہا تو تمہاری ساری مشکلیں دور ہو جائیں گی" یہ کہتے ہوئے پیر سائیں نے اپنا سامان سمیٹ کر تھیلے میں بھرنا شروع کر دیا۔

"پیر سائیں... یہ.... یہ کیا... کیا آپ جا رہے ہیں" ساجدہ خاتون بوکھلا کر بولیں مگر پیر سائیں تیزی سے کپڑے کا سلا تھیلا کندھے پر ڈال کر کھڑے ہو گئے۔

"پیر سائیں کچھ تو بولیں آخر ہوا کیا ہے" ساجدہ خاتون ان کی گھبراہٹ دیکھ کر حواس باختہ ہوئی جا رہی تھیں مگر پیر سائیں جواب دیے بغیر چپل پاؤں میں اڑس کر دروازے کی طرف بڑھ گئے تو ساجدہ خاتون ان کے پیچھے پیچھے دوڑی آئیں۔

"پیر سائیں آپ بتاتے کیوں نہیں آخر ہوا کیا ہے آپ اتنے پریشان کیوں ہو گئے ہیں" ساجدہ خاتون بس رو دینے والی تھیں۔

پیر سائیں رک کر دھیمی آواز میں کہنے لگے۔

"اپنی بچی کے لیے دعا کریں اللہ اسے ہر بلا سے محفوظ رکھے"

"یہ... یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا"

"جگ میں پانی جمنے کا مطلب یہی ہے کہ وہ عائشہ پر پوری طرح حاوی ہو گیا ہے ایسے آسیب مرتے دم تک لڑکی کا پیچھا نہیں چھوڑتے" ساجدہ خاتون کو لگ رہا تھا ان کا دل بند ہو جائے گا وہ دم بخود انہیں دیکھ رہی تھیں۔

"ک... کیا آپ کوئی مدد نہیں کر سکتے؟"

"ہو سکے تو آپ اپنی بچی کی جلد از جلد شادی کر دیں، میں کیا اب کوئی کچھ نہیں کر سکتا" پیر سائیں خود بہت خوفزدہ لگ رہے تھے ساجدہ خاتون کا حوصلہ کیسے جواب نہ دیتا انہوں نے دونوں ہاتھوں میں ایسے سر تھام لیا جیسے ان کا سر پھٹ رہا ہو۔

ان کی یہ حالت دیکھ کر جانے کے لیے پر تولتے پیر سائیں کسی سوچ میں ڈوب گئے پھر اپنے تھیلے میں سے کچھ تلاش کرنے لگے آخر کچھ دیر بعد انہوں نے ایک چھوٹا سا ڈبا نکالا اور اسے کھولا تو اس میں ایک انڈا رکھا تھا۔

انہوں نے انڈا ڈبے میں سے نکالا اور اس پر کچھ پڑھ کر دم کر دیا۔

"اسے پانی میں اچھی طرح ابال لیں اور پھر اس کا چھلکا نہایت احتیاط سے اتاریں اس پر جو تحریر لکھی ہو گی اس پر فوراً" عمل کیجیے گا وہی آپ کے مسئلے کا حل ہو گا۔"

ساجدہ خاتون ویران نظروں سے پیر سائیں کو دیکھنے لگیں تو وہ مزید کہنے لگے

"اس انڈے کو ابالتے وقت دل میں یہ خیال رکھیے گا جیسے آپ اس آسیب سے سوال کر رہی ہوں کہ تم چاہتے کیا ہو۔

وہ جو بھی کہے جہاں تک ممکن ہو اس کی بات پر عمل کرنے کی کوشش کیجیے گا اس سے بیر آپ کے پورے گھر کے لیے خطرناک ہو سکتا ہے" پیر سائیں اپنی بات پوری کر کے رکے نہیں۔

ان کے جانے کے بعد ساجدہ خاتون کتنی دیر پتھرائے ہوئے انداز میں وہاں کھڑی رہیں پھر کچن کی جانب مشینی انداز میں بڑھنے لگیں انہیں لگ رہا تھا ان کا ذہن سن ہو گیا ہے پھر بھی سوچوں کا لامتناہی سلسلہ ختم ہونے کو نہیں آ رہا تھا۔

کتنی دفعہ اخبار و رسائل میں انہوں نے خبریں پڑھی تھیں پاگل عورتوں کے گھر سے فرار ہونے کی یا اپنے کپڑے پھاڑ کر گلی میں نکل جانے کی تب انہوں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا کہ ایک دن ان کی اپنی بیٹی ایسے دوراہے پر آکھڑی ہوگی جہاں یہ فیصلہ مشکل ہو جائے گا کہ وہ بیمار ہے یا اس پر کسی آسیب کا سایہ ہے۔ اگر واقعی اس پر سایہ ہے تو کل کو اس کی حالت بھی ان ذہنی مریضوں جیسی ہوگی جنہیں اپنا ہوش نہیں ہوتا جن کے لیے دنیا کی ساری نعمتیں اور ساری آسائشیں سب بے کار ہو جاتی ہیں۔

ساجدہ خاتون سوچتی رہیں اور ساتھ ہی انڈا ابالنے کے لیے پتیلی نکال کر اس میں پانی بھرتی رہیں۔

چولہے پر پتیلی رکھ کر اس میں انڈا ڈال کر اس کے ابلنے تک وہ نہ جانے کہاں تک کا سفر طے کر کے آگئی تھیں۔ ان کے تصور میں عائشہ بال بکھرائے کپڑے پھاڑتی اور چیختی چلاتی پھر رہی تھی اور اس تصور سے ہی ان کے رونگٹے کھڑے ہو رہے تھے۔

اگر یہ سب سوچنا اتنا مشکل تھا تو کیا یہ سب برداشت کرنا ممکن ہوگا؟ وہ پیر سائیں کی ہدایت پر دل میں "تم کیا چاہتے ہو" کا تصور کرنے لگیں کیونکہ اس ایک سوال نے ان کے اندر کی ساری طاقت نچوڑلی تھی وہ ایک دم ہی بہت نڈھال ہو گئی تھیں۔

انڈے کے ابلنے پر اسے چھیلتے ہوئے ان کے ہاتھ کانپ رہے تھے پتا نہیں وہ آسیب ان کے سوال کا جواب دینے والا تھا یا نہیں اور پتا نہیں وہ جواب میں کیا کہنے والا تھا۔

لیکن چھلکا اتارنے پر وہ بالکل ششدر رہ گئیں اندر ابلے ہوئے انڈے پر واقعی ایک تحریر ابھری ہوئی تھی جو بڑی واضح تھی۔

ساجدہ خاتون بے یقینی سے اس تحریر کو دیکھتی رہیں جہاں صاف صاف لکھا تھا۔

"یہاں سے دور چلے جاؤ"

☼ ☼ ☼

وہ گھر ساجدہ خاتون کے لیے بہت اہم تھا ان کے شوہر مرحوم کی ان گنت یادیں اس گھر سے وابستہ تھیں لیکن اولاد کے سامنے ہر چیز ہیچ ہو جاتی ہے ساجدہ خاتون نے فوراً "وہ گھر چھوڑ کر کہیں دور چلے جانے کا قصد کر لیا۔ مگر ریاض غفار تیار نہ ہوئے وہ برف جما پانی اور ابلا ہوا انڈا انہیں ذرا متاثر نہ کر سکا بلکہ ایک پیر سائیں کو گھر بلانے پر ریاض غفار نے پورا گھر سر پر اٹھا لیا۔

"آپ کیا جانتی نہیں یہ کیسے فراڈ لوگ ہوتے ہیں ایک جوان بیٹی اور جوان بہو گھر میں موجود ہے اور آپ نے ایسے فقیر کو بلا کر ڈرائنگ روم میں بٹھا لیا" ریاض غفار کا بس نہیں چل رہا تھا کیا کر ڈالیں۔

سب سے زیادہ غصہ تو انہیں یہ جان کر آیا تھا کہ ان کی بیوی نے بھی اس پیر فقیر کے "پہنچے ہوئے" ہونے کا یقین کر لیا ہے۔

"تم تو یقین کرو گی ہی اتنا میں نے تمہارا ماحول تبدیل کر دیا مگر سوچ تو تمہاری وہی رہے گی نا گاؤں والی دقیانوسی" شگفتہ غفار خاموشی سے ریاض غفار کے طعنے سنتی رہیں انہیں تو اس گھر میں بہت ہی ڈر لگ رہا تھا خاص طور پر الیان اور بریرہ کے لیے وہ بہت فکر مند تھیں۔

"اس فقیر نے یہ نہیں بتایا کہ آسیب اچانک اس گھر میں کہاں سے آگیا ہم تو پیدا ہی اس گھر میں ہوئے ہیں" ریاض غفار کئی دنوں تک غصہ کرتے رہے لیکن عائشہ کی روز بہ روز بگڑتی حالت نے ان کے غصے کو سرد کر دیا۔

اس نے کھانا پینا ہنسنا بولنا سب چھوڑ دیا تھا وہ خاموش بیٹھی خلاؤں کو گھورتی رہتی یا چیخنے چلانے لگتی۔

آخر پیر سائیں کے جانے کے تین ہفتے بعد ریاض غفار نے بھی ہتھیار ڈالتے ہوئے اس گھر کو چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا۔

"کرائے دار تو اس گھر کو خراب کر دیں گے" ساجدہ خاتون نے حسرت بھری نظروں سے در و دیوار کو دیکھا۔

"جب اس گھر میں کبھی لوٹ کر آنا ہی نہیں ہے تو کرائے پر دینے کی کیا ضرورت ہے بیچ دیتے ہیں" ریاض غفار نے تلخی سے کہا ساجدہ خاتون صرف انہیں دیکھتی رہ گئیں۔

برابر والے اختر صاحب نے کتنی دفعہ اس گھر کو خریدنے کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر وہ کبھی مانی نہیں یہ صرف ایک مکان نہیں تھا ان کی زندگی کا حصہ تھا وہ اسے کسی قیمت پر بیچنے پر تیار نہیں ہو سکتی تھیں لیکن بس ایک اولاد ایسی چیز ہوتی ہے۔ جس پر والدین ہر چیز لٹا سکتے ہیں۔

اختر صاحب نے ان کی توقع کے مطابق منہ مانگی قیمت پر گھر خرید لیا حالانکہ ریاض غفار انہیں گھر بیچنے کے حق میں نہیں تھے وہ ان کے برابر میں رہتے تھے اور اس گھر کو بھی اپنے گھر میں شامل کرنے کا ارادہ رکھتے تھے جس کے لیے وہ گھر کو تقریباً "گرا کر اس کا نقشہ ہی بدل دینے والے تھے۔

لیکن ساجدہ خاتون ان کے علاوہ کسی اور کو دینے کے لیے تیار نہ ہوئیں کیونکہ اختر صاحب اس گھر کو بڑی خوشی سے خرید رہے تھے لہٰذا وہ اس گھر کے صحیح قدردان ثابت ہوں گے۔

اس گھر کو چھوڑ کر جاتے ہوئے ان سب کو ہی تکلیف ہو رہی تھی جس میں کمی کرنے کے لیے ریاض غفار نے اس سے دس گنا بہتر اور خوبصورت گھر خرید لیا تھا مگر جس چیز سے جذباتی وابستگی ہو اس کے مقابلے میں حسین سے حسین چیز بھی متاثر نہیں کر سکتی۔ یہی حال ساجدہ خاتون کا تھا۔

دوسرے گھر میں شفٹ ہونے کے بعد تمام آسائشوں کی موجودگی میں بھی ان کا دل وہیں اس گھر میں رہ گیا تھا زندگی بظاہر نارمل روٹین پر آگئی تھی مگر انہیں ہر وقت کسی خالی پن کا احساس ہوتا رہتا بس ایک ہی سکون تھا کہ نئے گھر میں آنے کے بعد عائشہ کی حالت بڑی تیزی سے ٹھیک ہو گئی تھی جس پر شگفتہ غفار کبھی کبھی حیرت سے کہنے لگتیں۔

"میں نے تو سنا تھا کہ آسیب وغیرہ ایک بار چمٹ جائیں تو جان نہیں چھوڑتے چاہے کتنے ہی گھر بدل لو جگہ کی تبدیلی مریض میں کوئی تبدیلی نہیں لاتی"

"اللہ کا شکر ہے شگفتہ جو عائشہ گھر بدلنے پر ٹھیک ہو گئی حیران ہونے کی بجائے بس اس کا شکر ادا کرو" ساجدہ خاتون پر سکون نظروں سے لان میں الیان اور بریرہ کے ساتھ کھیلتی اور ہنستی عائشہ کو دیکھتے ہوئے بولیں۔

انہیں اس گھر کو چھوڑے ابھی تین مہینے ہی ہوئے تھے کہ اختر صاحب اور ان کی بیوی اپنے بیٹے بلال اختر کا رشتہ عائشہ کے لیے لے کر آگئے۔

ساجدہ خاتون ہکا بکا رہ گئیں ایک بار پھر اسی گھر میں اپنی بیٹی کو بھیجنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھیں اور ان لوگوں سے کسی دوسرے گھر میں منتقل ہو کر شادی کرنے کی خواہش کا اظہار بھی نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ اگر وہ کسی آسیب کا ذکر کرتیں تو اختر صاحب ان کی بیٹی کی ذہنی حالت کی طرف سے مشکوک ہو جاتے۔

مگر ایسے رشتے کے لیے انکار کرنا بڑا مشکل امر تھا۔ بلال اختر، اختر صاحب کے اکلوتے فرزند تھے نہایت وجیہ اور جاذب نظر ہونے کے ساتھ ساتھ پوری دولت اور جائیداد کے تنہا وارث ایسے پڑھے لکھے اور خاندانی لڑکے کے لیے انکار کرنا بڑا مشکل کام تھا۔

ریاض غفار اور شگفتہ غفار بھی تذبذب کا شکار ہو گئے تھے شگفتہ غفار نے تو ان سب کو قائل کرنے کی بھی کوشش کی کہ اختر صاحب کے گھر والوں کو بتا دیں وہاں کوئی آسیب ہے وہ گھر تبدیل کر لیں تو ہم عائشہ کی شادی

کردیں گے۔

مگر ریاض غفار کسی طور تیار نہیں تھے

"اگر انہیں بھنک بھی پڑ گئی کہ عائشہ کے ساتھ ایسا کوئی مسئلہ ہے تو وہ خود پیچھے ہٹ جائیں گے اس سے تو بہتر ہے ہم خود ہی انکار کر دیں کیا ضرورت ہے عائشہ کی حالت کا اشتہار لگانے کی؟"

"ہو سکتا ہے وہ بھی ان باتوں کو نہ مانتے ہوں اور..."

"وہ مانتے ہوں یا نہ ہوں ہمیں عائشہ کو اس گھر میں دوبارہ نہیں بھیجنا ورنہ عائشہ کی پھر وہی حالت ہو جائے گی۔ اور دوسری بات یہ چاہے کوئی مانے یا نہ مانے ایک بار شک دل میں آجائے تو انسان ہر حادثہ اور عام بات بھی اسی سے مشروط کر دیتا ہے۔

گھر میں کوئی بھی غیر معمولی بات ہوئی یا چھوٹا موٹا نقصان بھی ہوا تو بھی اختر صاحب اور ان کی بیوی اسے عائشہ پر کسی سائے کا نتیجہ قرار دیں گے یہ بات تو اس گھر سے باہر کبھی نکلنی ہی نہیں چاہیے کہ عائشہ پر کوئی سایہ رہا ہے۔"

ساجدہ خاتون نہایت سنجیدہ اور گمبھیر لہجے میں بولیں تو شگفتہ غفار خاموش ہو گئیں۔

لیکن عائشہ خاموش نہ رہ سکی رات کو وہ ان کے کمرے میں چلی آئی اور بغیر کسی تمہید کے کہنے لگی۔

"امی۔ اختر صاحب اور ان کی بیوی ہمارے گھر آئے تھے؟" ساجدہ خاتون کچھ چونک کر اسے دیکھنے لگیں۔

"ہاں تو تم کیوں پوچھ رہی ہو؟"

"کیونکہ مجھے پتا ہے وہ کسی مقصد سے آئے تھے اور میں نے آپ سب کی گفتگو سنی تو مجھے پتا چلا آپ انہیں انکار کرنے والی ہیں" عائشہ کا اس موضوع پر ان سے گفتگو کرنا انہیں حیران کر رہا تھا۔

"ہاں تو" وہ اسے استفہامیہ نظروں سے دیکھنے لگیں۔

"آپ... انہیں انکار مت کریں۔" عائشہ کچھ جھجکتے ہوئے بولی اب کی بار ساجدہ خاتون لیٹے سے اٹھ کر بیٹھ گئیں اور بغور اس کی شکل دیکھتے ہوئے پوچھنے لگیں۔

"کیوں۔ کیوں نہ کروں انکار؟" عائشہ جواب دینے کی بجائے سر جھکائے بیٹھی رہی۔

"عائشہ" ان کے انداز میں عجیب سا خوف گھر آیا تھا۔ "عائشہ بیٹی کیا بات ہے تم کیوں اس گھر میں واپس جانا چاہتی ہو... کیا... کیا تمہیں کوئی بلا رہا ہے"

عائشہ نے کچھ چونک کر انہیں دیکھا جیسے اچانک وہ ان کے اندر چھپے سارے اندیشوں کو بھانپ گئی ہو۔

"نن... نہیں امی... ایسی کوئی بات نہیں۔ مجھے... مجھے کون بلائے گا" عائشہ کچھ گھبرا کر بولی مگر ساجدہ خاتون بدستور اسے پریشانی سے دیکھتی رہیں۔

"امی جو آپ سمجھ رہی ہیں ایسا کچھ نہیں ہے مجھے کوئی نہیں بلا رہا میں بالکل ٹھیک ہو چکی ہوں اب مجھ پر کوئی سایہ نہیں ہے وہ سب ختم ہو چکا ہے" عائشہ نے رسانیت سے کہتے ہوئے انہیں سمجھانا چاہا۔

"عائشہ ہم نے وہ گھر چھوڑا ہے اس نے وہ گھر نہیں چھوڑا اور تم سب کچھ جانتے ہوئے اور سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے باوجود وہاں جانا چاہتی ہو پھر بھی تم کہہ رہی ہو وہ سب ختم ہو گیا ہے" ساجدہ خاتون نے بے اختیار آنکھیں موندتے ہوئے سر بیڈ کے کراؤن سے ٹکا لیا جیسے ان سے یہ شاک برداشت کرنا مشکل ہو رہا ہے جیسے اتنی بڑی قربانی سب رائیگاں چلی گئی ہو۔

"امی... امی... آپ غلط سوچ رہی ہیں مجھ پر اب کوئی سایہ نہیں ہے میں تو یہ شادی اس لیے کرنا چاہتی ہوں کیونکہ..." عائشہ کچھ کہتے کہتے جھجک گئی۔

"کیونکہ تم ابھی تک اس کے تابع ہو اس نے ہمیں گھر سے نکال دیا لیکن وہ اختر صاحب کے بیٹے کے ذریعے

تمہیں واپس بلانا چاہ رہا ہے" ساجدہ خاتون کے لہجے میں دکھ ہی دکھ بول رہا تھا عائشہ کچھ زچ ہو کر بولی۔

"ایسی کوئی بات نہیں ہے مجھے... مجھے بلال پسند ہے اور مجھے اس سے شادی کرنی ہے" عائشہ صرف ایک پل کے لیے لڑکھڑائی پھر دوبارہ... اور ٹھوس لہجے میں کہنے لگی۔

مگر ساجدہ خاتون تو جیسے اسے سن ہی نہیں رہی تھیں۔

"یہ سب تم سے وہی کہلوا رہا ہے" پھر ایک دم اس کا چہرہ ہاتھوں میں لیتے ہوئے بولیں۔

"تیری شادی کرنا تو اس لڑکے پر بھی ظلم ہو گا وہ تجھے بلال کے ساتھ کبھی رہنے ہی نہیں دے گا ہائے میرے مولا میں اپنی بچی کو کیسے بچاؤں" عائشہ نے جیسے تلملا کر ان کے ہاتھ اپنے چہرے پر سے جھٹک دیئے۔

"مجھ پر کوئی اثر نہیں ہے امی میں بلال سے محبت کرتی ہوں اور وہ بھی مجھ پر جان چھڑکتا ہے آپ بس کل ہی اس کے والدین کو فون کر کے ہاں کر دیں" اب کی بار ساجدہ خاتون ٹھٹک کر عائشہ کو دیکھنے لگیں۔

مگر عائشہ انہیں کچھ بھی کہنے کا موقع دیے بغیر کمرے سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

ساجدہ خاتون بالکل نہیں چاہتی تھیں کہ یہ سب ریاض غفار کے علم میں آئے وہ ابھی اختر صاحب کو منع بھی نہیں کرنا چاہ رہی تھیں ان کی بیوی کے بھی فون پر فون آئے جا رہے تھے ان کے اصرار سے ایسا لگتا جیسے وہ انکار کر ہی نہیں سکتیں ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس مسئلے کو کیسے حل کریں وہ کسی کو کچھ بتانا بھی نہیں چاہتی تھیں لیکن اپنے طور پر وہ کسی مولوی کو تلاش بھی نہیں کر سکتی تھیں وہ جیسے صبح شام انگاروں پر لوٹ رہی تھیں۔

انہیں خاموش دیکھ کر عائشہ نے شگفتہ غفار سے بات کر ڈالی اور شگفتہ غفار تو سنتے ہی انگشت بدنداں رہ گئیں۔

عائشہ اور بلال اختر کے بیچ یہ لو اسٹوری کب شروع ہوئی انہیں کچھ پتا نہیں تھا اور اپنی بے خبری پر وہ بری طرح حیران تھیں۔

انہوں نے ساجدہ خاتون کو سمجھانے کی بجائے ریاض غفار سے بات کی اور ریاض غفار سنتے ہی ہتھے سے اکھڑ گئے وہ سیدھا ساجدہ خاتون کے پاس پہنچ گئے۔

"کیا یہ سچ ہے کہ عائشہ بلال سے شادی کرنا چاہتی ہے اور اس کے بتا دینے کے باوجود آپ انہیں انکار کرنا چاہ رہی ہیں۔" ریاض غفار کے تنے ہوئے تاثرات پر ساجدہ خاتون بوکھلا کر رہ گئیں۔

"آں... وہ"

"بتائیں کیا یہ سچ ہے یا نہیں"

"وہ... تمہیں پتا تو ہے اس گھر میں عائشہ کی کیا حالت ہو گئی تھی وہ بلال سے شادی نہیں کرنا چاہتی بلکہ اسے وہ آسیب بلا رہا ہے" ساجدہ خاتون بے ساختہ کہہ گئیں۔

انہیں یقین تھا اب ریاض غفار ان پر چلائیں گے کہ وہ اتنا اچھا رشتہ اس وہم کی وجہ سے ٹھکرا رہی ہیں مگر ریاض غفار نے دھاڑ کر جو کہا وہ تو ان کے گمان میں بھی کہیں نہیں تھا۔

"کیسی بچوں جیسی باتیں کر رہی ہیں آپ کیا اب بھی آپ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ اس گھر میں نہ کوئی آسیب تھا اور نہ ہی عائشہ کی حالت خراب تھی۔

وہ کھڑکی میں لٹک کر اشارے کرنا۔

وہ آدھی رات کو اٹھ کر سرونٹ کوارٹر میں جانا۔

وہ سب کوئی آسیب نہیں کر رہا تھا بلکہ یہ اس بے غیرت کا عشق چل رہا تھا اور جب وہ پکڑی گئی تو اس نے یہ فتور

آپ کے دماغ میں بھر دیا۔"

"کیا بات کر رہے ہو ریاض وہ اس کا چیخیں مارنا وہ اس کا خوفزدہ رہنا وہ اس کا بیٹھے بیٹھے رونا کیا وہ سب اس کا عشق تھا۔

اسے سرونٹ کوارٹر میں تو میں نے بہت بعد میں دیکھا ہے اس کی علامات تو بہت پہلے سے ظاہر ہونا شروع ہو گئی تھیں۔" ساجدہ خاتون برہمی سے بولیں۔

"اور اگر اس کا عشق چل رہا تھا تو اسے گھر بلوا کر یہاں آنے کی کیا ضرورت تھی پڑوس میں رہ کر تو وہ اور آسانی سے بلال سے مل سکتی تھی" ریاض غفار ساجدہ خاتون کے بگڑتے ہوئے موڈ کو دیکھ کر کچھ خائف سے ہو گئے اس لیے بغیر بحث کیے بھناتے ہوئے انداز میں کہتے کمرے سے نکل گئے۔

"مجھے تو یہ سب اس کا ڈرامہ لگ رہا ہے" ساجدہ خاتون ان کے پیچھے دروازے کو دیکھتی رہ گئیں وہ اس موضوع پر ریاض کا غصہ ٹھنڈا ہونے کے بعد ان سے بات کرنا چاہ رہی تھیں مگر رات میں ایک بار پھر عائشہ ان کے کمرے میں آکر ایسے کھڑی ہو گئی جیسے کوئی اہم بات کرنا چاہ رہی ہو۔

ساجدہ خاتون ذکر میں مشغول تھیں اسے دیکھ کر تسبیح روک کر دھیمی آواز میں بولیں۔

"میں جانتی ہوں تم ریاض کی باتوں سے پریشان ہو فکر مت کرو میں اسے سمجھالوں گی۔"

"آپ کو انہیں نہیں صرف خود کو سمجھانے کی ضرورت ہے" عائشہ کا لب و لہجہ آج کل انہیں بہت عجیب لگنے لگا تھا وہ سوالیہ انداز میں اسے ایسے دیکھنے لگیں جیسے اس کی بات کی وضاحت چاہ رہی ہوں۔

"شگفتہ بھابھی کا کہنا ہے ریاض بھائی غصے میں ضرور ہیں مگر وہ بھی بلال کے ساتھ میری شادی ہو جانے کے حق میں ہیں اب بس اگر صرف آپ مان جائیں تو سارا مسئلہ ہی حل ہو جائے۔"

"میں کیسے مان جاؤں؟ اپنی حالت یاد ہے تمہیں وہ لوگ تمہیں چار دن بھی برداشت نہیں کریں گے اور تم واپس میکے آکر بیٹھ جاؤ گی" ساجدہ خاتون کو ایک دم شدید غصہ آگیا۔

انہیں عائشہ کا اس طرح بے حیائی سے اپنی شادی کے معاملے میں بولنا ہی برا لگ رہا تھا اوپر سے یہ بے جا مطالبہ۔

ان کے غصہ ہونے پر عائشہ بھی تلملا کر بولی۔

"ایسا کچھ نہیں ہو گا میں بالکل ٹھیک ہوں وہاں جا کر بھی میں ٹھیک ہی رہوں گی"

"کہاں ٹھیک ہو تم؟ تمہاری حرکتوں سے لگ رہا ہے کہ تم ٹھیک ہو ایک بھوت سوار ہے تم پر اس شادی کا اور۔۔۔"

"میں بلال سے محبت کرتی ہوں آپ سمجھتی کیوں نہیں ہیں" عائشہ نے جھنجلا کر ان کی بات کاٹ دی۔

"شرم کرو عائشہ ایسی باتیں شریف لڑکیوں کو زیب نہیں دیتیں" ساجدہ خاتون کی برداشت جواب دینے لگی۔

"امی میں۔۔۔"

"میں اختر صاحب کو فون کر کے منع کر چکی ہوں" ساجدہ خاتون مزید اس کی بے شرمی پر مبنی گفتگو سننے کی تاب نہیں لا سکیں وہ اس کی بات کاٹتے ہوئے بڑی روانی سے جھوٹ بول گئیں۔

"کیا!" عائشہ۔۔۔ دھک سے رہ گئی

"آپ۔۔۔ آپ نے منع کر دیا۔۔۔ لیکن بلال نے تو مجھے کچھ نہیں بتایا" وہ شاک میں گھری خود کلامی کے انداز میں بولی۔

"کیا تمہاری بات ہوتی ہے بلال سے" ساجدہ خاتون نے خشمگیں نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا تو وہ اپنے

سابقہ شاک میں گھرے لہجے میں بولی۔

"ہاں روز رات کو دو بجے کے بعد وہ مجھے فون کرتا ہے لیکن اس نے کل تو نہیں بتایا۔۔۔ کیا آپ نے آج ہی انکار کیا ہے؟"

"عائشہ عائشہ کچھ تو شرم کرو" ساجدہ خاتون تپ کر کچھ کہنے ہی والی تھیں کہ عائشہ پھٹ پڑی۔

"یہ کیا کیا آپ نے۔۔۔ جب میں نے بتا دیا تھا کہ میں بلال سے محبت کرتی ہوں تو آپ نے انہیں منع کیوں کر دیا۔

"آپ کو پتا ہے بلال نے انہیں کتنی مشکلوں سے اس شادی کے لیے راضی کیا تھا ان کے ہاں خاندان سے باہر شادی نہیں ہوتی کتنے جتن کیے ہیں بلال نے انہیں خاندان سے باہر کی لڑکی لانے پر رضامند کرنے کے لیے" عائشہ پر ایک ہیجان طاری ہو گیا تھا۔

اس کے تواتر سے گرتے آنسو دیکھ کر ساجدہ خاتون کو لگا اسے پھر دورہ پڑنے والا ہے وہ اسے سنبھالنے کے لیے اپنی جگہ سے اٹھ گئیں۔

"میری بچی۔۔۔" انہوں نے اسے کندھوں سے تھامنا چاہا مگر عائشہ نے بے دردی سے ان کے ہاتھ جھٹک دیئے۔

"مر گئی آپ کی بچی بند کریں یہ محبت اور ممتا کا ڈرامہ اگر آپ کو میری فکر ہوتی تو آپ کبھی انکار نہ کرتیں آپ نہیں جانتیں آپ کے انکار نے سب ختم کر دیا۔

بلال کے والدین بہت انا پرست ہیں اب آپ خود بھی رشتہ کرنا چاہیں گی تو وہ کبھی نہیں مانیں گے اور اگر بلال نے ان کی مرضی کے بغیر مجھ سے شادی کی تو وہ اسے گھر اور جائیداد ہر چیز سے بے دخل کر دیں گے بڑے کٹھور ہیں اس کے ماں باپ" عائشہ بری طرح روئے جا رہی تھی ساجدہ خاتون اس کی حالت غیر ہوتی دیکھ کر بوکھلا گئی تھیں۔

"عائشہ عائشہ ہوش کرو۔۔۔ میں نے یہ سب تمہارے بھلے کے لیے کیا ہے اس گھر میں تمہیں۔۔۔"

"کچھ نہیں ہے اس گھر میں وہ سب صرف ایک ڈرامہ تھا" عائشہ بری طرح چیخ کر بولی ساجدہ خاتون بالکل سناٹے میں چلی گئیں سنبھلے تو انہیں لگا وہ غصے میں کہہ گئی ہے مگر جب ۔۔۔ بین کرتے ہوئے وہ مزید کہنے لگی تب وہ دم بخود کھڑی اسے سنے گئیں۔

"وہ سب میں نے جان بوجھ کر کیا تھا نہ ہی مجھے کچھ نظر آتا تھا اور نہ میں کسی کے زیر سایہ تھی۔ بلال نے کہا تھا اس کے والد ہمارا گھر خریدنا چاہتے ہیں مگر تمہاری والدہ ہر بار منع کر دیتی ہیں اختر انکل نے ذہن میں پورا نقشہ تیار کر رکھا تھا کہ انہیں ہمارے گھر کو گرا کر اپنے گھر میں کس طرح شامل کرنا ہے پورا ڈیزائن، کلر اسکیم سب کچھ سوچ رکھی تھی مگر آپ تیار ہی نہیں ہوتی تھیں اور وہ اتنے انا پرست تھے کہ وہ چاہتے تھے اب آپ خود گھر بیچنے کی آفر کریں۔ تب بلال نے مجھ سے پوچھا کیا میں آپ کو گھر بیچنے پر رضامند کر سکتی ہوں اگر میں نے ایسا کر دیا تو اختر انکل مجھ سے بہت متاثر ہو جائیں گے اور بلال کے لیے غیر خاندان کی لڑکی کے لیے انہیں رضامند کرنا آسان ہو جائے گا۔

پھر میں نے وہ تمام حرکتیں شروع کیں جس سے آپ کو لگے کہ مجھ پر کوئی سایہ ہو گیا ہے اور میرے لیے کسی دوسرے گھر منتقل ہو جانا ہی بہتر ہے۔

ریاض بھائی ٹھیک کہہ رہے تھے اس دن جب کھڑکی میں انہوں نے مجھے بات کرتے دیکھا تھا تب میں واقعی بلال سے بات کر رہی تھی بلال انہیں میرے پیچھے موجود دیکھ کر فوراً "چھت سے ہٹ گیا اس کے ہٹنے پر میں بھی سمجھ گئی کوئی پیچھے آکھڑا ہوا ہے میں نے اس سچویشن کو بھی کیش کرا لیا اور ریاض بھائی تک کو خوفزدہ کر کے رکھ دیا۔

سرونٹ کوارٹر میں ہیں واقعی بلال سے ملنے جاتی تھی مگر اس رات آپ وہاں آگئیں آپ نے دروازہ کھولنے کے لیے جیسے ہی ہینڈل گھمایا ہم سمجھ گئے کوئی آگیا ہے بلال پیچھے والی کھڑکی سے باہر نکل جانا چاہتے تھے مگر آپ تب تک وہاں پہنچ گئیں تو بلال دروازے سے نکل گئے۔

آپ نے ان کے قدموں کی آہٹ بھی سنی مگر فہیم کے آجانے پر آپ سمجھ نہ سکیں کہ کوئی دروازہ کھول کر باہر نکل گیا ہے۔ ویسے بھی آپ کا عقیدہ بھوت پریت پر اتنا زیادہ تھا کہ آپ انسانوں پر شک کر ہی نہ سکیں۔

اور اسی لیے آپ کو یقین ہو گیا کہ مجھ پر کچھ ہے بلال نے ہی اپنی ماسی کو اس پر اکسایا تھا کہ وہ ہماری ماسی سے پوچھے میں کیوں چھت پر کھڑی اپنے آپ سے باتیں کرتی ہوں کیوں ایک دم بے ہوش ہو جاتی ہوں وغیرہ۔

اسے تو خود ایسی باتوں کی بہت کھوج تھی بلال کے ذرا سا ذکر کرنے پر وہ تو خود ہی ٹوہ میں لگ گئی اور اس کی اسی عادت کا فائدہ اٹھاتے ہوئے بلال نے اس سے ایک پیر سائیں کا ذکر کیا کہ وہ بڑی بڑی کرامات کر سکتے ہیں مگر تم انہیں اپنے طور پر ساجدہ خاتون کے پاس بھیجنا اور میرا نام بھی بیچ میں مت آنے دینا ورنہ خوامخواہ وہ شرمندہ ہوں گے کہ ہمیں ان کی بیٹی کی حالت کے بارے میں پتا چل گیا ہے۔ اس ماسی کو بھلا کیا اعتراض ہوتا وہ تو خوشی خوشی ایسے کام کرنے کے لیے راضی ہو جاتی تھی تب اس جعلی پیر نے آکر وہی سب کیا جو بلال نے اس سے کہلوایا۔"

"جعلی پیر" ساجدہ خاتون بے یقینی سے اپنی اولاد کو دیکھ رہی تھیں جسے انہوں نے خود پیدا کر کے پال پوس کے بڑا کیا تھا لیکن آج انہیں لگ رہا تھا یہ تو کوئی اجنبی ہے اور وہ تو اسے جانتی تک نہیں ہیں۔

"جی ہاں! جعلی پیر، اس نے آپ کے سامنے منٹوں میں پانی کو برف بنا دیا اور آپ حیران رہ گئیں حالانکہ "وجلی جمی" نام کی ایک بوٹی ہوتی ہے۔ جس کا رس نچوڑ کر اگر پانی میں ڈالا جائے تو پانی کچھ ہی منٹس میں برف میں تبدیل ہو جاتا ہے۔"

وہ بوٹی صرف پہاڑی اور سرسبز علاقوں میں ملتی ہے پتا نہیں کتنی مشکل سے بلال نے منگوائی تھی اور کتنی محنت سے اس شخص کو پریکٹس کرائی تھی کہ وہ اس کا رس ہاتھ پر ایسے لگائے کہ آپ لوگوں کو ذرا بھی شک نہ گزرے اس نے خاص طور پر پان نکال کر اس وقت اسی لیے کھایا تھا۔

اس پیر نے تو جو محنت کی سو کی بلال نے اس انڈے پر تحریر لانے کے لیے جانتی ہیں کیا کیا تھا اس نے ایک اونس پھٹکری میں ایک پوائنٹ سرکہ ملا کر ایک محلول تیار کیا پھر ماچس کی تیلی سے "یہاں سے دور چلے جاؤ۔"

اس انڈے کے چھلکے پر لکھا اس طرح کے محلول کے سوکھنے کے بعد جب انڈے کو ابالو تو چھلکے پر لکھی تحریر انڈے کی سفیدی پر ظاہر ہوتی ہے جبکہ چھلکے کو دیکھ کر کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا اس پر کچھ لکھا گیا ہے۔

کتنی محنت کی تھی بلال نے یہ ساری باتیں پتا کرنے کے لیے اس پیر سائیں کی کرامات دیکھتے ہی آپ اس گھر کو بیچنے کا فیصلہ کر لیں اور اختر انکل کی خواہش کے مطابق خود ان سے گھر خریدنے کی گزارش کریں۔

اختر انکل کو جب بلال نے یہ بتایا کہ عائشہ نے آپ کی خواہش کی خاطر اپنی والدہ کو گھر بیچنے کے لیے راضی کر لیا تو وہ مجھ سے کس قدر متاثر ہو گئے تھے انہوں نے ایک بار بھی...... ظاہر نہیں ہونے دیا کہ آپ کی بیٹی کی وجہ سے ان کا یہ خواب پورا ہوا ہے بلکہ وہ مکمل طور پر انجان بنے رہے۔

لیکن...... آپ نے سب کی محنت پر پانی پھیر دیا اتنے دنوں کی کوششوں اور جستجو کو ایک پل میں ختم کر دیا اختر انکل کو یہ نہیں پتا کہ میں نے کیا کچھ کیا ہے ان کی خواہش کو پورا کرنے کے لیے وہ تو سمجھ رہے ہیں کہ میں نے صرف آپ کو سمجھایا ہے اب آپ کے انکار کرنے پر وہ کبھی بھی دوبارہ دست سوال نہیں پھیلائیں گے ان کے خاندان میں لڑکیوں کی کوئی کمی تھوڑی ہے وہ تو...... "عائشہ پر نفسیاتی دورہ پڑ گیا تھا وہ نان اسٹاپ بولے جا رہی تھی وہ سانس لینے کے لیے بھی نہیں رک رہی تھی۔

ساجدہ خاتون بت بنی اسے دیکھ رہی تھیں بار بار وہ انہیں جتا رہی تھی کہ اس نے کتنی محنت کی کتنی تکلیف اٹھائی۔

ایک بار بھی اس نے یہ نہیں سوچا تھا کہ اس نے انہیں کتنی تکلیف دی انہیں ذہنی، جذباتی اور جسمانی ہر طرح سے اذیت میں مبتلا رکھا ان کی راتوں کی نیند ان کی بھوک پیاس سب اڑ گئی تھی وہ ہر وقت عبادت میں مشغول [illegible] اس پر دم کیے جاتیں۔

اور سب سے بڑھ کر اس گھر کو بیچنے کا فیصلہ انہوں نے کس دل سے کیا تھا یہ صرف وہی جانتی تھیں وہ گھر چھوڑنے سے ایک رات پہلے اپنے کمرے کی دیوار سے لپٹ کر باقاعدہ روئی تھیں ان کے شوہر مرحوم نے کتنے شوق اور چاؤ سے اس گھر کو خریدا تھا انہوں نے اپنا زیور تک بیچ دیا تھا اس گھر کو بنانے میں اس گھر کی بنیادوں میں کتنے ارمان اور چاؤ پر تکی تھیں یہ صرف وہ جانتی تھیں یا ان کا رب۔

اس لیے اس وقت ان کے دکھ کی انتہا بھی صرف وہی سمجھ سکتی تھیں یا ان کا رب۔

عائشہ تو انجان بنی اپنے دل کا غبار ہلکا کر رہی تھی اور نہ جانے کب تک کرتی رہتی کہ ساجدہ خاتون لہرا کر زمین پر گر پڑیں تو وہ چونک کر ان کی طرف لپکی مگر وہ تب تک ہوش و خرد سے بے گانہ ہو چکی تھیں۔

☆ ☆ ☆

چھوٹا سا کوئی کھلونا یا کانچ ایک گلاس بھی اگر ٹوٹتا ہے تو آواز ہوتی ہے چار لوگ سنتے ہیں۔ لیکن ایک پورے کا پورا انسان ٹوٹ جائے اس کی ہستی کا سارا غرور کرچی کرچی ہو جائے مگر کسی کو پتا تک نہیں چلتا۔ ساجدہ خاتون بھی بالکل ایسے ہی ڈھے گئی تھیں جیسے سب ختم ہو گیا ہو۔

انہیں کسی طور یقین نہیں آ رہا تھا ان کی اپنی بیٹی، ان کی اپنی اولاد، ان کے اپنے خون نے ان کے ساتھ اتنا بڑا دھوکا کیا تھا۔

بلال کے والد کو خوش کر کے ان کی نظروں میں عظیم بننے کے لیے اس نے اپنی ماں کو اتنے دنوں تک سولی پر لٹکائے رکھا اور ان کی اس گھر سے دلی وابستگی جانتے ہوئے بھی اسے بکوا دیا۔

اگر بلال اس سے محبت کرتا تھا تو اسے چاہیے تھا وہ اپنے والدین کو آہستہ آہستہ عائشہ کے لیے راضی کرتا۔ ساجدہ خاتون کو بے وقوف بنا کر ان کے جذبات سے کھیل کر ان کے شوہر کی یادوں کو چھین کر اپنی محبت کے لیے راہ ہموار کی تو یہ تو سراسر خود غرضی پر مبنی ایک سازش ہوئی۔

مگر وہ بلال کو کیا الزام دیتیں جب اپنا ہی سکہ کھوٹا ہو۔

انہیں ہارٹ اٹیک ہوا تھا اور دو دن وہ آئی سی یو میں رہی تھیں پھر کہیں جا کر وہ نارمل روم میں شفٹ ہوئی تھیں۔

آنکھ کھلنے پر جب انہوں نے کچھ کہنا چاہا تو ریاض غفار ان کے قریب چلے آئے اور انہیں روک دیا۔

"کچھ مت کہیں میں سب جانتا ہوں شگفتہ نے آپ کے اور عائشہ کے مابین ہوئی ساری گفتگو سن لی تھی۔ دل تو چاہتا ہے عائشہ کا گلا گھونٹ..." ساجدہ خاتون کے چہرے پر کرب پھیلتے دیکھ کر ریاض غفار نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"عائشہ آپ سے ملنا چاہ رہی تھی مگر میں نے صاف منع کر دیا اسے بلال سے پتا چل گیا ہے کہ آپ نے رشتے سے انکار نہیں کیا ہے شاید اسی لیے تھوڑی سی شرمندہ ہے یا پھر شرمندگی کی ایکٹنگ کر رہی ہے مجھے تو اب اس پر بھروسہ ہی نہیں ہے۔" ریاض غفار سخت برہم تھے۔

"[illegible] صاحب اور ان کی بیوی کو میرے پاس لاؤ" ساجدہ خاتون نے نحیف سی آواز میں کہا۔

"وہ آپ کو دیکھنے آئے تھے آپ ہوش میں نہیں تھیں" ریاض غفار بولے۔

"نہیں ملنے نہیں انہیں بلاؤ میں عائشہ کا نکاح کر کے اسے ابھی رخصت کر دینا چاہتی ہوں۔" ساجدہ خاتون کی [illegible] پر ریاض غفار چونک اٹھے۔

"آپ اتنا کچھ ہونے کے باوجود اس کی شادی بلال سے کرنے پر رضامند ہیں"

"بلال کی کیا غلطی ہے جو کیا ہے عائشہ نے کیا ہے اور مجھے اب اس سے کوئی تعلق نہیں رکھنا۔" ساجدہ خاتون کے لہجے میں برسوں کی تھکن تھی۔

"میں خود بھی یہی سوچ رہا تھا اس کی فوراً شادی کر دینی چاہیے جو کچھ اس نے کیا ہے اس کے بعد اس سے کسی [illegible] کی امید کی جا سکتی ہے وہ عزت سے اپنے گھر کی ہو جائے تاکہ ہماری جان چھوٹے۔ مگر میں بلال سے اس کی شادی نہیں ہونے دوں گا ایسے تو اسے کوئی دکھ ہی نہیں ہو گا وہ جو چاہ رہی ہے اسے مل [illegible] جائے گا" ریاض غفار سخت نالاں تھے۔

"یہی فرق ہوتا ہے اولاد میں اور ماں باپ میں۔ اس نے میرے ساتھ جو بھی کیا میں تب بھی یہ نہیں چاہوں گی کہ اسے کوئی تکلیف پہنچے وہ جو چاہتی ہے اسے مل جائے۔

ویسے بھی وہ ایسی لڑکی نہیں ہے جو کسی کے ساتھ بھی رخصت ہو کر چل پڑے اس کی شادی بلال سے ہو یہی [illegible] کے حق میں بہتر ہے اور جتنی جلدی ہو جائے یہی بہترین ہے" ساجدہ خاتون بہت دل برداشتہ لگ رہی تھیں۔

ریاض غفار ان کی بات پر خاموش ہو گئے وہ بالکل ٹھیک کہہ رہی تھیں کیا فائدہ تھا خود کا تماشا بنانے کا۔ ابھی [illegible] سادگی سے نکاح کر کے اسے بلال کے ساتھ رخصت کر دینے میں کسی کو احساس بھی نہیں ہو گا کہ ان کی بیٹی نے انہیں کس طرح ایذاء پہنچائی ہے سب یہی سمجھیں گے کہ ساجدہ خاتون نے اپنی بیماری سے گھبرا کر بن باپ کی بچی کو فوراً رخصت کر دیا اپنا بھرم بھی رہ جاتا اب ایک ایک کو پکڑ کر تو عائشہ کی حرکتیں نہیں بتائی جا سکتی تھیں۔

☆ ☆ ☆

عائشہ نے جو چاہا وہ اسے مل گیا بلال کو پا کر وہ بہت خوش تھی بس ایک افسوس تھا کہ اس کی ماں اس سے ناراض ہو گئی تھی مگر اسے پتا تھا والدین زیادہ دیر اولاد سے روٹھ نہیں سکتے وقت گزرنے کے ساتھ وہ خود ہی مان جائیں

گے۔

لیکن اسے امید نہیں تھی وقت اسے اس طرح دغا دے جائے گا

ساجدہ خاتون نے اگلے ہی دن ہاسپٹل میں ہی اس کا نکاح کر کے اسے بلال کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اختر صاحب اور ان کی بیوی کی شدید خواہش تھی کہ ان کے اکلوتے بیٹے کی شادی روایتی دھوم دھام سے ہو مگر نازک حالت کے پیش نظر خاموش رہے انہوں نے یہی سوچا ساجدہ خاتون اس وقت بیماری کے باعث ... ہو رہی ہیں ان کے ٹھیک ہونے کے بعد وہ شاندار ولیمہ کریں گے۔

مگر ایک پلاننگ انسان کر رہا ہوتا ہے اور ایک پلاننگ اللہ تعالیٰ کر رہا ہوتا ہے نکاح کے تیسرے دن ان کی طبیعت پھر خراب ہو گئی اور پھر وہ تین دن آئی سی یو میں رہ کر ہمیشہ کے لیے اس دارِ فانی سے چلی گئیں۔

عائشہ جو کہ اب عائشہ اختر ہو چکی تھی ان کی موت پر ششدر رہ گئی اسے پتا تھا اس کی حرکت سے ان کو ... ہو گا لیکن وہ یہ دکھ برداشت ہی نہیں کر پائیں گی یہ تو اسے امید ہی نہیں تھی وہ تو ان سے ڈھنگ سے معافی نہیں مانگ سکی تھی، ریاض غفار نے اسے اکیلے میں ان سے بات ہی نہیں کرنے دی تھی بس نکاح کے بعد ...

صاحب ان کی بیوی اور ان کے بڑے بھائی بھابھی کے ساتھ تھوڑی دیر کے لیے ریاض غفار باتوں میں مشغول ہو گئے تھے شگفتہ غفار بھی باہر کوریڈور میں ان کے ساتھ کھڑی تھیں تب عائشہ ساجدہ خاتون کو اکیلا پا کر ان کے پاس چلی آئی تھی۔

"امی مجھے معاف کر دیں میں نے آپ کا بہت دل دکھایا ہے" ساجدہ خاتون نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں سامنے دیوار کو دیکھتی رہیں۔

"امی پلیز مجھ سے ناراض مت ہوں میں..." عائشہ کچھ کہہ ہی رہی تھی کہ شگفتہ غفار کمرے میں آئیں۔

"تم پھر امی کو پریشان کرنے آ گئیں تمہیں منع کیا ہے نا انہیں ڈسٹرب مت کرو۔"

"بھابھی آپ ہم دونوں کے بیچ مت آئیں میں اپنی ماں سے بات کر رہی ہوں آپ کمرے سے باہر چلی جائیں" عائشہ بڑی بدتمیزی سے بولی اس سے پہلے کہ شگفتہ غفار کچھ بولتیں ساجدہ خاتون بیماری کے باوجود بڑے سخت لہجے میں بولیں۔

"زبان سنبھال کر بات کرو عائشہ وہ تمہاری ماں نہیں ہے۔ جس کے ساتھ تم کچھ بھی کر لو گی اور وہ پلٹ کر تمہیں کچھ نہیں کہے۔ اگر شگفتہ بولنے پر آ گئی تو نئی نئی سسرال میں دو منٹ میں عزت اتر جائے گی" شگفتہ غفار کے سامنے ساجدہ خاتون کا اس طرح ٹوکنا عائشہ کو سلگا گیا وہ ایک دم تنک کر بولی۔

"میں نے ایسا کوئی کام نہیں کیا جس سے میری عزت اتر جائے ہاں آپ کا دل ضرور دکھایا ہے تو اس کی معافی مانگنے آئی ہوں۔"

"معافی تم اس حرکت کی مانگ رہی ہو جس پر تم ذرا بھی شرمندہ نہیں ہو۔ خالی خولی الفاظ ادا کرنے سے معافی کبھی نہیں ملتی اور پھر جس نقصان کا تم ازالہ نہیں کر سکتیں اس پر معافی مانگنے سے کیا ہو گا۔

جب میرا دل تمہاری طرف سے صاف نہیں ہے تو صرف "معاف کیا" کہہ دینے سے کیا تمہیں معافی مل جائے گی؟" ساجدہ خاتون کہتی چلی گئیں عائشہ، شگفتہ غفار کے سامنے اس موضوع پر بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی وہ خاموشی سے لب کاٹنے لگی وہ نہیں چاہتی تھی ساجدہ خاتون اسے شگفتہ غفار کے سامنے ذلیل کریں ساجدہ خاتون کا ایسا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا لیکن اسے سر جھکائے کھڑا دیکھ کر انہیں اپنے کہے پر پچھتاوا ہونے لگا۔

آخر ماں تھیں نا فوراً "بیٹی کے لیے دل پسیج گیا ناراضی اپنی جگہ مگر وہ اس کا اترا ہوا چہرہ برداشت نہیں کر سکتی تھیں تب ہی اسے سمجھاتے ہوئے کہنے لگیں۔

"غلطی پر معافی مل جاتی ہے عائشہ لیکن سوچے سمجھے منصوبے پر بھلا کیا معافی ملے گی اور پھر جو انسان سزا نہیں دے سکتا اس کی معافی بھی کوئی معنی نہیں رکھتی۔

تم نے ایک مکان کو حاصل کرنے کے لیے ایک انسان کا اور خاص طور پر ایک ماں کا دل دکھایا ہے، تمہیں اس مکان میں کبھی سکون نہیں ملے گا" عائشہ چونک کر ساجدہ خاتون کو دیکھنے لگی۔

"میں تمہیں بددعا نہیں دے رہی لیکن میرا دل کہہ رہا ہے تمہیں ایک دن اس تکلیف کا احساس ضرور ہو گا جو تم نے مجھے پہنچائی ہے حالانکہ میری دعا ہے تمہیں کبھی اس عذاب سے نہ گزرنا پڑے جس سے میں گزری ہوں۔

جوان بیٹی کے اوپر آسیب کا سایہ ہونا یا اس کا ذہنی مریضہ ہونا ایک ماں کے لیے کتنا تکلیف دہ ہوتا ہے یہ صرف وہی سمجھ سکتا ہے جس نے یہ سب جھیلا ہو" ساجدہ خاتون بولتے بولتے تھک گئیں تو انہوں نے ہانپنا شروع کر دیا شگفتہ غفار نے فوراً "آگے بڑھ کر پانی کا گلاس ان کے منہ سے لگا دیا اختر صاحب کی بیوی کے کمرے میں آ جانے پر وہ سلسلہ کلام وہیں تھم گیا ویسے بھی عائشہ کے پاس بولنے کے لیے بچا ہی کیا تھا وہ خاموشی سے کمرے سے نکل گئی۔

☼ ☼ ☼

ساجدہ خاتون کے انتقال کا عائشہ کو بہت دکھ ہوا تھا وہ تو یہ سوچے بیٹھی تھی کہ کچھ مہینوں کی بات ہے پھر وہ ساجدہ خاتون کو منا لے گی مگر اب تو اس کا میکا ہی ختم ہو گیا تھا۔

ریاض غفار اس کی شکل تک دیکھنا نہیں چاہتے تھے اوپر سے شگفتہ غفار بھی ایسی بھاوج نہیں تھیں جو دو روٹھے ہوئے افراد کے بیچ صلح صفائی کراتیں وہ تو بالکل ہی بے نیاز ہو کر بیٹھ گئی تھیں۔

بلال اختر بہت اچھے ثابت ہوئے تھے لیکن جیسا کہ بلال نے جتایا تھا کہ اس کے والدین بڑے انا پرست اور قدرے ضدی ہیں تو وہ دونوں واقعی اس کے لیے بڑی ٹیڑھی کھیر ثابت ہوئے تھے۔

انہیں ہر بات پر سوال اور ہر بات پر اعتراض کرنے کی عادت تھی اس کے برعکس عائشہ کسی قسم کی وضاحت اور صفائی دینے کے بالکل عادی نہیں تھی وہ جلد ہی اس ماحول میں گھبرانے لگی اور ایک دن تو وہ گویا سن ہو کر رہ گئی جب اس کی ساس نے کھانا کھاتے وقت اچانک اس سے پوچھا۔

"عائشہ میں نے سنا ہے تم پر شادی سے پہلے کسی آسیب کا سایہ تھا۔ کیا یہ سچ ہے؟"

(باقی ان شاء اللہ آئندہ ماہ)

☼ ☼

عنقہ محمد بیگ

خواب جلی آنکھیں

دوسری قسط ۲

حلیمہ نے ملازمہ کو پھر اس کے سیل فون پر کال لگانے کی تاکید کی دوسری طرف حمنہ نے فون آخر کار اٹھا ہی لیا۔

"ہیلو بیٹی کیسی ہو؟" حلیمہ نے پیار سے پوچھا۔

دوسری طرف حمنہ جو اپنی محبت میں حلیمہ کو ولن کا کردار سمجھ رہی تھی ان پر غصہ ہو گئی۔

"پلیز دادی جان مجھے فون مت کیجیے اب فون کرنے سے کیا فائدہ آپ کو ہو گا؟" وہ غصہ سے بولتی چلی گئی۔ حلیمہ سہم سی گئیں۔

"کیا ہوا بیٹی؟ ایسا کیوں کہہ رہی ہو میری کوئی بات بری لگ گئی ہے کیا؟" حلیمہ جو سب باتوں سے انجان تھیں وہ بے چین ہو کر بولیں۔

"دادی جان پلیز آپ جانتی ہیں پھر انجان کیوں بن رہی ہیں۔" وہ خفگی سے بولی۔

"بیٹی نہیں، نہیں میں کچھ نہیں جانتی تمہارے اور سعد کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے میں ابھی سعد کی خبر لیتی ہوں۔" دادی نے اسے تسلی دی۔

"جھگڑے کی وجہ آپ ہیں۔" وہ لفظ چبا چبا کر بولی۔

"میں، میں جھگڑے کی وجہ ہوں مگر کیسے؟" حلیمہ نے حیرانی سے پوچھا ان کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

"آپ کی وجہ سے وہ لندن شفٹ نہیں ہو رہا جبکہ وہ لندن میرے ساتھ شفٹ ہونا چاہتا ہے۔ مگر آپ کی محبت اسے شفٹ نہیں ہونے دے رہی۔" وہ خفگی سے بولتی چلی گئی۔

"ایسا ایسا میرے علم میں کچھ نہیں" حلیمہ اس کی بات پر حیرت سے بولیں۔

"اچھا تو پھر اب تو آپ کے علم میں یہ بات آگئی ہے کیا آپ سعد کو ایک ترقی یافتہ ملک میں ایک کامیاب زندگی گزارنے کا مشورہ نہیں دیں گی۔" حلیمہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے وہ پیار سے بولیں۔

"بیٹی میں اس کی کامیابی چاہتی ہوں اور ایسی کون سی دادی ہو گی جو اپنے پوتے کو کامیاب ہوتا نہ دیکھنا چاہے۔"

"دادی جان پلیز سعد کو اپنی محبت سے آزاد کر دیں اسے لندن بھیج دیں ہم آپ سے ملنے آیا جایا کریں گے۔" اس نے اب کی دفعہ التجا کی۔

"میں سعد سے بات کرتی ہوں تم بے فکر رہو۔" حلیمہ نے اسے تسلی دی۔

"سوری مجھے معاف کر دیں شاید میں نے آپ کو غلط سمجھ لیا تھا کہ آپ اسے لندن شفٹ نہیں ہونے [illegible] رہیں۔" حمنہ نے ندامت کا اظہار کیا۔

"سعد تمہارا ہے اور تمہارا ہی رہے گا بیٹی، وہ تم سے بہت محبت کرتا ہے اور ان شاء اللہ بہت جلد وہ تمہارے پاس لندن شفٹ ہو رہا ہے۔" حلیمہ نے اسے تسلی دی۔

"تھینک یو دادی جان۔"

"خوش رہو اور سعد کو بھی ہمیشہ خوشیاں دو اچھا میں فون رکھتی ہوں پھر بات کرتے ہیں۔" حلیمہ نے پیار سے فون رکھا اور پھر وہ سوچوں میں گم ہو گئیں ان کی بند آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک مریض کا معائنہ کر رہا تھا جب اس نے حمنہ کا نمبر سیل فون پر جگمگاتا دیکھا اس نے جلدی سے مریض کو فارغ کیا اور جھٹ سے فون اٹھا لیا۔

"ہیلو سعد" اس کی خوشگوار آواز ابھری۔

"آپ کو میری یاد آگئی۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"جی ہاں مجھے آپ کی یاد آگئی آپ کے لیے ایک خوشخبری ہے۔" وہ شوخ سی ہوئی۔

"کیا خوشخبری ہے؟" وہ مسکرا کر بولا کتنے دنوں کے بعد اس نے آج اس کی آواز سنی تھی۔

"پہلے مجھے بتاؤ کہ مجھے انعام کیا دو گے؟" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

"انعام؟ کیسا انعام؟" وہ ہنسا۔

"تمہارا ایک کام آسان کر دیا ہے بلکہ یوں سمجھو تمہارا کام کر دیا" اس نے شوخی سے جواب دیا۔

"کون سا کام؟" وہ ہنسا۔

"میں نے دادی جان سے بات کر لی۔" اس نے

ہنستے ہوئے کہا۔
"کیا بات؟" وہ حیرانی سے بولا۔
"یہی کہ ہم لوگ لندن میں رہنا چاہتے ہیں۔" اس نے بتایا۔ وہ فکر مندی سے بولا۔
"تم نے دادی جان سے کیوں بات کی۔ تم جانتی ہو کہ وہ دمے کی مریضہ ہیں پھر بھی؟"
"مسعد بات تو آخر ان سے کرنی ہی تھی میں نے کر دی تو اس میں بری بات کیا ہے؟" وہ خفگی سے بولی۔
"حمنہ تم ایسی تو نہیں تھیں۔" اس نے افسردگی سے گلہ کیا۔
"میں بہت خود غرض ہو گئی ہوں تم بے شک بول سکتے ہو۔" وہ غصے سے بولی۔
"حمنہ اگر میں تمہیں یہاں رہنے کا بولوں تو کیا تم اپنے والدین اپنے ملک کو چھوڑ نہیں سکتیں؟" اس نے خفگی سے پوچھا۔
"تم جانتے ہو کہ میں لندن چھوڑنا نہیں چاہتی اور تم کیوں نہیں سوچ رہے کہ تمہارے مستقبل کے لیے لندن اچھی جگہ ہے یہاں تمہیں سیکھنے کے بہت سے مواقع ملیں گے۔" وہ لفظ چبا چبا کر بولی۔
"حمنہ کیا تم میری محبت کی خاطر میرے ساتھ میرے گھر پر نہیں رہ سکتیں مجھے اس بات کا جواب چاہیے صرف اس بات کا۔" اس نے زور دے کر پوچھا۔
"نہیں میں وہاں نہیں رہ سکتی" وہ غصے سے بولی۔
"تو ٹھیک ہے میں وہاں نہیں رہنا چاہتا۔" اس نے بھی غصے سے اپنا فیصلہ سنایا۔
دوسری طرف سے رابطہ منقطع ہو گیا وہ غصے سے سیل فون کو تکنے لگا پھر اس نے گاڑی کی چابی اٹھائی اور اپنے گھر جلدی جانے کا سوچا جانتا تھا کہ اس کی دادی حلیمہ بہت اپ سیٹ ہوں گی۔

☼ ☼ ☼

اس نے اپنے قدم گھر پر رکھے ہی تھے کہ سب نے مل کر اسے سالگرہ وش کی وہ یہ سرپرائز دیکھ کر حیران سا ہو گیا۔
کلثوم نے اسے گلے سے لگا لیا سکینہ نے اس کے سر پر پیار دیا جبکہ مدیحہ اور کرن اس کے لیے تالیاں بجاتی رہیں۔
سکینہ نے پھر ہنس کر لڑکیوں سے کہا۔
"کرن بیٹی کیک تو لاؤ جلدی سے۔"
"ابھی لاتی ہوں اماں" اور دوپٹا سنبھال کر وہ باورچی خانے کی طرف بڑھی۔
مدیحہ نے ارسلان کو ایک چھوٹا سا گفٹ دیا جسے ارسلان نے بہت پیار بھری نظروں سے قبول کیا۔
سکینہ نے لفافہ دیا جسے ارسلان رکھنے سے انکار کر رہا تھا مگر پھر کلثوم کی وجہ سے اس نے لے لیا کرن نے ساری چیزیں ٹیبل پر سجا دیں۔ اتنا اچھا انتظام دیکھ کر وہ شرمندہ سا ہوا اور اس نے پیار سے کہا۔
"ان چیزوں کی کیا ضرورت تھی۔" سکینہ نے اسے چھری تھمائی اور پیار سے بولیں۔
"چلو بیٹا کیک کاٹو یہ وقت صرف کیک کاٹنے کا ہے۔"
مدیحہ نے جلدی سے کیک پر موم بتی سجائی اور اسے جلا کر کہا۔
"بھائی چلیے جلدی سے پھونک مار دیں ورنہ میں پھونک مار دوں گی۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔ کلثوم نے کرن کا ہاتھ تھاما اور اسے ارسلان کے ساتھ کھڑا کر کے بولیں۔
"بیٹی تمہاری جگہ یہاں پر ہے تم دور کہاں کھڑی تھیں۔"
ارسلان یہ سب کچھ کرن نے ارینج کیا ہے۔" کلثوم نے ہنستے ہوئے بتایا۔
اس نے ایک نظر کرن پر ڈالی وہ بہت پیاری لگ رہی تھی آج اس نے پہلی دفعہ اسے میک اپ میں دیکھا تھا۔ سکینہ بولیں۔
"بس اور انتظار نہیں چلو بیٹا جلدی سے کیک کاٹو۔"
"ہاں ہاں، ابھی ہم نے تمہیں ایک اور بڑا سرپرائز دینا ہے۔" کلثوم نے ارسلان کے سر پر پیار دے کر

ہنستے ہوئے بتایا۔ وہ مسکرایا اور چھری کیک پر چلائی۔
"ہیپی برتھ ڈے ٹو یو ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔" سب نے مل کر اسے دوبارہ وش کیا۔
مدیحہ نے کیک کا پیس اٹھا کر سب کو کھلایا ارسلان بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔
کلثوم نے اپنے پرس میں سے دو ہزار نکالے اور کرن کے ہاتھ میں رکھ دیے۔
"آج سے سکینہ، کرن ہماری بیٹی ہوئی۔" کلثوم نے ارسلان کو دیکھا۔ سکینہ نے اپنے پرس میں سے سونے کی انگوٹھی نکالی اور ارسلان کے پاس آ کر بولیں۔
"بیٹا اپنا ہاتھ دو۔" ارسلان اس اچانک فیصلے پر پھٹی پھٹی نظروں سے مدیحہ کو تکنے لگا۔ کلثوم مسکرا کر بولیں۔
"بیٹا سکینہ کو ہاتھ دو یہ انگوٹھی ہے ہتھکڑی نہیں۔"
کرن کی رنگت سرخ سی ہو گئی ارسلان نے اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیا سکینہ نے انگوٹھی اس کی انگلی میں پہنائی اور پھر وہ کلثوم سے لپٹ گئیں۔ ان کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی کلثوم ہنس کر بولیں۔
"سکینہ بہن یہ خوشی کے موقع پر آنسو کہاں سے آ گئے ہیں؟"
سکینہ نے اپنے پلو سے آنسو پونچھے اور ارسلان کے سر پر پیار دے کر بولیں۔
"میں کرن کے رشتے کے لیے ہر وقت پریشان رہتی تھی مگر خدا مجھے ارسلان جیسا داماد دے گا میں نے کبھی نہیں سوچا تھا کہ میرے گھر پر خود رشتہ چل کر آ جائے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کا جتنا شکر ادا کروں کم ہے۔" سکینہ نے ارسلان کا ہاتھ تھام لیا۔ ارسلان کے چہرے کی رنگت زرد سی پڑ گئی کرن نے ارسلان کو دیکھا تو اس نے نظریں چرا لیں کرن اس کی حرکت سے خائف ہو کر بے چین ہو گئی اور باورچی خانے میں گھس گئی۔
صحن میں کچھ دیر باتیں ہوتی رہیں پھر سب کمرے میں چلے گئے اپنے نام کی پکار پر پلٹی تو ارسلان سامنے کھڑا تھا اور اس کا چہرہ بجھا سا لگ رہا تھا۔
"جی" اس نے خود کو بمشکل سنبھال کر ہلکی آواز میں جواب دیا۔
"کرن میں تمہیں تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔"
"ہاں ضرور ارسلان بولو کیا بات ہے؟" وہ اس کے بجھے رویے سے مزید گھبرا سی گئی مگر اس نے خود پر قابو پا کر پوچھا۔
"کرن میں، میں یہ شادی نہیں کرنا چاہتا۔" اس نے انگوٹھی اسے واپس دیتے اپنا فیصلہ سنایا۔
وہ جس کی چھٹی حس پہلے ہی اسے کسی بری خبر کی اطلاع دے رہی تھی وہ تو بت بنی کھڑی رہ گئی۔ وہ پھر نظریں چرا کر بولا۔
"دیکھو کرن میں خالہ سکینہ کا دل انکار کر کے توڑنا نہیں چاہتا میں چاہتا ہوں کہ تم اس رشتے سے خود انکار کر دو۔"
"جی میں۔" وہ گھبرا کر بولی۔
"ہاں کرن میں جانتا ہوں کہ تم بھی اس رشتے سے ناخوش ہو۔" اس نے بجھے لہجے سے لفظ ادا کیے۔
وہ حیرت سے اسے تکنے لگی جس کا دل اس کے لیے پہلی بار دھڑکا تھا اور اس کی آنکھوں میں نمی تیرنے لگی۔
"کرن میں جانتا ہوں اس رات وہ تمہارے ساتھ تھا اور تمہیں گھر تک چھوڑنے بھی آیا تھا مگر مجھے افسوس ہے کہ تم نے مجھ سے چھپا کر رکھا ایسا کیوں؟" ارسلان نے بجھے لہجے میں پوچھا اور اس کی طرف دیکھنے لگا۔
وہ خاموش اس کی نظروں میں گناہ گار بن کر کھڑی رہی اس نے بمشکل اپنے آنسوؤں کو روکا۔
"کرن مجھے امید ہے کہ تم بہت جلد اپنی خوشیوں کی خاطر یہ رشتہ توڑ دو گی اور میں بھی اس رشتے سے بہت جلد آزاد ہونا چاہتا ہوں۔" اس نے آگے بڑھ کر انگوٹھی ٹیبل پر رکھ دی۔
اس سے پہلے وہ کچھ بولتی مدیحہ اس کا گفٹ اٹھا کر لے آئی۔
"ارسلان بھائی آپ کدھر رہ گئے تھے یہ دیکھیے یہ آپ کے لیے خاص گفٹ ہے۔" اس نے مسکرا کر

گفٹ ارسلان کو تھمایا۔ ارسلان نے پھیکی مسکراہٹ لبوں پر سجائی اور نرمی سے بولا۔
"یہ کس نے دیا ہے؟"
"یہ کرن آپی نے خاص اپنے ہاتھوں سے آپ کے لیے کچھ بنایا ہے۔" اس نے ہنستے ہوئے اطلاع دی۔ ارسلان نے نظریں چرا کر کہا۔
"تھینک یو کرن" پھر گفٹ لے کر چلا گیا' مدیحہ کرن کے ساتھ لگ کر بولی۔
"میری پیاری بھابھی آپ کی شکل پر بارہ کیوں بج رہے ہیں۔" کرن نے ٹیبل کی طرف اشارہ کیا مدیحہ نے ٹیبل پر ارسلان کی انگوٹھی کو دیکھا۔ تو فکر مندی سے اٹھا کر بولی۔
"یہ یہ تو ارسلان بھائی کی ہے جو ابھی ابھی خالہ سکینہ نے انہیں پہنائی تھی" مدیحہ نے گھبرا کر کرن کو دیکھا۔ کرن کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے مدیحہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے فکر مندی سے پوچھا۔
"کرن آپی یہ انگوٹھی! ارسلان بھائی نے آپ سے کچھ کہا ہے کیا؟"
"مدیحہ اس رات جب میں عثمان سے ملنے گئی تھی تو ڈاکٹر سعد کے ساتھ ارسلان نے مجھے دیکھ لیا ہے اور اس وجہ سے وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔" کرن نے روتے ہوئے بتایا۔
"کرن آپی پلیز خود کو سنبھالیں ارسلان بھائی کی غلط فہمی میں دور کردوں گی۔ آپ رونا بند کریں کہیں اماں اور خالہ سکینہ کے علم میں یہ بات آگئی تو مسئلہ سلجھنا مشکل ہو جائے گا۔" اس نے کرن کے آنسو پونچھے۔ وہ لرزتی آواز سے بولی۔
"ارسلان یہ سمجھ رہا ہے کہ میں کسی اور سے محبت کرتی ہوں۔"
"کرن آپی میری وجہ سے آپ دونوں کے درمیان دیوار کھڑی ہوئی ہے اب یہ میرا فرض ہے کہ میں یہ دیوار گرادوں۔" مدیحہ نے سوچ کر جواب دیا۔
"تم تم! ارسلان کو کیا بتاؤ گی۔" کرن نے پوچھا۔
"وہ جو سچ ہے۔" مدیحہ کا چہرہ پیلا پڑ گیا۔
"نہیں تم ارسلان سے کوئی بات نہیں کرو گی" کرن نے اپنے آنسو پونچھتے اسے منع کیا۔
"کیوں آپی میں ارسلان بھائی سے سچ نہیں کہہ سکتی اس سے آپ کی زندگی تباہ ہو رہی ہے۔" انگوٹھی کو دیکھتے جواب دیا۔
"نہیں مجھ سے وعدہ کرو تم ایسا کچھ بھی ارسلان کو نہیں بتاؤ گی۔" اس نے گھبرا کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔
"کیوں آپی آپ ایسا کیوں نہیں چاہتیں۔" مدیحہ نے لرزتی آواز میں پوچھا۔
"مدیحہ تمہاری عزت کو روند کر میری زندگی میں خوشیاں آئیں ایسی خوشیوں کو پا کر میں خوش رہ سکتی ہوں؟ پگلی تمہیں میں نے اپنی چھوٹی بہن سمجھا ہے۔"
"آپی تو پھر اس مسئلے کو کیسے سلجھایا جائے گا۔" مدیحہ نے فکر مندی سے انگوٹھی دیکھتے پوچھا۔
"سب کچھ اللہ کے بھروسے پر چھوڑ دو اللہ ہمیں اس مصیبت سے خود ہی نکال لے گا وہ اپنے بندوں کی مدد ضرور کرتا ہے۔" اس نے آنسو پونچھے اور پیار سے اس کا ہاتھ تھام کر تسلی دی اس کی سانسیں بحال ہونے لگیں اور اس نے کرن کو گلے سے لگا لیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے بے تابی سے گفٹ کھولا ایک پرکشش کڑھائی والا کرتا دیکھ کر اس کا بجھا چہرہ کھل اٹھا اس میں ایک چھوٹا سا کارڈ بھی تھا جسے اس نے بے صبری سے کھولا اور پڑھنے لگا۔
"پیارے ارسلان تمہیں سالگرہ بہت بہت مبارک ہو میری دعا ہے کہ تمہیں زندگی کی ساری خوشیاں ملیں۔ جن کی تم خواہشات رکھتے ہو ایک چھوٹا سا تحفہ اپنے ہاتھ سے کڑھائی والا کرتا پیش کر رہی ہوں تم اس کو پہنو گے تو میں سمجھوں گی میری محنت وصول ہو گئی" اس نے مسکرا کر کڑھائی پر ہاتھ پھیرا کہ ایک دم اس کی نظروں میں اس رات

کا منظر سامنے آگیا کرن کے بالوں کو کوئی سلجھا رہا تھا اور اس کے ہاتھ کسی اور کے ہاتھوں میں تھے۔
اس نے غصے سے کرتا ایک طرف پھینکا مدیحہ جو کمرے میں داخل ہو رہی تھی کرن کا تحفہ اس کے قدموں پر آن پڑا اس نے حیرانی سے کرتا اٹھایا۔
"ارسلان بھائی یہ کیا بچکانہ حرکت ہے آپ کسی کی محبت کا یہ صلہ نہیں دے سکتے آپ جانتے ہیں کہ کرن آپی نے پوری ایک رات آنکھوں میں کاٹ کر یہ کڑھائی کی ہے اور آپ نے اسے زمین پر پھینک دیا۔" وہ غصے سے پوچھنے لگی۔
"مجھے کرن کی کسی بات پر اعتبار نہیں رہا اور شاید یہ کڑھائی والا کرتا وہ کسی اور کے لیے بنا رہی تھی میری سالگرہ دیکھ کر اس نے مجھے گفٹ کر دیا۔" وہ غصے سے بولا۔
"ارسلان بھائی آپ ایسا کیسے کہہ سکتے ہیں آپ کرن آپی پر بلاوجہ کے الزام لگا رہے ہیں کبھی کبھی آنکھوں دیکھا بھی سچ نہیں ہوتا پلیز آپ کرن آپی سے بات کر کے اپنی غلط فہمی کو دور کریں۔" مدیحہ نے کڑھائی والا کرتا تہہ کیا اور اسے ارسلان کی الماری میں رکھ کر مشورہ دیا۔
وہ خاموشی سے باہر کے دروازے کی طرف بڑھا اس کے دل و دماغ پر وہ منظر چھایا ہوا تھا۔
"آپ کہاں جا رہے ہیں اس وقت!" مدیحہ نے حیرت سے پوچھا جو اکثر آفس سے آنے کے بعد لیٹ جاتا تھا وہ کوئی جواب دیے بغیر نیچے اتر گیا۔ اس نے فکر مندی سے آگے بڑھ کر دیکھا ارسلان گھر کے مین دروازے سے باہر نکل گیا تھا اس کا چہرہ بجھ گیا وہ خود کو دونوں کا قصوروار ٹھہرا رہی تھی اور حقیقت میں بھی ایسا ہی تھا۔

☼ ☼ ☼

سکینہ اور کلثوم نے ایک ٹرے میں مٹھائی لی اور محلے میں بانٹنے کی غرض سے نکلیں جبکہ کرن نے کوشش کی کہ وہ نہ جا سکیں کیونکہ ارسلان نے اسے انگوٹھی اتار کر یہ واضح کر دیا تھا کہ وہ کبھی اس کا نہیں ہو سکے گا۔ اس نے اپنے آنسوؤں کو چھپا کر رکھا تھا جبکہ دونوں مائیں پرجوش انداز سے چلی گئیں۔ اس نے خود کو کمرے میں بند کر لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی کہ وہ کیسے اپنی ماں کو بتا سکے گی کہ یہ سب خوشیاں جھوٹی ہیں اور وہ کیسے ارسلان کو سمجھائے گی کہ وہ بے قصور ہے وہ مدیحہ کو کسی بھی مشکل میں نہیں ڈالنا چاہتی تھی اس کے پاس آنسوؤں کے علاوہ کچھ نہ تھا۔
دوسری طرف مدیحہ نے جلدی سے کپڑے تبدیل کیے اسے اندازہ تھا کہ کرن ارسلان کی وجہ سے آج بہت پریشان ہے اس لیے اس نے سوچ لیا کہ آج کی رات وہ کرن کے ساتھ گزارے گی ابھی وہ باتھ روم سے چینج کر کے باہر نکلی تو کمرے میں عثمان کو ایک طرف بیٹھا دیکھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔
"عثمان تم تم یہاں' تمہیں یہاں کسی نے دیکھ لیا تو بہت برا ہوگا۔" وہ کانپتی آواز سے بولتے ہوئے اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔ وہ ہنسا خوب ہنسا اور ہنستے ہنستے بولا۔
"میرا تو کوئی بال بھی بیکا نہیں کر سکتا ہاں مجھے یہاں دیکھ کر شاید تمہاری زندگی عذاب بن جائے گی تم کرن کو کب بہانے سے میرے پاس لا رہی ہو۔" اس نے ہنستے ہوئے اس کا بازو پکڑ لیا اور اسے مزید اپنے پاس کر لیا۔
"عثمان تم بہت گھٹیا انسان ہو میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ تم اس حد تک گر سکتے ہو۔" وہ اپنا بازو چھڑانے کی کوشش کرنے لگی۔
"سچ میں بہت گھٹیا انسان ہوں تم میری بات چھوڑو بس یہ بتاؤ کہ تم کرن کو میرے پاس کب لا رہی ہو۔" اس نے مدیحہ کا گال چھو لیا۔ مدیحہ نے غصے سے عثمان کے منہ پر تھپڑ مارا وہ مسکرایا۔
"یہ تھپڑ تم نے نہیں یہ تھپڑ مجھے کرن نے مارا ہے اس نے تمہارے اندر یہ ہمت ڈالی ہے' مجھے کرن جیسی لڑکیاں بہت پسند ہیں۔" وہ چیخی اور شدید غصے سے بولی۔
"تمہاری یہ خواہش کبھی پوری نہیں ہوگی کرن تم سے اب کبھی ملنے نہیں آئے گی۔"

"ہاہاہا" وہ ہنسا۔

"تمہیں بچانے کے لیے وہ ضرور میرے پاس آئے گی اور میرے خیال میں اب وہ اکیلی ہی ہو گی" اس نے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔ وہ چیخی۔

"خبردار جو، جو تم نے کرن آپی پر بری نظر بھی ڈالی میں تمہاری جان نہ لے لوں" مدیحہ اس پر جھپٹ پڑی اس نے دونوں ہاتھوں سے عثمان کا گریبان پکڑ لیا عثمان نے خود کو چھڑوایا اور مدیحہ کو خود سے دور پھینکا۔

مدیحہ ڈریسنگ ٹیبل پر جا پڑی ٹیبل پر پڑا گلدان اور کچھ چیزیں زمین پر آ گریں جس کی آواز نیچے تک پہنچی کرن جو منہ دھو کر باورچی خانے کی طرف آ رہی تھی۔ اس نے صحن سے اوپر والے پورشن کی طرف دیکھا اور مدیحہ کو پکارا۔

"مدیحہ مدیحہ!" عثمان اس کی آواز پر مسکرایا اور بولا

"شاید آج ہی میں کرن کو اپنا بنا لوں گا۔" اس نے یہ کہہ کر اپنے قدموں کو حرکت دی۔ مدیحہ نے تیزی سے دراز کھولی اور زہر کی شیشی ہاتھ میں تھام کر بولی۔

"رک جاؤ عثمان میں کرن آپی کو اپنی وجہ سے تمہارے ہاتھوں مزید ذلیل نہیں ہونے دوں گی" عثمان نے مدیحہ کے ہاتھ میں شیشی دیکھی وہ گھبرایا اور ڈرتے ہوئے بولا۔

"پاگل مت بنو" وہ مدیحہ کی طرف بڑھا اس سے پہلے کہ وہ مدیحہ سے شیشی چھین لیتا مدیحہ نے زہر کی شیشی منہ سے لگا لی۔ وہ پھٹی آنکھوں سے اسے دیکھنے لگا۔ مدیحہ نے شیشی خالی کر کے دور پھینکی اور عثمان کی طرف قدم بڑھانے لگی۔

"اب تم میرا اور کرن آپی کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔" اس کا لہجہ بہت مضبوط تھا۔

"تم پاگل ہو" وہ چیخا پھر تیزی سے اس نے اپنے قدم دوسرے کمرے کی طرف بڑھا دیے جہاں سے اک کھڑکی باہر کو کھلتی تھی۔ وہ گھر سے ارسلان کلثوم اور سکینہ کو نکلتا دیکھ کر دیوار پر لگے پائپ کی مدد سے گھر میں داخل ہوا تھا دو منٹ میں وہ وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔

کرن کی آواز پھر ابھری۔

"مدیحہ، مدیحہ تم کہاں ہو سامنے آؤ۔" کرن نے صحن سے اسے آوازیں دیں۔ جس کو اوپر والے پورشن میں کچھ آوازیں سننے کو ملی تھیں۔ جیسے مدیحہ کے ساتھ کوئی اور بھی موجود ہے مدیحہ نے خود کو سنبھالا جس کا سر چکرانے لگا اس نے جلدی سے اک کاغذ قلم پکڑا اور لکھتے لکھتے ہی وہ کرسی سے نیچے جا پڑی۔ اس کے منہ سے خون نکلنے لگا اس کا لکھا کاغذ جو ارسلان کے لیے تھا وہ ڈریسنگ ٹیبل کے نیچے جا پڑا مدیحہ نے اس کاغذ کو آخری بار دیکھا پھر اس کی آنکھیں بند ہو گئیں۔

☼ ☼ ☼

"ہم، ہم مدیحہ کو کس ہسپتال لے کر جائیں یہ پولیس کیس ہے۔" ارسلان نے گھبرا کر مدیحہ کو رکشے میں ڈالا اور کرن سے پوچھا۔

ڈاکٹر سعد ڈاکٹر سعد ہماری ضرور مدد کریں گے اس نے رکشا والے کو ڈاکٹر سعد کے کلینک کا پتا بتایا رکشا تیزی سے چلنے لگا۔

"مدیحہ نے زہر کیوں کھایا ہے" ارسلان نے اسے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا۔

"ارسلان خود کو سنبھالو ابھی یہ سوچنے کا وقت نہیں ہے، ہمیں اس کی سلامتی کے لیے دعائیں کرنا چاہئیں۔"

"یا اللہ میری بہن کو اپنی حفاظت میں رکھنا۔" ارسلان نے بے ہوش مدیحہ کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

"آمین، ابھی وقت اتنا نہیں گزرا پلیز بھائی رکشا تیز چلائیں کسی کی زندگی موت کا سوال ہے۔"

"جی جی بہن۔" رکشا والے نے مزید اسپیڈ تیز کر دی تقریباً پندرہ منٹ میں وہ لوگ ڈاکٹر سعد کے کلینک آ پہنچے تھے۔

ارسلان نے مدیحہ کو جلدی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں اٹھایا اور کرن سمیت کلینک میں داخل ہوا۔

"ڈاکٹر سعد، ڈاکٹر سعد۔" کرن پکارتی ہوئی اس کے آفس میں جا گھسی۔

ارسلان بھی مدیحہ سمیت اندر داخل ہوا ڈاکٹر سعد نے کرن کو فکر مند پایا تو گھبرا کر سیٹ سے اٹھا۔

"خیریت کیا ہوا؟ کرن آپ اس وقت۔"

"ڈاکٹر مدیحہ نے زہر کھا لیا پلیز آپ اسے بچا لیں۔"

"اوہ نو۔" اس نے جلدی سے بیل بجائی ایک نرس بھاگتی ہوئی اندر آئی۔

"نرس جلدی سے مریض کو آپریشن تھیٹر منتقل کیجیے۔" ڈاکٹر سعد نے فوراً حکم دیا۔ نرس نے تیزی دکھائی اور ارسلان کی مدد سے مدیحہ کو آپریشن تھیٹر منتقل کیا۔

"ڈاکٹر سعد پلیز مدیحہ کو بچا لیجیے گا۔" ڈاکٹر سعد آپریشن تھیٹر میں تیاری کے ساتھ جانے لگا تو ارسلان نے لرزتی آواز میں کہا۔

"آپ ان کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں ان شاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ڈاکٹر سعد نے اس کا کندھا تھپتھپا کر تسلی دی ایک نظر ڈاکٹر سعد نے کرن پر ڈالی۔ اس کی نظروں سے ایسا محسوس ہوا کہ وہ اس کی مشکور ہے ڈاکٹر سعد نے آپریشن تھیٹر کا رخ کیا اور وہ دونوں مدیحہ کے لیے دعا گو ہو گئے۔

☼ ☼ ☼

"بس کلثوم رونا بند کرو وہ ٹھیک ہو جائے گی۔" سکینہ نے کلثوم کو تسلی دی جو گھر پر بیٹھی رو رہی تھیں۔

"کیا ہوا سکینہ میری بیٹی کو مجھے بتاؤ ایسا پہلے تو کبھی اس کے ساتھ نہیں ہوا تھا۔"

"کچھ نہیں ہوا کمزوری کی وجہ سے بے ہوش ہو گئی ہے وہ لوگ ہسپتال لے کر گئے ہیں نا۔" سکینہ نے کلثوم سے ساری بات چھپا لی وہ کلثوم کو بتانا نہیں چاہتی تھیں کہ ان کی بیٹی نے زہر کھا لیا ہے۔

"مجھے، مجھے بھی ہسپتال جانا ہے۔" کلثوم نے چادر سنبھالی اور روتے ہوئے چارپائی سے اٹھیں۔

"کلثوم بہن بچے وہاں گئے ہوئے ہیں، ہمیں ان کا گھر بیٹھ کر انتظار کرنا چاہیے کلثوم بہن آپ رونا بند کریں محلے کے لوگوں میں یہ بات پھیل گئی تو لوگ ہماری مدیحہ کے خلاف الٹی سیدھی باتیں بنا لیں گے۔" سکینہ نے ان کا ہاتھ تھام کر سمجھایا۔

کلثوم کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

"سکینہ بہن تم مجھ سے کچھ چھپا تو نہیں رہی ہو، ارسلان نے مجھے اپنے ساتھ جانے سے منع کیوں کیا؟" کلثوم نے لرزتی آواز سے پوچھا اور حیرت سے سکینہ کو دیکھنے لگیں۔

"نہیں میری بہن تمہارے رونے کی وجہ سے وہ تمہیں ساتھ لے کر نہیں گیا تم وہاں جا کر روتی رہتیں تو وہ لوگ مزید اپ سیٹ ہو جاتے حوصلہ کرو بہن کرن اس کے ساتھ گئی ہے ہمیں مدیحہ کے لیے دعا کرنی چاہیے۔"

"یا اللہ میری مدیحہ کو بچا لے اس کو صحت عطا فرما میں اپنی بیٹی کے بغیر مر جاؤں گی۔" کلثوم نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ چھپا کر روتے روتے دعا کی۔

سکینہ کی آنکھوں سے بھی آنسو ٹپکنے لگے وہ بھی مدیحہ کی وجہ سے بہت خوفزدہ سی ہو گئی تھیں کہ اس نے زہر کھانے جیسی اتنی بڑی غلطی کیوں کی ہے۔

☼ ☼ ☼

"اماں، اماں وہ ٹھیک ہے۔" وہ گھر میں داخل ہوا تو کلثوم اس کی طرف لپکیں اور بے صبری سے مدیحہ کے متعلق پوچھا تو اس نے پیار سے ماں کو اس کی خیریت کی اطلاع دی۔

"مجھے، مجھے بھی وہاں ہسپتال جانا ہے۔" کلثوم نے بے صبری سے کہا۔

"اماں وہ ٹھیک ہے اور صبح تک اسے میں گھر لے آؤں گا بس ایک کمبل اور کچھ ضروری سامان لینے آیا تھا۔" ارسلان نے نظریں چرا کر بتایا۔

"نہیں بیٹا مجھے اس کو دیکھنا ہے۔" کلثوم نے روتے ہوئے کہا۔

ارسلان کی آنکھیں بھی پرنم سی ہو گئیں اس نے

فکر مندی سے سکینہ کی طرف دیکھا۔

"کلثوم بہن خود کو سنبھالو' ارسلان ٹھیک کہہ رہا ہے اور پھر تم وہاں چلی جاؤ گی تو میں تمہارہ جاؤں گی۔" سکینہ نے اس کو ارسلان سے الگ کیا۔ کلثوم نے کچھ سوچا اور پھر ارسلان سے گھبرا کر پوچھا۔

"پیسے تمہارے پاس تھے کیا؟" ارسلان کا چہرہ زرد پڑ گیا اور اس نے فکر مندی سے کہا۔

"وہ اماں کرن کے جاننے والے ڈاکٹر سعد کے پاس ہم لوگ چلے گئے تھے ابھی بل جمع کرواتا ہے۔"

"ڈاکٹر سعد! تم لوگ ڈاکٹر سعد کے کلینک میں ہو۔" سکینہ نے پوچھا۔

"جی خالہ سکینہ کرن مدیحہ کو وہاں لے گئی تھی میں تو اس محلے سے واقف نہیں تھا اور پھر مجھے کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا' اماں آج مدیحہ اگر سانس لے رہی ہے تو یہ کرن کی بدولت ہے۔" ارسلان نے کرن کے حوالے سے بتایا کہ اس نے کس طرح اس کی ہر جگہ مدد کی۔

"سکینہ میں کیسے تمہارے احسانات اتاروں گی۔" کلثوم نے سکینہ کو گلے سے لگایا۔

"بس بس یہ سب ان باتوں کا وقت نہیں ارسلان بیٹا تم ضرورت کی چیزیں سنبھالو تمہیں دیر نہ ہو جائے۔" سکینہ نے اسے احساس دلایا کہ اس نے جلدی واپس بھی جانا ہے۔

وہ تیزی سے اوپر کی سیڑھیاں چڑھ گیا اس نے مدیحہ کے کمرے سے کمبل اٹھایا تو اسے فرش پر اک صفحہ گرا پڑا دکھائی دیا وہ اس صفحے کی طرف بڑھا اور پھر اس پر لکھی تحریر پڑھ کر اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں

☼ ☼ ☼

"آپ کا بہت شکریہ آپ نے آج پھر میری مدد کر دی آپ نہ ہوتے تو شاید آج مدیحہ کے ساتھ کچھ ہو جاتا۔" کرن ڈاکٹر سعد کے سامنے بیٹھی ہوئی تھی۔

"آپ اس لڑکے کو پولیس کے حوالے کیوں نہیں کرتیں اس کی وجہ سے مدیحہ نے اپنی جان لینے کی کوشش کر لی اگر خدانا خواستہ دیر ہو جاتی تو میں اسے بچا نہیں سکتا تھا۔" ڈاکٹر سعد نے فکر مندی کا مظاہرہ کیا۔

"جی بس وہ عزت کی خاطر ہم چپ کر گئے اور پھر ایسا کرنے سے تو مدیحہ کی بدنامی زیادہ ہوتی تھی۔" کرن نے اپنی سوچ ظاہر کی۔

"جی یہ بھی آپ صحیح فرما رہی ہیں۔" ڈاکٹر سعد نے جواب دیا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

"مجھے ایک مریض دیکھنے جانا ہے آپ یہاں بیٹھ کر آرام کر سکتی ہیں جب تک۔ مدیحہ کو آئی سی یو سے وارڈ میں شفٹ نہیں کیا جاتا۔"

"تھینک یو۔" کرن نے ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا۔

"آپ بار بار شرمندہ کر رہی ہیں یہ تو میرا فرض تھا جو میں نے ادا کیا آپ کو شکریہ کہنے کی ضرورت نہیں۔" اس نے لبوں پر ہلکی مسکراہٹ سجا کر جواب دیا اور آفس سے نکل گیا۔ وہ منہ میں بڑبڑائی۔

"ابھی اس بری دنیا میں کچھ اچھے انسان باقی ہیں۔" وہ عثمان جیسے گھٹیا انسان کے متعلق پھر سوچنے لگی کہ اسے پولیس کے حوالے وہ کس طرح کرے گی اسی سوچ میں تھی کہ اسے سیل فون کی رنگ ٹون کمرے میں سنائی دی اس نے چونک کر ٹیبل کے پاس دیکھا تو ڈاکٹر سعد کا سیل فون بج رہا تھا سیل فون پر کوئی بار بار کال کر رہا تھا جس پر اس نے یہ سوچ کر اٹھا لیا کہ شاید کسی کو ڈاکٹر سعد کی اشد ضرورت ہے۔

"ہیلو سعد۔" دوسری طرف ایک لڑکی کی آواز ابھری جس کی آواز میں خفگی سی اسے محسوس ہوئی۔

"میں میں ہوں' وہ ڈاکٹر سعد اپنے آفس میں نہیں۔" اس نے گھبرا کر جواب دیا اب اسے خود پر غصہ آیا کہ اس نے ان کا فون کیوں اٹھایا۔

"تم کون ہو؟" اس لڑکی کی آواز مزید کرخت سی ہو گئی۔

"میں' میں کرن ہوں۔" اس نے ہلکی آواز میں جواب دیا اسے یوں لگا جیسے اس کی آواز حلق میں دب سی گئی ہو۔

"کرن کون کرن میں کرن کے متعلق نہیں جانتی کیا آپ مجھے جانتی ہیں میں حمنہ ہوں۔" اس نے رعب سے اپنا تعارف کروایا۔

"جی جی حمنہ جی' میں کرن ہوں آپ نے میرا سونے کا سیٹ خریدا تھا۔" اس نے اب قدرے ریلیکس ہو کر بات کی مگر حمنہ کی طرف سے اسے الٹا جواب ملا۔

"اچھا تو آپ ہیں اور یہ سیل فون تو سعد کا تھا کیا انہوں نے آپ کو تحفہ میں دے دیا ہے جس کی وجہ سے آپ ان کا فون ریسیو کر رہی ہیں۔" اس نے خفگی دکھائی۔

"نہیں' نہیں وہ میں ان کے آفس میں بیٹھی ہوں اور وہ کسی مریض کو دیکھنے گئے ہیں آپ کی بار بار کال آ رہی تھی میں نے سوچا کہ شاید کوئی پرابلم میں ہے بس اس وجہ سے ان کا فون اٹھا لیا۔"

"کرن میں تم جیسی لڑکیوں سے اچھی طرح واقف ہوں معصوم بن کر مردوں کو اپنے قابو میں کرنا خوب آتا ہے۔" وہ غصے سے بولی۔

"نہیں حمنہ جی آپ کچھ غلط سوچ رہی ہیں ڈاکٹر سعد تو میرے محسن ہیں اور میں ان کی بہت عزت کرتی ہوں۔"

"محسن کب محبوب بن جائے گا یہ پتا بھی نہیں چلے گا اور میں بھی یہ سوچ رہی تھی کہ آخر سعد لندن آنے سے کیوں منع کر رہا ہے دادی تو ایک بہانہ ہیں اصل وجہ شاید تم ہو۔"

"جی آپ کیا سمجھ رہی ہیں پلیز ایسا کچھ بھی نہیں ہے میرا یقین کریں۔" وہ گھبرا کر وضاحت دے رہی تھی کہ ڈاکٹر سعد آفس میں داخل ہوا وہ اسے دیکھ کر مزید گھبرا سی گئی۔

اس نے سیل فون اس کی طرف بڑھا دیا اور ڈرتے ڈرتے بولی۔

"آپ کا سیل فون بار بار بج رہا تھا اس لیے میں نے اٹھا لیا مگر حمنہ جی اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور آفس سے باہر نکل گئی۔

ڈاکٹر سعد نے فکر مندی سے ہیلو کہا دوسری طرف لائن کٹ چکی تھی۔

وہ سیل فون کی طرف دیکھتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے واش روم میں آ کر منہ پر چھینٹے مارے اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

"یہ' یہ مجھ سے کیا ہو گیا۔" وہ روتے ہوئے آئینے میں دیکھ کر بولی۔

"مجھے ان کی کال پک کرنی چاہیے تھی' انہوں نے میری اتنی مدد کی اور میں نے ان کی زندگی میں شک کا بیج بو دیا یا خدا مجھے معاف کر دے مجھ سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہے حمنہ ان کی منگیتر نے میری اس غلطی کی وجہ سے ان سے اگر تعلق توڑ دیا تو تو کیا ہو گا۔" وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اسے حمنہ کی باتوں سے بہت ڈر لگ رہا تھا۔

"کرن کرن۔ آپ ٹھیک تو ہیں۔" واش روم کے باہر سعد کی آواز ابھری اس نے جلدی سے اپنے آنسوؤں کو پونچھا اور اپنا حلیہ ٹھیک کر کے باہر نکلی۔

"جی میں ٹھیک ہوں۔" اس نے نظریں چرا کر کہا۔

"آپ' آپ حمنہ کی کسی بات پر پریشان نہ ہوں وہ دراصل ان کے ساتھ۔" ڈاکٹر سعد نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"آپ آپ ان کے پاس لندن چلے جائیے وہ آپ کی منتظر ہیں۔" اس نے حمنہ کی حمایت کی وہ مسکرایا۔

"آپ خود کو ریلیکس کر لیں اور کچھ بھی غلط مت سوچیں' میں حمنہ کو منا لوں گا وہ میرے لیے بہت زیادہ حساس ہے اس لیے حمنہ نے اگر آپ کو کچھ الٹا سیدھا بول دیا ہے تو اس کے لیے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں۔" ڈاکٹر سعد نے کرن کو مطمئن کرنا چاہا۔

کرن نے ایک گہری نظر اس پر ڈالی جو پریشان ہو کر بھی اسے پریشان نہ ہونے کی نصیحت کر رہا تھا پھر اس نے مدیحہ کے متعلق بتایا کہ اسے آئی سی یو سے کمرے میں منتقل کر دیا ہے۔

"کیا اب وہ خطرے سے باہر ہے۔" اس نے پوچھا۔

"ہاں ہاں آؤ چلو وہ اب ہوش میں آگئی ہے۔" ڈاکٹر سعد نے اسے خوشی سے بتایا۔

پھر وہ ڈاکٹر سعد کے ساتھ مدیحہ کے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ مدیحہ کے کمرے میں پہنچی تو ارسلان وہاں پہلے سے موجود تھا مدیحہ سہمی سی محسوس ہوئی۔

"کیسی ہو مدیحہ؟" اس نے ماتھا چوم کر پوچھا اور اس کا ہاتھ تھام کر پاس بیٹھ گئی۔

ڈاکٹر سعد نے اس کی ڈرپ کو چیک کیا اور پھر مسکرا کر کہا۔

"اب آپ ٹھیک ہیں۔" مدیحہ نے ہلکی مسکراہٹ لبوں پر بکھیر دی ڈاکٹر سعد نے ارسلان کا کندھا تھپتھپایا جو اداس کھڑا تھا۔

"مدیحہ اب ٹھیک ہے آپ شام کو اسے گھر لے کر جاسکتے ہیں۔" ڈاکٹر سعد نے اسے تسلی دی۔

"وہ ہسپتال کے اخراجات میں ایک ہفتے کے اندر ادا کردوں گا۔" ارسلان نے آہستہ آواز سے اسے اپنی مجبوری بتائی مگر کرن نے اس کی بات سن لی اس سے پہلے مدیحہ کچھ محسوس کرتی وہ مدیحہ سے مخاطب ہوگئی۔

"اللہ کا شکر ہے مدیحہ کہ تم ٹھیک ہو آئندہ ایسی غلطی سوچ کر بھی نہ کرنا تمہیں اندازہ نہیں کہ کل رات سے ہم سب تمہارے لیے کتنے پریشان ہیں۔" اس نے نرمی سے مدیحہ کو سمجھایا۔

ڈاکٹر سعد ارسلان سے بات چیت کر کے کمرے سے نکل گیا مدیحہ نے ارسلان کو افسردہ پایا۔

"بھائی جان، آپ نے مجھے معاف تو کر دیا نا۔" اس نے پرنم آنکھوں سے پوچھا۔ وہ ارسلان کی افسردگی کو اپنے لیے ناراضی سمجھ رہی تھی۔

"نہیں پگلی تمہیں معافی مانگنے کی بھی ضرورت نہیں، میں نے تمہارا وہ خط پڑھ لیا ہے افسوس تو مجھے اس بات کا ہوا کہ تم نے زہر کھانے کی غلطی کیوں کی؟ مجھے عثمان کے متعلق بتاتیں اور کرن مجھے تم سے امید نہیں تھی تم نے بھی خود کو مصیبت میں ڈالا مجھے ڈاکٹر سعد سب کچھ بتا گئے ہیں اگر تمہارے ساتھ کچھ برا ہو جاتا تو اس کا ذمہ دار کون ہوتا میں تم دونوں سے بے حد خفا ہوں۔" ارسلان نے ان دونوں کو غلطی کا احساس دلایا۔

"بھائی جان پلیز مجھے معاف کر دیں۔" مدیحہ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے تھے۔

"اچھا اچھا رونا بند کرو۔" ارسلان نے اس کے آنسوؤں کو پونچھا۔

"اماں اور خالہ کلثوم بھی تمہیں دیکھنے ہسپتال آ رہی ہیں اس لیے یہ بات ہم تینوں میں رہے تو اچھا ہے مدیحہ ہم نے اماں کو نہیں بتایا۔" ارسلان نے اس کے سر پر پیار دے کر بتایا۔

"جی بھائی میں بہت بری ہوں میں نے اماں کے لیے بھی نہیں سوچا کہ جب انہیں اس بات کا علم ہوگا تو ان پر کیا گزرے گی۔"

"مدیحہ میری پیاری بہن سب کچھ بھول جاؤ، بھول جاؤ، کوئی عثمان بھی تمہاری زندگی میں آیا تھا میں اور ارسلان تمہارے ساتھ ہیں اور پھر ارسلان عثمان جیسے گھٹیا انسان کو خود ہی دیکھ لے گا۔" اس نے مدیحہ کو تسلی دی جس کا چہرہ زرد پڑا ہوا تھا۔

"ڈاکٹر سعد نے پولیس کو شاید عثمان کے متعلق کارروائی کرنے کا فون کر دیا ہے ڈاکٹر سعد بہت اچھے انسان ہیں۔" ارسلان نے ڈاکٹر سعد کے لیے سوچ کر لفظ ادا کیے۔

اس رات کا واقعہ اب اس کی نظروں میں گھومنے لگا کہ ڈاکٹر سعد کرن کو اس وقت تسلی دے رہا تھا اور اس نے کتنا غلط سوچ لیا تھا۔

اس نے کرن پر نظریں ڈالیں جو ہر بات کو بھول کر مدیحہ کے لیے سیب کاٹ رہی تھی اسے کرن پر بے انتہا پیار آیا جس نے اس کی بہن اس کی عزت کو

بچانے کے لیے اپنی عزت کو داؤ پر لگا دیا تھا۔

☼ ☼ ☼

"یہ دادی اماں کہاں جانے کی تیاری ہو رہی ہے۔" وہ سوٹ کیس ملازمہ اٹھا کر دیوار کے ساتھ لگا رہی تھی تب وہ کمرے میں داخل ہوا۔

"تم جا رہے ہو لندن۔" حلیمہ نے مسکرا کر بتایا۔

"میں..... نہیں تو۔" وہ چونک کر بولا۔

"جی جناب میں تمہیں وہاں حمنہ کے پاس بھیج رہی ہوں تاکہ تم اپنی نئی زندگی شروع کر سکو۔" حلیمہ نے اس کا ہاتھ تھام کر بتایا۔

"دادی جان ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا میں آپ کو چھوڑ کر کبھی جا ہی نہیں سکتا۔" اس نے خفگی سے جواب دیا۔ اسے حمنہ کی اس بے وقوفی پر بہت غصہ آ رہا تھا کہ اس نے دادی اماں کو تمام بات سے آگاہ کر دیا تھا۔

"تم اکیلے کب میں بھی تمہارے ساتھ جا رہی ہوں۔" حلیمہ نے مسکرا کر بتایا۔

"سچ کیا؟" حلیمہ کی بات پر وہ کھل اٹھا۔

"تو اور کیا جہاں میرے پوتے کی خوشیاں وہاں اس کی دادی اور پھر لندن بھی دیکھ لوں گی۔" حلیمہ نے مسکرا کر کہا۔

"اوہو یو آر گریٹ۔" سعد نے ان کو گلے سے لگایا اور ان کا ماتھا چوم لیا۔

"اچھا بس، ہمیں حمنہ کو سرپرائز دینا ہے تم اسے بالکل نہیں بتاؤ گے کہ ہم اس کے پاس آ رہے ہیں۔" حلیمہ نے شرارتاً کہا۔

"ہاں، ہاں ہم اسے سرپرائز دیں گے تو وہ یقیناً بہت خوش ہو جائے گی تو پھر دادی میں ٹریول ایجنٹ سے بات کر کے اسے انتظامات کا کہہ دیتا ہوں۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے اس عرصے میں، میں بچی کے لیے خریداری بھی کر لوں گی اور تم بھی اپنی انتظامیہ کو بتا دینا۔"

"ٹھیک ہے دادی۔" ڈاکٹر سعد آسودہ سا ٹریول ایجنٹ کو کال کرنے لگا۔

☼ ☼ ☼

وہ مدیحہ کے لیے سوپ تیار کر رہی تھی کہ ارسلان اس کے پیچھے آ کھڑا ہوا۔ آج کافی دنوں کے بعد وہ ریلکس ہوا تھا مدیحہ کافی بہتر ہو رہی تھی اور عثمان کی بھی پولیس نے خوب پٹائی کی تھی اور اس کی ساری تصاویر ارسلان نے جلا دی تھیں جن سے عثمان مدیحہ کو بلیک میل کر رہا تھا۔

"کچھ چاہیے تھا۔" کرن نے اس سے پوچھا۔

"ہاں وہ، وہ کرن بس دیکھنے آیا تھا کہ سوپ تیار ہو گیا ہے۔" اس نے بات پلٹی جبکہ وہ کرن سے بات چیت کے ارادے سے آیا تھا۔

"بس پندرہ منٹ اور لگیں گے۔" اس نے جواب دیا اور سوپ والی دیگچی کی آنچ کم کرنے لگی وہ خاموشی سے باہر نکلنے لگا اس نے پلٹ کر کرن کی طرف دیکھا وہ کاموں میں مصروف ہو گئی اسے اپنی غلطی کی معافی مانگنی تھی جس کے لیے وہ بے چین تھا وہ سوچوں میں گم تھا کہ کرن نے پلٹ کر اسے دیکھ لیا۔

"ارسلان۔" اس نے اسے مخاطب کیا۔

"ہاں ہاں۔" وہ گھبرایا۔

"کیا بات ہے سب ٹھیک تو ہے۔" کرن نے فکر مندی سے پوچھا۔

"ہاں سب ٹھیک ہے وہ مجھے پانی پینا تھا۔" اس نے نظریں چرا کر جواب دیا اور پھر ریک میں سے گلاس اٹھا کر فریج کی طرف بڑھ گیا اس نے جلدی جلدی اپنے لیے پانی نکالا اور پی کر باورچی خانے سے نکل آیا اس کی معافی مانگنے کی ہمت نہیں ہو رہی تھی۔ وہ اداس مدیحہ کے کمرے میں آ بیٹھا، سکینہ اور کلثوم مدیحہ کے ساتھ گپ شپ میں مصروف تھیں۔ مدیحہ نے اسے دیکھا تو مجبوراً اسے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھیرنی پڑی جبکہ وہ خود کو اندر سے کوس رہا تھا کہ اس نے کرن جیسی لڑکی کے لیے کتنا برا سوچ لیا تھا۔

سکینہ اور کلثوم گھر کا راشن لانے کے ارادے سے بازار کو چل دیں تو ارسلان مدیحہ کے پاس تنہا رہ گیا۔

مدیحہ نے پیار سے پوچھا۔

"ارسلان بھائی آپ بہت پریشان دکھائی دے رہے ہیں کوئی بات ہے؟" اس نے دھڑکتے دل سے پوچھا۔

"مدیحہ نہیں ایسی ویسی کوئی بات نہیں میں کرن سے معافی مانگنا چاہ رہا تھا مگر میری ہمت ہی نہیں ہو سکی کہ اس کے سامنے خود کو کھڑا کروں میں نے کیسے کیسے برے الزامات اس پر لگا دیے تھے۔" وہ اپنے فعل پر بہت نادم تھا۔

"بھائی وہ بہت اچھی ہیں آپ معافی مانگیں گے تو وہ آپ کو معاف کردیں گی۔" مدیحہ نے کرن کا سوچ کر اس کو تسلی دی۔

"مجھے معافی کے ساتھ ساتھ اس سے اک اور بات بھی کرنی ہے۔" اس نے نظریں جھکا کر کہا۔

"کیسی بات؟ کیا آپ انہیں پرپوز کرنے والے ہیں؟" مدیحہ شوخ سی ہو گئی۔

"ہاں میں اس کے سامنے اپنی محبت کا اعتراف بھی کرنا چاہتا ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے مدیحہ کو بتایا۔

"ریئلی بھائی مجھے بہت خوشی ہو رہی ہے کہ آپ دونوں پھر سے ایک ہو جاؤ گے میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کر رہی ہوں میں آپ کی شادی پر خوب ڈانس کروں گی۔" اس نے طمانیت سے اپنا ارادہ ظاہر کیا۔

"جی نہیں آپ کا یہ ڈانس پروگرام نہیں ہو سکے گا کیونکہ آپ کی شادی مجھ سے پہلے ہو رہی ہے۔" ارسلان نے مدیحہ کی شادی کا ذکر کیا مدیحہ شرما سی گئی اور اس نے اپنی نظریں جھکا لیں اس سے پہلے ارسلان کچھ بولتا کرن ٹرے میں سوپ کا باؤل لے کر آتی دکھائی دی

☼ ☼ ☼

اگلی صبح وہ فجر کی نماز ادا کرنے کے بعد باورچی خانے میں آ کھڑی ہوئی کل رات کے برتن پڑے تھے اس نے جلدی جلدی برتنوں کو صاف کیا اور چائے کا پانی رکھ کر ناشتا تیار کرنے لگی۔

"کیا میں تمہاری کچھ مدد کر سکتا ہوں۔" ارسلان باورچی خانے میں داخل ہو کر بولا وہ کل رات سو نہیں پایا تھا اور صبح کا بے صبری سے انتظار کر رہا تھا۔

"نہیں" کرن نے روٹی کا پیڑا بناتے ہوئے جواب دیا۔ "کیوں" وہ مرجھا سا گیا اور اس کے پاس آ کھڑا ہوا۔

"اس لیے کہ آپ پراٹھا نہیں بنا سکتے" وہ ہنسی اور اس نے پیڑے کو تھوڑا سا ہاتھ سے پھیلانا شروع کر دیا۔

"مجھے دو میں آج تمہیں اپنے ہاتھ سے پراٹھا بنا کر دیتا ہوں" اس نے پیڑا اس کے ہاتھ سے چھین لیا۔

"ارسلان آپ، آپ یہ کیا کر رہے ہو" وہ اس کے اس رد عمل پر حیرت سے بولی۔

"تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں" اس نے پیڑے کو بیلن کی مدد سے آہستہ آہستہ بیلنا شروع کر دیا۔

"اوہو نہیں ایسے نہیں ایسے۔" وہ اس کے بیلن کی تیزی پر اسے ہدایت دینے لگی ارسلان کو اس کی روک ٹوک بہت اچھی لگ رہی تھی پھر اس نے بڑی مشکل سے پراٹھے کو توے پر ڈالا اور خوب ہنسا وہ مسکرا کر بولی۔

"یہ کس ملک کا نقشہ آپ نے بنایا ہے؟"

"یہ یہ ایسا ملک ہے جو ابھی پندرہ منٹ پہلے اس دنیا میں منظر عام پر آیا ہے۔" وہ ہاتھ دھوتے ہنستے ہوئے بولا۔ اس نے احتیاط سے پراٹھا پلٹا اور مسکرا کر بولی۔

"اچھا تو اس کا مطلب ہے کہ ابھی اس ملک کا کوئی نام نہیں؟"

"ہاں اور اس ملک کا نام ہو گا 'پیار'" وہ ہنستے ہوئے بولا۔ کرن کا دل اس کی بات پر دھڑکا اور اس نے نظریں چرا لیں۔ وہ اس کے مزید پاس آ کھڑا ہوا اور محبت سے بولا۔

"کرن اس ملک میں صرف میں اور تم ہوں گے"

"جی" اس نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا وہ اسے بہت پیار سے دیکھ رہا تھا۔

"پراٹھا جل جائے گا" وہ پراٹھا اتارنے کے لیے آگے بڑھی اس نے کرن کا ہاتھ تھام لیا کرن کی سانس بہت تیز سی ہو گئی۔

"کیا تم میرے ساتھ اس ملک میں رہنا چاہو گی" اس نے پیار سے پوچھا۔

"ارسلان اک منٹ" اس نے جلدی سے پراٹھا توے سے اتارا اور پلیٹ میں رکھ کر بولی۔

"آپ میری دنیا کو جلانے والے تھے" اس نے پراٹھا اسے دکھاتے جواب دیا۔

وہ خوب ہنسا اور پیار سے بولا۔

"اس کا مطلب ہے کہ کرن تم میری ہو" اس نے وضاحت مانگی وہ نظریں جھکا کر بولی۔

"میں نے بہت پہلے ہی خود کو آپ کے نام کر دیا تھا مگر شاید آپ کو لفظوں کی تسلی چاہیے۔" وہ شرماتے بولی۔

"کرن مجھے معاف کر دو میں تمہیں سمجھ نہیں سکا" وہ کان پکڑ کر بولا۔ وہ ہنسی۔

"میں آپ کو اچھی طرح سے سمجھ گئی ہوں کہ آپ مجھ سے اتنی محبت کرتے ہیں کہ میرے ساتھ کسی کا سایہ بھی آپ سے برداشت نہیں ہوتا۔"

"کیا آپ کو میری محبت سے ڈر لگ رہا ہے" وہ ہنسا۔

"نہیں میں تو خوش قسمت ہوں کہ مجھے آپ جیسا چاہنے والا مل گیا جو اس طرح کے نقشے بنا بنا کر میرا دل بہلائے گا۔" اس نے قہقہہ لگایا اور اس سے پہلے کہ وہ اس کا ہاتھ تھامنے کے لیے آگے بڑھتا خالہ سکینہ کی آواز باورچی خانے میں پہنچی۔

"کرن بیٹی ناشتا تیار ہو گیا ہے تو لے آؤ" وہ ڈر کر پیچھے ہٹا اور وہ مسکرانے لگی۔

☼ ☼ ☼

تیسری بیل پر اس نے فون اٹھا لیا وہ بے تابی سے بولا۔

"ہیلو ہیلو حمنہ میں ہوں سعد۔"

"ہاں سعد بولو۔" وہ خفگی سے بولی۔

"میرا فون کیوں نہیں پک کر رہی ہو۔" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

"سعد ہم دونوں کے رشتے میں بچا ہی کیا ہے جو میں تمہارا فون پک کروں۔" اس نے دو ٹوک جواب دیا۔

"حمنہ تم کتنی بدل گئی ہو۔" اس نے افسردگی سے کہا۔

"میں نہیں بدلی تم بدل گئے ہو سعد۔" اس نے فوراً سارا قصور اس پر ڈال دیا۔

"اچھا چھوڑو ساری باتیں تمہیں آج کا دن یاد نہیں۔" اس نے مسکرا کر پوچھا۔

"کیا مطلب، مجھے کچھ یاد نہیں۔" وہ فوراً بولی۔

"ریئلی" وہ افسردگی سے بولا جو اس کے فون کا منتظر تھا۔

"ریئلی سعد بتاؤ مجھے کچھ یاد نہیں۔" وہ بے زاری سے بولی۔

"یار ٹوڈے از مائی برتھ ڈے۔" اس نے لہجہ کو شوخ بنایا۔

"اوہو ریئلی آئی ایم سوری میں بھول گئی تھی۔" اس نے اوپری لہجہ سے معافی مانگی۔

"حمنہ آج سالگرہ بھولی ہو ایسا نہ ہو کہ تم مجھے بھی بھول جاؤ اچھا تو میرا تحفہ کہاں ہے؟" وہ ہنستے ہوئے بولا۔

"تمہارا گفٹ ہاں بہت پیارا گفٹ میں نے تمہیں دینا ہے۔" وہ مطمئن لہجے سے بولی۔

"کیا؟" وہ بے صبری سے بولا۔

"تمہارے لیے سرپرائز ہو گا۔" اس نے سرد لہجہ میں جواب دیا۔

"کیسا سرپرائز اور اتنی خفا کیوں ہو رہی ہو۔" وہ اس کے لہجے کو سمجھ کر پوچھنے لگا۔

"میں، میں تمہیں پاکستان آ کر وہ گفٹ دوں گی" اس نے خود کو سنبھالا۔

"کیا؟ تم پاکستان آ رہی ہو میرے پاس۔" وہ خوشی سے بولا۔

"جی ہاں" وہ افسردگی سے بولی۔

"ریئلی مجھے یقین نہیں آرہا حمنہ تمہیں میں سرپرائز دینے والا تھا مگر تم نے۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"تم تم کب پاکستان آرہی ہو۔" وہ بے صبری سے بولا۔
"جب آنے لگوں گی تمہیں بتا دوں گی۔" وہ افسردگی سے بولی۔
"حمنہ تم پریشان ہو۔" اس نے پیار سے پوچھا۔
"نہیں تو میں بالکل ٹھیک ہوں۔" اس نے طنزیہ جواب دیا۔ "تمہاری آواز سے تو خفگی جھلک رہی ہے۔" اس نے حمنہ کے رویے کے متعلق جاننے کی کوشش کی۔
"نہیں نہیں میں بالکل فٹ ہوں اچھا مجھے اک دوست کے ساتھ شاپنگ پہ جانا ہے وہ میرے گھر آچکی ہے پھر بات کرتے ہیں۔" حمنہ نے بے زاری سے فون بند کر دیا۔
وہ کافی دیر تک اس کے رویے کو سوچتا رہ گیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے اداس نظروں سے اپنے ہاتھ کی طرف دیکھا جس پر ڈرپ بار بار لگانے کی وجہ سے نیلا دھبا پڑ گیا تھا اس کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔ اس نے کبھی سوچا نہیں تھا کہ وہ اپنی جان لے گی وہ خود سے کتنا پیار کرتی تھی وہ جانتی تھی کبھی جو وہ گر جاتی یا پھر سبزی کاٹتے اس کے ہاتھ میں کٹ لگ جاتا تو وہ چیخ اٹھتی مگر اسے زہر کھاتے وقت کچھ یاد نہ آیا شاید عثمان نے اس کو اتنا دکھ دے دیا تھا کہ اسے موت میں ہی پناہ نظر آئی

اس کا یونیورسٹی میں پہلا دن تھا اور وہ گھبرا کر ایک طرف کو چل رہی تھی یہاں اس کی کوئی سہیلی کیسے ہو سکتی ہے ابھی ایک ماہ ہوئے وہ لوگ اس نئی آبادی میں رہنے کے لیے آئے تھے ارسلان نے اس کا ایڈمیشن کروا دیا اور اسے بائیک پر چھوڑ کر سیدھا اپنے آفس کو نکلا ورنہ وہ ارسلان سے تھوڑی مدد لے لیتی وہ اک روم کے پاس جا کھڑی ہوئی کلاس میں طالبات اپنی سیٹ پر خاموشی سے بیٹھے تھے اور لیکچرار صاحب کی آواز کمرے سے باہر آرہی تھی اس نے لیکچر دھیان سے سنا وہ اکنامکس کی کلاس تھی اور وہ اکنامکس کی اسٹوڈنٹ نہیں تھی وہ پلٹی تو بے دھیانی میں اس کی ٹکر ایک لڑکے سے ہوئی۔
"اوہو نو" اس کا برگر اور پیپسی کی بوتل دور جا گری

"معاف کر دیجیے گا۔" وہ گھبرائی
"آپ دیکھ نہیں سکتی تھیں کہ میں آرہا ہوں۔" وہ غصے سے بولا۔
"سوری میں، میں نے آپ کو نہیں دیکھا مجھے معاف کر دیجیے۔" وہ سہمے ہوئے لہجے میں بولی۔
اس نے ایک بھرپور نظر اس کے وجود پر ڈالی اور وہ ہنسا۔
"آپ یہاں نئی ہیں کیا؟"
"جی جی۔" اس کی نظریں زمین پر گری بوتل اور برگر پر تھیں۔
"سوری یہ چیزیں" اس نے بوتل کی طرف اشارہ کیا۔
"کوئی بات نہیں آپ نے نقصان کرنا تھا میرا کر دیا۔" وہ ہنسا۔
"البتہ آپ کا نام کیا ہے؟" اس نے ہنستے ہوئے پوچھا۔
"جی میں مدیحہ ہوں مجھے نفسیات کی کلاس میں جانا تھا مگر مجھے کلاس کہیں نہیں مل رہی۔" اس نے اپنی مشکل بتائی۔
"کوئی بات نہیں اب آپ کو کلاس مل جائے گی۔" وہ ہنسا۔
"اچھا مگر کیسے؟" مدیحہ نے حیرت سے پوچھا۔
"اوہو میں آپ کو لے جاؤں گا چلیے۔" اس نے ہنستے ہوئے کہا۔
"تھینک یو لیکن یہ جو آپ کا میں نے نقصان کیا ہے کل میں آپ کو اس کے پیسے لا کر دے دوں گی۔"

اس نے شرمندگی ظاہر کی وہ اس کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے بولا۔
"مجھے ایسی لڑکیاں بہت اچھی لگتی ہیں جو نقصان کر کے اس کا فائدہ سوچنے لگیں ریئلی آپ بہت اچھی ہیں۔"
"آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں۔" وہ رکی۔
"نہیں تو۔" وہ حیرانی سے بولا۔
"آپ کو میرا مسکراتا ہوا چہرہ اس بات کی گواہی نہیں دے رہا کہ میں آپ کے ساتھ خوش ہوں۔ کیا ہم دوست بن سکتے ہیں؟"
"نہیں نہیں۔" وہ گھبرائی۔
"کیوں۔۔۔ آپ ڈر کیوں گئیں۔" وہ اس کے زرد چہرے پر مسکرایا۔
"دیکھیے پلیز مجھے نفسیات کی کلاس دکھا دیں اور میں کل آپ کا نقصان بھر دوں گی اس کے علاوہ مجھ سے کوئی امید مت رکھیں۔" اس نے ڈرتے ڈرتے بتایا۔
"اوکے" وہ بھی یک دم غصے سے بولا اور پھر ایک طرف سیدھا چلنے لگا ایک کلاس پر جا کر اس کے قدم رکے اس نے پلٹ کر دیکھا۔
"آپ کی کلاس آگئی ہے" اور پھر وہ اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا وہ کافی دیر تک اسے دیکھتی رہی اس نے محسوس کیا کہ وہ اس سے خفا ہو کر گیا ہے۔

☼ ☼ ☼

اگلے دن وہ اسے یونیورسٹی میں ڈھونڈنے لگی مگر وہ کہیں اسے نہ ملا۔ تھک ہار کر وہ اپنے لیے کینٹین سے جوس لینے لگی تو اک لڑکے نے زور سے اسے کندھا مارا وہ جلدی سے سنبھلی ورنہ شاید اس کا سر شیشے کی الماری سے جا ٹکراتا۔
"آپ کو تمیز نہیں" اس نے غصے سے کہا۔
اس لڑکے نے مڑ کر دیکھا اور اس کے پاس آکر بولا۔
"نہیں ہے تمیز اگر سکھانا چاہتی ہو تو لائبریری میں چلو میرے ساتھ سیکھ لیتا ہوں اور تمہیں بھی کچھ سکھا دیتا ہوں"
"شٹ اپ جاسم" اسے اپنے پیچھے سے کسی کی آواز سنائی دی۔
"یہ مدیحہ جی ہیں میری دوست، خبردار جو ان سے بدتمیزی کرنے کا سوچا بھی۔" وہ اسے اپنے ساتھ کھڑا نظر آیا تو اس کی اٹکی سانس بحال ہوئی۔
"اوکے باس معاف کیجیے گا مدیحہ بہن۔" اس لڑکے نے فوراً کان پکڑ لیے اور اس کو عزت کے ساتھ بہن بھی بنا لیا۔
"آپ، آپ کہاں تھے" اس کا شکریہ ادا کرنے کے بعد وہ اس سے پوچھنے لگی۔ وہ مسکرایا۔
"کیوں آپ مجھے کیوں ڈھونڈ رہی تھیں اوہو کہیں آپ مجھ سے دوستی تو نہیں کرنا چاہتیں۔" وہ ہنسا۔
اس نے ـــــ بیگ میں سے پیسے نکالے اور دیتے ہوئے بولی "آپ کے پیسے وہ کل جو نقصان کیا تھا۔"
"اف ریئلی آپ اس لیے مجھے ڈھونڈ رہی تھیں تو کاش کہ میں آج آپ سے نہ ملتا آپ کو پتا ہے آج میری برتھ ڈے ہے اور آج آپ نے میری برتھ ڈے والے دن میرا دل توڑ دیا۔" اس نے افسردگی چہرے پر سجالی۔
"نہیں، نہیں دراصل میں کسی سے دوستی کرنا نہیں چاہتی۔" وہ گھبرائی۔
"میں دوسروں کی نہیں اپنی بات کر رہا ہوں۔" وہ ہنسا۔
"جی وہ تو ٹھیک ہے مگر۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔
"اچھا چلیے دوستی مت کیجیے اپنا باڈی گارڈ ہی بنا لیں۔" اس نے مدیحہ کو دیکھ کر مسکراہٹ دی۔ وہ بھی اس کی معصومیت پر ہنس پڑی۔

☼ ☼ ☼

وہ ایک ہفتہ یونیورسٹی کا بہت اچھا گزرا عثمان نے ہر

طرح سے مدد کی اور پھر اچانک ایک دن اس کے دوست نے بتایا کہ اس کا بری طرح سے ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اس کے پیروں تلے سے زمین جیسے نکل گئی ہو۔ وہ اس سے ملنے کے لیے بے تاب سی ہو گئی اسے پہلی دفعہ اندازہ ہوا کہ وہ اسے پسند کرنے لگی ہے۔ اور یوں وہ اس کے دوست کے ساتھ اس کے گھر جا پہنچی اسے چوٹیں کافی آئی تھیں۔

"تم بائیک احتیاط سے چلایا کرو۔" اس نے فکر مندی سے نصیحت کی۔

"آج جو میری حالت ہے وہ تمہاری وجہ سے ہے" وہ ہنسا۔

"کیا مطلب؟" وہ گھبرائی۔

اس نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ اور مسکرا کر بولا۔

"بائیک چلاتے چلاتے تمہارے خوابوں میں کھو گیا تھا۔"

"کیوں۔ میرے خوابوں میں کیوں کھو گئے تھے۔" وہ ہنسی۔

"مجھے مدیحہ تم سے محبت ہو گئی ہے اور اگر تم نے انکار کیا تو میں پھر بائیک جان بوجھ کر ٹرین سے جا ماروں گا" اس نے بے تابی سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔

"اف توبہ خبردار جو ایسی بات کی" مدیحہ نے اس کے ہونٹوں پر ہاتھ رکھا جو اس نے چوم لیا وہ گھبرائی اور شرما سی گئی۔

"مجھ سے شادی کرو گی" اس نے بازو پکڑ کر اپنے پاس کیا۔ وہ اس کے بہت قریب آ کر گری۔

"عثمان یہ خواب ہے یا پھر سچ" اس نے نظریں ملا کر پوچھا۔

"یہ سچ ہے بالکل سچ" اس نے مدیحہ کو بانہوں کے حصار میں لے لیا۔

☼ ☼ ☼

"اف۔ بس بھی کرو کتنی تصویریں لو گے میں تم سے ملنے کے لیے آئی تو ہوں۔ اتنی تصویریں لینے کا کیا فائدہ؟"

"یار۔ ساری رات تمہاری تصویریں دیکھ دیکھ کر گزر جاتی ہے تمہارے ہاتھ اف میری دھڑکنیں تیز کر دیتے ہیں بہت پیارے تمہارے ہاتھ ہیں۔" اس نے بوسہ دیا۔

"بس بھی کرو۔ اچھا تم اپنی اماں کو میرے گھر کب بھیج رہے ہو میرا رشتہ آیا ہے کہیں اماں میری بات پکی نہ کر دیں۔"

"اوہو۔ میں دیکھتا ہوں کہ کون میری گڑیا کو مجھ سے چھین کر لے جا سکتا ہے۔" وہ ہنسا۔

"بتاؤ نا کب تم اپنی اماں کو لے کر میرے گھر آؤ گے۔" اس نے بے تابی سے پوچھا۔ اس نے مدیحہ کو بانہوں کے حصار میں لینا شروع کر دیا۔

"میرا دل کرتا ہے تمہاری زلفوں میں سارا دن رہوں۔" اس نے پیار سے اسے دیکھا۔

"اوہو عثمان تم بتا نہیں رہے کب اماں آئیں گی۔" وہ بے تابی سے بولی۔

"کل آ جائیں گی۔ تمہارے گھر اب خوش۔" اس نے کہا۔

"میرا اپنا گھر ہو گا۔ ہمارے چھوٹے چھوٹے بچے ہوں گے۔ تم آفس سے گھر لوٹو گے میں تمہارے لیے کھانا پکاؤں گی۔ کتنی پیاری زندگی ہو گی۔" اس نے عثمان کو دیکھ کر کہا۔

اس سے پہلے کہ عثمان کوئی جواب دیتا دروازہ یک دم کھلا اور ایک لڑکی عثمان پر جھپٹ پڑی وہ بری طرح سے پیچھے ہٹی۔

"پاگل ہو گئی ہو۔ سمیعہ چھوڑو۔" وہ چیخا۔ سمیعہ اس کو تھپڑ مار رہی تھی اور پھر وہ غصے سے اس پر جھپٹا۔ مدیحہ عثمان کے اس رویے پر ڈر گئی جو سمیعہ کو جوتی سے پیٹنے لگا تھا۔ سمیعہ نے اسے کانپتے دیکھا تو ہنسی۔

"پاگل لڑکی یہ پیار کے چکر میں غریب لڑکیوں کو پھانستا ہے ان کی عزت سے خوب کھیلتا ہے پھر ان کو بلیک میل کر کے ان کو اپنے دوستوں کو خوش کرنے کا سامان بنا دیتا ہے اور اپنے دوستوں سے پیسے وصول کرتا ہے یہ تمہارا ابھی سودا کرے گا بھاگ جاؤ۔" وہ چیخی۔

"یہ یہ جھوٹ بول رہی ہے مدیحہ۔" وہ اس کی طرف بڑھا۔

"نہیں۔ نہیں عثمان تم جس طرح اسے گالیاں دے رہے تھے اور اسے مار رہے تھے تم وہ عثمان نہیں۔" وہ ڈر کر دروازے کی طرف بڑھی۔

"مدیحہ۔ میں میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں یہ یہ لڑکی جھوٹی ہے میں نے اس کی محبت کو ٹھکرا دیا تھا اس لیے یہ ایسا کر رہی ہے۔"

"نہیں۔ مدیحہ یہ انسان بہت جھوٹا ہے اگر تمہیں یقین نہیں آتا تو میں تمہیں ان لڑکیوں سے ملوا دوں گی جو اس کا شکار بنی ہیں اور اپنی عزت کی خاطر اس کے راستے پر چل پڑیں۔" اس نے مدیحہ کا ہاتھ پکڑ لیا اس کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

"چھوڑو عثمان۔" اس نے اپنا ہاتھ چھڑوایا۔

"دیکھو مدیحہ یہ جھوٹ بول رہی ہے۔" وہ معصومیت سے بولا۔

"نہیں وہ اتنا بڑا گھٹیا الزام تم پر کیوں لگائے گی۔" مدیحہ اس پر چیخی اس سے پہلے کہ وہ سنبھلتی جو کانپ رہی تھی عثمان نے پوری طاقت سے اس کو طمانچہ مار دیا۔ وہ دور اس کے بستر پر جا پڑی اس کے ہونٹوں سے خون بہنے لگا وہ سہم سی گئی وہ اس کے قریب آنے لگا۔

"مجھے جانے دو عثمان پلیز عثمان میں میں ایسی لڑکی نہیں ہوں۔" وہ چیخی۔

عثمان نے لبوں پر مسکراہٹ سجائی۔ مگر دوسرے ہی لمحہ اس کا چہرہ فق پڑ گیا۔ سمیعہ نے اس کی کمر پر خنجر گھونپ دیا تھا ایک زور کی چیخ مدیحہ نے ماری جس کی آواز باورچی خانے میں پہنچی کرن اور ارسلان اسی کے مسئلے پر بات کر رہے تھے دونوں اوپر پورشن کی طرف لپکے۔

ارسلان کمرے میں گھبرا کر داخل ہوا مدیحہ بری طرح سے کانپ رہی تھی۔

"کیا ہوا مدیحہ؟" کرن نے اس کے ہاتھ تھامے جو بری طرح سے کانپ رہے تھے۔

"وہ۔ وہ عثمان پھر پھر۔" وہ ڈر کے مارے بول نہیں رہی تھی۔ کرن نے اس کا ماتھا چوما اور اسے سینے سے لگا کر بولی۔

"تمہیں کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے میں اور ارسلان تمہارے ساتھ ہیں پھر تمہیں کیوں ڈر لگ رہا ہے۔" اس نے پیار سے پوچھا۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے ارسلان اس کے سامنے آ بیٹھا اور پیار سے بولا۔

"مدیحہ عثمان تمہاری زندگی میں آنے والا اک برا خواب تھا اور خوابوں کو یاد نہیں رکھتے حقیقت یہ ہے کہ میں تمہارے ساتھ ہوں اور عثمان یہ شہر چھوڑ کر دور چلا گیا ہے اب وہ کبھی تمہاری زندگی میں واپس لوٹ کر نہیں آ سکتا" ارسلان نے اسے بتایا۔

"چلو جلدی سے آنسو صاف کرو" کرن نے مسکرا کر اسے اپنا دوپٹا تھمایا وہ ابھی تک اس کے سینے سے چمٹی ہوئی تھی۔

مدیحہ نے اپنے آنسو صاف کیے اور لرزتی آواز سے بولی۔

"ارسلان بھائی میں بہت بری ہوں میں نے آپ کی عزت کی پروا نہ کی اور چھپ کر اس سے۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"بھول جاؤ۔ مدیحہ سب کچھ۔ تم بری نہیں اور یہ غلطی تو معافی کے قابل ہے تمہیں عثمان کی اصلیت کا جلد علم ہو گیا خدانخواستہ بات آگے چلی جاتی تو سوچو پھر کیا ہوتا؟" کرن نے اسے دلاسا دیا۔ وہ کافی مطمئن سی ہو گئی اور کرن کو گلے سے لگا کر بولی۔

"کرن آپی آپ مجھے کبھی چھوڑ کر مت جانا آپ کی موجودگی سے مجھے بہت سکون ملتا ہے۔" اس نے کرن کو دیکھا۔ ارسلان نے جھٹ سے کہا۔

"تو ایسا کرتا ہوں کہ مدیحہ کی چارپائی تمہارے کمرے میں لے جاتا ہوں یہ تمہارے ساتھ بہتر

محسوس کرتی ہے اکیلے کمرے میں بری یادوں میں کھو کر یہ اپنی صحت بگاڑے گی۔" ارسلان نے مدیحہ کے سر پر پیار دیا اور کرن کو دیکھتے کہا۔

"کیوں نہیں ارسلان اور مدیحہ میں تمہیں کبھی چھوڑ کر نہیں جاؤں گی بڑی بہن کیا چھوٹی بہن کو بھول سکتی ہے۔" اس نے پیار سے اس کا گال چوما مدیحہ کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ بکھر گئی۔

ارسلان کرن کو دیکھنے لگا جس نے پھر مدیحہ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ لا چھوڑی تھی۔

☼ ☼ ☼

"آپ خالہ جان سے بات کریں میرے خیال میں اس وقت مدیحہ کی شادی امجد کے ساتھ جلد از جلد کر دینی چاہیے ورنہ وہ سوچ سوچ کر ذہنی مریضہ نہ بن جائے۔"

"ہاں میں بھی یہی سوچ رہا تھا۔" ارسلان نے افسردگی سے بتایا۔

"مدیحہ کے اندر ڈر بیٹھ گیا ہے خود کو وہ دوسروں کی نظر میں کم تر محسوس کر رہی ہے کہ اس نے بہت بڑی غلطی کر دی ہے۔" کرن نے سوچتے ہوئے بتایا وہ افسردگی سے بولا۔

"ہاں ' ہاں میں اس کی ذہنی کیفیت کو سمجھ رہا تھا مگر اس وقت شادی؟" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"کیا ہوا؟ کیوں شادی نہیں ہو سکتی۔" وہ حیرت سے بولی۔

"کرن وہ ' وہ فیکٹری والوں نے مجھے جاب سے نکال دیا ہے ایسے میں شادی کا خرچ کیسے برداشت کر سکوں گا۔" اس نے نظریں چرا کر بتایا۔

"کب۔؟ کیوں؟" اس نے ارسلان کو حیرت بھری نظروں سے دیکھا۔

"مدیحہ کے سلسلے میں آفس سے پانچ دن غائب جو رہا بس باس نے مجھے نکال دیا۔" اس نے سر جھکا کر بتایا۔

"ارسلان آپ نے مجھ سے یہ بات کیوں چھپائی اور روز آپ کہاں نکل جاتے ہیں۔" اس نے فکر مندی سے پوچھا۔

"میں۔ میں ایک ہوٹل میں بطور ویٹر کام کر رہا ہوں۔" اس نے شرمندگی سے بتایا۔

وہ کچھ دیر کے لیے خاموش رہی پھر بولی۔

"ارسلان اللہ پر بھروسہ رکھیں کچھ نہ کچھ مدیحہ کی شادی کے لیے وہ وسیلہ بنا دے گا آپ فکر کرنا چھوڑ دیں۔" اس نے ارسلان کی ہمت بڑھائی جس کا سر جھکا ہوا تھا۔

ارسلان نے سر اٹھایا اور کرن کی طرف پیار سے دیکھا۔

"تم۔ تم بہت اچھی ہو کرن مجھے اور میری بہن کو تم نے ہمیشہ حوصلہ دیا تم بہت بڑا دل رکھتی ہو میں تمہارا احسان ساری زندگی نہیں ادا کر سکوں گا۔" اس نے اپنے جذبات کا اظہار کیا۔

"ارسلان آپ ایسا کیوں سوچ رہے ہیں ' یہ احسان نہیں بلکہ میری محبت ہے۔" اس نے ارسلان کا ہاتھ تھام لیا۔

"کرن تم ' تم مجھے کبھی چھوڑ تو نہیں دو گی میں بہت غریب ہوں میں شاید تمہیں دنیا کی خوشیاں نہ دے سکوں مگر میں سچے دل سے تمہیں محبت دے سکتا ہوں۔"

"میں خفا ہو جاؤں گی جواب خود کو آپ نے غریب کہا اللہ تعالیٰ نے ماشاء اللہ سے آپ کو صحت دے رکھی ہے اور جس کے پاس اچھی صحت ہے وہ محنت کر کے امیر ہو سکتا ہے۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

"میں نے جب جب ہمت چھوڑی تم میرا سہارا بن جاتی ہو مجھے تمہارا سہارا رہا تو میں شاید یہ دنیا فتح کر لوں" اس نے لبوں پر مسکراہٹ سجائی۔ کرن مسکرا کر بولی۔

"تو چلیے ابھی نکلتے ہیں دنیا فتح کرنے کے لیے۔" اس نے باورچی خانے سے باہر قدم رکھ کر جواب دیا۔

"ابھی کہاں۔" وہ ہنسا۔

"چلیے" سونے چلیں اچھے خواب دیکھیں گے تو دنیا فتح کریں گے۔" وہ مسکرائی اور ارسلان بھی اس کی بات پر کھل کر ہنسنے لگا۔

☼ ☼ ☼
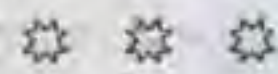
مدیحہ اس کے بستر پر سو رہی تھی وہ کمرے میں پہنچی تو سکینہ کروٹیں بدل رہی تھیں انہوں نے کرن کو دیکھا اور اپنے پاس بٹھایا اور ہلکی آواز سے بولیں۔

"تم نے ارسلان کو مدیحہ کی جلد از جلد شادی کرنے کا مشورہ دیا کیا؟" وہ مدیحہ کے لیے بہت فکر مند تھیں۔

"جی اماں۔ میں نے بات کر دی مگر اک مشکل ہے ارسلان کو فیکٹری والوں نے نکال دیا ہے ایسے میں شادی کا خرچ۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"اگر شادی جلدی نہ ہوئی تو مدیحہ کی صحت مزید بگڑ نہ جائے بیٹی لڑکی کی عزت پر کوئی حملہ کرے تو وہ اندر سے ٹوٹ جاتی ہے مدیحہ بھی اندر سے ٹوٹ رہی ہے ایسا نہ ہو کہ کہیں دیر ہو جائے اور پھر کلثوم بہن اور ارسلان کو مدیحہ کی طرف سے روگ لگ جائے۔" سکینہ نے اسے دیکھ کر بات کی ' وہ بستر پر بے خبر سو رہی تھی۔

"اماں۔ میں سوچ رہی تھی جو جہیز کی چھوٹی موٹی چیزیں آپ نے میرے لیے بنا کر رکھی ہیں وہ میں مدیحہ کو دے دوں اور خالہ زہرہ سے ادھار پیسے لے کر مدیحہ کو رخصت کر دیں۔" اس نے سوچتے ہوئے ماں سے مشورہ کیا۔

"کرن تم نے میری منہ کی بات چھین لی میں صبح سے یہ بات سوچ رہی تھی مگر تم سے یہ بات کرنے سے ڈر رہی تھی۔" سکینہ نے اس کے سر پر پیار دے کر جواب دیا۔

"کیوں آپ کیوں ڈر رہی تھیں؟" وہ حیرانی سے بولی۔

"بیٹی۔ ہر لڑکی کا اک خواب اپنا گھر ہوتا ہے وہ اس گھر کو سجاتی ہے اور تم نے بھی تو یہ سب چھوٹی موٹی چیزیں اپنی خوشی کے لیے خریدی تھیں۔ پھر میں کیسے کسی کو دے سکتی تھی" سکینہ نے محبت سے کہا۔

"اماں مدیحہ میری بہن جیسی ہے اور وہ ارسلان کی بہن ہے اک بھائی کی سوچ سے میں نے ارسلان کا بوجھ کم کرنے کے لیے یہ سوچا 'کیا اماں میں نے ٹھیک سوچا؟" اس نے ماں کا ہاتھ تھام لیا۔

"ہاں۔ ہاں بیٹی تو نے بالکل میری طرح سوچا میں تو یہی چاہتی ہوں کہ تم ان لوگوں کو اپنا سمجھو اور خدا ناخواستہ مجھے کچھ ہو جائے تو تمہیں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔"

"اماں آپ نے پھر بری باتیں سوچنا شروع کر دی ہیں نا۔" اس نے غصے سے دیکھا۔

"۔ نہیں ' نہیں اچھا چلو سو جاؤ بہت دیر ہو گئی ہے صبح تمہیں مدیحہ کے ساتھ ہسپتال بھی تو جانا ہے۔" سکینہ نے چادر اوڑھتے ہوئے کہا جانتی تھیں کہ اسی بات پر وہ بگڑ جاتی ہے۔

اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی اور وہ مدیحہ کے ساتھ والی چارپائی پر آ کر لیٹ گئی اور مدیحہ کو دیکھتے دیکھتے اس کی آنکھوں میں نیند آ بسی۔

☼ ☼ ☼

ڈور بیل بجی وہ ابھی سیڑھیاں اتر رہا تھا کہ ملازمہ نے دروازہ کھولا اور وہ ایک پیکٹ اٹھا کر لے آئی۔

"یہ کیا ہے؟" اس نے پیکٹ میں اتنے شادی کے کارڈز دیکھے تو ملازمہ سے حیرت سے پوچھا۔

"چھوٹے بابا۔ دادی جان نے یہ کارڈز دیکھنے کے لیے منگوائے ہیں۔"

ملازمہ نے ہنس کر بتایا۔ وہ ملازمہ کی مسکراہٹ پر شرمندہ سا ہوا اور پھر اس نے نظریں چرا کر پوچھا۔

"دادی جان اٹھ گئی ہیں کیا؟"

"جی۔ ابھی بلاتی ہوں۔" ملازمہ نے کہا۔

"نہیں بس میں جاننا چاہ رہا تھا کہ انہوں نے ناشتا کر لیا ہے۔" اس نے ملازمہ کو روکا اور اس سے پوچھا۔

"نہیں بیٹا میں تمہارے بغیر ناشتا کیسے کر سکتی ہوں۔" اسے اپنے پیچھے ان کی آواز سنائی دی۔

"آپ اٹھ گئیں۔" وہ کرسی سے اٹھا اور حلیمہ کی طرف بڑھا۔

"ہاں میں اٹھ گئی تھی بس ' وہ اپنی سہیلی بتول کو

تمہاری شادی کی اطلاع دے رہی تھی وہ فون بند کرنے کا نام ہی لے رہی تھی۔" حلیمہ نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے بتایا۔

"شادی؟" وہ حیرانی سے بولا۔

حلیمہ مسکرا کر بولیں۔

"ہاں شادی اور کیا؟ اتنے حیران کیوں ہو رہے ہو میں اپنی شادی کا تھوڑی کہہ رہی ہوں تمہاری شادی کے لیے بتول سے بات چیت کر رہی تھی بتول کے بیٹے کا وہ ہوٹل تاج ہے نا۔ میں وہاں تمہاری شادی کا انتظام چاہتی ہوں" حلیمہ نے مسکرا کر اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے منصوبے سے آگاہ کیا۔

"دادی جان حمنہ کو پاکستان تو آنے دیں پھر آپ یہ سب تیاریاں شروع کریں۔" اس نے مسکرا کر جواب دیا اور شادی کے بہت سے کارڈز ان کی طرف بڑھا دیے۔

"ارے شادی کے کارڈز دے گیا کیا؟" حلیمہ نے تیزی سے کارڈز دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"جی ابھی ابھی۔" وہ ان کی بے تابی پر ہنسا۔

اک سرخ اور سنہری روشنائی والا کارڈ انہوں نے سعد کو دکھایا۔

"یہ کیسا ہے؟" حلیمہ نے لبوں پر مسکراہٹ سجائی۔

"اچھا ہے اگر آپ کو پسند ہے تو۔" اس نے تابعداری سے جواب دیا۔

"اپنا موبائل دو۔" وہ یک دم بولیں۔

"جی۔ میرا موبائل۔" وہ انہیں دیکھنے لگا۔

"ہاں میں حمنہ کو فون کر کے اس سے کارڈ کا رنگ پوچھتی ہوں ظاہر ہے اس کی شادی کا کارڈ ہے اس کی مرضی بھی پوچھنی چاہیے۔" حلیمہ نے ہنستے ہوئے ہاتھ اس کی طرف بڑھاتے بتایا۔

"دادی جان۔ وہ ابھی سو رہی ہو گی۔" اس نے ہنس کر کہا۔

"اچھا۔ تو ٹھیک ہے یہ شادی کا کارڈ اس کی چوائس پر چھوڑتے ہیں وہ جب آجائے گی تو پھر کارڈ منتخب کر لیں گے۔" حلیمہ نے کچھ سوچ کر کارڈ ایک طرف کر دیے۔

"جی جیسا آپ مناسب سمجھیں۔" اس نے مسکراتے ہوئے جوس کا گلاس بھرا۔

"نہیں میں جوس نہیں لوں گی۔" اس نے دوسرے گلاس میں جوس بھرنا چاہا تو حلیمہ نے فوراً ٹوکا۔

"کیوں۔؟" اس نے فکرمندی سے پوچھا۔

"آپ ٹھیک تو ہیں۔" اس نے حلیمہ کی نبض دیکھنے کے لیے ہاتھ پکڑ لیا۔

"اوہو۔ کچھ نہیں ہوا بیٹا؟ بس جوس پی پی کر مجھے جوس سے چڑ ہو گئی۔" حلیمہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

"آپ نے تو مجھے ڈرا دیا تھا۔" وہ دل پر ہاتھ رکھ کر ہنستے ہوئے بولا۔

"کیا شادی کے بعد بھی میرا اتنا ہی خیال رکھو گے۔ یا پھر حمنہ سے ڈر کر مجھ سے دور رہو گے۔" حلیمہ نے مسکراتے ہوئے اپنے لیے چائے کا کپ بھرا۔

"ہاہاہا ابھی بہو گھر آئی نہیں کہ آپ نے ساس کی ایکٹنگ شروع کر دی" وہ خوب ہنسا۔

"تو اور کیا؟ ساس نہیں بلکہ دادی ساس ہوں اس کی ساس کی ساس' اس لیے اسے مجھ سے زیادہ ڈرنا ہو گا۔" حلیمہ نے چائے کا سپ لے کر بتایا سعد ان کی باتوں کو بہت انجوائے کر رہا تھا وہ مطمئن تھا کہ اس کی دادی کی صحت شادی کے نام پر بہت بہتر سی ہو گئی اور وہ یہی چاہتا تھا۔

☼ ☼ ☼

"آؤ' آؤ مدیحہ بیٹی" سکینہ نے پیار سے اسے اپنے پاس کھڑا کیا وہ اسٹور روم کے دروازے پر آ کھڑی ہوئی۔

"یہ' یہ کیا ہو رہا ہے اماں۔" مدیحہ نے دیکھا کہ کرن اک پیٹی کے اندر کھڑی ہے اور کلثوم کو چھوٹی چھوٹی چیزیں اس میں سے نکال کر دے رہی ہے۔

"تمہاری شادی کی تیاری۔" کرن نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب۔؟" اس نے کلثوم کی طرف دیکھا کلثوم پیار سے بولیں۔

"یہ کرن کی شادی کی پیٹی ہے کرن اس میں سے تمہارے لیے چیزیں نکال رہی ہے جو وہ تمہیں دینا چاہتی ہے۔" سکینہ نے کلثوم کو اس بات پر راضی کر لیا تھا۔ پہلے تو انہوں نے انکار کیا مگر پھر مدیحہ کی وجہ سے وہ خاموش ہو گئیں۔

"نہیں اماں میں کرن آپی کی چیزیں نہیں لوں گی۔" اس نے بجھے چہرے سے انکار کیا۔

"کیوں۔ کیوں میری چیزیں اچھی نہیں ہیں کیا؟" کرن نے منہ بسور کر پوچھا اور اپنے دونوں ہاتھ کمر پر رکھ کر اسے دیکھا۔

"نہیں آپی میں آپ کی چیزیں۔" اس نے بات ادھوری چھوڑ دی اور اس کی آنکھیں پر نم سی ہو گئیں کلثوم بھی افسردہ سی دکھائی دینے لگیں۔ سکینہ نے مدیحہ کے سر پر پیار دے کر کہا۔

"بچی یہ چیزیں کرن کی تھوڑی ہیں یہ تو میں نے سنبھال کر رکھی تھیں کہ وقت آنے پر کام آئیں اب کرن کی طرح تم بھی میری بیٹی ہو تمہارا بھی ان چیزوں پر اتنا ہی حق ہے جتنا کرن کا ہے۔" سکینہ نے مدیحہ کو سمجھایا جو بمشکل اپنے آنسوؤں پر قابو پا رہی تھی۔

"مگر خالہ۔" اس نے کچھ کہنا چاہا کہ کرن چیخی۔

"اماں میں پھر پیٹی سے باہر آجاؤں جب محترمہ نہیں لینا چاہتیں تو پھر یہ چیزیں سب کی سب میری ہیں کیوں خالہ کلثوم" اس نے مسکرا کر بات کو پلٹا کہ مدیحہ اور خالہ کلثوم کی افسردگی ختم ہو جائے۔

خالہ کلثوم کے لبوں پر مسکراہٹ بکھر گئی وہ ہنس کر بولیں۔

"کرن بے چاری کو تو اس مشقت سے نجات دلاؤ۔" کلثوم نے سکینہ کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"نہیں۔ نہیں ابھی نہیں میری بیٹی کو سب چیزیں دیکھنی ہیں۔" سکینہ نے مدیحہ کا ہاتھ تھام لیا اور اس کے سر پر پیار دیا۔

"مدیحہ اور چیزیں دیکھنی ہیں کیا؟" کرن نے کہا۔ وہ مسکرا کر بولی۔

"جی ہاں۔" اور اس نے خالہ سکینہ کے ہاتھ کو چوم لیا جو محبت سے اس کے ہاتھ تھامے اپنے خلوص کا اظہار کر رہی تھیں وہ ان کو خفا نہیں کر سکتی تھی انہوں نے اس مشکل وقت میں ان کو سہارا دیا تھا۔

پھر کرن نے بہت سی چیزیں مدیحہ کو دکھائیں جو اس نے خوشگوار موڈ سے دیکھیں سکینہ اور کرن اپنے مقصد میں کامیاب سی ہو گئیں انہوں نے مدیحہ کو پھر سے اپنی زندگی کے متعلق سوچنے پر مجبور کر دیا۔

☼ ☼ ☼

ملیشا نے آئینے میں خود پر ایک بھرپور نظر ڈالی تقریباً ایک گھنٹے کی تیاری سے وہ بہت دلکش دکھائی دے رہی تھی اس نے بلیو جینز اور گرین کلر کی ٹاپ پہن رکھی تھی گلے میں اس نے سرخ رومال ڈال رکھا تھا اور اس کے سنہری بال اس کی خوب صورتی کو بڑھا رہے تھے اس نے لپ اسٹک کو مزید گہرا کیا اپنا موبائل اور گاڑی کی چابی ایک قیمتی پرس میں ڈالی اور اپنے روم سے باہر آ گئی وہ سیڑھیاں اتر رہی تھی بڑے ہال میں اس کی ہیل کی آواز گونجنے لگی اس کی ہیل کی آواز پر ہی اس کے گھر کے ملازموں کو اندازہ ہوتا کہ وہ باہر جانے والی ہے۔

"ملیشا جی۔ آپ ناشتا کریں گی۔" ایک ملازمہ باورچی خانے سے نکل کر اس کے پاس آ کھڑی ہوئی۔

"نہیں۔ وہ ماما اٹھ جائیں تو انہیں بتا دینا کہ میں رات کو لیٹ آؤں گی" وہ کہہ کر چل پڑی اس نے گھر سے نکلتے ہوئے کچھ سوچ کر ملازمہ کو پھر سے پکارا۔

"رحمت بی بی۔ رحمت بی بی۔"

رحمت بی بی پھر سے باورچی خانے سے باہر تیزی سے نکل آئیں۔ اور اس کے پاس سر جھکا کر ادب سے آ کھڑی ہوئیں۔

"جی چھوٹی بی بی۔" ملازمہ نے ادب سے کہا۔

"پلیز ماما کو میرا پیغام دے دینا کہ مجھے کال نہ کریں کیونکہ آج فرحی کا برتھ ڈے ہے اور میں سارا دن آفس کے بعد اس کے ساتھ رہوں گی اس لیے رات دیر ہو جائے گی؟" اس نے رات دیر سے آنے کا سبب بتایا تاکہ کوئی اسے ڈسٹرب نہ کرے۔

"جی چھوٹی بی بی میں کہہ دوں گی" رحمت بی بی نے جواب دیا چوکیدار کو گیٹ کھولنے کا اشارہ کر کے وہ گاڑی میں آبیٹھی۔ گاڑی کے شیشے میں اس نے خود پر اک نظر ڈالی گیٹ کھلتے ہی اس نے گاڑی تیزی سے باہر نکال دی پھر اس کی گاڑی ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

☼ ☼ ☼

اس نے تیسری کال پر فون پک کر لیا وہ خوش سا ہو گیا۔ اور اس نے جھٹ سے پوچھا۔

"تو پھر کب میں آپ کو ائیرپورٹ لینے آؤں۔" حمنہ کے ہیلو بولتے ہی اس نے سوال کر دیا۔

"کیوں؟ بہت بے قرار ہو" حمنہ نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"جی بہت بے قرار ہوں مگر آپ کس دنیا میں کھوئی ہوئی ہیں آپ نے تین دن کے بعد میرا فون پک کیا ایسا کیوں۔" اس نے پوچھا۔

"بس آپ کی طرح میں بھی مصروف تھی۔" حمنہ نے خفگی سے جواب دیا۔

"اچھا۔ تو کیا آپ بھی ڈاکٹر بن گئی ہیں۔" اس نے حمنہ کو چھیڑا جانتا تھا کہ وہ اس سے خفا ہے۔

"نہیں مجھے یہ پیشہ اچھا نہیں لگتا۔" اس نے طنزیہ جواب دیا۔

"یہ کیا میں سن رہا ہوں میں تو بہت فکر مند ہو گیا ہوں کہ میری ہم سفر میری محبت میرے ہی پروفیشن کو پسند نہیں کر رہی ہے۔" اس نے مذاقاً جواب دیا۔ وہ افسردگی سے بولی۔

"پہلے پہل مجھے ڈاکٹرز پسند تھے مگر ان کی مصروفیات دیکھ کر مجھے اب ڈاکٹرز پسند نہیں ہیں۔"

"ڈاکٹرز۔ یا پھر اک ڈاکٹر اب پسند نہیں رہا۔" اس نے پوچھا۔

"تم خود اندازہ کر لو۔" اس نے بھی تیکھا جواب دیا۔

"حمنہ۔ خفا ہو مجھ سے کیا؟" سعد نے مسکرا کر پوچھا وہ اس کی آواز میں پہلی سی کھنک محسوس نہیں کر رہا تھا۔

"نہیں میں خفا نہیں ہوں۔" وہ فوراً بولی۔

"مجھے یوں لگ رہا ہے۔ کہ تم خفا ہو بہت زیادہ" سعد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"تمہیں محسوس ہو رہا ہے تو شاید' البتہ میں کوئی وضاحت نہیں دینا چاہتی۔" اس نے فوراً" غصے سے بات ختم کی۔

"حمنہ' اگر تمہارا رویہ ایسا رہے گا تو پھر میں خود کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گا مجھے یوں لگ رہا ہے کہ تم بہت مجبور ہو کر پاکستان شفٹ ہو رہی ہو اور میں تمہیں مجبور نہیں کرنا چاہتا۔" سعد نے نرمی سے بات کی۔

"سعد۔ تمہیں کس نے کہا کہ میں پاکستان شفٹ ہو رہی ہوں۔" اس نے فوراً" پوچھا۔

"وہ۔ وہ تم پاکستان آ رہی ہو تو۔" سعد نے بات ادھوری چھوڑ دی وہ بوکھلا سا گیا جو یہ سمجھ رہا تھا کہ حمنہ نے پاکستان اس کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔

"خواب مت دیکھا کرو سعد میں نے بھی بہت خواب دیکھے تھے مگر مجھے اب اندازہ ہو گیا ہے کہ خواب پورے نہیں ہوتے۔" اس نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے۔

"میں۔ میں حمنہ تمہاری بات سمجھا نہیں۔" وہ گھبرا سا گیا۔

"تم نے کبھی مجھے نہیں سمجھا۔ میں کیا چاہتی ہوں۔ میں کیا سوچتی ہوں تمہارے لیے صرف تمہاری دادی۔"

"حمنہ پلیز دادی جان تو ہماری شادی" اس نے بولنا چاہا کہ حمنہ نے اسے ٹوکا۔

"سعد۔ میں دادی جان کے متعلق کوئی بات سننا نہیں چاہتی۔ اور نہ شادی کے متعلق کوئی بات۔" اس نے غصے سے فون کاٹ دیا۔

وہ پریشان سا ہو گیا اس نے دوبارہ حمنہ کو کئی بار کال کی مگر دوسری طرف اس کا نمبر بزی جا رہا تھا سعد کو عجیب سا ڈر محسوس ہو رہا تھا۔ اس لیے وہ بار بار اس کا نمبر ٹرائی کرتا رہا۔

☼ ☼ ☼

"یہ لیجیے گرما گرم پراٹھا۔" اس نے ارسلان کے سامنے ناشتا پیش کر کے شوخ انداز سے کہا۔

"کرن تھینک یو۔" وہ مسکرایا۔

"اٹس اوکے۔ تھینک یو کی ضرورت نہیں۔" وہ شوخ انداز سے بولی۔

جس دن سے مدیحہ کا واقعہ گھر پر ہوا تھا وہ ہر وقت ان دونوں کو خوش کرنے کے لیے اپنا موڈ بہت فریش رکھتی تھی اسے ڈاکٹر سعد نے ہدایت دی تھی کہ وہ مدیحہ کو خوش رکھے تاکہ وہ پھر اپنی غلطیوں کو سوچ کر کچھ کر نہ بیٹھے۔

"میں پراٹھے کے لیے نہیں کسی اور بات کے لیے شکریہ ادا کر رہا ہوں۔" اس نے ہنستے ہوئے پراٹھے کا نوالہ چبا کر جواب دیا۔

"کس بات کے لیے شکریہ پھر؟" اس نے شریر نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں آپ کی مسکراہٹ کے لیے شکریہ کر رہا ہوں۔ صبح صبح آپ کی مسکراہٹ سے میں ساری پریشانیاں بھول جاتا ہوں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"اچھا۔ سچ کیا؟ ایسی بات ہے تو میں پھر کبھی اپنے دانت چھپا کر نہیں رکھوں گی۔" اس نے اپنی بتیسی کی نمائش کی۔

"توبہ' توبہ کرن ڈرانے کے لیے تھوڑا کہہ رہا ہوں۔" اس نے قہقہہ لگایا۔

"اچھا جی یہ وہی دانت تھے جن کو دیکھ کر آپ فریش ہو جاتے ہیں۔ دانتوں کی توہین کی تو میری مسکراہٹ سے محروم ہو جائیں گے۔" اس نے جان بوجھ کر مصنوعی خفگی ظاہر کی۔

وہ ہنسا اور اس نے کانوں کو ہاتھ لگا کر معافی مانگی اور بولا۔

"ملکہ عالیہ میں تاعمر آپ کو ہنستا مسکراتا دیکھنا چاہتا ہوں۔" وہ اس کی بات پر ہنسنے لگی۔ سکینہ جو باورچی خانے میں ناشتے کی غرض سے آ رہی تھیں۔ ان دونوں کی باتیں سن کر خوش سی ہو گئیں وہ کرن کے لیے ایسے ہی لڑکے کی منتظر تھیں جو اس کی اندرونی خوب صورتی اس کے دل کو سمجھ سکتا ہو اور ارسلان کو اس کے ساتھ ہنستا دیکھ کر وہ سمجھ چکی تھیں کہ وہ کرن کے خوب صورت دل سے واقف ہو چکا ہے۔

☼ ☼ ☼

"یہ' یہ کیا ہے؟" وہ چیخی اور اس نے شرٹ کو غصے سے پٹخا۔

"میشے جی وہ' وہ جو کلر آپ نے سلیکٹ کیا تھا وہ نوری کو نہیں ملا سو اس نے اس کلر کا شیڈ دے دیا۔"

"نوری' نوری تم یہاں نوری کے ملازم ہو یا پھر میرے؟" ییشا نے غصے سے پوچھا۔

عمر کی آواز اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی ییشا جیسی باس کے سامنے کوئی بھی سر اٹھا کر کبھی بول نہیں سکا تھا عمر نے سر جھکا دیا۔

اس نے غصے سے نوری کو اندر بلوایا نوری پانچ منٹ میں اس کے سامنے کھڑی تھی۔

"نوری۔ یہ کیا ہے؟ جو شیڈ میں نے سلیکٹ کیے تھے وہ کیوں نہیں تم نے ارینج کیے۔" اس نے لفظ چبا کر پوچھا۔ نوری ہلکی آواز سے بولی۔

"میڈم' مارکیٹ میں وہ شیڈ شاٹ ہو گئے تھے پھر میں نے سوچا کہ یہ شیڈ۔" اس نے ڈرتے ڈرتے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"نوری۔ تم سے سوچنے کو کس نے کہا ہے' تمہیں یہاں میں نے سوچنے کے لیے رکھا ہے یا پھر چیزیں ارینج کرنے کے لیے؟" وہ چیخی۔

نوری ڈر سی گئی اس نے لرزتی آواز سے کہا۔

"میڈم سوری آئندہ ایسی غلطی نہیں ہو گی۔"

"آئندہ تم اس آفس میں رہو گی تو غلطی ہو گی کل سے میں تمہیں آفس میں نہ دیکھوں۔ مجھے نااہل لوگوں سے سخت نفرت ہے۔" اس نے ہونٹوں کو کچلا وہ غصے میں اکثر اپنے ہی ہونٹوں کو اذیت دیتی تھی۔

"سوری میڈم' پلیز مجھے اس جاب سے فارغ نہ کریں میں آئندہ کبھی سوچنے کا کام نہیں کروں گی۔" نوری نے لرزتی آواز سے پھر معذرت کی۔ میشا نے عمر کو دیکھا اور خفگی سے بولی۔

"مجھے دو دن کے اندر اندر اپنی پسند کا کام چاہیے عمر تم جا سکتے ہو۔" اس نے نوری کو اگنور کر کے اس کو حکم دیا۔

"جی میشے جی" عمر نے گھبرا کر کہا اور تیزی سے باہر نکل گیا۔ نوری پر اس نے نظر ڈالی اور بے زاری سے بولی۔

"تم ابھی تک یہاں ہو۔" نوری گھبرا کر بولی۔

"میڈم۔ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں پلیز مجھے اس ملازمت کی بہت ضرورت ہے مجھے معاف کر دیجیے۔" نوری کی آنکھوں سے آنسو ٹپکنے لگے۔

"او مائی گاڈ تم لوگوں کے ڈرامے کب ختم ہوں گے غلطی خود کرتے ہو اور پھر بچوں کا واسطہ دیتے ہو غلطی کرنے سے پہلے اپنے بچوں کا سوچنا تھا اور نوری اگر یہ جوڑے میشے بوتیک کے نام سے انٹرنیشنل ایگزیبیشن میں بھیج دیتی تو وہاں کے سب لوگ مجھ پر ہنستے تم نے میشے کی امیج خراب کرنے کی کوشش کی ہے سو پلیز تم جا سکتی ہو اور ہاں میں مزید اک لفظ نہیں سننا چاہتی تم جانتی ہو کہ میشے نے ہمیشہ فیشن انڈسٹری میں اعلا کام دیا ہے اور ہمیشہ ہر سال میشے بوتیک نے ایوارڈ جیتا ہے اور شاید تمہاری اس غلطی سے میشے پر انگلی اٹھ جاتی جو میشے کی اہمیت کو نہیں سمجھتا اسے میشے سے الگ کر دیا جاتا ہے۔"

اس نے لفظ چبا چبا کر ادا کیے اور پھر اپنی کرسی کو گھما دیا نوری نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر میشا کسی سے سیل فون پہ باتیں کرنے لگی نوری ناامید ہو کر آفس سے باہر آ گئی۔

☼ ☼ ☼

وہ دوسرے ٹیبل پر کھانا پیش کر رہا تھا کہ اچانک تین اس کے دوست ویٹر ایک ٹیبل کی طرف بڑھے اور ان کے ساتھ منیجر بھی تھا جو اس بڑی ٹیبل کو سجانے کی انہیں ہدایت دے رہا تھا ایسا اس نے پہلی بار دیکھا کہ منیجر صاحب بہت فکر مند ہوں وہ باورچی خانے میں پہنچا تو عاقب اپنے سیکشن میں سلاد تیزی سے پلیٹوں میں سجا رہا تھا۔

"آج ہوٹل میں کون آ رہا ہے؟" ارسلان نے اس کے پاس ٹرے چھوڑ کر پوچھا۔

"میشے جی گروپ آ رہا ہے۔" عاقب نے کام کرتے کرتے بتایا۔

"کوئی امیر آدمی ہے کیا؟ جس کے لیے اسپیشل انتظام ہو رہا ہے منیجر صاحب بھی بہت فکر مند دکھائی دے رہے ہیں۔"

"ہاہاہا۔" اس نے قہقہہ لگایا اور پھر سلاد کے پتوں کو تیزی سے کاٹنے لگا۔

"تم ہنسے کیوں؟" وہ حیرت سے بولا۔

"یار میشے اک خوبصورت لڑکی کا نام ہے اس لیے ہنسا۔" عاقب نے بتایا۔

"اچھا۔" اس کے لبوں پر بھی مسکراہٹ بکھر گئی جس نے بغیر سوچے سمجھے میشے کو ایک آدمی کا نام دے دیا تھا۔

"ویسے نام تو میشا ہے مگر اس کے بوتیک "میشے" کی وجہ سے سب اسے اسی نام سے پکارتے ہیں بہت بڑی فیشن ڈیزائنر ہے "میشے" اس کے بوتیک کا ہر جگہ چرچا ہے تم جو ٹی وی پر ماڈلز اور ایکٹریسز دیکھتے ہو وہ میشے بوتیک سے ہی اپنے کپڑے لیتی ہیں۔ میشے بوتیک کا اک عام سوٹ میرے خیال میں تیس ہزار کا ہو گا۔ اب تو سمجھ سکتے ہو کہ وہ کتنی مالدار لڑکی ہے۔" عاقب نے میشا کے متعلق ساری انفارمیشن فراہم کر دی۔

"تمہاری چھ ماہ کی تنخواہ یعنی اس کے ایک سوٹ کے برابر ہے۔" ارسلان نے ہنستے ہوئے سلاد کے پتے چبا کر اسے بتایا۔

"جی ہاں تم نے ٹھیک اندازہ لگایا۔" عاقب نے ہنستے ہوئے کہا۔ ابھی وہ دونوں باتیں کر رہے تھے کہ منیجر صاحب باورچی خانے میں داخل ہوئے اور تمام ویٹرز سے مخاطب ہو کر کہا۔

"آج میشے میم آ رہی ہیں ان کی دوست کی سالگرہ ہے اچھا سا چاکلیٹ کیک بنایا جائے اور باقی تمام ہوٹل کی ڈشیز تیار ہونی چاہئیں آج وہ اپنے دوستوں کے ساتھ یہاں ڈنر کریں گی اور میں کسی قسم کی بد انتظامی نہیں چاہتا۔" منیجر نے سختی سے ہدایات دیں اور پھر وہ جانے کے لیے مڑا تو یک دم رکا اور اس نے تمام ویٹرز کی جانب ایک نظر ڈالی اس کی نظریں ارسلان پر جا رکیں جوان تمام ویٹرز سے خوش شکل تھا۔

"ارسلان تم میشے میم کے لیے سب کچھ ارینج کرو گے" منیجر نے کچھ سوچ کر اسے حکم دیا۔

"جی۔ مم۔ مم میں۔" وہ گھبرایا۔

"کیا تمہیں کوئی پرابلم ہے۔" اس کے چونکنے پر منیجر نے سختی سے پوچھا۔

"نہیں نہیں" عاقب فوراً بولا۔

"سر کوئی پرابلم نہیں" عاقب نے اس کی بات سنبھال لی۔ منیجر باہر نکل گیا تمام ویٹرز اپنے اپنے کام پر لگ گئے۔ اس نے لمبی سانس چھوڑی اور بے چینی سے بولا۔

"یار عاقب مجھے ان بڑے لوگوں سے بہت ڈر لگتا ہے اگر کچھ الٹا سیدھا ہو گیا تو میری جاب خطرے میں نہ پڑ جائے۔"

"اپنی خوش قسمتی سمجھو کہ تم میشے کے ٹیبل پر کھانا سجاؤ گے تم جانتے ہو پچھلی دفعہ وہ اک ویٹر کو پانچ ہزار دے کر چلی گئی اس کے پرس سے پانچ ہزار کا ہی نوٹ نکلا ہے یار سوچو اگر اس نے تمہیں بھی پانچ ہزار دے دیے تو تمہاری تو عید ہو جائے گی۔" عاقب نے اسے فائدہ بتایا۔

وہ مسکرانے لگا اس نے عاقب کا کندھا تھپتھپایا اور پھر اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

☼ ☼ ☼

اس نے فرحی کے گھر کے پاس ہارن دینا شروع کر دیا فرحی نے کھڑکی سے باہر دیکھا تو اس نے مسکرا کر ہاتھ ہلایا۔

"آ رہی ہوں۔" فرحی کھڑکی سے چیخی۔

اس نے مزید ہارن دینا شروع کر دیا۔ فرحی نے جلدی سے اپنا پرس کندھے پر سنبھالا اور سیڑھیاں اتر کر باہر نکل آئی وہ مسلسل ہارن پہ ہارن دے رہی تھی۔ وہ اب شوخ دکھائی دے رہی تھی اس کے سنہری بال رات کے اندھیرے میں سورج کی مانند محسوس ہو رہے تھے۔

"میشے اسٹاپ۔ پلیز۔" وہ اس کے پاس آ کر مسکرا کر بولی۔

میشا نے ہنس کر ہارن چھوڑ دیا اور بولی۔

"یار تمہاری سالگرہ منا رہی ہوں۔" اس نے ہنس کر اسے دیکھ کر جواب دیا۔

"ہارن بجا بجا کر۔ یہ سالگرہ منانے کا انوکھا انداز ہے۔" وہ سیٹ پر بیٹھی تو اس نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

فرحی مسکرا کر بولی۔

"کہاں جانے کا پلان ہے" اور پھر اپنے پرس سے آئینہ نکال کر اپنا جائزہ لینے لگی۔

"ڈنر کے لیے میں نے ستارہ ہوٹل میں بکنگ کروالی ہے سب وہاں پر پہنچ گئے ہوں گے۔" میشا نے مسکرا کر بتایا۔

"اچھا یہ ڈنر تمہاری طرف سے ہے کیا؟" وہ شریر لہجے میں بولی۔

"ہاہاہا۔ ہاں' ہاں یہ میری طرف سے ہو گا۔" میشا نے فخریہ انداز سے بتایا۔

(باقی آئندہ ماہ ملاحظہ فرمائیں)

سالگرہ نمبر

ریحانہ امجد بخاری

وہ اک پری ہے

ناولٹ

ماہم کا تعلق ایک غریب گھرانے سے ہوتا ہے اس کی ماں ایک اسکول میں کینٹین چلاتی ہے اور باپ سائیکل پر گھوم کر صبح کے ناشتے کے لیے چھولے بیچتا ہے۔ مگر وہ اپنی غربت کے باوجود ماہم کو اعلا تعلیم دلا رہے ہیں۔ ماہم بی کام کی اسٹوڈنٹ ہے۔ ذہین اور حساس مگر اپنی غربت سے نالاں ہے۔ اذان کو اپنے ایک دوست سے پتہ چلتا ہے کہ ماہم ایک کریمنل آدمی سے ٹیلی فونک رابطے میں ہے اور اس کی دوستی کا دم بھرتی ہے۔ اذان کو تشویش ہوتی ہے مگر وہ اپنے دوستوں سے اس کا نمبر پوچھنا پسند نہیں کرتا۔ اسی دوران اس پر انکشاف ہوتا ہے کہ اس کا ایک دوست رشتے میں ماہم کا چچا لگتا ہے۔ اذان اس سے ماہم کا نمبر حاصل کر لیتا ہے۔ اذان اور ماہم کی دوستی ہو جاتی ہے۔ جو رفتہ رفتہ محبت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ محلے دار فیضی صاحب سے فرزان کی الٹی سیدھی حرکتوں کی شکایت کرتے ہیں۔ فیضی صاحب بہت شرمندہ ہوتے ہیں اور فرزان سے سخت رویہ اختیار کرتے ہیں۔ وہ دوٹوک انداز میں کہتے ہیں کہ یا تو اپنے دوستوں کو چھوڑ دو یا اس گھر کو...... فرزان ضد میں آ کر اپنی بیوی زارا کو ساتھ لیتا ہے اور گھر چھوڑ دیتا ہے۔ فرزان کے گھر چھوڑنے کے بعد فیضی صاحب فرزان کی بہت کمی محسوس کرتے ہیں مگر اس کا اظہار نہیں کرتے۔ ذکیہ بیگم جو ایک ماں ہیں۔ بیٹے کی جدائی ان پر بھی بہت اثر انداز ہوتی ہے۔ وہ بیٹے کی وکالت کرتی ہیں مگر فیضی صاحب انہیں سمجھا دیتے ہیں کہ وہ یہ سختی بیٹے کی بھلائی کے لیے کر رہے ہیں۔ فرزان گھر چھوڑنے کے بعد مالی پریشانیوں کا شکار ہے اور اس کے گھریلو حالات بہت خراب ہیں۔ اس کا ایک دوست اسے ایک این جی او میں کام کرنے کی دعوت دیتا ہے جہاں اس کی ملاقات نیلم سے ہوتی ہے۔ نیلم کو فرزان بہت اچھا لگتا ہے مگر وہ اسے بتا دیتا ہے کہ وہ شادی شدہ ہے یوں نیلم کے دل میں فرزان کی محبت پروان چڑھنے سے پہلے ہی ختم ہو جاتی ہے۔ فیضی صاحب کو بیٹے کی نافرمانی اور جدائی نے مل کر اندر سے توڑ دیا ہے۔ انہی دنوں فیضی صاحب کا دوسرے شہر جانا ہوتا ہے۔ وہ وہاں جا کر شدید بیمار ہو جاتے ہیں۔ اذان فرزان سے کہتا ہے کہ وہ جا کر ان سے معافی مانگ لے اور انہیں گھر لے آئے مگر فرزان اس سے بھی بدتمیزی کرتا ہے اور اس کی بات ماننے سے انکار کر دیتا ہے۔ فرزان کو فیضی صاحب کے انتقال کی خبر ملتی ہے تو اسے اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر دل ہی دل میں بہت شرمندگی ہوتی ہے مگر بجائے اس کے کہ وہ اپنی اصلاح کرتا اور غلط کام کرنے لگتا ہے۔ تدفین والے دن شراب کے نشے میں دھت ہو کر الٹی سیدھی حرکتیں کرتا ہے۔ فرزان کی وہی روٹین ہوتی ہے اب تو اسے روکنے ٹوکنے والا بھی کوئی نہیں ہوتا اس کی اور اس کے دوستوں کی چاندی ہو جاتی ہے۔ زارا دبے لفظوں میں اسے سمجھاتی ہے مگر وہ اسے ڈانٹ دیتا ہے۔ فرزان سنجیدگی سے سوچتا ہے کہ اسے اپنے آپ کو بدلنا چاہیے اور ڈھیر ساری دولت کمانی چاہیے وہ ان باتوں کا ذکر محبوب خان سے کرتا ہے۔ محبوب خان جلال زئی قبیلے سے تعلق رکھتا ہے اور لنڈی کوتل کا رہائشی ہے جو اسے منشیات اور اسلحہ کے کاروبار کے متعلق معلومات دیتا ہے جس میں فرزان خاصی دلچسپی لیتا ہے۔ معاشی حالات اور تنگ دستی سے گھبرا کر وہ محبوب خان کے ساتھ لاہور چلا جاتا ہے۔ ان کا پروگرام ہوتا ہے کہ کچھ دن لاہور رہ کر سیر و تفریح کریں گے پھر وہاں سے لنڈی کوتل روانہ ہو جائیں گے لیکن وہاں ایک حادثہ میں فرزان شدید زخمی ہو جاتا ہے۔ محبوب خان فرزان کو زخمی حالت میں اسپتال چھوڑ کر فرار ہو جاتا ہے لیکن وہ فون کر کے نیلم کو اس کے بارے میں بتا دیتا ہے۔ فرزان ہوش آنے پر ڈاکٹر فریال سے حسب عادت عجیب و غریب گفتگو کرتا ہے تو ڈاکٹر فریال کو اس سے دلچسپی پیدا ہو جاتی ہے اور وہ اسے کچھ دنوں کے لیے اپنے گھر لے جاتی ہے۔ اذان اور ماہم میں بے تکلفی پیدا ہوتی ہے تو اذان اس سے ملنے کی خواہش کا اظہار کرتا ہے لیکن ماہم انکار کر دیتی ہے جس پر اذان سخت ناراض ہو جاتا ہے۔ ماہم اسے دوبارہ کال کرتی ہے تو وہ ماہم سے کہتا ہے کہ اس نے اس کے انکار پر دل برداشتہ ہو کر دیوار میں ٹکریں ماری ہیں جس کی وجہ سے اس کا سر پھٹ گیا ہے اور پیشانی پر زخم آیا ہے۔ ماہم پسیج جاتی ہے اور اگلے ہی دن اذان کی مزاج پرسی کے لیے آنے کا وعدہ کر کے فون بند کر دیتی ہے۔ اذان پریشان ہو جاتا ہے کیوں کہ اس نے دیوار میں ٹکریں ماری ہوتی ہیں نا ہی اس کی پیشانی پر زخم آیا ہوتا ہے۔ وہ بوکھلا کر اپنے دوست علی کو فون کرتا ہے اور اپنے اس جھوٹ کو نبھانے کے لیے اس سے مشورہ طلب کرتا ہے۔ علی کہتا ہے کہ وہ کاٹن پر رنگ لگا کر سر پہ پٹی باندھ لے لیکن اذان مطمئن نہیں ہوتا اسے خدشہ ہوتا ہے کہ ماہم پٹی کھول کر دیکھ لے گی اور اس کا جھوٹ پکڑا جائے گا وہ پریشان ہو کر اپنا سر پھاڑنا چاہتا ہے مگر تکلیف کو محسوس کرتے ہوئے اس کا حوصلہ نہیں کر پاتا۔ تنگ آ کر وہ پیشانی پر زخم بنوانے اسپتال جا پہنچتا ہے۔

☆☆☆

11 گیارہویں قسط

اب آپ آگے پڑھیے

خوابوں کی طرح تھا نہ خیالوں کی طرح تھا
وہ علم ریاضی کے سوالوں کی طرح تھا
الجھا ہوا ایسا کہ کبھی کھل نہیں پایا
سلجھا ہوا ایسا کہ مثالوں کی طرح تھا
وہ مل تو گیا تھا مگر اپنا ہی مقدر
شطرنج کی الجھی ہوئی چالوں کی طرح تھا

ٹھک...... ٹھک، دستک کی تیز آواز بلند ہوئی۔ صبح کاذب سے کچھ ہی دیر پہلے کا وقت رہا ہوگا، لوگ خواب خرگوش کے مزے لے رہے تھے ہر طرف ایک پرسکوت خاموشی کی حکمرانی تھی۔

یہ وقت کچھ ایسا تھا کہ جب نیند ٹوٹ کر برستی ہے۔ اسی سکوت اور اسی خاموشی کی حکمرانی کو دستک کی اس تیز آواز نے للکارا تو یہ للکار تاریکی اور سناٹے کا سینہ چیرتی ہوئی دور دور تک گونج اٹھی۔

اذان نے اپنی جگہ پر بے چینی سے پہلو بدلا پھر ہاتھ پر موجود رسٹ واچ کی اندھیرے میں چمکتی ہوئی سوئیوں پر ایک نظر ڈالی، دستک کے بعد کے یہ چند لمحے اسے صدیوں کی طرح طویل ہوتے محسوس ہو رہے تھے۔ اس نے چند لمحوں تک مزید انتظار کیا لیکن زیادہ دیر تک صبر کرنا شاید اس کے بس سے باہر تھا اس نے ایک اچٹتی ہوئی سی نظر کچھ فاصلے پر کھڑے ہوئے رکشا پر ڈالی پھر اس کا ہاتھ حرکت میں آیا اور فضا ایک مرتبہ پھر تیز دستک کی آواز سے گونج اٹھی۔

اس مرتبہ اسے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا اور جلد ہی اس کے دل کی مراد پوری ہوگئی گھر کے اندر سے ہلکی ہلکی کھٹ پٹ کی آوازیں سنائی دیں جو اس بات کا خوش آئند گمان تھیں کہ مکین بے دار ہوگئے ہیں۔ کچھ ہی لمحوں کے بعد سنائی دی جانے والی گھسٹتے قدموں کی آواز نے اس کے گمان کو یقین میں تبدیل کر دیا۔

"کون...... کون ہے بھئی اس وقت؟"

ہلکی سی کھانسی کے بعد ایک نیند میں ڈوبی ہوئی مخموری سی مردانہ آواز بلند ہوئی جو اس بات کا احساس دلاتی تھی کہ بولنے والا کوئی عمر رسیدہ شخص ہے۔

"جی میں ہوں...... اذان فیضی! شاہد کا دوست...... کیا شاہد گھر پر ہے؟"

اذان نے جلدی سے جواب دیا تو ایک ہلکی سی کھٹکے کی آواز سنائی دی۔ شاید دروازے کی چٹخنی ہٹائی گئی تھی اور پھر اگلے ہی لمحے بوسیدہ دروازہ چرچراہٹ کی تیز آواز پیدا کرتے ہوئے دائیں سے بائیں کھلتا چلا گیا۔

گھر کے اندر جلنے والے برقی بلب کی زردی مائل کمزور روشنی نے دروازہ کھولنے والے اس منحنی سے عمر رسیدہ شخص کے نقوش واضح کیے تو اذان جلدی سے بول اٹھا۔

"آپ شاید شاہد کے والد ہیں...... میں اس وقت شدید پریشانی میں ہوں آپ پلیز شاہد کو جگا کر باہر بھیجیں مجھے اس کو اسپتال لے کر جانا ہے آپ صرف اسے اتنا بتا دیں کہ باہر اذان فیضی آیا ہے۔"

اذان کی بات ختم ہوئی تو عمر رسیدہ شخص نے اس کے عقب میں جھانکتے ہوئے کچھ فاصلے پر کھڑے رکشا کا بغور جائزہ لیا پھر اذان کے چہرے پر ایک مشکوک سی نظر ڈالتے ہوئے خاموشی سے واپس پلٹ گیا لیکن واپس پلٹتے ہوئے وہ دوبارہ دروازہ بند کرکے چٹخنی لگانا نہیں بھولا تھا۔

چند لمحے کے انتظار کے بعد اذان دائیں سے بائیں بے چینی سے ٹہلنے لگا انتظار کا ایک ایک لمحہ گراں گزر رہا تھا۔ اسے شاہد پر شدید غصہ آرہا تھا کہ وہ باہر آنے میں اتنی دیر کیوں لگا رہا ہے؟

لیکن ظاہر ہے کہ وہ اپنے غصے کا اظہار اس وقت وہاں کسی سے نہیں کرسکتا تھا، اسی جھلاہٹ کو ختم کرنے کے لیے وہ زمین کا سینہ روندتے ہوئے یہ بلاوجہ کا تانا تن رہا تھا۔

خدا خدا کرکے انتظار کی گھڑیاں ختم ہوئیں اور قدموں کی چاپ کے عقب میں آنکھیں مسلتے ہوئے شاہد نمودار ہوا، اس کے پیچھے ہی پیچھے وہ منحنی سا شخص جو شاید شاہد کا والد تھا وہ بھی چلا آرہا تھا۔

"ارے...... اذان صاحب! آپ...... اس وقت؟"

قریب پہنچنے پر شاہد جماہی لیتے ہوئے بولا، لہجے میں حیرت تھی۔

"ابے یار! یہ سوال و جواب کا سلسلہ بند کرو حیران بعد میں ہوتے رہنا، اس وقت میں بہت پریشانی کے عالم میں تمہارے پاس آیا ہوں، تم رکشا میں بیٹھو اور میرے ساتھ اسپتال چلو۔"

ایک طویل سانس لینے کے بعد اذان نے برا سا منہ بناتے ہوئے کہا تو شاہد نے متحیرانہ لہجے میں دریافت کیا۔

"خیریت تو ہے...... ایسی ایمرجنسی...... اسپتال میں کوئی مریض ہے کیا؟"

اذان نے ناگواری سے اس کی جانب دیکھا اور پھر جھٹکے دار آواز میں بولا۔

"تم چل رہے ہو یا نہیں؟"

اذان کے لہجے میں چھپی خفگی کو محسوس کرتے ہوئے شاہد نے اپنی حیرت کی بساط کو لپیٹ لینا ہی مناسب سمجھا پھر وہ پلٹ کر عمر رسیدہ شخص کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"آپ آرام کریں، یہ میرے دوست بھی ہیں اور استاد بھی! اسپتال میں ان کا کوئی مریض ہے، میں ان کے ساتھ جا رہا ہوں، وہاں سے فارغ ہوتے ہی واپس آجاؤں گا۔"

عمر رسیدہ شخص نے اثبات میں سر ہلایا تو اذان نے شاہد کا بازو پکڑ کر جیسے اسے گھسیٹتے ہوئے رکشا میں لا بٹھایا۔

"چلو بھئی! اسپتال چلو۔"

اذان نے حکم جاری کیا تو ڈرائیور نے رکشا اسٹارٹ کرکے آگے بڑھا دیا، اب رکشا تیزی سے اسپتال کی جانب اڑا چلا جا رہا تھا اور اس کی پھٹپھٹاتی ہوئی تیز آواز کے ساتھ ساتھ رکشا کے اندر شاہد کی آواز بھی سنائی دے رہی تھی۔

"اذان صاحب! کچھ تو بتائیں، اسپتال میں کون ایڈمٹ ہے...... کوئی سیریس مسئلہ...... آخر ہوا کیا ہے؟"

☆☆☆

بس گھڑی دو گھڑی کو تو ساتھ ہو اس سے بڑھ کر سعادت نہیں چاہیے
عمر بھر کے لیے اور غم ہیں بہت، عمر بھر کی رفاقت نہیں چاہیے
جس کو جانا نہیں جس کو پرکھا نہیں اس پہ کیا اپنے دل کی گرہ کھولتے
کیسے سچ بولتے اس کی خدمت میں ہم، جس کو حرف صداقت نہیں چاہیے
تو نے کیا سوچ کر آگ میں رکھ دیے، تیرے پیروں کے یہ پھول جل جائیں گے
چاہئیں عشق میں شدتیں بھی مگر، یہ جنوں ایسی وحشت نہیں چاہیے
ساعتیں چند گنتی کی ہیں جیب میں، خرچ کرنا ہے ان کو بہت سوچ کر
قرض ہیں مجھ پہ اوروں کی بھی راحتیں، صرف اپنی ہی راحت نہیں چاہیے

فرزان کی پیشانی پر نمودار ہونے والی آڑی ترچھی لکیریں ذہن کے تختہ سیاہ پر ابھرنے والی ان شکلوں کی بدولت تھیں جن کے حصار میں وہ اس وقت گھرا ہوا تھا۔

بابا، امی، اذان اور اس کی شریک سفر زارا...... سب کی سوالیہ آنکھیں اس پر جمی ہوئی تھیں، سوال کر رہی تھیں کہ اس نے ان سب کے لیے کیا کیا؟ کیا اس کی ذات پر ان سب کا کوئی حق نہیں تھا، کیا ان سب کی ذمہ داریاں فرزان کے کندھوں پر نہیں تھیں؟ کیا وہ دنیا میں صرف اپنے لیے زندہ رہنے کو آیا تھا؟

ذہن کے پردہ اسکرین پر نمودار ہونے والی ساری شکلیں، وہ سارے چہرے، اس کے اپنے تھے!

اس کے وہ رشتے جو اس پر جان چھڑکتے تھے ان سب کی خاموش آنکھیں اسے جھنجھوڑ رہی تھیں، زخمی کر رہی تھیں، ان سب نے مل کر بالآخر اسے گھیر لیا تھا اور پھر گھسیٹ کر ضمیر کی عدالت میں لا کھڑا کیا تھا۔

خاموش آنکھیں اس پر الزامات عائد کر رہی تھیں، ان کے چہرے ان کی وکالت کر رہے تھے اور ضمیر جج بن کر اسے مجرم ٹھہرا رہا تھا وہ خاموش سوال اس کی روح پر کوڑوں کی طرح برس رہے تھے۔

اس نے گھبرا کر آنکھیں کھول دیں، قیمتی

سازوسامان اور تمام تر آرائشی لوازمات سے سجا وسیع وعریض کمرہ اور اس میں بچھے جہازی سائز کے آرام دہ بیڈ پر لیٹے ہوئے فرزان کی پیشانی پر ننھے منے ان گنت پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے۔

اس نے شدید بے چینی محسوس کی، حلق میں کانٹے پڑے ہوئے تھے، پیاس کا شدید احساس ہوا تو اس نے اٹھ کر چپل پہنی اور سلیپنگ گاؤن کی آستین کی مدد سے پیشانی پر آیا ہوا پسینہ صاف کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل آیا۔ پھر چند ہی لمحوں کے بعد وہ ہاتھ میں شیشے کا نفیس گلاس تھامے ڈسپنسر سے پانی نکال رہا تھا ایک ہی سانس میں پورا گلاس خالی کرنے کے بعد اس نے گلاس واپس اسٹینڈ پر رکھا اور طویل راہداری پر چلتا ہوا باہر لان میں نکل آیا اب اس کا رخ عمارت کے بیرونی دروازے کی جانب تھا۔

علی الصبح کا وقت تھا، پورے گھر پر خاموشی چھائی ہوئی تھی اور شاید چوکیدار کے علاوہ اس وقت کوئی بھی نہیں جاگ رہا تھا یا پھر فرزان تھا جس کی آنکھ کھل گئی تھی اور اب وہ گھر سے باہر نکل رہا تھا۔

چوکیدار نے اسے دیکھ کر مستعدی سے سلام کیا اور گیٹ کا چھوٹا دروازہ کھول دیا۔

فرزان گردن ہلا کر سلام کا جواب دیتے ہوئے باہر نکل آیا۔ اب اس کا رخ قریب ہی موجود ایک پارک کی جانب تھا۔

چاروں طرف پھیلی ہوئی نرم نرم گھاس جس پر سجے شبنم کے تروتازہ قطرے موتیوں کی طرح چمک رہے تھے، رنگ برنگے پھول، خوش نما پودے اور قد آور درختوں نے پارک کا حسن دوبالا کر دیا تھا۔

فرزان نے ایک لمحے کے لیے رک کر اس خوب صورتی کو نگاہوں میں سمیٹا پھر ایک طویل سانس پھیپھڑوں میں بھری تو اسے ایک عجیب سی خوشگواریت کا احساس ہوا، کسل مندی ہوا ہو گئی اور اس کے روم روم میں تازگی بھر گئی۔

ہوا کے دوش پر تیر کر آنے والی ایک آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی، پتا نہیں آواز کا مرکز دمحور کیا تھا اور وہ آواز کہاں سے بلند ہو رہی تھی! لیکن ایک بات طے تھی کہ اس آواز نے اس پر ایک عجیب رعب طاری کر دیا تھا۔

"تو تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے۔"

یہ سرسبز گھاس، یہ پھول، یہ پودے، یہ درخت سب اسی کی قدرت کا شاہکار تھے اور اسی کی حمدوثنا بیان کر رہے تھے۔

فرزان کی نظریں گردش کرتی ہوئی بہت سے درختوں کے دامن میں موجود ایک سنگی بنچ پر ٹھہر گئیں پھر وہ آگے بڑھتے ہوئے اس بنچ پر جا بیٹھا۔

ماحول بدل گیا تھا، وہ بند کمرے سے کھلی فضا میں آ گیا تھا لیکن ذہن پر ڈوبتے ابھرتے عکس مسلسل اس کے تعاقب میں تھے، پارک میں ہر طرف خاموشی تھی لیکن اس کے اندر ایک شور برپا تھا جو ماحول بدلنے منظر تبدیل ہونے پر بھی نہیں رکا تھا۔

اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھام لیا اور ایک مرتبہ پھر آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا، الزامات لگتے رہے، وکیلوں کی پیکار جاری رہی، جرح ہوتی رہی، عدالت کی کارروائی بدستور چلتی رہی...... نا جانے کب تک وہ مجرم بنا کٹہرے میں کھڑا رہا، اسے اندازہ نہ ہو سکا۔

اسے ہوش اس وقت آیا جب کندھے پر ضرب لگنے کا احساس ہوا...... اس نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھولیں تو وہ سامنے کھڑا نظر آیا۔

پھٹے پرانے، دھجیوں کی شکل میں لٹکتے ہوئے کپڑے، بکھرے ہوئے گرد آلود بال، بے تحاشا بڑھی ہوئی بے ربط اور بے ڈھنگی داڑھی، منہ سے بہتی ہوئی رالیں اور ہاتھ میں دبی ہوئی ٹیڑھی میڑھی چھڑی جو یقیناً کسی درخت کی ٹوٹی ہوئی شاخ تھی۔

یہ سب اسے ایک مجذوب یا فقیر ظاہر کرنے کے لیے کافی تھا! فرزان کو کندھے پر لگنے والی ضرب نے خاصا مشتعل کیا تھا جو یقیناً اس ملنگ صورت آدمی کے ہاتھ میں دبی ہوئی چھڑی سے لگائی گئی تھی لیکن اس

...بوتی حلیے کو دیکھتے ہوئے فرزان کا سارا غصہ ...کی طرح بیٹھ گیا۔

...شخص ذہنی طور پر حاضر دکھائی نہیں دے رہا تھا ...کسی آدمی پر وہ کیا غصہ اتارتا؟ بس خون کے ...پی کر رہ گیا لیکن اپنے چہرے پر برستی ہوئی ...اور لہجے میں گھلی ہوئی تلخی میں کمی نہ کر سکا۔

"کیا تکلیف ہے...... دماغ تو ٹھیک ہے ...؟"

اس کا سوال اور ری ایکشن ایک فطری عمل تھا ...ملنگ صورت شخص کا جوابی ردعمل اور بھی حیرت ...تھا۔

"ہی ہی ہی۔"

وہ بے ڈھنگے انداز سے ہنسا تو منہ سے بہنے والی ...اس کی داڑھی میں جذب ہو کر غائب ہونے ...، کراہت کا ایک عجیب سا احساس تھا جو یہ منظر ...کر فرزان کے دل میں بے اختیار ابھرا۔

"شش...... شی!"

ملنگ نما آدمی نے ہنستے ہنستے یکدم ہنسی کو بریک ...اور ہونٹوں پر انگلی رکھتے ہوئے خاموشی کا اشارہ ...پھر فرزان کی طرف جھکتے ہوئے رازدارانہ انداز ...سرگوشی کرتے ہوئے بولا۔

"دے دیا نا جھٹکا...... آسمان سے گرا کھجور میں ...کب ہوش آئے گا تجھے...... کیا ہمیشہ بے ہوش ...رہے گا؟"

سرگوشی کرتے ہوئے وہ ملنگ صورت شخص ...فرزان کے قریب اتنا جھک آیا تھا کہ اس کے جسم سے ...اٹھتے ہوئے بدبو کے بھبکوں نے فرزان کے نتھنے جلا ...دیے تھے، اس نے بوکھلا کر دونوں ہاتھوں کی مدد سے ...ملنگ صورت آدمی کو پیچھے کی جانب دھکیلا اور پھر ...تیلے لہجے میں غرایا۔

"...تک...... کیا بکواس ہے؟"

"ہی ہی ہی۔"

وہ بے تکے انداز میں ہنسا اور پھر چھڑی کو دونوں ...ہاتھوں کی مدد سے فضا میں بلند کرتے ہوئے بے ڈھنگے پن سے ناچنے لگا۔

"بکواس...... بکواس...... بکواس...... میں بھی بکواس...... تم بھی بکواس...... سب بکواس...... بس ایک ہی سچ ہے اور وہی ایک سچ ہے۔"

ناچتے اور بکواس بکواس گاتے اچانک وہ پھر یوں رک گیا جیسے کھلونے کی چابی ختم ہو جاتی ہے پھر رازدارانہ لہجے میں اسے مخاطب کرتے ہوئے بولا۔

"جانتے ہو کیوں؟ وہ دو نہیں ہے...... ہمیشہ سے ایک ہے...... اور ہمیشہ ایک رہے گا...... باقی سب بکواس ہے......اور سن!"

وہ ایک لمحے کے لیے رکا اور پھر دوبارہ گویا ہوا۔

"تو ہوش میں نہیں ہے...... سدا کا مدہوش ہے لیکن ...... لیکن یہی مدہوشی ایک دن تجھے ہوش کی طرف لے جائے گی...... پھر نا تو ہوش میں رہے گا......اور نہ مدہوش!

ہی ہی ہی......ہی ہی ہی......"

وہ بے ڈھنگے پن سے ہنسا اور پھر بگٹٹ دوڑتا ہوا جلد ہی اس کی نظروں سے اوجھل ہو گیا۔

فرزان اپنی جگہ پر بیٹھا حیرت سے سوچ رہا تھا کہ "ہوش میں، میں نہیں ہوں یا...... یہ ملنگ خود؟" لیکن جواب دینے کے لیے اب وہ وہاں موجود نہیں تھا۔

"کیا کہنا چاہتا تھا یہ...... آخر اس ساری گفتگو کا مقصد کیا تھا؟" لیکن اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آیا تھا اس نے برا سا منہ بناتے ہوئے سر جھٹکا اور اٹھ کر گھر کی جانب روانہ ہو گیا۔

جو کچھ بھی تھا، اس شخص کی دخل درنا معقولات کی وجہ سے اسے اپنے اندر جاری جنگ سے نجات مل گئی تھی، اس اذیت کا اب نام ونشان تک نہیں تھا جس سے وہ بے دار ہونے سے لے کر اب تک دوچار رہا تھا۔

☆☆☆

یہ کیا حالت بنا رکھی ہے، یہ آثار کیسے ہیں؟

بہت اچھا بھلا چھوڑا تھا، اب بیمار کیسے ہیں؟
شاہد حیرت سے منہ پھاڑے دیکھ رہا تھا، اذان پر جمی ہوئی اس کی آنکھوں میں ایک خاموش سوال مچل رہا تھا، جیسے پوچھ رہا ہو۔

"اذان صاحب! آپ کا دماغ تو نہیں چل گیا..... پاگل تو نہیں ہو گئے آپ؟"

وہ اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ کے ایک کمرے میں داخل ہوئے تو اذان نے اسے مخاطب کرتے ہوئے دریافت کیا۔

"تمہارے پاس "سن" کرنے والا انجکشن تو ہوگا؟"

"جی! بالکل ہے..... مگر کرنا کیا ہے؟"

شاہد نے سوال کیا تو اذان سنجیدگی سے بولا۔

"تو پھر جلدی سے لے کر آؤ، کرنا کیا ہے..... یہ پھر بتاتا ہوں!"

چند ہی لمحوں کے بعد شاہد واپس نمودار ہوا تو اس نے ہاتھ میں ایک چھوٹا سا چوکور برتن اٹھا رکھا تھا جو ایک نظر دیکھنے میں اسٹیل کا ڈونگا دکھائی دے رہا تھا۔ برتن کے اندر سرنج، قینچی، نشتر، بینڈیج کی پٹی، انجکشن اور اسی طرح کے دیگر لوازمات نظر آ رہے تھے۔

"مریض کہاں ہے..... اور مسئلہ کیا ہے اذان صاحب! کچھ تو بتائیں؟"

شاہد نے وہ ڈونگا نما برتن اسٹریچر پر رکھ کر پلٹتے ہوئے دریافت کیا۔

"مریض تمہارے سامنے کھڑا ہے..... سرنج اٹھاؤ اور یہ انجکشن یہاں میری پیشانی پر لگاؤ!"

اذان نے اپنی پیشانی پر انگلی مارتے ہوئے سنجیدگی سے جواب دیا جس کے ردِعمل میں شاہد کا منہ حیرت سے کھل گیا تھا اور اس کی سوالیہ آنکھیں اذان کے چہرے پر جم کر رہ گئی تھیں۔

"میں پاگل نہیں ہوا..... جو کہہ رہا ہوں پوری ذمہ داری سے اور مکمل ہوش و حواس میں کہہ رہا ہوں..... اٹھاؤ سرنج اور انجکشن لگاؤ۔"

اذان نے شاہد کے تاثرات کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے اصرار کیا۔

"دل..... لیکن..... اذان صاحب....."

شاہد نے ہچکچاتے ہوئے کچھ کہنا چاہا لیکن اذان اس کی بات کاٹتے ہوئے سختی سے بولا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں..... جو میں کہہ رہا ہوں..... وہ کرو، میں سنجیدہ ہوں۔"

شاہد نے حیرت بھری آخری نظر اذان کے چہرے پر ڈالی پھر خاموشی سے سرنج اٹھا کر انجکشن بھرنے لگا، چند ہی لمحوں کے بعد وہ انجکشن اذان کی پیشانی کے داہنے حصے میں انجیکٹ ہو چکا تھا لیکن اس کے نتیجے میں جو ہوا وہ حیرت انگیز تھا۔

اذان کی پیشانی پر ایک بڑا سا گومڑ نمودار ہو گیا تھا اور یہ آلو نما گومڑ یقیناً پیشانی کی اوپری جلد میں انجیکٹ ہونے والے انجکشن کا کمال تھا!

"اب کیا کروں؟"

شاہد نے جیسے بے چارگی سے سوال کیا۔

"اب نشتر اٹھاؤ..... اور پیشانی پر یہاں کٹ لگاؤ۔"

اذان نے گومڑ کو ٹٹولتے ہوئے بدستور سنجیدگی سے اگلا حکم جاری کیا۔

اس مرتبہ شاہد نے کوئی اور سوال نہیں کیا تھا، شاید اس نے یہی سوچا ہوگا کہ بھاڑ میں جائے مجھے کیا، اس نے خاموشی سے نشتر اٹھایا اور گومڑ پر رکھ کر کٹ پیش کیا۔

پیشانی پر زخم نمودار ہو گیا اور اس میں سے بھل بھل خون بہنے لگا جو اس کی داہنی آنکھ کے قریب سے گزرتے ہوئے ایک لکیر کی شکل میں گال تک آیا اور پھر قطروں کی شکل میں نیچے ٹپکنے لگا۔

شاہد نے کاٹن کی مدد سے خون صاف کیا، پھر کیا پھر کیا لیکن خون کا اخراج ختم نہ ہو سکا! اس نے پریشانی سے زخم کا جائزہ لیا پھر سرسراتی ہوئی آواز میں گویا ہوا۔

"اذان صاحب! زخم زیادہ گہرا لگ گیا ہے، اسٹیچز لگانے پڑیں گے!"

"نہیں یار! اسٹیچز لگوائے تو نشان نہیں جائے گا، ...ر بندوبست کرو۔"

اذان نے جھلا کر کہا تو شاہد حرکت میں آ گیا اس ...گے میں سے ایک بوتل اٹھائی اور اس میں ...دوا جو غالباً اسپرٹ تھا کی مدد سے کاٹن بھگو کر ...اچھی طرح صاف کرنے لگا پھر کچھ ہی دیر کے ...صرف وہ اس کے زخم کی بینڈیج کر چکا تھا بلکہ ...ادویات بھی فراہم کر چکا تھا۔

اذان اس سے مصافحہ کر کے رخصت ہونے لگا تو ... بولا۔

"بات کچھ سمجھ میں نہیں آئی اذان صاحب!"

اذان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ کی ایک باریک ...پھیل گئی، وہ خوش دلی سے شاہد کا کندھا تھپتھپاتے ...گویا ہوا۔

"بات تمہاری سمجھ میں آئے یا نہ آئے..... لیکن بات طے ہے کہ تم نے میرا بہت بڑا مسئلہ حل ...یا ہے..... تھینک یو سو مچ یار!"

اذان لمبے لمبے ڈگ بھرتا کمرے سے باہر نکل گیا شاہد وہیں کھڑا حیرت بھری نظروں سے ...ازے کو تکتا رہ گیا۔

☆☆☆

...دیے منڈیر پہ رکھ آتے ہیں ہم ہر شام نجانے کیوں
...شاید اس کے لوٹ آنے کا کچھ امکان ابھی باقی ہے
...انی اس کے ہجر میں اب بھی نزع کے عالم میں لگتی ہیں
...ل میں ویسی ہی وحشت ہے تن میں جان ابھی باقی ہے

...پیپر چیک کرتے کرتے اس کی آنکھوں کے ...نے اندھیرا سا چھا گیا، پین ٹیبل پر رکھنے کے بعد ...ی کی پشت سے ٹیک لگا کر اس نے اپنے چکراتے ...ے ذہن کو سنبھالا دینے کی کوشش کی۔

کچھ دیر گہری گہری سانسیں لے کر اس نے ...ت کو اعتدال پر لانا چاہا لیکن ناکام رہی، دماغ تھا ...کی لٹو کی طرح گھومے چلا جا رہا تھا۔

اسکول سے آنے کے بعد معمول کے مطابق اس ...کھانا تیار کیا، دسترخوان لگایا، پھر امی کے ساتھ بیٹھ کر اشتہا کے مطابق کھایا بھی تھا، اس کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گئی اور تب سے لے کر اب تک مسلسل پیپرز چیک کر رہی تھی۔

طبیعت تو کافی دنوں سے ناساز لگ رہی تھی لیکن اس نے کوئی خاص توجہ نہیں دی تھی مگر آج اسے اپنا وجود مٹی ہوتا محسوس ہو رہا تھا وہ بے حد کمزوری محسوس کر رہی تھی۔

اسکول کی جاب میں اس نے خود کو گم کر لیا تھا، مصروف کر لیا تھا، وہ چاہتی تھی کہ بے کار کی سوچوں کے لیے اسے وقت ہی نہ ملے، لیکن سوچوں کے بے لگام گھوڑے بنا ایڑ لگائے، دوڑنے پر آتے تو دوڑے چلے جاتے اور وہ سوچوں کے ان گھوڑوں پر سوار ہو کر پتا نہیں کہاں کہاں خوار ہوتی پھرتی، تھک کر ہلکان ہو جاتی، لیکن سوچ کا یہ سفر اپنے اختتام کو نہیں پہنچ پاتا تھا۔

ماضی کی حسین یادیں، حال کی تلخیاں اور مستقبل کے اندیشے جب مل کر اسے اپنے حصار میں لیتے تو وہ پھڑپھڑا کر رہ جاتی، اس حصار کو توڑ کر وہ بھاگ جانا چاہتی تھی لیکن اسے کوئی راہِ فرار دکھائی نہ دیتی وہ ان یادوں، تلخیوں اور اندیشوں سے لڑ لڑ کر تھکن سے چور ہو جاتی۔

سانس پھول جانا، وقت بے وقت بے تحاشا کھانسی کا چھڑ جانا، کھانستے کھانستے تھوکنا اور پھر تھوک میں خون آنا آج سے نہیں پچھلے کافی عرصے سے تھا، طبیعت زیادہ بگڑتی تو ڈاکٹر کے پاس جانا اس کی مجبوری بن جاتی لیکن دوا باقاعدگی سے استعمال کرنا تو اس کی مجبوری نہیں تھی!

ایک دو دن دوا استعمال کرنے کے بعد جب طبیعت سنبھل جاتی تو وہ دوا کو کہیں رکھ کر بھول جاتی کیوں کہ وہ جانتی تھی کہ اس کے مرض کا علاج ڈاکٹروں کے پاس تھا ہی نہیں!

اس کی بیماری جسم کی نہیں روح کی بیماری تھی اور میڈیکل سائنس نے اتنی ترقی بہرحال نہیں کی تھی کہ وہ جسمانی علاج کے ساتھ ساتھ روح کا علاج بھی

کر سکے روح کے زخم دکھائی نہیں دیتے صرف محسوس کیے جاسکتے تھے۔

اس نے پپڑیاں جمے ہونٹوں پر زبان پھیری اور پھر لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھ کر پانی پینے کے ارادے سے کچن کی طرف جانے لگی، بدقت تمام وہ کچن میں پہنچی، طبیعت تھی کی سنبھلنے میں نہیں آرہی تھی سانس سینے میں گھٹ کر رہ گیا تھا، دل جیسے کسی نے مٹھی میں جکڑ لیا تھا اور اب وہ بے دردی سے اسے مسلے چلے جارہا تھا۔

اس نے گلاس اٹھایا، کپکپاتے ہاتھوں سے اس میں پانی انڈیلا اور پینے کے لیے اوپر اٹھایا لیکن گلاس میں موجود پانی کی سطح پر لہراتا، مسکراتا ہوا وہ چہرہ اس کے سامنے آگیا، دل میں ایک ہوک سی اٹھی، دماغ تیزی کے ساتھ چکرایا اور اس کے ہونٹوں سے ایک سسکی سی آزاد ہوئی۔

"فرزان......"

اس کے ساتھ ہی وہ دھڑام سے زمین پر گری اور دنیا و مافیہا سے بے خبر ہوگئی! ٹھیک اسی لمحے ذکیہ بیگم کچن میں داخل ہوئی تھیں، یہ منظر دیکھ کر گھبراہٹ کے عالم میں وہ بے اختیارانہ چیخ اٹھیں۔

"زارا......"

☆☆☆

قوتِ فکر جس میں گھٹ جائے
ذہن تاریکیوں میں بٹ جائے
دل غبارِ الم میں اٹ جائے
آدمی زندگی سے کٹ جائے
ایسی دیوانگی سے کیا حاصل؟
اس غمِ عاشقی سے کیا حاصل

وہ خاموش بیٹھا چائے کے کپ کی جانب متوجہ تھا اور کپ میں موجود چائے کی سطح کو گھورے جارہا تھا ارد گرد بکھرے ہوئے پھول، سرسبز گھاس اور چھوٹے بڑے انواع واقسام کے پودے فرحت بخش ہوا کا سہارا لے کر خوشی سے ناچ رہے تھے، جھوم رہے تھے لیکن اس کے چہرے پر سناٹے کا راج تھا۔

"خیریت تو ہے فرزان...... آج بڑے ... اور گم سم سے دکھائی دے رہے ہو؟"

لان میں بچھی کرسیوں میں سے نبیل کی ... جانب فرزان کے مقابل ایک کرسی پر براجمان ... نے فرزان کو مخاطب کیا لہجے میں ہلکی سی پریشانی ... استفسار تھا۔

فرزان نے چونک کر اس کی جانب دیکھا ... اس کی آواز نے اسے گہری نیند سے بیدار کر ... شاید تھا بھی ایسا ہی کیوں کہ آج پارک میں ... واپس آکر ناشتا کرنے، پھر یہاں آکر لان میں ... تک وہ مسلسل ایک تنومی کیفیت کا شکار تھا جسے ... خاصی دیر سے نوٹ کر رہی تھی اور آخر کار اس ... پوچھ ہی لیا تھا۔

فرزان نے چند لمحے غائب دماغی کی سی کیفیت میں فریال کے چہرے پر نظریں جمائے رکھیں پھر ایک طویل سانس لینے کے بعد اپنے مخصوص ٹھہرے ... لہجے میں گویا ہوا۔

بس یوں ہی چپ ہو جاتا ہوں
کوئی ایسا گہرا دکھ بھی نہیں
جسے دکھ سمجھوں
اور تم سے کہوں
بس یوں ہی چپ ہو جاتا ہوں
کسی اجڑے گھر کی مٹی پر
جب شام ڈھلے
کسی چیل کو سر نیہوڑائے ہوئے میں پاتا ہوں
کھو جاتا ہوں
تم پوچھتے ہو، کوئی دکھ تو نہیں؟
میں ایک نظر تمہیں دیکھتا ہوں
اور کہتا ہوں
کوئی ایسا گہرا دکھ بھی نہیں
جسے دکھ سمجھوں
اور تم سے کہوں

جب دیکھتا ہوں ایسا منظر
میں ماضی میں کھو جاتا ہوں
بس یوں ہی چپ ہو جاتا ہوں!

فرزان خاموش ہوا تو فریال چند لمحوں تک اس کی آواز کے تاثر میں ڈوبی رہی پھر چونک کر جیسے ہوش میں آگئی اور بولی۔

"بھئی واہ...... واہ، کیا ہی خوب صورت نظم ہے آپ کا ٹیسٹ بہت اچھا ہے فرزان! رئیلی مزا آگیا...... لیکن میرے سوال کو آپ نے بڑی خوب صورتی سے گول کر دیا ہے مجھے پورا یقین ہے کہ اس وقت آپ خاصے الجھے ہوئے ہیں...... کیا بتانا پسند کریں گے کہ ہم سے کیا چھپایا جارہا ہے؟"

فرزان چند لمحے خاموشی سے اس کی آنکھوں میں جھانکتا رہا پھر سنجیدگی سے بولا۔

"چھپاتے وہ ہیں جو جھوٹ بولتے ہیں، جھوٹ کینسر کی مانند ہوتا ہے جو بہت جلد آپ کی پوری زندگی کا گھیراؤ کر لیتا ہے! اگر آپ سچے ہوں تو آپ کو کچھ بھی چھپانے کی ضرورت نہیں رہتی۔

اگر ہم ایک جھوٹ بولتے ہیں تو خوفزدہ ہو جاتے ہیں...... اپنے آپ سے...... اوروں سے...... یہاں تک کہ اپنے خدا سے بھی نظریں چراتے پھرتے ہیں تب ہم مستقل مصنوعی دکھاووں کے پیچھے بھاگنے لگتے ہیں، منافقت ہمارا طرزِ زندگی بن جاتی ہے لیکن ایک بات ہمیشہ یاد رکھو فریال! کہ منافقت جہنم کا دہانہ ہے...... انسان کی اصل صرف خالص ہونا ہے کیوں کہ خالص ہونا ہی واحد حقیقی خوشی ہے...... ویسے تمہیں کیسے اندازہ ہوا کہ میں کچھ سوچ رہا ہوں، یا چھپا رہا ہوں؟"

فرزان کا طویل جواب سن کر فریال نے بے چینی سے پہلو بدلا پھر سنجیدگی سے بولی۔

"بھئی اتنے دنوں سے ایک ہی جگہ ایک ہی گھر میں ایک ساتھ رہ رہے ہیں کچھ نہ کچھ تو اندازہ ہو ہی جاتا ہے۔"

فرزان کے ہونٹوں پر ایک تلخ مسکراہٹ پھیل گئی پھر وہ سر جھٹکتے ہوئے گویا ہوا۔

"جانتی ہو فریال! ماضی میں لوگوں کی پہلے شادی ہوتی تھی پھر وہ رفتہ رفتہ ایک دوسرے کو پسند کرنا اور محبت کرنا شروع کرتے تھے اور یہ تو ایک فطری سی بات ہے کہ جب آپ ایک جگہ اکٹھے رہتے ہیں تو پسندیدگی پیدا ہو ہی جاتی ہے ایک دوسرے پر انحصار ہو جاتا ہے لیکن میرے خیال میں یہ غلط تھا کیوں کہ ایسی شادی کی بنیاد ضرورت پر ہوتی تھی۔

خاوند کو بیوی کو ضرورت، بیوی کو خاوند کی ضرورت اور بچوں کو والدین کی ضرورت...... سب ایک ساتھ اکٹھے رہتے تو ہیں لیکن ان کی جڑیں محبت میں پیوست نہیں ہوتیں!

میرے خیال میں درست طریقہ یہ ہے کہ آپ پہلے ایک دوسرے کو سمجھیں، پرکھیں، پسند کریں پھر محبت کریں اور پھر شادی، اکٹھے تب رہنا شروع کرنا چاہیے...... کیا تم مجھ سے اتفاق کرو گی؟"

فریال نے چند لمحوں تک جیسے اس کی باتوں پر غور کیا پھر بے چارگی سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی۔

"پتا نہیں...... آپ کی باتیں خاصی مشکل ہوتی ہیں، میں صرف اتنا جانتی ہوں کہ ماضی، حال اور مستقبل انسان کے ساتھ ساتھ چلتے ہیں، کبھی انسان اپنے ماضی میں کھو جاتا ہے، کبھی حال پر پریشان ہوتا ہے تو کبھی مستقبل بنانے میں کوشاں...... پریشانی کوئی بھی ہو انسان کچھ بھی سوچ رہا ہو لیکن شیئر کر لینا میرے خیال میں بہتر ہوتا ہے، کہا جاتا ہے کہ اگر مشورہ کرنے کے لیے کوئی انسان دستیاب نہ ہو تو بندہ دیوار سے مشورہ کر لے لیکن کرے ضرور...... اگر آپ اپنے آنے والے کل کے متعلق پریشان ہیں تو مجھ سے شیئر کریں میں آپ کو بہتر مشورہ دوں گی۔"

فرزان نے پوری توجہ سے فریال کی بات سنی پھر گویا ہوا۔

"دیکھو فریال ماضی آپ کی زندگی کا حصہ ضرور ہوتا ہے لیکن وہ آپ کا گزرا ہوا کل کہلاتا ہے ہمیں

اپنے آنے والے کل کی فکر ہونی چاہیے اور آنے والا کل ہمارے آج کی کوکھ سے جنم لیتا ہے ہمیں اپنے آج کی حفاظت کرنی چاہیے اگر ہم نے اپنے آج کی حفاظت کی تو ہم نے اپنے آنے والے کل کو محفوظ کرلیا اور ہاں کل کے متعلق زیادہ پریشان ہونے کی ضرورت بھی نہیں کیوں کہ اگر ہم نے کل کے متعلق زیادہ فکر کی تو اس کا مطلب ہوا کہ ہم نے اپنا آج ضائع کردیا کل ہمارے آج سے جنم لے گا یہ ہمیشہ آج ہی کی صورت میں آتا ہے اگر ہم اپنے آج کو اپنے ہاتھوں مار ڈالیں تو ہم اپنے آنے والے کل کو بھی کھو دیں گے۔

میں اپنا آج ضائع نہیں کرنا چاہتا، مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے، ترقی کرنا ہے، تمہارے بھائی کی طرح بہت سارو پیہ جمع کرنا ہے اور اس کے لیے مجھے اپنے آج سے ہی آغاز کرنا پڑے گا، میں اب مکمل طور پر صحت یاب ہو چکا ہوں لہٰذا اب مجھے یہاں سے جانا ہوگا۔"

فرزان نے اپنی گفتگو کا اختتام کیا تو فریال کے سینے میں سانسیں جیسے رک کر رہ گئیں وہ اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی حیرت بھری نظروں سے فرزان کی طرف دیکھے چلی گئی۔

ٹھیک اسی وقت بوڑھی ملازمہ بانو نمودار ہوئی اور خاموشی سے ٹیبل پر رکھے چائے کے برتن سمیٹنے لگی۔

☆☆☆

توڑ لیں گے ہر اک شے سے رشتہ، توڑ دینے کی نوبت تو آئے

ہم قیامت کے خود منتظر ہیں، پر کسی دن قیامت تو آئے

وہ آگئی...... اس کا دل زور سے دھڑکا اور وہ بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا! مبہوت، مسحور اور ساکت۔

پیشانی پر بینڈیج سجائے، کاؤنٹر کے پیچھے اپنی مخصوص ریوالونگ چیئر پر براجمان وہ منتظر تو اسی کا تھا لیکن امید اتنی جلدی بر آئے گی شاید اسے گمان تک نہیں تھا لیکن وہ اس کے سامنے جیتی جاگتی، سانس لیتی، مجسم کھڑی تھی! اس کے گمان کو یقین کی صورت دینے والا حسن کا وہ شاہکار اس کے اتنے قریب موجود تھا کہ وہ ہاتھ بڑھاتے ہی اسے چھو سکتا تھا۔

خواب حقیقت کا روپ دھار چکے تھے، تعبیر اس کے سامنے تھی، خوشی تھی کہ سنبھالے نہیں سنبھل رہی تھی، اور ایسا کیوں نہ ہوتا؟

اسے اس کی محبت کا جواب مل گیا تھا، آج اسے محبت پر یقین آگیا تھا، یہ محبت ہی تو تھی، جس نے ناممکن کو ممکن کر دکھایا تھا، گوری رنگت، بلوریں آنکھیں، گلابی ہونٹ، لمبے سنہری بال، کتابی چہرہ اور تراشیدہ نقوش کی مالک وہ گڑیا سی لڑکی، سفید یونیفارم میں ملبوس ہاتھ میں کتابیں اٹھائے اس کے سامنے کھڑی تقدس و پاکیزگی کا مینار دکھائی دے رہی تھی۔

وہ آنکھوں ہی آنکھوں میں اس پر نثار ہوئے جا رہا تھا، صدقے واری ہو رہا تھا کہ آج اس کی مراد پوری ہوگئی تھی حسن خود چل کر عشق کی بارگاہ میں حاضر ہوگیا تھا۔

وہ مخمور ہوگیا، یہ اس کے عشق کی جیت تھی۔

"اب دیکھے ہی جائیں گے یا کچھ بولیں گے بھی؟"

یاقوتی لب حرکت میں آئے اور اس کے ارد گرد جیسے جل ترنگ بج اٹھے! وہ چونک کر ہوش کی دنیا میں واپس آیا اور ہڑبڑا کر اٹھتے ہوئے بولا۔

"ارے ماہم آپ...... ہاں ہاں...... کیوں نہیں...... آئیے، اندر آئیے۔"

اذان نے گڑبڑا کر بات کرتے ہوئے ماہم کی پذیرائی کی اور پھر دکان کے آخر میں موجود ریسٹ روم کے دروازے تک اس کی رہنمائی کی، پھر دروازہ کھول کر ایک سائیڈ پر ہٹتے ہوئے بولا۔

"آئیے......"

اور وہ ادائے بے نیازی سے سر جھٹکتے ہوئے اندر داخل ہوگئی، اذان نے ایک کرسی گھسیٹ کر اسے پیش کی اور خود اس کے سامنے پلنگ کر بیٹھ گیا، دونوں چپ تھے، دونوں ہی ایک دوسرے کو دیکھے چلے جارہے تھے لیکن آنکھیں چپ نہیں تھیں، آنکھیں

...وں سے ٹکرائیں تو وقت جیسے تھم گیا، آنکھیں بول ...یں، آنکھیں آنکھوں سے بات کر رہی تھیں، ...وں کی اس زبان میں جسے صرف آنکھیں سمجھ سکتی ...!

آنکھوں کی پیاس بجھتی رہی، کتنے ہی پل بیت ...، پھر ماہم کی نظروں نے گردش کی اور وہ اذان کے چہرے کا طواف کرتی ہوئی اس کی پیشانی پر موجود ...نڈیج پر جا رکیں! تب اس کے ہونٹ تھرتھرائے اور ...ک جذبات میں ڈوبی ہوئی سرگوشی سنائی دی۔

"اتنی محبت، اتنا پیار، ایسی دیوانگی، ایسا پاگل ...پن...... کیوں چاہتے ہیں اتنا اذان؟ کہیں میں مغرور ...نہ ہو جاؤں!"

اذان کی نظریں اٹھیں، پھر جھک گئیں، جواب ...سنائی دیا۔

"چاہت پر ہمارا اختیار ہی کہاں ہوتا ہے کہ ہم کسی کو زیادہ چاہیں یا کم...... چاہت تو ہوتی ہی لامحدود ہے۔"

وہ بے اختیار کھڑی ہوگئی اور پھر خوابیدہ سے انداز میں چلتی ہوئی سیدھی اذان کی طرف کھنچتی چلی گئی یوں، جیسے لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے! اس کے ہاتھوں نے میکانکی انداز میں حرکت شروع کی اور پھر اذان کی پیشانی سے پٹی کھلتی چلی گئی۔

شاید جذبات میں ڈوب کر سرزد ہونے والی ماہم کی یہ حرکت لاشعوری تھی لیکن اس کے ہاتھوں کے لمس میں کچھ ایسا جادو تھا کہ اذان پر سحر طاری ہوگیا وہ مدہوش ہونے لگا۔

پٹی کھل گئی، زخم ماہم کی نگاہوں کے سامنے تھا، ماہم کو اس دیوانگی پر بے تحاشا پیار آیا اور پھر اسے خود پر اختیار نہ رہا اس کا سر دھیرے دھیرے جھکتا چلا گیا اور پھر اس کے ہونٹوں نے اذان کی پیشانی کے زخم پر مرہم لگا دیا۔

چاروں طرف رنگ ہی رنگ بکھر گئے، ستارے ہی ستارے، روشنی ہی روشنی، نور ہی نور، پھول ہی پھول، خوشبو ہی خوشبو......

اذان کے ہونٹوں نے جنبش کی۔

"ماہم! تم اتنی خوب صورت، اتنی پیاری کیوں ہو، تم انسان ہو یا کوئی پری؟"

اور پھر اس کی آواز ریسٹ روم میں گونجنے والے دھیمے سروں کے اس گیت کی آواز میں مدغم ہو کر گم ہوگئی۔

آپ کے دہکے ہوئے جسم سے آنچ آتی ہے
دل کو گرماتی ہے جذبات کو بھڑکاتی ہے
آپ کے پاس جو آئے گا پگھل جائے گا
اس حرارت سے جو الجھے گا وہ جل جائے گا
آپ کا حسن وہ شبنم ہے جو شعلوں میں پلے
گرم خوشبوؤں میں تپتے ہوئے رنگوں میں ڈھلے
کس کا دل ہے جو سنبھالے سے سنبھل جائے گا
آپ کے پاس جو آئے گا پگھل جائے گا
ہونٹ ہیں یا کسی شاعر کی دعاؤں کا جواب
زلف ہے یا کسی ساون کے طلبگار کا خواب
ایسے جلووں کو جو دیکھے گا وہ جل جائے گا
آپ کے پاس جو آئے گا پگھل جائے گا
اس قدر حسن کسی ایک میں دیکھا نہ سنا
اس کا کیا کہنا جسے آپ نے ہمراز چنا
اس کی تقدیر کا عنوان بدل جائے گا
آپ کے پاس جو آئے گا پگھل جائے گا

☆☆☆

یہ زمیں جس قدر سجائی گئی
زندگی کی تڑپ بڑھائی گئی
نسل در نسل انتظار رہا
قصر ٹوٹے نہ بے نوائی گئی
ہم نہ اوتار تھے نہ پیغمبر
کیوں یہ عظمت ہمیں دلائی گئی

لینڈ کروزر ایک خفیف سے جھٹکے کے ساتھ رکی اور پھر ہلکی سی ہچکی لینے کے بعد بے آواز ہوگئی۔ ڈرائیونگ سیٹ کا دروازہ کھول کر ڈرائیور تیزی کے

ساتھ عقبی دروازے کی جانب لپکا ٹھیک اسی وقت پچھلی گاڑی میں سے کمانڈوز کی طرح چھلانگیں لگا کر اترنے والے مسلح باڈی گارڈز اپنی اپنی بندوقیں سنبھالے پوزیشن لے کر الرٹ کھڑے ہوگئے۔

ڈرائیور نے دروازہ کھولا اور یاور زمان گاڑی سے باہر نکلا، اس نے رک کر ایک نظر اپنے باڈی گارڈ پر ڈالی جو مستعد کھڑے تھے پھر مڑ کر گھر کے اندرونی حصے کی جانب بڑھ گیا۔

طویل راہ داری کراس کرنے کے بعد وہ اس وسیع و عریض قلعہ نما گھر کے رہائشی حصے میں داخل ہوگیا! اب اس کا رخ فریال کے کمرے کی جانب تھا اور یہ اس کا روزانہ کا معمول تھا، سارا دن دفتری معمولات میں مشغول رہنے والا، پورے ملک اور بے شمار دیگر ممالک میں پھیلے ہوئے عظیم الشان بزنس پر تنہا نظر رکھنے والا، ہزاروں ورکرز پر مطلق العنان حکمرانی کرنے والے یاور زمان کی دنیا گھر آنے کے بعد صرف فریال تک محدود ہوتی تھی۔

گھر سے نکلنے اور گھر آنے کے بعد سب سے پہلے وہ فریال ہی کا چہرہ دیکھتا تھا کیوں کہ فریال کے علاوہ اس پوری دنیا میں اس کا اور تھا ہی کون؟

وہ دروازے کی ناب گھما کر اندر داخل ہوا اور پھر اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہوگئیں، وہ اپنی جگہ پر ٹھٹک کر رک گیا، دروازہ کھلنے کا کھٹکا یا اس کے اندر داخل ہونے کی آہٹ نے فریال کی محویت پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا اور یہی بات یاور زمان کے ٹھٹکنے یا اس کی پیشانی پر سلوٹیں نمودار ہونے کا باعث بنی تھی۔

وہ اپنی جگہ بیڈ پر لیٹی چھت کی جانب نگران تھی اور پلک تک نہیں جھپک رہی تھی! یاور زمان چند لمحوں تک کھڑا ہو کر اس کا جائزہ لیتا رہا پھر قریب جا کر بیڈ کے ایک کونے پر بیٹھتے ہوئے ہلکا سا کھنکھار کر فریال کو متوجہ کرنے کی کوشش کی۔

فریال نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور پھر جلدی سے سیدھی ہو کر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"ارے بھائی آپ...... آپ کب آئے؟"

یاور زمان نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیا، فریال کی نظریں نیچے جھکی ہوئی تھیں اور چہرے پر مسرت کا کوئی تاثر نہیں تھا، ہونٹوں پر کوئی مسکراہٹ نہیں کھلی تھی، یہ اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ وہ الجھی ہوئی اور پریشان ہے۔

"فریال......!"

یاور زمان کی آواز بلند ہوئی تو فریال نے چونک کر نظریں اٹھائیں۔

"جی بھائی!"

یاور زمان نے بغور اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے دریافت کیا۔

"خیریت تو ہے تم کچھ پریشان دکھائی دے رہی ہو؟"

"نہیں بھائی...... ! ایسی تو کوئی بات نہیں......"

فریال نے نظریں چرائیں۔

"فریال...... ! میں نے تمہیں اپنے ہاتھوں سے پالا ہے...... تمہاری پیشانی کی ایک ایک شکن مجھ سے بات کرتی ہے، تمہاری پسند ناپسند، تمہاری خوشی، تمہاری پریشانی تمہارا موڈ...... سب پتا چلتا ہے مجھے! کیا تم مجھ سے کچھ چھپا سکتی ہو؟"

یاور زمان کے گونجیلے لہجے میں دنیا جہاں کی محبت سمٹ آئی۔ فریال کی آنکھیں بھر آئیں، وہ شکستہ لہجے میں گویا ہوئی۔

"بھائی! وہ...... فرزان...... بہت پریشان ہے اور...... اور اس کی پریشانی...... مجھ سے نہیں دیکھی جاتی...... وہ ٹھیک ہوگیا ہے اور...... اب یہاں سے جانا چاہتا ہے...... وہ چلا جائے گا بھائی!"

یاور زمان نے بغور بہن کی جانب دیکھا جس کی نظریں ایک مرتبہ پھر جھک گئی تھیں اور ان جھکی ہوئی نظروں نے یاور زمان کو بہت کچھ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا! چند لمحوں کی خاموشی کے بعد یاور زمان کی مخصوص آواز نے فریال کے پردۂ سماعت کو چھوا۔

"فریال...... ! فرزان ہمارے لیے ایک اجنبی ہے...... کوئی شخص اسے زخمی حالت میں اٹھا کر

تمہارے اسپتال لاتا ہے اور پھر اسے چھوڑ کر غائب ہو جاتا ہے...... وہ کون ہے، کہاں سے آیا ہے، اس کا ماضی کیا ہے، ہمیں کچھ معلوم نہیں...... کیا تمہارا اس کے لیے اتنا پریشان ہونا درست ہے؟"

فریال نے ڈبڈبائی ہوئی نظروں سے بھائی کی جانب دیکھا اور کافی دیر سے آنکھوں میں مقید آنسوؤں کو جیسے رہائی مل گئی! یاور زمان اس کے رخساروں پر بہتے ان آنسوؤں کو دیکھ کر تڑپ اٹھا، وہ جلدی سے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے بولا۔

"اوکے...... اوکے! میں فرزان سے بات کروں گا، اس کی جو بھی پریشانی ہے میں حل کروں گا، تم یہ رونا دھونا بند کر دو پلیز! کیا تمہیں اپنے بھیا پر یقین نہیں؟ وہ...... نہیں جائے گا!

جلدی سے آنکھیں صاف کرو اور اسمائل کر کے دکھاؤ، میں ہوں نا؟"

"بھائی......!"

فریال کی محبت بھری آسودہ آواز بلند ہوئی اور پھر اس نے اپنا سر یاور زمان کے کندھے پر ٹکا دیا جبکہ یاور زمان کی پرخیال نظریں فضا میں موجود کسی غیر مرئی نقطے پر مرکوز تھیں۔

تصورات کی پرچھائیاں ابھرتی ہیں
کبھی گمان کی صورت، کبھی یقیں کی طرح
وہ پیڑ جن کے تلے ہم پناہ لیتے تھے
کھڑے ہیں آج بھی ساکت کسی امیں کی طرح

☆☆☆

دنیا کی نگاہوں میں برا کیا ہے بھلا کیا؟
یہ بوجھ اگر دل سے اتر جائے تو اچھا!

ایمبولینس کا سائرن چلا رہا تھا اور سڑک پر موجود گاڑیاں تیزی سے دائیں بائیں ہوتے ہوئے اسے راستہ دے رہی تھیں۔ ایمبولینس پوری رفتار سے رواں دواں تھی اور اس میں سوار تمام افراد کے دل دھک دھک کر رہے تھے سوائے اس ایک وجود کے جو ہوش و حواس سے بیگانہ چت پڑا ہوا تھا۔

اذان نے کلائی پر بندھی رسٹ واچ کی جانب دیکھا، پھر بے چینی سے ہاتھ مسلتے ہوئے بڑبڑایا۔

"پتا نہیں یہ راستہ اتنا لمبا کیوں ہوگیا ہے، پورا شہر شاید آج ہی سڑکوں پر نکلا ہے!"

ایک ہاتھ اس کے کندھوں پر آ ٹکا تو اس نے مڑ کر دیکھا، یہ مختاراں تھی، جس کی خاموش نظریں اسے تحمل کی تلقین کر رہی تھیں جبکہ ساتھ ہی بیٹھی ذکیہ بیگم کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔

مختاراں آج ہی صبح پہنچی تھی اور اذان اس سے حال احوال دریافت کرنے کے بعد دکان پر آیا تھا لیکن تھوڑی دیر کے بعد اسے گھر سے کال آگئی اور وہ جیسے اڑتا ہوا گھر واپس جا پہنچا تھا، پھر کچھ ہی دیر میں وہ ایمبولینس کا انتظام کر چکا تھا۔

اور اب وہ سب کے سب دھڑکتے دلوں اور پریشان چہروں کے ساتھ ایمبولینس میں سوار تھے۔

ٹھیک اسی وقت ایمبولینس اسپتال کے کمپاؤنڈ میں داخل ہوئی۔ ایمبولینس کا دروازہ کھلا اور اسپتال میں ہل چل مچ گئی۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ سب کے سب اسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں موجود تھے۔

ڈاکٹر مصروف عمل تھے، کبھی کوئی انجکشن لگایا گیا تو کبھی کوئی۔ پھر اذان کو ایک پرچہ تھما دیا گیا وہ دوڑتے ہوئے باہر نکلا، جلد ہی وہ ڈاکٹر کی لکھی ہوئی ادویات لے کر واپس ایمرجنسی میں داخل ہو رہا تھا۔

زارا کو آکسیجن لگا دی گئی تھی، ابتدائی طبی امداد کا مرحلہ طے ہوا تو ایک ڈاکٹر قریب آتے ہوئے بولا۔

"مسٹر اذان! ہم نے اپنی پوری کوشش تو کر لی ہے، لیکن بہتر یہی ہوگا کہ آپ فوری طور پر انہیں لاہور لے جائیں۔"

"ڈاکٹر صاحب! وہ ٹھیک تو ہو جائیں گی نا؟"

اذان نے پریشانی سے دریافت کیا۔ ڈاکٹر نے ایک نظر اذان کے چہرے کی طرف دیکھا پھر اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے بولا۔

"اللہ بہتر کرے گا، لیکن آپ پلیز وقت ضائع نہ کریں اور انہیں فوراً میو اسپتال لے جائیں۔

بہتر ہوگا جس ایمبولینس پر آپ لوگ یہاں آئے ہیں اسی پر لاہور روانہ ہو جائیں، میں ان کی فائل تیار کرتا ہوں، آپ ایمبولینس والے سے بات کر لیں۔"

اذان نے ڈاکٹر کی بات سنی اور پھر دوڑتا ہوا باہر نکل گیا۔ ٹھیک اسی وقت مختاراں نے ایک نمبر پش کر کے موبائل کان سے لگایا اور گویا ہوئی۔

"وعلیکم السلام فدا! بیٹا تم فوراً میو اسپتال پہنچو، ہم بھی کچھ ہی دیر میں پہنچ جائیں گے، زارا کی طبیعت بہت خراب ہے، ہم اسے لے کر اسپتال آ رہے ہیں۔"

ٹھیک اسی وقت اذان واپس نمودار ہوا اور پھر کچھ ہی دیر کے بعد زارا کا وجود آکسیجن ماسک اور سلنڈر سمیت ایمبولینس میں منتقل کیا جا چکا تھا۔

مختاراں اور ذکیہ بیگم بھی اس کے ہمراہ تھیں۔

چند لمحوں بعد ایک فائل اٹھائے اذان بھی آ پہنچا اور ایمبولینس میں سوار ہونے لگا، تو مختاراں کا ہاتھ اس کے کندھے پر آ جما۔

"اذان! بیٹا...... کچھ پیسے رکھ لئے نا؟"

مختاراں نے ہچکچاتے ہوئے دریافت کیا۔

"جی! کچھ زیادہ تو نہیں ہیں۔"

اذان نے پریشان ہو کر جواب دیا۔

"پریشان ہونے کی ضرورت نہیں اذان! میں نے فدا کو انفارم تو کر دیا ہے...... امید ہے لاہور میں وہ سب انتظام کر لے گا...... تم گھر چلے جاؤ اور کچھ رقم کا بندوبست کر کے لاہور آ جاؤ!"

اذان نے حیرت سے مختاراں کی جانب دیکھا جس نے فائل اس کے ہاتھوں سے اچک لی تھی! ایمبولینس کا دروازہ بند ہوا اور وہ تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی اسپتال سے باہر نکل گئی۔

اذان چند لمحے وہیں کھڑا رہا پھر ڈھیلے قدموں سے چلتا ہوا وہ بھی اسپتال کے بیرونی دروازے کی جانب بڑھ گیا۔

ایمبولینس فراٹے بھرتی ہوئی تیزی سے آگے بڑھتی چلی جا رہی تھی، فاصلہ سمٹ رہا تھا اور لاہور قریب آ رہا تھا۔

ہلکی سی کراہ کی آواز سنائی دی تو مختاراں اور ذکیہ بیگم دونوں چونک کر زارا کی طرف متوجہ ہو گئیں۔ اس کی پلکوں میں لرزش پیدا ہوئی اور پھر اس نے آنکھیں کھول دیں۔

ذکیہ بیگم کا لرزتا کانپتا ہاتھ زارا کے وجود سے ٹکرایا پھر ان کی آنسو بھری آواز بلند ہوئی۔

"زارا بیٹا! تم ٹھیک تو ہو نا؟"

اور زارا کے ہونٹوں پر ایک زخمی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ اس نے شاید ذکیہ بیگم کی آواز کو سنا ہی نہیں تھا۔ اس کے ذہن میں تو ساحر کے اشعار گونج رہے تھے۔

تنگ آ چکے ہیں کشمکشِ زندگی سے ہم
ٹھکرا نہ دیں جہاں کو کہیں بے دلی سے ہم
لو آج ہم نے توڑ دیا رشتۂ امید
لو اب کبھی گلا نہ کریں گے کسی سے ہم
ابھریں گے ایک بار ابھی دل کے ولولے
گو دب گئے ہیں بارِ غمِ زندگی سے ہم
اللہ رے فریبِ مشیت کہ آج تک
دنیا کے ظلم سہتے رہے خامشی سے ہم!

☆☆☆

بدن کی سرزمیں پر تو حکمراں اور ہے
مگر جو دل میں بس رہا ہے مہرباں اور ہے
جو مجھ سے منسلک ہوئیں کہانیاں کچھ اور ہیں
جو دل کو پیش آئی ہے وہ داستاں اور ہے

"السلام علیکم اذان صاحب!"

آواز سنائی دینے پر چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ کر اذان نے چونکتے ہوئے نظریں اٹھائیں وہ اس وقت اپنے مخصوص ہوٹل میں بیٹھا شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ اپنے خیالات کے تانوں بانوں میں بھی الجھا ہوا تھا جب اچانک سنائی دینے والی اس آواز پر اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا تھا۔

سامنے ڈاکٹر شاہد کھڑا مسکرا رہا تھا، اذان نے

اٹھ کر اس کا استقبال کیا اور پھر مصافحہ کرنے کے بعد اسے ایک کرسی پیش کرتے ہوئے بولا۔

"آؤ بھئی شاہد! بیٹھو...... چائے چلے گی یا کولڈ ڈرنک؟"

"بھئی تم یہاں چائے پینے آتے ہو تو چائے ہی چلے گی۔"

شاہد کرسی پر بیٹھتے ہوئے بے تکلفی سے بولا۔ اذان نے میز کے کونے پر انگلیاں بجائیں تو ایک ویٹر فوراً ہی چراغ کے جن کی طرح نمودار ہو گیا۔

"جی سر!"

ویٹر نے ادب سے جھکتے ہوئے دریافت کیا۔

"بھئی شاہد صاحب کے لیے زبردست سی چائے لے کر آؤ۔"

اذان نے آرڈر نوٹ کرایا تو ویٹر ادب سے گردن خم کرتے ہوئے واپس پلٹ گیا۔

"اور بھئی شاہد کہو کیسی گزر رہی ہے؟"

اذان دوبارہ شاہد کی طرف متوجہ ہوا۔ شاہد نے ایک نظر اذان کے چہرے کی طرف دیکھا پھر شرارت سے بولا۔

"میری تو جیسے تیسے گزر ہی رہی ہے...... تم بتاؤ، پیشانی کا زخم تو بھر گیا، دل کے زخموں کا حال سناؤ؟"

شاہد کی نظریں اذان کی پیشانی پر دائیں جانب جمی ہوئی تھیں۔ اذان سٹپٹا کر انگلیوں کی مدد سے بالوں میں کنگھی کرنے لگا پھر قدرے گڑبڑا کر بولا۔

"بس یار! ضرورت تھی تو یہ سب ہو گیا اور دل کے زخموں کا روگ کم از کم میں تو نہیں پال سکتا...... یہ کام تم ہی کرو، تمہیں سوٹ کرتا ہے۔"

شاہد نے مسکراتی نظروں سے اذان کی گھبراہٹ کا جائزہ لیا پھر دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے شوخی سے بولا۔

"ہائے...... یہ کمبخت دل! بھئی ہمارے دل پر تو اتنے زخم ہیں کہ تمہارے گھر میں اتنے برتن بھی نہیں ہوں گے۔"

شاہد کی بات سن کر اذان کے ہونٹوں پر مسکراہٹ پھیل گئی پھر وہ شگفتگی سے بولا۔

"یہ بھی خوب رہی...... کہاں دل کے زخم اور کہاں گھر کے برتن...... مثال تو ڈھنگ کی دو!"

شاہد نے گھور کر اذان کی طرف دیکھا پھر برا مان جانے کی اداکاری کرتے ہوئے بولا۔

"اذان صاحب! آپ ہماری قابلیت کا مذاق اڑا رہے ہیں، میں نے جو مثال دی ہے دل کے زخموں سے متعلق اس سے زیادہ دانشورانہ مثال ہو ہی نہیں سکتی۔"

"اچھا...... وہ کیسے؟"

اذان نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

"بھئی دیکھو! ہم ڈاکٹر لوگ ہیں زخموں کے معاملے پر ہم سے بحث مت کرو...... جس طرح چھری، کانٹا، چمچہ اور چھوٹی بڑی پتیلیاں کچن کی زینت بنی ہوتی ہیں اسی طرح زخم بھی مختلف نوعیت کے ہوتے ہیں، کوئی چھوٹا کوئی اس سے بڑا اور کوئی اس سے بھی بڑا!"

شاہد پوری طرح سنجیدہ نظر آنے کی کوشش کر رہا تھا! اس کے متفکرانہ دلائل سن کر اذان کی ہنسی چھوٹ گئی لیکن شاہد کے گھور کر دیکھنے پر وہ ہنسی ضبط کرتے ہوئے بولا۔

"بھئی مان گئے ڈاکٹر صاحب!"

"نہیں! آخر کیا مان گئے تم...... ذرا وضاحت تو دو؟"

شاہد نے دونوں ہاتھ کولہوں پر رکھ کر لڑاکا عورتوں کے سے انداز میں دریافت کیا۔

"یہ ہی کہ تم ڈاکٹر کے ساتھ ساتھ اچھے باورچی بھی ہو اور تمہارے دل کا سب سے گہرا زخم یقیناً کسی پتیلے جتنا بڑا ہوگا۔"

اذان نے ہنستے ہوئے جواب دیا۔ شاہد نے چند لمحے گھورتی ہوئی نظروں سے اذان کی سمت دیکھا پھر انگلی کی مدد سے غیر مرئی آنسو صاف کر کے ہوا میں جھٹکتے ہوئے بولا۔

"اجی پتیلا کیا...... سب سے گہرا اور آخری زخم تو

دیگ جتنا بڑا ہے اور تمہیں تو پتا ہی ہے کہ وہ کون ساز خم ہے؟"

اذان نے حیرت سے اس کی شکل دیکھی پھر گویا ہوا۔

"بھئی دل تمہارا، زخم تمہارا اور دیگ بھی تمہاری، مجھ غریب کو خوامخواہ کیوں ملوث کر رہے ہو؟"

شاہد نے اسے غصے سے دیکھا پھر احتجاجی لہجے میں بولا۔

"کیوں تمہیں سارا واقعہ سنایا نہیں تھا کہ وہ کمینہ کس طرح سے وارد ہوا، کس انداز میں اس نے مجھے ٹریپ کیا اور پھر کس طرح میرا سیل فون لے بھاگا، بھول گئے حافظ عامر کو؟"

شاہد کا جملہ مکمل ہوا تو اذان کے ذہن میں ایک چھناکا سا ہوا۔ شاہد اس کے بعد شاید کچھ اور بھی کہہ رہا تھا لیکن اب اذان اس کی باتوں پر توجہ ہی کہاں دے رہا تھا۔

اس کے ذہن میں تو مسلسل ایک ہی آواز کی گونج سنائی دے رہی تھی، ایک صدائے بازگشت تھی، مسلسل ایک ہی نام کی تکرار تھی۔

حافظ عامر!

حافظ عامر!

حافظ عامر!

☆☆☆

یہ فیصلہ ہوا مری شناخت آئینہ کرے
مگر یہ کس کا عکس ہے جو درمیان آگیا
عجیب الجھنوں میں اب کے ساعتیں گزر گئیں
نصاب یاد بھی نہیں اور امتحان آگیا

دستک کی آواز سنائی دینے پر اس نے ایک نظر وسیع و عریض کمرے کے طول و عرض پر دوڑائی پھر اٹھ کر بیڈ پر ٹیک لگاتے ہوئے با آواز بلند گویا ہوا۔

"یس...... کم ان!"

دروازہ کھلا اور یاور زمان کمرے میں داخل ہوا۔ فرزان کو قدرے حیرت محسوس ہوئی لیکن اس نے یاور زمان کی طرف سوالیہ نظروں سے دیکھنے کے علاوہ کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا۔ یاور زمان سنجیدگی سے چلتا ہوا اس کے بیڈ کے قریب آیا، پھر اس کے ایک کونے پر بیٹھتے ہوئے گہری نظروں سے فرزان کا جائزہ لینے لگا۔

فرزان بدستور خاموش تھا۔ چند لمحوں تک کمرے کی فضا میں ایک سرد سی خاموشی چھائی رہی جس کا احساس سب سے پہلے یاور زمان ہی کو ہوا۔ اس نے ہلکا سا کھنکھارتے ہوئے جیسے خود کو سنبھالا دیا پھر فرزان کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے گویا ہوا۔

"مسٹر فرزان! فریال کے علاوہ میرا اس دنیا میں اور کوئی نہیں ہے، وہ چند سالوں کی تھی جب ماں باپ کا گھنا سایہ ہمارے سروں سے اٹھ گیا، اس وقت ہماری کیفیت بالکل ایسی ہی تھی جیسے بیچ بازار کسی نے ہمارے سروں سے چادر کھینچ لی ہو۔ میں نے فریال کو اپنے ان ہاتھوں سے لقمے کھلا کھلا کر پالا ہے۔"

یاور زمان نے چند لمحے خاموشی اختیار کی اور اپنے دونوں ہاتھوں کو گھورتے رہنے کے بعد سلسلہ کلام دوبارہ جوڑا۔

"میں نے کبھی اس پر آنچ نہیں آنے دی، دن رات محنت کی اور اپنے پاپا کے چھوڑے ہوئے بزنس کو ترقی کے راستوں پر گامزن کیا۔

مسٹر فران! میں نے خود کو انسان سے مشین بنا لیا، جس بلڈنگ میں زمان خان کا آفس ہوا کرتا تھا کچھ ہی عرصہ کے بعد وہ پوری بلڈنگ یاور زمان کی ملکیت تھی۔

پاپا نے میرے لیے ایک ٹیکسٹائل ملز چھوڑی تھی آج میرے پاس بتیس ٹیکسٹائل ملز ہیں! امپورٹ، ایکسپورٹ کا وہ بزنس جو سسک سسک کر دم توڑنے والا تھا میں نے اسے اپنے کندھوں پر کھڑا کیا اور آج سولہ ممالک کے ساتھ میرا کاروبار کامیابی سے چل رہا ہے اور مسٹر فرزان! یہ سب میں نے اپنے لیے نہیں فریال کے لیے کیا ہے، میں صرف اس کا بھائی نہیں اس کا باپ اور اس کی ماں بھی ہوں، وہی فریال جو اسپتال کے بستر سے اس عظیم الشان بنگلے تک کے سفر میں تمہاری معاون بنی۔"

یاور زمان نے چند لمحے خاموش ہو کر فرزان کے چہرے پر کچھ کھوجنے کی کوشش کی لیکن وہاں اسے ایک پتھریلے سناٹے کے علاوہ کچھ نظر نہ آسکا۔

فرزان کی خاموش نظریں یاور زمان کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں اور وہ ساکت بیٹھا خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ جب اپنی کسی بات کا ردعمل یاور زمان کو نظر نہ آسکا تو اس نے گفتگو کو آگے بڑھایا۔

"مسٹر فرزان! فریال کا میرے علاوہ اور کوئی نہیں ہے اور میں اس سے شدید محبت کرتا ہوں وہ ابھی ناسمجھ ہے اس نے دنیا کو ابھی زیادہ نہیں جانا، انسانوں کی شناخت میں بھی وہ ابھی اناڑی ہے اور بطور سرپرست میرا یہ فرض بنتا ہے کہ میں اس کے اچھے برے کا خیال رکھوں۔"

یاور زمان نے چند لمحے خاموشی اختیار کی پھر سرسراتے ہوئے لہجے میں بولا۔

"تمہیں کوئی شخص شدید زخمی حالت میں اسپتال لاتا ہے اور پھر تمہیں بے یار و مددگار چھوڑ کر غائب ہو جاتا ہے، تمہاری فلسفیانہ اور عالمانہ گفتگو سے متاثر ہو کر ایک معصوم لڑکی تمہیں اپنے گھر لے آتی ہے۔ تم کون ہو، کہاں سے آئے ہو، تمہارا ماضی کیا ہے؟ اسے کچھ خبر نہیں...... لیکن میں ضرور جاننا چاہوں گا...... کیا تم مجھے اپنے متعلق تفصیل بتانا پسند کرو گے؟"

فرزان نے چند لمحے خاموشی سے یاور زمان کی طرف دیکھا پھر اس کی سرد آواز بلند ہوئی۔

"مسٹر یاور زمان! میں کون ہوں، کیا ہوں اور کہاں سے آیا ہوں؟ یہ میرا ذاتی مسئلہ ہے اور میں کسی بھی شخص کو اس بات کی اجازت ہرگز نہیں دے سکتا کہ وہ میری ذات میں جھانکنے کی کوشش کرے، مجھ پر انگلی اٹھائے یا مجھ سے کوئی سوال کرے......

رہی بات فریال کی...... کہ وہ کس سے متاثر ہوتی ہے اور کسے اپنے گھر لاتی ہے یہ اس کا مسئلہ ہے! آپ کس سے محبت کرتے ہیں اور کس کے لیے انتھک محنت کرتے ہیں یہ آپ کا ذاتی مسئلہ ہے! مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں...... یہی وجہ ہے کہ میں نے صبح

فریال سے اجازت طلب کرلی تھی۔
میری زندگی بڑی الجھی ہوئی ہے، میرے اپنے بہت مسائل ہیں! آپ اپنی زندگی سے مطمئن ہوسکتے ہیں کیوں کہ آپ نے بہت بڑا بزنس امپائر کھڑا کرلیا ہے لیکن مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے اور اس کے لیے مجھے آگے بڑھنا ہوگا، امید ہے آپ بھی مجھ سے اتفاق کریں گے۔“

فرزان خاموش ہوا تو یاور زمان اس کے دوٹوک انداز اور نپی تلی باتوں پر غور کرنے لگا۔ اسے احساس ہوا کہ شاید جوش جذبات میں وہ کچھ غلط کہہ گیا ہے، اسے فرزان کے مزاج کو بھی تو مدنظر رکھنا چاہیے تھا، لیکن وہ ایک کامیاب بزنس مین تھا اور اس کی کامیابی کاراز بھی یہ ہی تھا کہ وہ ہمیشہ اپنی غلطیوں سے سیکھتا تھا، انہیں انا کا مسئلہ بھی نہیں بناتا تھا۔

ایک غلطی وہ کرچکا تھا دوسری نہیں کرنا چاہتا تھا، سواس نے فوراً ہی پسپائی اختیار کی اور پھر اس کا لہجہ بھی نرم ہوگیا۔

”دیکھو فرزان...... میں چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے نہیں جاؤ! میرے پاس تمہارے لیے دو آفرز ہیں...... تم پڑھے لکھے ہو اور تمہاری گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ ذہین بھی ہو...... اگر تم چاہو تو میں تمہیں اپنی کمپنیز میں معقول جاب دے سکتا ہوں۔“

یاور زمان کا جملہ ختم ہوا تو فرزان داہنا ہاتھ اٹھا کر نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”نہیں...... مسٹر یاور زمان! میں پابند نہیں ہوسکتا، فرزان حکمرانی تو کرسکتا ہے غلامی نہیں...... مجھے آپ کی یہ آفر منظور نہیں۔“

یاور زمان نے سمجھنے کے انداز میں سر ہلایا اور دوبارہ گویا ہوا۔

”مجھے اندازہ تھا...... اسی لیے میں نے دو آفرز کا ذکر کیا تھا...... میری دوسری آفر یہ ہے کہ تم مجھ سے کچھ رقم بطور قرض لے لو جو میں تمہیں چند شرائط کے تحت مہیا کروں گا۔ نمبر ایک یہ کہ رقم تم بطور قرض لوگے اور مجھے واپس کروگے۔ نمبر دو یہ کہ رقم کی واپسی کا عرصہ تم متعین کروگے۔ نمبر تین یہ کہ ایک تحریری معاہدہ تشکیل دیا جائے گا جس پر تم دو گواہوں کی موجودگی میں دستخط کروگے۔

اس رقم سے تم اپنا کوئی بھی بزنس اسٹارٹ کرو اور یہ ثابت کردو کہ اگر یاور زمان اپنی محنت سے ترقی کرسکتا ہے تو تم بھی کسی سے کم نہیں! مجھے امید ہے کہ یہ آفر تم نہیں ٹھکراؤ گے۔“

فرزان نے چند لمحے غور کیا پھر اس کی حتمی آواز سنائی دی۔

”مجھے منظور ہے!“

یاور زمان اٹھ کر کھڑا ہوگیا اور مصافحے کے لیے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بولا۔

”تمہاری فوری فیصلہ کرنے کی صلاحیت یہ ثابت کرتی ہے کہ تم ایک کامیاب آدمی ہو۔“

فرزان نے یاور زمان کے بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھامتے ہوئے جواب دیا۔

”یو آر رانگ مسٹر یاور زمان! صرف فوری فیصلہ نہیں...... فوری اور درست فیصلہ کرنے والا انسان، کامیاب انسان کہلاتا ہے۔“

یاور زمان مسکراتے ہوئے پلٹا اور پھر دروازے سے باہر نکلتے ہوئے ایک لمحے کے لیے رک کر مڑتے ہوئے بولا۔

”کل صبح تیار رہنا...... تم میرے ساتھ چلوگے تاکہ ایگریمنٹ سائن کرسکو۔“

فرزان نے اثبات میں سر ہلایا تو یاور زمان پلٹ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

حسین گلابوں کی پنکھڑی ہے، وہ اک پری ہے
جو ایک شاعر کی زندگی ہے، وہ اک پری ہے
اتر رہی ہے جو ذہن و دل پہ، وحی کی صورت
جو میرے لفظوں میں بولتی ہے، وہ اک پری ہے
سبھی اجالا بکھیرتے ہیں حروف میرے
جو میرے اندر کی روشنی ہے، وہ اک پری ہے
بتاؤ گلشن میں کون ہوگا مثال اس کی
جو سرخ پھولوں کی تازگی ہے، وہ اک پری ہے
جو سوچ کے سُر، خیال کی لے پہ محو ہوکر
میرے تخیل پہ ناچتی ہے، وہ اک پری ہے
نہ خط لکھا ہے، نہ کال کی ہے، نہ کوئی میسج
جو پیار کرکے مکر گئی ہے، وہ اک چری ہے
سماعتوں میں صدائے ہاتف بنی ہوئی ہے
ہر ایک لمحہ جو گونجتی ہے، وہ اک پری ہے

”واہ واہ بہت ہی خوب اذان! یہ آپ نے لکھی ہے؟“

ماہم کی داد و تحسین کے بعد اس کی سوالیہ آواز اذان کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اس کا نچلا ہونٹ تھوڑا سا بھنچ گیا اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ کی ایک باریک سی لکیر نمودار ہوگئی پھر اس کی آواز بلند ہوئی۔

”لکھا تو میں نے ہی ہے لیکن اگر تمہیں اتنے قریب سے نہیں دیکھتا تو شاید کبھی نہیں لکھ پاتا...... اس غزل کا ایک ایک لفظ تمہارے لیے ہے، تم اتنی حسین ہو، اتنی خوب صورت ہو کہ مجھے تمہارے لیے پری سے زیادہ اچھا کوئی اور لفظ مل ہی نہیں سکا لیکن یہ صرف تمہاری تعریف ہی نہیں شکایت بھی ہے، تم نے کہا تھا کہ تم بہت جلد مجھ سے دوبارہ ملوگی لیکن پورا ایک ہفتہ گزر گیا اور میری آنکھوں کی پیاس نہیں بجھ سکی...... آخر تم دوبارہ آئی کیوں نہیں؟“

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اذان کو ماہم کی ہچکچاتی ہوئی آواز سنائی دی۔

”یہ ٹھیک نہیں ہے اذان! تنہائی شیطان کا گھر ہے، ہمیں روز روز اس طرح اکیلے میں نہیں ملنا چاہیے۔ ہر روز ساری ساری رات فون پر ڈھیروں باتیں تو کرتے ہیں پھر ملنا اتنا ضروری کیوں ہے؟“

”وہ سب اپنی جگہ ماہم! لیکن تمہیں میرے جذبات کو بھی دیکھنا چاہیے ہم بھلے ہی ساری ساری رات بات کرتے ہوں لیکن میں تمہیں دیکھنا چاہتا ہوں، محسوس کرنا چاہتا ہوں، اپنی آنکھوں کی پیاس بجھانا چاہتا ہوں، میں چاہتا ہوں کہ تم ہمیشہ میری نظروں کے سامنے رہو اگر تم مجھ سے محبت کا دعوا رکھتی ہو تو تمہیں اس میں اعتراض کیا ہے؟“

اذان نے ماہم کی بات کاٹتے ہوئے کہا جس کے جواب میں چند لمحوں کے لیے خاموشی چھا گئی۔ پھر ماہم کی آواز سنائی دی۔

”میں آپ کے جذبات کی قدر کرتی ہوں اذان! لیکن...... میں کچھ مختلف مزاج کی لڑکی ہوں، مجھے یہ سب اچھا نہیں لگتا اگر آپ مجھے دیکھنا، مجھے محسوس کرنا چاہتے ہیں تو آپ ہمارے اس رشتے کو دائمی شکل کیوں نہیں دے دیتے؟

آپ اپنے گھر والوں کو ہمارے گھر بھیجیں تاکہ ہم دونوں ہمیشہ کے لیے ایک ہوجائیں۔“

ماہم کی بات سن کر اذان کے لبوں میں جنبش پیدا ہوئی۔

”لیکن اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ تمہارے گھر والے مان ہی جائیں گے؟ اگر میں کسی نہ کسی طرح امی کو راضی کرکے تمہارے گھر بھیج بھی دوں تو تم کیا سمجھتی ہو تمہارے گھر والے یہ رشتہ قبول کریں گے؟“

ماہم نے پوری توجہ سے اس کی بات سنی پھر گویا

ہوئی۔

"وہ سب آپ مجھ پر چھوڑ دیں ان کو منانا میرا کام ہے۔"

اذان ایک طویل سانس لیتے ہوئے بولا۔

"ٹھیک ہے ماہم! میں ایسا ہی کروں گا لیکن فوری طور پر ایسا ممکن نہیں کیوں کہ امی اور بھابھی کچھ دنوں کے لیے لاہور گئی ہوئی ہیں وہ واپس آجائیں تو میں ان سے بات کروں گا...... لیکن تب تک میں انتظار کی سولی پر نہیں لٹک سکتا۔ تمہیں مجھ سے ملنا ہی ہوگا۔"

"لیکن......اذان......"

ماہم کی احتجاجی آواز بلند ہوئی تو اذان اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

"لیکن ویکن کچھ نہیں میں نے کہہ دیا سو کہہ دیا تم کل آرہی ہو بس!"

"اچھا ٹھیک ہے۔"

ماہم کا کمزور سا اقرار اذان کی سماعتوں سے ٹکرایا تو اس کا دل مسرت سے معمور ہوگیا۔ ماہم کا ہار مان جانا اسے بہت اچھا لگا۔

"تو ٹھیک ہے میں کل تمہارا انتظار کروں گا اوکے، اپنا خیال رکھنا اب باقی باتیں کل کریں گے آمنے سامنے بیٹھ کر۔"

اذان نے اپنی بات مکمل کرکے سلسلہ منقطع کیا اور پھر موبائل کو چومتے ہوئے بیڈ پر اچھال دیا۔ اب اس کی نظریں کارنس پر رکھے اس خوب صورت سنہری فریم پر مرکوز تھیں جس میں ماہم کا ہنستا مسکراتا چہرہ دکھائی دے رہا تھا وہ آہستہ قدمی سے آگے بڑھا اور پھر مخمور انداز میں فریم اٹھا کر نظروں کے سامنے کرتے ہوئے بولا۔

"تم اتنی خوب صورت کیوں ہو ماہم؟ میں تمہیں دیکھتا ہوں تو مجھے خود پر اختیار کیوں نہیں رہتا؟ سچ ماہم! میں اب تمہارے بغیر بالکل بھی نہیں رہ سکتا۔"

ماہم مسکرا رہی تھی اور وہ اس کی حسین مسکراہٹ پر نثار ہو رہا تھا ٹھیک اسی وقت ڈور بیل کی آواز سنائی دی اور وہ فریم کو سینے سے لگائے لاشعوری انداز میں بیرونی دروازے کی طرف چل دیا پھر کچھ سوچ کر وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوگیا اور خوب صورت سنہری فریم کو اس نے ٹیبل پر سجایا ایک محبت بھری نظر ماہم کے ہنستے مسکراتے چہرے پر ڈالی پھر آگے بڑھ کر ڈرائنگ روم کا وہ دروازہ جو باہر گلی میں کھلتا تھا کھول دیا۔

"السلام علیکم! اذان صاحب...... کیسے مزاج ہیں؟ بہت دنوں سے ملاقات نہیں ہوئی تھی سوچا خود ہی جاکر مل لوں۔"

دروازے پر کھڑے رانا فہیم کی آواز اذان کی سماعتوں سے ٹکرائی تو اذان ایک طرف ہٹ کر فہیم کو راستہ دیتے ہوئے بولا۔

"اوہ......فہیم! آؤ، اندر آجاؤ۔"

اور فہیم مسکراتا ہوا ڈرائنگ روم میں داخل ہوگیا، پھر صوفے پر بیٹھتے ہوئے گویا ہوا۔

"اور اذان صاحب! کیا چل رہا ہے، آج کل آپ نے تو ہمیں بھلا ہی دیا۔"

اذان نے ایک نظر اس کے چہرے کا جائزہ لیا پھر سنجیدگی سے بولا۔

"ہونا کیا ہے یار گھر سے دکان اور دکان سے گھر۔ بس اپنی تو یہی زندگی ہے رہی بات بھولنے کی تو میں کبھی کچھ نہیں بھولتا۔"

اذان کی آواز میں ہلکے سے طنز کی آمیزش تھی لیکن فہیم اس پر چونکا نہیں تھا وہ کہیں اور ہی گم تھا۔

اب چونکنے کی باری اذان کی تھی اس نے بغور فہیم کے چہرے کا جائزہ لیا پھر اس کی نظروں نے فہیم کی نظروں کا تعاقب کیا اور اس کی نظروں کا یہ سفر خوب صورت سنہری فریم میں مسکراتی ہوئی ماہم کی تصویر پر جاکر ختم ہوا۔

اذان کے ذہن میں گھنٹیاں سی بجنے لگیں، خطرے کی گھنٹیاں......

☆☆☆

(باقی آئندہ شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)

رات کو فاقہ کرنے سے منع فرمایا

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے کہ خداوند کریم نے معدہ سے بڑھ کر کوئی وسیع ظرف پیدا نہیں کیا۔ یہ کبھی نہیں بھرتا۔ اس لیے مناسب ہے کہ معدہ کے تین حصے کیے جائیں۔ ایک حصہ غذا کے لیے' ایک حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ سانس کی آمد و رفت کے لیے۔ ڈکار سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت نفرت تھی۔ ڈکار کی آواز سن کر فرماتے تھے کہ اتنا کیوں کھاتے ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کو فاقہ کرنے سے منع فرمایا ہے' چونکہ وہ جلد بڑھاپا لاتا ہے' بدبودار چیز کھا کر مسجد میں آنے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرمایا ہے۔

آج اناجوں اور پھلوں کے چھلکوں میں بہترین اور نہایت ضروری اجزا کی موجودگی کی سائنس تصدیق کرتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی تناول فرمایا کرتے تھے اور زیادہ تر جو کی روٹی استعمال فرماتے تھے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ سیال غذاؤں میں سب سے اچھا دودھ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شہد بھی بہت پسند تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے برتن کے اندر سانس لینے اور اس میں پھونک مارنے سے منع فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی مشروب کے پینے کے دوران برتن سے باہر تین بار سانس لیا کرتے تھے۔ کیونکہ انسان کے اندر سے سانس کے ذریعہ جو ہوا خارج ہوتی ہے' وہ مضر صحت ہوتی ہے۔ اس لیے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ گرم کھانے کو منہ سے پھونک مار کر ٹھنڈا نہ کیا جائے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے پینے اور حفظان صحت کا ایسا جامع اصول ارشاد فرمایا کہ جس کی مثال کسی طب' کسی سائنس اور کسی ازم میں نہیں ملتی' فرمایا۔ "ہم ایسی قوم ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے' نہیں کھاتے اور جب کھاتے ہیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔"

کنول شاہین۔۔۔ جلال پور جٹاں

حکایت سعدی

ایک سانپ نے کسی آدمی کو ڈس لیا لڑکا مر گیا۔ آدمی نے سانپ کو لاٹھی ماری' جس سے اس کی دم کٹ گئی۔ ایک عرصے بعد آدمی نے سانپ کو دیکھا تو کہنے لگا۔

"آؤ پھر سے دوستی کرلیں۔"

سانپ یہ کہہ کر بھاگ گیا۔ "جب تک تمہیں اپنے لڑکے کا غم ہے اور مجھے اپنی دم کا ہم میں سے کوئی بھی ایک دوسرے کا دوست نہیں بن سکتا۔"

نسیم محمود۔ سعودی عرب

نور زیست

☆ سورج کا گرہن وقتی ہوتا ہے' لیکن اگر دلوں کو گرہن لگ جائے تو زائل کرنا بہت محال ہوتا ہے۔

☆ واقعات اور حالات محبت پر کبھی اثر انداز نہیں ہوتے۔

☆ کسی بھی انسان کی معذوری اس کی اپنی پیدا کردہ نہیں ہوتی' کوئی انسان خود کو بدصورت بنانا پسند نہ کرتا' اگر خود کو بنانا اس کے اپنے اختیار میں ہوتا ہم بدصورت لوگوں سے نفرت کرتے ہیں' ہمیں معذور

لوگوں پر ہنسی آتی ہے۔ ہم ان پر رحم کھاتے ہیں ہمیں ان پر ترس آتا ہے بس ان سے محبت نہیں ہوتی۔ شاید اس لیے کہ ہم انہیں تخلیق کرنے والے کی نگاہ سے نہیں دیکھتے۔

☆ محبت میں بدگمانی نہیں ہونی چاہیے محبت کی ہے تو اعتبار کرنا سیکھو اگر وہ خفا ہے تو اسے منالو کہ محبت ہمیشہ اسی مان سے روٹھتی ہے کہ اسے منالیا جائے گا۔

☆ محبت میں یہ قباحت ہے کہ جس سے محبت ہوجائے اسے آسانی سے آزاد نہیں کیا جاسکتا۔ اسے آزاد کرنے سے دل کو بڑی تکلیف ہوتی ہے۔

☆ بھلاتے ان کو ہیں جو کہیں دور چلے جائیں مگر جو ہمارے دل کے مکین ہوں اور مکین بھی ایسے جن کے ہم عادی ہوچکے ہوں انہیں بھلانے کے لیے زمانے بھی کم پڑجاتے ہیں۔

☆ درد صرف ایک بار ہوتا ہے وہ ذات کے ٹوٹنے کا دکھ ہو بھرم کھونے کا غم ہو یا مرجانے کا ماتم ہو بس ایک بار لگتا ہے دل کی رگیں ٹوٹ جائیں گی پھر رفتہ رفتہ دکھ عادت بن جائیں تا تو ٹیس اٹھنے پر بھی دل چونکتا نہیں ہے۔

☆ زندگی میں ایک دوست مل گیا تو بہت ہے دو مل گئے تو بہت زیادہ ہیں تین تو مل ہی نہیں سکتے۔

☆ اچھے اور مخلص دوست کو سینے میں چلتی ہوئی سانس کی طرح سمجھو اگر وہ خفا ہوجائے تو بار بار مناؤ۔ اگر تمہارا دوست روٹھ جائے تو اپنی انا کے خول کو توڑ کر اسے مناؤ۔

لبنیٰ مشتاق۔۔۔ پھول نگر

مصلحت

میں جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بیٹھا تین گمشدہ صدیوں کا ماتم کررہا تھا۔ تب مسجد کے مینار نے جھک کر میرے کان میں راز کی بات کہہ دی۔ "جب مسجدیں بے رونق اور مدرسے بے چراغ ہوجائیں۔ جہاد کی جگہ جمود اور حق کی جگہ حکایت کو مل جائے ملک کے بجائے مفاد اور ملت کے بجائے مصلحت عزیز ہو اور جب

مسلمانوں کو موت سے خوف آئے اور زندگی سے محبت ہوجائے تو صدیاں یوں ہی گم ہوجاتی ہیں۔"

(مختار مسعود کی آواز دوست سے اقتباس)

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ ہانیہ عمران گجرات

ہم ایسے آشفتہ سر

محبتوں کو عجیب حیرتوں سے تکتا ہے
کہ جیسے خواب نہ دیکھا ہو آدمی نے کبھی
ہم ایسے شہر میں آشفتہ سر کہاں ہوں گے
جنہیں نہ چین سے رکھا ہو زندگی نے کبھی

سالگرہ

سالگرہ کی شام مبارک
شام کے لب پر
میری یاد
مچلتی رہنے دینا
اپنے حصے کی سب شمعیں
گل کردینا۔۔۔ لیکن۔۔۔
میرے نام کی آدھی شمعیں
جلتی رہنے دینا

(محسن نقوی)

سمیرہ مہتاب۔۔۔ سعودی عرب

بہترین ڈرائیور

میری بیوی پر اس سے بڑا الزام اور کوئی نہیں ہوسکتا کہ وہ اچھی ڈرائیور نہیں ہے۔ پرسوں شام جب میں دفتر سے فارغ ہوکر گھر پہنچا تو مجھے ڈرائنگ روم میں صوفوں کے نزدیک ایک بڑی کار کھڑی نظر آئی۔

میں نے بیوی سے پوچھا۔ "تم اپنی کار یہاں کیسے لے آئیں؟"

"بڑی آسانی سے۔" اس نے جواب دیا۔ "کچن میں گھس کر کراکری کو بچانے کے لیے الٹے ہاتھ کی طرف گھوم گئی تھی۔"

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ گجرات

بشریٰ محمود

یادوں کے دریچے سے

طوبیٰ سعادت، کی ڈائری میں تحریر
پروین شاکر کی نظم

سالگرہ

یہ ہی وہ دن تھا
جب آج سے چار سال پہلے
اسی روش پر بنفشی بیلوں کے نرم سائے میں ہم ملے تھے
وہ لمحہ جب کہ ہمارے جسموں کو اپنے ہونے کا
حیرت آمیز، راحت افزا، نشاطِ اثبات مل چکا تھا
ہماری روحوں نے اپنا اپنا سنہری جنم لیا تھا
وہ ایک لمحہ

میں بہتی جائے
پتھروں کی سہمی دھڑکن
زیرِ زباں کچھ کہتی جائے
روزن اب تک جاگ رہا ہے
جیسے تو آنے والی ہو
جیسے تیرے نرم لبوں کی ریشم کرنیں
اپنے دامن میں تیری آواز سمیٹے
میری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھیں اور پوچھیں "بوجھو!"
کس کی یاد کا لمس تمہارے گرم لبوں کو چوم رہا ہے
اک زمانہ گھوم رہا ہے
جاناں اک پل آنکھیں کھولو
دیکھو آج ہمارے پیار کی پہلی سالگرہ کا
پہلا دن ہے

فرزانہ منصور، کی ڈائری میں تحریر
امجد اسلام امجد کی نظم

سالگرہ

برتھ ڈے کیک پہ جلتی ہوئی شمعوں کے بجھا دینے سے
کب بجھیں گے یہ شب و روز مہ و سال کے انگارے جنہیں
چھو نہ سکا
وقت کا سیلِ رواں
وقت کا سیلِ رواں جس کے خم و پیچ میں گم
ہم اور تم
ہم اور تم سے ہزاروں لاکھوں
گم سم
آج کی رات
میں نے ہر سال اسی طور سے کاٹی ہے کہ جیسے کوئی
قید خانے میں کرے عہدِ اسیری کا حساب
کرچیاں ہوتے ہوئے خواب چنے اور تنے
دشتِ احساس میں آہٹ کے سراب
کون، کب، کون سی منزل پہ ملا
کس طرح بچھڑا، کہاں پہ بچھڑا
دوست کس طرح ہوئے دشمنِ جاں
غیر کس طرح ہوئے سانس کی خوشبو جیسے
کس کو فرصت ہے کرے ان کا حساب
اور اگر ہو بھی تو اس کام میں رکھا کیا ہے
آخر کار وہی سیلِ رواں ہوگا جواب
وقت کا سیلِ رواں
جس کے اس پار کہیں رکھی ہے
گمشدہ عمر کے لمحوں کی کتاب
اور اس پار فقط خواب ہی خواب
جو بھی رُت آئے کھلا کرتے ہیں
تیری یادوں کے کنول، تیری جدائی کے گلاب

مجھے یہ شعر پسند ہے

شگفتہ سلیمان

نمرہ، اقراء ______ کراچی

میری ساری زندگی کو بے ثمر اس نے کیا
عمر میری تھی مگر اس کو بسر اس نے کیا

جاسمہ مریم نوید ______ کورنگی کراچی

اترے جو زندگی تری گہرائیوں میں ہم
محفل میں رہ کر بھی رہے تنہائیوں میں ہم
دیوانگی نہیں تو اسے اور کیا کہیں
انسان ڈھونڈتے رہے پرچھائیوں میں ہم

زبیدہ ریاض ______ حیدرآباد

زندگی میں ہمیں ناشاد کرے گی دنیا
ہم نہ ہوں گے تو ہمیں یاد کرے گی دنیا

لائبہ، ایمن ______ مظفر آباد

محبت زندگی ہے دل محبت کا ہے پیمانہ
کسوٹی اعتبار اس کی وگرنہ دل ہے ویرانہ

مسرت طارق ______ آزاد کشمیر

عجب رنگ میں گزری ہے زندگی اپنی
دلوں پہ راج کیا پھر بھی پیار کو ترسے

صائمہ جبیں ______ کے ڈی اے

اک پل میں اک صدی کا مزا ہم سے پوچھیے
دو دن کی زندگی کا مزا ہم سے پوچھیے
بھولے ہیں رفتہ رفتہ انہیں مدتوں میں ہم
قسطوں میں خودکشی کا مزا ہم سے پوچھیے

مریم شہباز ______ کراچی

سمٹ سکا نہ کبھی زندگی کا پھیلاؤ
کہیں بھی ختم غم عاشقی نہیں ہوتا
نکل ہی آتی ہے کوئی نہ کوئی گنجائش
کسی کا پیار کبھی آخری نہیں ہوتا

عظمیٰ غلام نبی ______ کراچی

زندگی تیری عطا تھی سو ترے نام کی ہے
ہم نے جیسی بھی بسر کی ترا احساں جاناں

خدیجہ سلیم ______ کراچی

زندگی تجھ سے کیا امید وفا رکھوں
جب مجھے چھوڑ گئے دوست پرانے میرے

اقصیٰ ناصر ______ کورنگی

منزل کی تمنا ہے تو کر جہد مسلسل
میراث میں تو چاند ستارے نہیں ملتے

عابدہ نشاد ______ خیرپور

میں پتھر ہوں مگر سچ بولتا ہوں
وہ آئینہ ہے اور سچا نہیں ہے
صراط عشق پر مڑ کر نہ دیکھو!
پلٹنے کا کوئی رستہ نہیں ہے

پروین اکبر ______ سکھر

لہو میں رنگ کی صورت بسا ہے تیرا خیال
میں کس طرح تری یادوں سے فاصلہ رکھوں
کسی بھی شخص سے کوئی غرض نہیں ہے مجھے
میں صرف تیرے لیے سب سے واسطہ رکھوں

تحریم، عائشہ ______ گوجرہ

آ جا کہ ابھی ضبط کا موسم نہیں گزرا
آ جا کہ پہاڑوں پہ ابھی برف جمی ہے
خوشبو کے جزیروں سے ستاروں کی حدوں تک
اس شہر میں سب کچھ ہے صرف تیری کمی ہے

آسیہ جاوید ______ علی پور چٹھہ

موسم کو بدلنا ہے بدل جائے گا آخر
سورج ہے کوئی شخص تو ڈھل جائے گا آخر
آنکھیں ہی تو ہو جائیں گی بے آب کسی روز
دل ہے تو کسی روز سنبھل جائے گا آخر

زونی، فوزیہ کاشف ______ فیصل آباد

دیوانگی سے کم نہ تھی کچھ اپنی جستجو
ہم بے وفا جہاں میں وفا ڈھونڈتے رہے

عائشہ خان ______ ٹنڈو محمد خان

دل تو میرا اداس ہے ناصر
شہر کیوں سائیں سائیں کرتا ہے

مادیہ الماس ______ ہارون آباد

لٹ گئی یوں سر بازار وفا کی پونجی
بک گئے ہم کسی مجبور کے زیور کی طرح

صائمہ جبیں ______ کراچی

رفاقتوں کے نئے خواب خوش نما ہیں مگر
گزر چکا ہے تیرے اعتبار کا موسم

نوشین اقبال نوشی ______ گاؤں بدر مرجان

عجیب بھید محبت کی زندگی کے ہیں
اسے گمان نہیں تھا کہ ہم اسی کے ہیں
کہیں عمیق، کہیں درد کو بسیط کیا
ہماری زیست پہ احسان شاعری کے ہیں

فوزیہ ثمر بٹ ______ گجرات

وفا کی لاج میں اس کو منا لیتے تو اچھا تھا
انا کی جنگ میں اکثر جدائی جیت جاتی ہے

بشریٰ ______ کراچی

وہ کہتے ہیں رنجش کی باتیں بھلا دیں
محبت کریں، خوش رہیں، مسکرا دیں
جوانی ہو گر جاودانی تو یارب
تری سادہ دنیا کو جنت بنا دیں

مادیہ زاہد ______ کراچی

تسلسل اس کی یادوں کا ہوا ہے ایسے یوں جیسے
کسی جوگی کا منتر ہو کسی روگی کی آہیں ہوں

عظمیٰ غلام نبی ______ کراچی

سلیم دل کو میسر سکون دوا نہ ہوا
اگرچہ ترک محبت کو اک زمانہ ہوا

صائمہ سندھو ______ گوجرہ

یہی معیار دیانت ہے تو کل کا تاجر
برف کے باٹ لیے دھوپ میں بیٹھا ہوگا

نمرہ ______ کراچی

میں دھوپ دھوپ مسافت میں جس کے ساتھ رہا
ذرا سی چھاؤں میں اس نے بھلا دیا ہے مجھے

سدرہ وزیر ______ خوشاب (پپیل)

ہر اک راستہ ویران ہے تم بن
یہ دل بڑا پریشان ہے تم بن
لوٹ آؤ یہ اس دل کی صدا ہے
بڑی مشکل میں کسی کی جان ہے تم بن

انیقہ انا ______ چکوال

تمام عمر رہے ہم تو خیر کانٹوں میں
خدا کرے تیرا دامن گلوں سے بھر جائے
نگاہ شوق وہی ہے، نگاہ شوق غنیم
جو اک یار رخ یار پر ٹھہر جائے

افشاں ______ کراچی

ہم بھی ہیں کیا عجیب کہ کڑی دھوپ کے تلے
صحرا خرید لائے ہیں برسات بیچ کر

صدف عمران ______ کے ڈی اے

حق ہمسائیگی یوں بھی تو ادا ہوتا ہے
دھوپ بھی روک لی دیوار کو اونچا کر کے

نادیہ ______ گجرات

جل جاؤ خوشی سے کڑی دھوپ میں لیکن
اپنوں سے کبھی سایۂ دیوار نہ مانگو

نازش ریحان ______ کراچی

مجھ سے مت پوچھ کہ احساس کی حدت کیا ہے
دھوپ ایسی تھی کہ سائے کو بھی جلتے دیکھا

عذراء، اقصیٰ ______ کراچی

کبھی نرمی کبھی سختی کبھی عجلت کبھی دیر
وقت اے دوست بہر حال گزر جاتا ہے
لمحہ لمحہ نظر آتا ہے کبھی اک اک سال
کبھی لمحے کی طرح سال گزر جاتا ہے

ندا، فضہ ______ فیصل آباد

گھاؤ گنتے نہ کبھی زخم شماری کرتے
عشق میں ہم بھی اگر وقت گزاری کرتے
وقت آیا ہے جدائی کا تو پھر سوچتے ہیں
تجھ کو اعصاب پہ اتنا بھی نہ طاری کرتے

ریحانہ امجد بخاری

مسکراتی کرنیں

مجبوری

سخت گرمی پڑ رہی تھی۔ رنگروٹوں کا ایک دستہ بڑی دیر سے چلچلاتی دھوپ میں پریڈ کر رہا تھا۔ ان سے بار بار غلطی سرزد ہو جاتی اور سارجنٹ غصے سے جھنجلا اٹھتا۔

آخر تنگ آ کر وہ دھاڑا۔ "اف میرے خدا! اتنے نکمے لوگ... آخر میں ان کے ساتھ کیا سلوک کروں؟"

گرمی سے نڈھال رنگروٹوں کی نظریں بے اختیار قریبی سایہ دار درختوں کی طرف اٹھ گئیں۔

سارجنٹ ان کا مقصد بھانپ گیا۔ جل کر بولا۔ "ہاں، ہاں میں سمجھتا ہوں... مگر مجبوری یہ ہے کہ میرے پاس اتنی زیادہ رسیاں نہیں ہیں۔"

افروزہ جبیں اختر ہاشمی... جھنگ صدر

حفظ ماتقدم

ایک خوش حال تاجر کو کسی معمولی جرم میں دو ہفتہ قید کی سادہ سزا یا پانچ ہزار روپے جرمانے کی سزا سنائی گئی۔ تاجر نے قید بھگتنے کو ترجیح دی تو اس کا ایک قریبی دوست حیران رہ گیا۔ اس نے تاجر سے کہا۔

"جرمانہ ادا کیوں نہیں کر دیتے، ایسی بھی کیا کنجوسی؟"

تاجر نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔ "ارے بھئی کنجوسی کی بات نہیں ہے، دراصل آج ہی ہمارے باورچی نے چھٹی لی ہے گھر پر رہوں گا تو بیوی کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانا پڑے گا۔"

روشن ظہیر... لطیف آباد

خوش خبری

ایک صاحب کا ایک کروڑ روپے کا انعامی بانڈ نکل آیا۔ ان کے بیٹوں نے سوچا کہ والد صاحب دل کے مریض ہیں، اگر انہیں اچانک یہ خوش خبری سنائی گئی تو ممکن ہے انہیں ہارٹ اٹیک ہو جائے، چنانچہ انہوں نے ایک ماہر نفسیات سے رابطہ کیا اور اس سے مشورہ کیا کہ ہمارے والد صاحب دل کے مریض ہیں اور ان کا ایک کروڑ روپے کا بانڈ نکلا ہے ہم انہیں اچانک اس خوش خبری سے آگاہ نہیں کرنا چاہتے۔ لہٰذا آپ یہ بات کچھ اس انداز سے بتائیں کہ انہیں کوئی تکلیف نہ ہو۔

ماہر نفسیات ان کے گھر گیا اور ان صاحب سے پوچھا۔ "صاحب اگر آپ کا پانچ لاکھ روپے کا پرائز بانڈ نکل آئے تو آپ کیا کریں گے؟"

"کوئی کار وغیرہ خرید لوں گا۔" ان صاحب نے اطمینان سے جواب دیا۔

ماہر نفسیات نے پھر پوچھا۔ "اگر پچاس لاکھ روپے کا بانڈ نکلے تو پھر کیا کریں گے؟"

ان صاحب نے خوشی سے کھلتے ہوئے کہا۔ "کوئی اچھا سا بزنس کروں گا۔"

ماہر نفسیات نے پھر سوال کیا۔ "اگر ایک کروڑ روپے کا نکلے تو...؟"

ان صاحب نے فرط مسرت سے بے نیاز ہوتے ہوئے کہا۔ "خدا کی قسم اگر ایسا ہو جائے تو میں اس رقم میں سے آدھی تمہیں دے دوں گا۔"

اتنا سننا تھا کہ ماہر نفسیات کو ہارٹ اٹیک ہو گیا۔

شازیہ خان... ملیر کراچی

خوش فہمی

ایک دلکش چہرے کی خاتون، بہت تیز رفتاری سے کار چلانے کی عادی تھیں۔ کئی مرتبہ ایسا ہوا کہ انہیں جرمانہ ادا کرنا پڑا تھا۔ ایک مرتبہ پھر ایسا ہوا تو انہوں نے پولیس افسر سے کہا۔ "ایسا کیوں ہوتا ہے کہ مجھ سے جرمانہ وصول کیا جاتا ہے، جبکہ اکثر لوگوں کو صرف وارننگ دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے، کیا اس کی وجہ میرا چہرہ ہے؟"

"نہیں میڈم...!" پولیس افسر نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ "اس کی وجہ آپ کا پاؤں ہے۔"

ماہین جیلانی... ٹنڈو الہ یار

ایک سے بڑھ کر ایک

ایک روسی، ایک امریکی اور ایک برطانوی لندن کے ایک گرجا کی سیر کو گئے وہاں ایک جگہ دیوار پر بہت سے ہیرے لگے ہوئے تھے۔

تینوں جب گرجے سے باہر نکلے تو برطانوی نے کہا۔ "اف! کتنے خوب صورت ہیرے تھے، میرا جی چاہتا تھا کہ انہیں دیوار پر سے اتار لوں۔"

امریکی نے کہا۔ "میں نے تو ہیرے اتار بھی لیے ہیں۔"

"لیکن اس وقت وہ میری جیب میں ہیں۔" روسی نے اطلاع دی۔

ماہ نور... کراچی

قدر دانی

لائبریری میں بیٹھے ہوئے ایک صاحب کے ذہن میں اچانک کچھ خیال آیا اور بولے۔

"اخبارات بھی کتنی اچھی چیز ہیں، لیکن مجھے ایسا لگ رہا ہے رفتہ رفتہ ٹیلی ویژن، اخبارات کی جگہ لیتا جا رہا ہے، کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ اخبار خریدنا بند کر دیں اور ٹی وی ہی اخبارات کی جگہ مکمل طور پر لے لے۔ دراصل اخبارات کا اپنا ایک مقام ہے، ان کی قدر و قیمت کا اندازہ کوئی قدر دان شخص ہی لگا سکتا ہے۔"

ساتھ بیٹھے ہوئے ایک صاحب نے یہ باتیں سن کر کہا۔

"جناب! ٹی وی، اخبارات کی جگہ نہیں لے سکتا، نہ ہی اخبارات بند ہو سکتے ہیں، آپ خود ہی تو کہہ رہے ہیں کہ اخبارات کی قدر و قیمت کا اندازہ کوئی قدر دان ہی لگا سکتا ہے، ٹی وی میں آپ تلی ہوئی مچھلی اور پکوڑے تو نہیں لپیٹ سکتے۔"

بینا... چھانگا مانگا

وجہ تسمیہ

نئے کھلنے والے ایک بہت بڑے فیشن ایبل ڈیپارٹمنٹل اسٹور میں ہر سیلزمین کو ہدایت کی گئی کہ اگر کوئی گاہک کوئی چیز خریدے بغیر چلا جائے تو رجسٹر میں اس کی کوئی وجہ ضرور تحریر کریں۔

ایک خاتون نے ملبوسات کے شعبے میں بہت سے سیاہ رنگ کے لباس دیکھے لیکن کوئی بھی لباس خریدے بغیر چلی گئی۔

سیلزمین بہت دیر تک سوچتا رہا ہے کہ کیا وجہ لکھے۔ آخر کار اس نے رجسٹر میں نوٹ لکھا۔ "خاتون نے بہت سے لباس دیکھے، لیکن کوئی نہیں خرید وجہ غالباً یہی ہے کہ ابھی اس کے شوہر کا انتقال نہیں ہوا۔"

سنعیہ... ڈیرہ اسماعیل خان

ادب و احترام

ایک بوڑھے سیاست دان کے انتقال پر اس کے دوستوں نے طے کیا کہ اس کی تجہیز و تکفین شان دار طریقے سے انجام دی جائے۔ چنانچہ انہوں نے چندہ اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ وہ لوگ ایک بوڑھے سرمایہ دار کے پاس پہنچے۔ سرمایہ دار نے ان کی باتیں سننے کے بعد کہا۔ "تمہیں مجھ سے کتنا چندہ ملنے کی توقع ہے؟"

"کم از کم پانچ سو ڈالر تاکہ ہم اپنے قدیم سیاست داں کو ادب و احترام کے ساتھ دفن کر سکیں۔"

سرمایہ دار نے اپنی جیب سے پرس نکالا اور کئی نوٹ نکالتے ہوئے بولا۔ "یہ لو تین ہزار ڈالر کم از کم چھ

سیاست دانوں کی تدفین خوب شان سے انجام دو۔"

ثناساجد۔۔۔ حیدر آباد

باصلاحیت

ایک نوجوان سپر اسٹور میں سیلزمین کی اسامی پر ملازمت کا خواہش مند تھا۔ مالک نے اس کی صلاحیتوں کا عملی مظاہرہ دیکھنے کے لیے شیلف سے ایک ڈبا اتارا اور نوجوان کے ایک ہاتھ میں دیتے ہوئے بولا۔ "اسے شیلف سے اتارنے کے بعد تم کیا کروگے؟"

نوجوان نے ڈبے کو غور سے دیکھا اور بولا۔ "میں سب سے پہلے اس پر سے گرد صاف کروں گا۔"

اسٹور کے مالک نے مسکراتے ہوئے اسے سیلزمین رکھ لیا۔

بشریٰ انور خان۔۔۔ اوکاڑہ

فضول خرچ

ایک صاحب اپنے دوست سے شکوہ کر رہے تھے۔

"میں اپنی بیوی سے تنگ آچکا ہوں دو دن پہلے اس نے مجھ سے دو ہزار روپے مانگے تھے اور آج چار ہزار روپے۔۔۔!"

"وہ اتنے پیسوں کا کیا کرتی ہے؟" دوست نے حیرت سے پوچھا۔

"معلوم نہیں! یہ تو شاید تب پتا چلتا، جب میں نے اسے پیسے دیے ہوتے۔" ان صاحب نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔

ناہید امید علی۔۔۔ کراچی

قابل دید

"اے مسٹر۔۔۔!" پروفیسر صاحب نے کلاس میں سب سے پیچھے کھڑے ہوئے ایک نوجوان کو مخاطب کیا تھا؟ "یہ بتاؤ کہ نیوٹن نے لاء آف گریویٹی کب پیش کیا تھا؟"

"مجھے نہیں معلوم سر۔" نوجوان نے جواب دیا۔

"اچھا یہ بتاؤ، زمین سورج سے کتنے نوری سال کے فاصلے پر واقع ہے؟" پروفیسر صاحب نے ناگواری سے دوسرا سوال کیا۔

"میں نہیں جانتا سر!" نوجوان نے ایک بار پھر بے نیازی سے جواب دیا۔

"اچھا یہ بتاؤ، نظریہ اضافت کسے کہتے ہیں؟" پروفیسر صاحب نے گویا بڑی مشکل سے اپنا غصہ ضبط کرتے ہوئے پوچھا۔

"مجھے نہیں معلوم سر۔" نوجوان نے ایک بار پھر وہی جواب دیا۔

"خدا کی پناہ!" اب تو پروفیسر صاحب کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا۔ "تمہیں تو فزکس کی بنیادی باتیں بھی معلوم نہیں، اسکول کا بچہ بھی ان سوالوں کے جوابات دے سکتا ہے، آخر تم نے کیا سوچ رکھا ہے، تم فزکس کے امتحان میں کیسے پاس ہوگے؟"

"میرا فزکس کے امتحان سے کیا تعلق ہے صاحب۔۔۔ میں تو اس کمرے کا پنکھا ٹھیک کرنے آیا ہوں، الیکٹریشن ہوں۔" نوجوان نے بے زاری سے جواب دیا۔

افشاں خالد۔۔۔ ٹنڈو آدم

قابل داد

ایک ٹریفک انسپکٹر نے لڑکی کو غلط ڈرائیونگ کرنے پر روک کر کہا۔ "میں آدھے گھنٹے سے آپ پر نظر رکھے ہوئے ہوں۔"

"او تھینک گاڈ۔۔۔" لڑکی نے پرسکون ہوتے ہوئے کہا۔

میں سمجھی تھی کہ غلط ڈرائیونگ پر آپ میرا چالان کرنے والے ہیں۔

فوزیہ ثمر بٹ۔۔۔ ہانیہ عمران گجرات

☼ ☼

کرن کا دسترخوان

خالدہ جیلانی

کیرامل کیک ود آلمنڈ

ضروری اشیاء:

مکھن	آدھا کپ
شکر	ایک کپ
کارن آئل	تین سے چار کپ
انڈے	دو عدد
میدہ	تیرہ کپ
بیکنگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دودھ (تازہ)	آدھا کپ
بادام (چھلکا اتارلیں)	ایک تہائی کپ

کیرامل بنانے کے لیے اجزاء:

شکر	تین کھانے کے چمچے
شہد	ایک چائے کا چمچہ
کنڈینسڈ ملک	ایک چوتھائی کپ
کریم (پھینٹی ہوئی)	ایک چوتھائی کپ

ترکیب:

مکھن میں شکر ملا کر اچھی طرح پھینٹیں تاکہ جھاگ بن جائیں۔ تھوڑا تھوڑا تیل شامل کرتی جائیں، اس کے بعد انڈے، میدہ، بیکنگ پاؤڈر اور دودھ شامل کرکے اچھی طرح پھینٹیں کیک مکسچر تیار ہے۔

کیرامل بنانے کے لیے ہلکی آنچ پر شکر کو براون کرلیں۔ اس میں شہد، کنڈینسڈ ملک اور کریم ملا کر اچھی طرح مکس کرلیں۔ جب پک جائے تو اتارلیں۔ کیک مکسچر کو کیک کے سانچے میں ڈالیں۔ اوپر سے تھوڑا سا کیرامل ڈالیں اور اس پر بادام چھڑک دیں اور بادام ڈالیں، اس عمل کو اس وقت تک دہرائیں جب تک آمیزہ ختم نہ ہوجائے۔ سب سے آخر میں اوپر بادام ڈالیں۔

"اوون کو 160.c پر گرم کریں اور پینتالیس منٹ تک کیک کو بیک ہونے دیں۔"

تیار ہوجائے تو اوون سے نکال کر سرو کریں۔

بیکڈ پائن ایپل ٹرائفل

ضروری اشیاء :

اسفنج کیک (چوکور ٹکڑے کرلیں) ایک عدد
انڈے — تین عدد
کیسٹر شوگر — ایک چوتھائی کپ
دودھ — ڈیڑھ کپ
انناس — 500 گرام
کیلے — دو سے تین عدد (بڑے)
انڈے کی سفیدی — دو عدد
کیسٹر شوگر — ایک تہائی کپ

ترکیب :

ایک بیکنگ ڈش میں کیک کے چھوٹے چوکور ٹکڑے کرکے پھیلادیں۔ اس کے بعد انڈے' چوتھائی کپ چینی' دودھ کو ہلکا سا پھینٹ کر کیک پر ڈال دیں۔ ایک بیکنگ ٹرے میں پانی ڈالیں' اس پر کیک والی ڈش رکھیں۔ اوون کو پہلے سے گرم کرلیں۔ تقریباً" تیس منٹ بیک کریں کہ کسٹرڈ سیٹ ہوجائے۔ اس کے بعد انناس اور انناس کا جوس الگ کرلیں اور کیلے کے سلائس کرلیں۔ کسٹرڈ پر انناس اور کیلا پھیلادیں۔ انڈے کی سفیدی اور ایک تہائی کپ چینی اچھی طرح پھینٹ لیں۔ وہ بالکل سفید ہوجائے اور پھول جائے۔ اس کے بعد سفیدی کو فروٹ پر پھیلادیں اور گرم اوون میں تین سے چار منٹ بیک کریں کہ سفیدی لائٹ براؤن ہوجائے تو اسٹرابیری اور انناس لیف سے سجاکر سرو کریں۔

پائن ایپل کیک

ضروری اشیاء :

پائن ایپل — 200 گرام
پائن ایپل جوس — 200 گرام
فریش کریم — 300 گرام
آئسنگ شوگر — 100 گرام
پائن ایپل فلیور — چند قطرے
بنیادی سادہ اسفنج — ایک عدد

ترکیب :

8 x 8 کا سادہ اسفنج کا ٹکڑا بڑی اسفنج شیٹ میں سے کاٹ لیں۔
اسفنج کو درمیان سے ایک بڑی چھری کی مدد سے دو حصہ میں کاٹ لیں۔ ایک حصہ کو کیک پلیٹر (8 x 8 کارڈ بورڈ شیٹ) پر لگادیں۔ پائن ایپل جوس کو برش کی مدد سے اسفنج پر لگائیں۔
کریم اور آئسنگ شوگر کو کریم مکسچر باؤل میں ڈال کر ٹھنڈے ماحول (AIR Condition) میں پانچ منٹ تک پھینٹ کر بنالیں اور فلیور ڈال دیں۔ تیار کریم کو اسفنج پر پھیلادیں اور دوسرے حصہ کو اس پر رکھ دیں۔
دوسرے حصہ کے اوپری سطح پر برش کی مدد سے پائن ایپل جوس لگائیں۔ بقیہ کریم ٹاپ پر لگائیں اور اسٹیل نائف سے صفائی سے پھیلادیں اور ساتھ ہی کریم سے کور کردیں۔
پائن ایپل کو کرش کرکے کریم پر پھیلادیں۔ پیپر کون کی مدد سے پھول والے نوزل کے ذریعے کیک کے اوپر خوبصورت پھول بنائیں۔ پھول کے اوپر پائن ایپل پیس سے گارنش کردیں۔ لیجیے پائن ایپل کیک تیار ہے۔

ٹوٹی فروٹی پائن ایپل کیک

ضروری اشیاء :

میدہ — بارہ کھانے کے چمچے
چینی (پسی ہوئی) — بارہ کھانے کے چمچے
انڈے — تین عدد
مکھن — 150 گرام
انناس کے سلائسز — آدھا پیکٹ
(جیلی جماکر کیوب کاٹ لیں)
بیکنگ پاؤڈر — ڈیڑھ چائے کا چمچہ
بنانا جیلی — ایک پیکٹ
ونیلا ایسنس — آدھا چائے کا چمچہ
کریم — دو کپ
(کریم کو بیٹر سے بیٹ کرلیں)
انناس کا رس — ایک کپ

ترکیب :

میدے اور بیکنگ پاؤڈر کو ایک ساتھ تسلے میں چھان لیں۔ ایک پیالے میں چینی اور مکھن ڈال کر اتنا پھینٹیں کہ آمیزہ کریم کی طرح گاڑھا ہوجائے۔ اس کے بعد اس میں ونیلا ایسنس اور ایک ایک کرکے انڈے ڈال کر پھینٹتی جائیں اور آخر میں میدہ ڈال کر آمیزے میں احتیاط سے مکس کریں۔ ایک کیک ٹن میں تیل لگا کر اسے چکنا کرلیں۔ تیار کیے ہوئے آمیزے کو کیک ٹن میں ڈال کر ٹن کو پہلے سے گرم اوون میں 180.c پر رکھ کر پینتالیس منٹ تک بیک کریں۔ کیک جب اچھی طرح بیک ہوجائے تو۔ اوون سے نکال لیں اور درمیان میں کاٹ کر دونوں حصوں پہ انناس کا رس' انناس کے ٹکڑے ڈال کر فریج میں سیٹ ہونے کے لیے رکھ دیں۔ کیک ٹھنڈا ہوجائے تو اس پر کریم خوب اچھی طرح پھینٹ کر پھیلائیں۔ انناس کے سلائسز' اسٹرابیری جیلی اور بنانا جیلی سے گارنش کریں۔ مزے دار ٹوٹی فروٹی پائن ایپل کیک تیار ہے۔

بنانا اینڈ لیمن کیک

ضروری اشیاء :

میدہ — دو کپ
بیکنگ پاؤڈر — ایک چائے کا چمچہ
نمک — حسب ذائقہ
مکھن — آدھا کپ
چینی — آدھا کپ
براؤن شوگر — آدھا کپ
انڈے — دو عدد
لیموں کی چھال — آدھا چائے کا چمچہ
کیلے — ایک کپ
(چھیل کر میش کرلیں)
ونیلا ایسنس — ایک چائے کا چمچہ
دودھ — ایک چوتھائی کپ
اخروٹ — (چوپ کیا ہوا) ایک کپ

سجانے کے لیے :

مکھن — آدھا کپ
آئسنگ شوگر — چار کپ
لیموں کی چھال — ایک چائے کا چمچہ
لیموں کا رس — چار کھانے کے چمچے

ترکیب :

میدے میں بیکنگ پاؤڈر اور نمک مکس کرکے چھان لیں۔ الگ پیالے میں مکھن اور چینی کو اتنا پھینٹیں کہ وہ کریم کی طرح سے ہوجائے' پھر ایک ایک کرکے انڈا شامل کریں اور خوب پھینٹیں۔ ساتھ ہی لیموں کی چھال بھی ملادیں۔ کیلے میں براؤن شوگر' ونیلا ایسنس اور دودھ ملادیں۔ اب مکھن اور میدے کو تھوڑا تھوڑا کرکے مکس کریں۔ تمام اجزا کو اچھی طرح مکس کریں پھر اخروٹ ڈال دیں۔ نوانچ کا کیک کا سانچہ لے کر گھی یا مکھن سے چکنا کرلیں۔ اس میں کیک کا آمیزہ ڈال کر پہلے سے گرم اوون میں 250.c پر رکھ کر پینتیس منٹ کے لیے بیک کریں۔
سجاوٹ کے لیے مکھن کو اچھی طرح سے پھینٹیں۔ اس میں آئسنگ شوگر اور لیموں کی چھال ملاکر مکس کریں آخر میں لیموں کا رس ڈالیں کہ یہ کریم کی طرح بن جائے اس آمیزے کو کیک کے چاروں طرف لگاکر کیک کو کور کرلیں کیلے اور لیموں کے قتلوں سے سجائیں۔ مزے دار بنانا اینڈ لیمن کیک تیار ہے۔

☼ ☼

محمود بابر فیصل نے یہ شگفتہ سلسلہ 1978ء میں شروع کیا تھا۔ ان کی یاد میں یہ سوال و جواب شائع کیے جا رہے ہیں۔

ذوالقرنین

شاہدہ۔۔۔ لاہور

س ۔۔۔ اگر خوش قسمتی کا دیوتا آپ کا در کھٹکھٹا تا رہے اور آپ مقفل کمرے میں گہری نیند کی وادیوں میں گم رہیں تو بے داری کے بعد جب صورت حال کا پتا چلے تو آپ کیا کریں گے؟

ج ۔۔۔ سمجھوں گا میری قسمت میں نہ تھا ایسا کچھ۔

شاہدہ نورین۔۔۔ رحیم یار خان

س ۔ ذوالقرنین بھیا؟ یہ تو بتائیں کہ

عورت اگر سکون چاہے تو میکے چلی جاتی ہے لیکن اگر مرد سکون چاہے تو کہاں جا سکتا ہے؟

ج ۔ ہمیشہ کے لیے ملک سے باہر۔

فرزانہ سلیم۔۔۔ میاں چنوں

س ۔ بے یقین راستوں پر چلنے کا فائدہ۔

ج ۔ یہ بزنس نہیں ہے کہ فائدہ اور نقصان دیکھا جائے۔

ام البنین سبحانی۔۔۔ کراچی

س ۔ انسان ہمت کب ہار بیٹھتا ہے؟

ج ۔ جب مستقل نہلے پہ دہلا میں سوالوں کے جواب دینے پڑیں۔

ساجدہ نورین۔۔۔ راجن پور

س ۔

تیری سانسوں کی تھکن، تیری نگاہوں کا سکوت

درحقیقت کوئی رنگین شرارت ہی نہ ہو

میں جسے پیار کا انداز سمجھ بیٹھا ہوں

وہ تبسم، وہ تکلم تری عادت ہی نہ ہو

ج ۔ بالکل صحیح سمجھیں آپ میری یہ عادت ہی ہے۔

ریحانہ صابو گر۔۔۔ ٹھٹھہ

س ۔ بھیا! کیا صرف حوصلے سے انسان آگے بڑھ سکتا ہے؟

ج ۔ ہمارا یقین ہے اس پر۔

ممتاز یار محمد۔۔۔ لاہور

س ۔ نین جی! جن پر اعتماد ہوتا ہے، وہی لوگ دھوکہ دے جاتے ہیں۔ ایسا کیوں ہوتا ہے؟

ج ۔ اپنے ساتھ تو ابھی تک ایسا اتفاق نہیں ہوا۔

صومیہ عنایت۔۔۔ پشاور

س ۔ کتے، بلی اور گھوڑے میں زیادہ وفادار جانور کون سا ہے؟

ج ۔ اتنی سی بات نہیں پتا تمہیں۔۔۔ یا بلی سے ویسے ہی کوئی دشمنی ہے۔

منزہ اختر۔۔۔ گجرات

س ۔ بھیا! سنا ہے کہ آپ پچھلے جنم میں مجنوں تھے، کیا واقعی۔

ج ۔ صرف پچھلے جنم میں ہی کیوں؟

حسینہ تجمل حیدری۔۔۔ پنڈدادنخان

س ۔ نفرت کو محبت میں بدلنے کا طریقہ تو عنایت فرمائیں؟

ج ۔ محبت صرف محبت۔

عامرہ نیر اقبال۔۔۔ فیصل آباد

س ۔ بھیا جی! ذرا جلدی سے روتے ہوئے کو چپ کرانے کا آسان طریقہ بتا دیجیے؟

ج ۔ خوب صورت سا کوئی جھوٹ بول دیجیے۔

شبنم ملک۔۔۔ کراچی

س ۔ مسٹر ذوالقرنین کوئی آپ کی تعریف میں سوال کرے تو آپ خوش ہو کر اور کوئی آپ پر تنقیدی سوال کرے تو آپ اتنا تپ کے کیوں جواب دیتے ہیں۔ امید تو نہیں ایسے بھنائے ہوئے سوال کا جواب ملے کیوں؟

ج ۔ جواب حاضر ہے۔ اب کیا خیال ہے۔

ریحانہ پروین۔۔۔ کراچی

س ۔

شاید مجھے نکال کے پچھتا رہے ہوں آپ

محفل میں اس خیال سے پھر آ گیا ہوں میں

شعر کا جواب شعر میں دیں۔

ج ۔ آئیے، بیٹھیے کہیے کیا ہے۔ جی آپ کو کام آئندہ شعر میں جواب مانگو گی۔

سعدیہ سلیم۔۔۔ ملتان

س ۔ بھیا! دماغ کو غیر حاضر رکھ کر جواب دیں۔ شریف بدمعاش کسے کہتے ہیں؟

ج ۔ فلم کے ہیرو کو۔

عظمیٰ سعید۔۔۔ لاہور

س ۔ آپ کی شادی کے بعد کرن والے کرن کتاب "شادی بیاہ کے گیت" میں آپ کی شادی کی تصاویر دیں گے اور آخر میں لکھیں گے۔ بشکریہ ذوالقرنین، جنھوں نے ہمیں کرن کتاب کے لیے تصاویر عنایت کیں۔

ج ۔ یہ کرن والوں سے ذاتی خط و کتابت کب شروع ہوئی پہلے یہ بتاؤ؟

فرحین کوثر۔۔۔ علی پور چٹھہ

س ۔ اگر آئینہ ایجاد نہ ہوتا تو عورتیں میک اپ کیسے کرتیں؟

ج ۔ یہ عورتوں سے کیا جانے والا سوال مجھ سے کیوں؟ اپنے آپ سے پوچھا۔

نسرین قادری۔۔۔ ٹھٹھہ

س ۔ سنا ہے ایک لڑکی تم سے پیار کے بجائے صرف ادھار مانگ رہی ہے۔ دونوں میں سے ایک کام آسان ہے، سوچیے مت جلد جواب دیں؟

ج ۔ اتنی جلدی میں تو صرف ادھار۔

عاصی۔۔۔ گوجرانوالہ

س ۔ نین عورتوں کی حکومت آ گئی ہے اب مردوں کو بھی چوڑیاں پہنائی جائیں گی جلدی سے تیار ہو جاؤ پہننے کے لیے۔

ج ۔ پہنا کون رہا ہے، پہلے یہ بتاؤ؟

طاہرہ حمید۔۔۔ حافظ آباد

س ۔ گھریلو زندگی میں ضد کو ضد سے ضرب دینے سے کیا حاصل ہوتا ہے۔

ج ۔ بے سکونی۔

حمیدہ کوثر۔۔۔ شکار پور

س ۔ بھیا جی! ہمارے یہاں زیادہ تر فلموں کا اختتام شادی پر ہی کیوں ہوتا ہے؟

ج ۔ کیا فلموں کا بھی نہ ہو "آخر کیا چاہتی ہو بی بی۔

☼ ☼

مدیرہ

نامے میرے نام

انیقہ انا۔۔۔۔ چکوال

دو ماہ کی غیر حاضری کے بعد ایک ضدی اور ڈھیٹ شاگرد کی طرح حاضر ہوں، جو جانتا ہے کہ استاد اسے ذرا سی ڈانٹ ڈپٹ کے بعد بٹھا ہی لیں گے۔۔۔۔ (اب کیا کروں معلمہ ہوں نا! مثالیں بھی اپنے شعبے سے متعلقہ ہی دوں گی۔۔۔۔) سچ بتایئے! آپ مجھے یاد کرتی ہیں جب میں غیر حاضر رہتی ہوں یا پھر میری مثال سمندر کے بیکراں پانی کے ان قطروں سی ہے، جن کے ہونے' نا ہونے سے سمندر کو کچھ فرق نہیں پڑتا۔۔۔۔ (اف یہ دکھ!)

سرورق کچھ خاص پسند نہ آیا اور آپی پلیز سالگرہ نمبر پر روایتی سادلہن سے سجا سرورق ہمیں ہرگز نہیں چاہیے۔ (آخر مارچ میں ماہدولت کی سالگرہ بھی تو ہوتی ہے نا!) کرن کتاب بھی پسند نہ آئی۔ (آپ کی صحت!" حق ہاہ۔۔۔۔ پہلے ہی اچھی ہے' حسرت ہی رہی کہ بخار جیسی عظیم بیماری (انبیاء کرام کی بیماری) سے ہمیں حصہ ملے مگر۔۔۔۔

"دردل" میں نبیلہ نے تو دل کا درد بڑھانے کا خوب انتظام کیا۔ علیزے کو اتنا رلایا کہ۔۔۔۔ ایک بار میں نے کہا تھا کہ دل آور کا کردار مجھے کچھ خاص پسند نہیں۔ اب اگرچہ میرے خیالات کچھ بدل چکے ہیں کہ کیا خبر جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تو اس نے ٹھیک ہی کیا ہوگا مگر میری رائے اس کے بارے میں غیر جانبدار ہے نہ اچھی نہ بری۔۔۔۔ علاوہ ازیں نبیلہ کہانی کو بہت سلیقے سے نبھا رہی ہیں۔

"دست کوزہ گر" میں مصنفہ کا قلم کسی ماہر سفال گر کی مانند تحریر کا کوزہ تشکیل کر رہا ہے۔ (بھلا ہو بشریٰ سعید کا جنہوں نے سفال گر کی خوب صورت تشبیہ دی) اس بار تو مصنفہ نے بہت خوب چونکانے والے انکشافات کیے۔ الیان اور زوبیہ کا رشتہ کمال ہے 33 اقساط میں ذکر تک نہ ہوا گویا اسٹار پلس کا کوئی سوپ سیریل ہے ایک دم سے نیا قصہ بہرحال پورے ناول میں رومیلہ کا کردار ٹاپ پر ہے حوصلے' ہمت اور عزم و استقلال کے باعث۔۔۔۔ الیان کا دوسرے نمبر پر (بس میری مرضی)

ایک طویل ترین مدت کے بعد نادیہ امین کا نام دیکھ کر جی خوشی سے بھر گیا زبان آج تک "طلب عشق" کا ذائقہ نہیں بھولی۔ لیکن کیا ہے کہ کرن آج (18 کو) ملا اور اپنی پسندیدہ مصنفہ کا ناول میں جلد بازی میں اور بے توجہی سے پڑھوں تو یہ زیادتی ہے نا! تو نہیں پڑھا' مکمل ناول دونوں ہی نہیں پڑھے' ذرا فراغت کے لمحات میسر آنے دیں نا!

"وہ اک پری ہے" میں اذان کا کردار آغاز میں جتنا سنجیدہ اور بردبار سا تھا' اب اتنا ہی بچکانہ۔۔۔۔ یہ محبت کم بخت سدھ بدھ ہی گم کر دیتی ہے۔ دوسری جانب شاعری کا انتخاب بھی غضب کا ہے خدا کرے زور قلم اور۔

شازیہ جمال کا ہنستا مسکراتا ناولٹ پسند آیا دادو کیا مزے کی خاتون ہیں (ہائے کاش! میری بھی دادو ہوتیں) اگرچہ مانو کا ہوٹل میں یوں ایک اجنبی سے پیسے مانگ لینا خاصا مضحکہ خیز لگتا ہے کہ بنا جان پہچان کے۔۔۔۔ ہر خوب صورت چہرہ' خوب سیرت بھی ہو' لازم تو نہیں پر "چلو ہم فرض کرتے ہیں" کے مصداق ہم نے مزاحیہ تحریر کے تحت اس مضحکہ خیزیات کو قبول کر ہی لیا کہ بہرحال کاوش اچھی تھی۔

"کانچ سی زیتا" ۔۔۔۔ یار! شائستہ بیگم اتنی ہی اچھی پھپھو اور نند تھیں تو بھائی کی موت کے بعد یک کریتیم بھتیجی اور بیوہ بھابی کی خبر کیوں نہ لی؟ اور نسرین بیگم نے ساری عمر بیٹی کو کیوں نہ بتایا؟ مانا کہ خود ان کا نند سے تعلق نہ رہا پر بیٹی کا تعلق تو تھا ہی۔ اگر اس نکتے کو نظر انداز کروں تو تحریر لاجواب تھی۔

انیلا کرن کا ناولٹ بھی خوب رہا جس نے جو چاہا' پالیا۔ مومنہ نے محبت اور تابش نے دولت۔ مجھے یوں بھی خود نوشت کے انداز میں لکھی تحاریر بہت اچھی لگتی ہیں' یوں جیسے کوئی خود احتسابی کے کڑے عمل سے گزر رہا ہو' اور کیا خوب محبت تھی مومنہ کی تابش سے مزا آگیا پڑھ کر۔

افسانوں میں سدرہ نے کیا ہی خوب لکھا' اللہ سب کی عزتیں محفوظ فرمائے (آمین) فرحین اظفر نے میرے ہی شعبے سے متعلق دلچسپ تحریر رقم کی واہ جی واہ' سعدیہ عزیز

مختصر مگر موثر افسانے کے ساتھ جلوہ گر ہیں۔

"نامے میرے نام" میں امبر گل کی واپسی نے خوش کر دیا ارے جناب ہم آپ کو بھولے نہیں تھے' دل میں یاد تو ضرور کرتے تھے اور ہم آپ کی اس بات سے اتفاق کرتے ہیں کہ ایکٹرز کے انٹرویوز بورنگ ہوتے ہیں (اسی لیے میں پڑھتی ہی نہیں!)

"مجھ سے ملیے" میں نازیہ جمال سے مل کر اچھا لگا ان کی طرح فیض میرے پسندیدہ شاعر ہیں اور انہوں نے لکھا "ہم بہن بھائی ایک دوسرے کی گود میں گھس کر کھانا کھاتے ہیں۔" نازیہ میں رب عظیم سے دعاگو ہوں کہ وہ آپ کا یہ اتفاق سلوک اور محبت قائم و دائم رکھے آمین اور اس ایک جملے نے تو دل جیت لیا "رشتوں کی ماہیت نہیں بدلی' محسوسات کو نئے قالب نہیں ملے۔" سچ کہتی ہیں دنیا چاند پر چلی گئی لیکن زمین پر ابن آدم آج بھی محبت کے نام پر کٹتا اور مرتا ہے۔۔۔۔ دیگر سارا کرن بھی خوب رہا جس نے جو لکھا خوب لکھا۔

انجم فاروق۔۔۔۔ لاہور

امید ہے آپ اور ادارہ کے دیگر خواتین حضرات بخیر و خوبی ہوں گے۔ کرن کا فروری کا شمارہ دیر سے مارکیٹ میں آیا۔ ٹائٹل خوش رنگ اور شوخ تھا۔ "اک خوشی" اور "رات دو بجے" دونوں افسانے اچھے اور متاثر کن اور معنویت سے بھرپور تھے۔ حمد و نعت دونوں کا کلام بڑا پر تاثیر تھا۔ ارشد ملک کے انٹرویو کا آخری شعر خوب صورت تھا۔ رابعہ کی ڈائری اور محبت ادھوری نظم دونوں میں لفظ و معنی کا اچھا اہتمام موجود تھا۔ شازیہ ہاشم کا کلام "معیر سے انتخاب" خوب تھا۔ "کانچ سی زیتا" محبت جیت ہوتی ہے' وہ اک پری ہے" تینوں ناولٹ کافی اچھے اور سبق آموز تھے۔ "وہ اک پری ہے" میں معرفت پر مبنی اشعار کا انتخاب خوب صورت ترین تھا۔ طویل ناول زیر مطالعہ ہیں۔

کئی ماہ گزر گئے افسانوں کی طرف توجہ فرمادی جائے۔ آپ کے فیصلے کا انتظار ہے۔

صائمہ۔۔۔۔ گاؤں وگھ شریف

حسب معمول کرن 17 فروری کو ملا۔ سرورق بس سو سو لگا۔ سب سے پہلے "نامے میرے نام" میں اپنا لیٹر دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ اب بات کرتے ہیں نبیلہ عزیز کے ناول کی' بہت زبردست ناول جا رہا ہے۔

"وہ اک پری ہے" ناولٹ کافی اچھا جا رہا ہے باقی تمام رائٹرز بھی ماشاء اللہ بہت اچھا لکھ رہی ہیں پلیز باقی سلسلے میں بھی میری کوئی نہ کوئی تحریر شائع کر دیجیے گا۔ تمام رائٹرز کو سلام و پیار کرن کی پوری ٹیم کو سلام۔

مجھے ابھی لیٹر لکھنے کا ڈھنگ نہیں پلیز غلطیوں کو سنوار کر لازمی اپنی محفل میں جگہ دیجیے گا۔

عائشہ خان۔۔۔۔ ٹنڈو محمد خان

گو کہ ارادہ تھا کہ اگلے ماہ ایک ساتھ ہی تبصرہ کروں گی مگر مجبوراً "اس ماہ ہی خط لکھنا پڑا (دوسری مرتبہ) اور وہ وجہ ہے نادیہ امین کا مکمل ناول "باد صبا" کیا پیاری تحریر ہے کتنی پختگی ہے۔ کیا یہ نئی رائٹر ہیں؟ ویل ڈن نادیہ امین اتنی خوب صورت تحریر کے لیے مبارک باد اور یہ کہ میں نے کرن پڑھ لیا تھا تو سوچا کہ تبصرہ بھیج ہی دوں۔

شازیہ جمال نیر "خواب باقی ہیں" بہت اچھا لگا۔ تمام افسانے' ناول' ناولٹ سب بہترین تھے اس مرتبہ کا کرن مکمل رہا شاعر ارشد ملک کی باتیں بھی اچھی لگیں بناوٹ نہیں تھی۔ باقی فوزیہ یاسمین سے یہ کہنا ہے کہ شائستہ خالہ کی روح کا مسئلہ حل کر دیں۔ اب تو مجھے بھی شائستہ خالہ کی روح سے ڈر لگنے لگا ہے (ہاہاہا)

اللہ تعالیٰ آپ سب کو ڈھیروں خوشیاں نصیب کرے آمین اللہ تعالیٰ ہم سب مسلمانوں پر رحم کرے آمین۔ ہمارے ملک کو ترقی دے سکون اور امن و امان عطا فرمائے۔ آمین خاص طور پر کراچی اور کوئٹہ میں۔ دل خون کے آنسو روتا ہے جب ہمارے بے گناہ مسلمان بھائی مارے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان دشمنوں کو نیست و نابود کر دے آمین۔

حافظہ سمیرا۔۔۔۔ 157۔ این بی

رشتہ ویسے تو کرن' شعاع اور خواتین سے چھ سال پرانا ہے لیکن باقاعدگی کے ساتھ پڑھنا دو سال پہلے شروع کیا جس کی وجہ فوزیہ یاسمین کی "دست کوزہ گر" ہے مجھے یہ ناول بہت پسند ہے اور اب تک تقریباً اس کی ساری اقساط پڑھ چکی ہوں۔

اب بات کرتے ہیں فروری کے شمارے' ماڈل کا روپ دل کو تازگی بخش گیا "خواب جلی آنکھیں" کیا زبردست لکھا' ویلڈن عنیقہ محمد بیگ' انیلا کرن کا ناولٹ بھی

دل میں اتر گیا۔ "دست کوزہ گر" کو ہمیشہ کی طرح پڑھ کر بہت اچھا لگا فوزیہ یاسمین بہت روانی سے اس کو آگے لے جا رہی ہیں۔

"در دل" نبیلہ عزیز کے ناول کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔ نبیلہ عزیز اتنا خوب صورت ناول لکھنے پر میری طرف سے مبارک باد۔ رفعت سلطانہ اور نادیہ امین کے ناولٹ بھی اچھے لگے۔ سعدیہ عزیز آفریدی آپ بہت خوب لکھتی ہیں۔ مستقل سلسلوں میں شاعری دل میں اتر گئی۔

خالدہ بشیر...... ترنڈہ محمد پناہ

خدا خدا کر کے چودہ تاریخ کو کرن ملا۔ کرن ہاتھ میں آتے ہی دل کو خوشی کے احساس نے گھیر لیا۔ ٹائٹل پر نظر پڑی تو دل مزید مہک اٹھا خوب صورت ٹائٹل پورے کرن کو چار چاند لگا دیتا ہے۔ پچھلی بار کچھ تحریریں بھیجی تھیں شائع نہیں ہوئیں پتا نہیں کیوں؟ شاید قابل اشاعت نہیں تھیں یا پھر کرن میں ہجوم ہونے کے باعث ہماری جگہ ہی نہیں بنی چلو کوئی گل نہیں ایک بار پھر کوشش کرتے ہیں ہو سکتا ہے اپنی قسمت کا ستارہ چمک اٹھے۔

ناول "ساڈا چڑیا دا چنبا" پڑھ کر دل اداس بھی ہوا اور خوش بھی۔ خوش اس لیے کہ نیرو ابوذر کے ساتھ پاکستان پہنچ گئی اور اداس اس لیے کہ سکندر اور اس کی ماں کو ان کے ظلم کی سزا نہیں ملی۔ جتنے ظلم سکندر اور اس کی ماں نے نیرو پر کیے اتنی سزا انہیں ضرور ملتی۔ باقی تمام افسانے اچھے تھے۔ آخر میں گزارش ہے کہ میرا خط کرن میں ضرور شامل کیا جائے تاکہ میری فرینڈز میرا مذاق نہ اڑائیں۔ (شکریہ)

نادرہ بشیر...... ترنڈہ محمد پناہ

سب سے پہلے کرن کی پوری ٹیم کو پیار بھرا اسلام کرن چودہ کو ملا۔ ٹائٹل دیکھ کر دل خوش ہو گیا۔ سب سے پہلے آئے "نامے میرے نام" کی طرف نامے میرے نام میں مختلف خطوط کو کرن کی زینت بنا دیکھا تو دل چاہا میں بھی خط لکھوں سو لکھنے بیٹھ گئی۔ کسی بھی ڈائجسٹ میں آج تک کچھ نہیں لکھا۔ پہلی بار کرن میں خط لکھ رہی ہوں امید ہے مایوسی نہیں ہو گی۔

میری تمام فرینڈز کرن بے حد شوق سے پڑھتی ہیں مگر کبھی کسی نے کچھ لکھنے کی زحمت نہیں کی، میں نے شروعات کی ہے آپ پلیز میرے خط کو کرن میں جگہ دیجیے گا کیونکہ میں جانتی ہوں آپ کی ردی کی ٹوکری کا ہاضمہ بہت اچھا ہے۔

اگر میرا لیٹر کرن میں شامل ہوا تو میں نوافل ادا کروں گی اور آپ کے حق میں بے شمار دعا کروں گی کرن کی پوری ٹیم سدا اسلامت رہے۔ (آمین)

صائمہ امتیاز ساہی...... منگووال غربی

اس دفعہ شمارہ بہت لیٹ ملا تقریباً "13 فروری کو اس دفعہ تو انتظار بہت کرنا پڑا اور بھائی سے انسلٹ بھی خوب کروائی۔ اس لیے ساری خوشی ماند پڑ چکی تھی خراب موڈ کے ساتھ ہی سب کچھ دیکھا اپنا خط اور انتخاب دیکھ کر بھی خوشی نہیں ہوئی مجھے "مقابل ہے آئینہ" دیکھ کر بہت مایوسی ہوئی۔

اس ماہ ٹائٹل بس گزارے لائق ہی تھا پچھلے سال فروری میں دلہن بہت شاندار تھی۔ اس ماہ "پیلا" رنگ ہی دل کو نہیں بھایا۔ اب تو بہاروں کی آمد آمد ہے کھلے ہوئے رنگوں کو سامنے لائیں۔

سب سے پہلے "در دل" پڑھا ہے میرا خیال ہے دل آور کو اب علیزے سے نکاح کر ہی لینا چاہیے کیونکہ زری اس کی پہنچ سے بہت دور ہے۔ نبیل حیات زری سے شادی کرے گا نہ رہے گا بانس نہ بجے گی بانسری اور کومل کو بھی آذر پورے کا پورا مل جائے گا۔ ویسے اب دل آور کی شخصیت اتنی بارعب نہیں رہی اور نہ ہی یہ کردار سب پہ چھایا ہوا لگ رہا ہے اب تو بس جلدی سے مدیحہ اور عدیل کو ملا دیں باقی سب جدھر دل چاہے جائیں۔

"دست کوزہ گر" بھی حسب معمول ویسا ہے جیسا پہلے تھا کیونکہ جس رفتار سے وہ چل رہا ہے ہمارے پلے کچھ نہیں پڑنے والا مجھے سابقہ سارا بھول بھی گیا ہے۔

مکمل ناول ابھی ایک ہی پڑھا ہے۔ "باد صبا" نادیہ امین نے بہت اچھا لکھا مگر باد صبا کا عشق سمجھ میں نہیں آیا۔ عشق تو بے خودی کا نام ہے عشق اور محبت میں تو محبوب کی خوشیاں ہی تلاشی جاتی ہیں مگر باد صبا نے تو خود غرضی کی انتہا کر دی۔ اسٹارٹ میں مجھے ایازیہ ہی جی بھر کے غصہ آیا مگر آخر میں دل چاہا کہ باد صبا کو زور کا طمانچہ لگاؤں مجھے ایسی لڑکیاں بہت زہر لگتی ہیں۔

ناولٹ میں "کانچ سی زینا" بہت زبردست تحریر تھی۔ زینا کا کردار دل کو بہت بھایا مگر تب تھوڑا برا لگا جب اس نے فاتح کو تھپڑ مارا ایک حادثے کے بعد سب کو ایک نظر سے دیکھنا بہت غلط ہے ساجدہ جیسی خواتین ہمارے معاشرے میں بہت ہیں ایسی کمینگی پہ دل بہت کڑھتا ہے۔

"محبت جیت ہوتی ہے" مگر یہ ہار جاتی ہے! (مجھے ایسے لگتا ہے) ہاں تو یہ تحریر بھی بہت پسند آئی خصوصاً "مومنہ کا کردار اس دفعہ تو سارے ہیرو ہی خود غرض، بے حس، سڑیل اور اکڑو تھے مگر پھر بھی خوشی ہوئی عرصے بعد انیلا کرن کو شامل فہرست دیکھ کر......

میری پر خلوص دعائیں اور نیک تمنائیں ہمیشہ کرن اور کرن اسٹاف کے ساتھ......!

آفرین اصغر...... ملتان

قارئین کرن! کہاں سے شروع کروں کچھ سمجھ نہیں آ رہا۔ تقریباً "چار سال سے کرن کی خاموش قاری ہوں مگر اب میں نے نوٹس کیا کہ آپ نئے قارئین کو بھی زیادہ موقع دینے لگے ہیں تو بس جناب! ہم نے بھی شرکت کرنے کی ٹھان لی۔ کچھ تبصرہ ہو جائے "در دل" پر یار مجھے آپ تمام قارئین سے شکایت ہے۔ بے تا مزے کی بات کہ قارئین سے شکایت...... اصولاً "تو اگر ہو بھی تو ادارے سے مگر مجھے...... ارے کوئی اتنی سنجیدہ شکایت نہیں ہے کہ آپ لوگوں کے ہوش اڑ گئے۔

بس عرض یہ ہے کہ یار بس کر دو جسے دیکھو دل آور شاہ پسند ہے۔ مجھے سمجھ نہیں آتا کہ کس بل بوتے پہ وہ آپ سب کی ٹاپ لسٹ میں ہے شاید اس بنا پر کہ وہ علیزے پر ظلم کر رہا ہے کسی اور کا انتقام علیزے سے لے رہا ہے یا پھر اپنے دوست عبداللہ کو دھوکہ دے رہا ہے اس کی کزن کے ساتھ ظلم کر کے۔

اینڈ پلیز فوزیہ آپی "دست کوزہ گر" کو کچھ فاسٹ کر دیں ویسے تو آپ کی اسٹوری کافی یونیک ہے مگر سلو اور جناب! ہمیں تو پورا کرن ہی پسند ہے۔ اب ہم کرن کو پسند آئیں گے یا نہیں یہ بات تو جبھی معلوم ہو گی جب آپ ہمیں شرکت کا موقع دیں گے مطلب ہمارے خط کو اور اس تحریر کو جس کو ہم نے تحریر کرنے کی جسارت کی اپنے "ماہنامہ" میں جگہ دیں گے۔ دعائیں یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ!

نجمہ وارث، راشدہ پروین...... لالہ موسیٰ

کسی بھی شمارے میں یہ ہمارا پہلا خط ہے۔ ہم سب دو تین کچھ عرصے سے کرن کو پڑھ رہی ہیں اور اس کی کچھ تحریروں نے ہمیں قلم اٹھانے پر مجبور کر دیا ہے۔ اب ہم تذکرے کی طرف آتے ہیں سب سے پہلے نفیسہ سعید کا "چڑیا دا چنبا" پڑھا اور پڑھ کر بے حد مایوسی ہوئی کہ ہاہ! آپی آپ نے اس کا اختتام بالکل بھی اچھا نہیں کیا آپی سکندر کو سزا ملنی چاہیے تھی کیونکہ وہ شریعت کے احکام کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور برے لوگوں کا انجام برا ہی ہونا چاہیے لیکن اس کہانی میں تو اسے کچھ ہوا ہی نہیں اور نیرو اور سنان کو بھی تھوڑی خوشیاں ملنی چاہیے تھیں۔

آپی زری اور دلاور شاہ کو ضرور ملوائیں ورنہ ہم آپ کا ڈائجسٹ پڑھنا چھوڑ دیں گے۔ باقی ناول بھی ٹھیک تھے، افسانے بھی اچھے تھے۔

ہماری آپ سے گزارش ہے کہ پلیز "وہاج خان" کا انٹرویو بھی شامل کریں اور ہمارا خط ردی کی ٹوکری کی نذر نہ کریں اور اگلے شمارے بھی ضرور شامل کیجیے گا۔ اس کے ساتھ ہی ہم آپ سے اجازت چاہتے ہیں۔

عفیرہ مظفر، اقرا مظفر...... چھوکر خورد ضلع گجرات

دل تو یہی چاہتا ہے کہ ہر ماہ کرن میں حاضری دیا کریں، لیکن...... اگر یہ کہوں کہ ازلی پاکستانی سستی آڑے آ گئی تو یہ غلط ہی ہو گا کہ خیر سے کرن کے معاملے میں میں سستی کو اپنے قریب نہیں پھٹکنے دیتی۔ اور یہ روایتی جملہ بھی نہیں لکھوں گی کہ "روز روز کا آنا قدر کم کر دیتا ہے۔" بھئی کرن کے معاملے میں ایسا نہیں۔ کرن میں روز روز کا آنا جہاں تک میرا خیال ہے قدر بڑھا دیتا ہے "تو پھر ایسا ہے کہ روز روز کا آنا ایک اسٹوڈنٹ کی جیب پہ تھوڑا بھاری پڑ سکتا ہے۔ اس لیے دو تین مہینے بعد حاضری لگوا دیتی ہوں۔

میں کرن پہ بھی تبصرہ کر دوں۔ "وہ ایک پری ہے" ریحانہ جی بس یہ کہوں گی "پرفیکٹ"

انیلا کرن کا ناولٹ اور نادیہ امین کا مکمل ناول اچھا تھا۔

سدرہ اور سعدیہ عزیز کے افسانے اچھے تھے۔

شازیہ جمال مزاحیہ انداز تحریر نٹ کھٹ شرارتی جملوں سے مزین ناولٹ بہترین تھا۔

ہم کرن سے محبت کرتے ہیں اور نامے میرے نام میں ہی نام دیکھ کے خوش ہو جاتے ہیں۔ (فی امان اللہ)

امینہ رؤف، مصباح مسکان...... جہلم

حسب معمول کرن لیٹ ملا۔ لیکن جب ٹائٹل دیکھا تو

دل باغ باغ ہو گیا۔ ماڈل پیاری تھی لیکن اس کا ڈریس تو بہت ہی پیارا لگا اور بیک گراؤنڈ صحیح میچ ہوا۔

ہم کرن میں پہلی دفعہ خط لکھ رہے ہیں اس امید کے ساتھ کہ شرف قبولیت بخشا جائے گا ان شاء اللہ۔

جنوری میں نفیسہ سعید کا ناول "ساڈا چڑیا دا چنبا" بہت اچھا تھا۔ نیرہ جن حالات میں اتنی مشکلات سے ہو کر پاکستان پہنچی اسے پڑھ کر بہت دل دکھا اور خوشی بھی ہوئی آج کل کے دور میں بھی فردوس خان اور کاشف جیسے لوگ موجود ہیں۔ واقعی دنیا اچھے لوگوں کی وجہ سے ہی قائم ہے۔

مگر ایک بات کی سمجھ نہیں آئی کہ جب سکندر نے ملائشیا میں پاکستانی سفارت خانے اور ایئرپورٹ کے باہر مظاہرے کیے اور اس کے ساتھ سماجی تنظیمیں بھی شامل ہو گئیں تو کیسے یہ بات میڈیا کی نظروں سے چھپی رہی؟ اس نے اتنا بڑا ایشو بنا لیا تو نیرہ کب تک اپنے بیٹے کو چھپا سکتی ہے۔ بس یہ ہی بات کلیئر نہیں ہوئی۔ باقی تمام کہانی بھی اچھی تھی۔ کرن کا دستر خوان اور باقی تمام سلسلے بھی اچھے لگے۔ اچھا اب اجازت دیں۔

کرن شاہ زادی۔۔۔ ساہیوال

میں نے کرن کو تب پڑھنا شروع کیا جب میں صرف آٹھویں کلاس کی طالبہ تھی میرا اور کرن کا ساتھ بہت پرانا ہے۔ اسی ساتھ کو مد نظر رکھتے ہوئے میں نے کرن کے ادارے کو پانچ خطوط لکھے اور یہ میرا چھٹا خط ہے۔ لیکن میرے کسی بھی خط کو کرن میں جگہ نہیں دی گئی اور میں نے اپنا افسانہ بھی لکھ کے بھیجا تھا "محبت" کے نام سے مگر ابھی تک کوئی پتا نہیں چلا کہ میرا افسانہ قابل اشاعت ہے کہ نہیں۔

میں یہ جانتی ہوں کہ کرن میں نئے لکھنے والوں کو جگہ دی جاتی ہے! اور دی جا رہی ہے۔ پلیز مجھے میرے افسانے کے بارے میں بتایا جائے کہ وہ قابل اشاعت ہے کہ نہیں ہے یہ میرا آخری خط بالکل بھی نہیں ہو گا کیونکہ میں قسمت آزمائی رہوں گی۔ کبھی نا کبھی تو میرے خطوط اور افسانے کو کرن ڈائجسٹ میں جگہ ملے گی اور میرے خط کا جواب ضرور دیں۔

اس امید کے ساتھ کہ اس شمارے میں میرے خط کو ضرور جگہ دی جائے گی۔ آخر میں کرن ڈائجسٹ کے لیے ڈھیروں دعائیں۔

نائلہ۔۔۔ ڈسکہ

ماہنامہ کرن ڈائجسٹ فروری کا ملا ٹائٹل زبردست تھا نبیلہ عزیز کا ناول خوب رہا نبیلہ جی کو خوب ساری مبارک باد سعدیہ عزیز کا پلاٹ پرانا سا لگا۔ البتہ سدرہ صاحبہ کا ژات دد بجے "مزے کا لگا خواب میں ہی حقیقت کھل کر محبت کی سامنے آ گئی زبردست سدرہ جی ریحانہ امجد بخاری کا ناولٹ "وہ ایک پری ہے" کمال کا چل رہا ہے عنیقہ محمد بیگ کا خواب جلتی آنکھیں خوب صورت تحریر لگی کہانی میں ماں بیٹی کے جملے زبردست تھے اگلی قسط کا شدت سے انتظار اس لیے رہے گا کیونکہ عنیقہ محمد بیگ کا پلاٹ بہت منفرد ہوتا ہے اور جس کی وجہ سے دلچسپی قائم رہتی ہے خط ضرور شامل کیجیے گا پہلے بھی میں نے کئی دفعہ خط بھیجے مگر آپ نے شامل نہ کیا اس دفعہ خط شامل نہ ہوا تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ تمام اسٹاف کو سلام۔

نفیسہ بلوچ۔۔۔ بستی رحمٰن

ایک ماہ کی غیر حاضری کے بعد کرن کی محفل میں حاضر ہوں غیر حاضری کی وجہ میرے والد کی بیماری تھی میرے والد کو فالج کا اٹیک ہوا تھا جس کے باعث ماہ جنوری ہمارے لیے تکلیف دہ ثابت ہوا پورا ماہ اپنے والد کی صحت کی دعائیں مانگتے اور پریشانی میں گزرا اللہ کا شکر ہے اس خالق کائنات نے ہماری دعا قبول کر لی اور میرے والد کی طبیعت کافی بہتر ہے خدا ان کا سایہ ہم گھر والوں پر تادیر قائم رکھے (آمین)

فروری کا شمارہ پندرہ تاریخ کو ملا ٹائٹل گرل پیاری لگ رہی تھی نئی اور خوب صورت ایکٹر عروۃ الوثقی کا انٹرویو اچھا لگا مجھ سے ملیے میں نازیہ جمال نیر سے ملاقات اچھی لگی ان کی باتیں اور سادگی (جو ان کی باتوں سے محسوس ہوئی) نے متاثر کیا نیا سلسلہ "مقابل ہے آئینہ" بہت پسند آیا دل نے چاہا میں بھی خود کو آئینے کے مقابل لانے کی کوشش کروں گزشتہ ماہ نفیسہ سعید کا ناول اختتام پذیر ہوا اگر میں اس ناول کی تعریف نہ کروں تو بہت بڑی زیادتی ہو گی باقی قارئین بہنوں کی طرح اگرچہ ناول کا اختتام میری بھی سوچ کے برعکس ہوا پھر بھی بہت پسند آیا اور رائٹر سے ریکویسٹ ہے ہمیں ان کی ایسی ہی شاندار تحریر کا انتظار رہے گا۔

در دل میں دل آور شاہ کی شادی علیزے سے ہرگز نہیں ہونی چاہیے دل آور شاہ کا ساتھ زری کو ملنا چاہیے